

APPROVED

By WWW.ATTABLIG.COM at 7:25 pm, Oct 18, 2010

وَمَا آتَيْنَاكَ إِلَّا حَقَّ الْمَقَالِيدِ

# النَّبِيُّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَشْرَفَ عَلَى الْخَلْقِ كُلِّهِمْ فِي حَيَاتِهِمْ مِنْكُمْ وَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِهِ رُسُلًا مِنْ أَنْفُسِنَا

عَلَّامِينَ الْغُيُوبِ

فَلَا يَسْتَلِمْ أَفْئِدَةً مِنْهُمْ إِلَّا ذِكْرُ الْمُرُورِ

مَكِينًا مَكِينًا

أَوَّلُ قِسْمٍ أَوَّلُ قِسْمٍ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی سبیل اور مستند مقبول عام سوانح حیات

# سيرة النبي

صلی اللہ علیہ وسلم

جلد چہارم

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ  
علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ



## فہرست مضامین سیرت النبیؐ جلد چہارم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۹	پانچواں واقعہ	۲۰	غیبی علم	۱۳	مقدمہ
۸۱	ایک فلفہ استدلال	۲۱	علم انسانی کے مانعہ	۲۱	منصب نبوت
۸۳	عقل بشری	۲۲	ذرائع علم کے حصول کے زمانے اور	۲۲	کتاب کا موضوع
۸۵	ملکہ نبوت یا عقل نبوت کا شرعی ثبوت	۲۳	ان کے مراتب۔	۲۳	آپ کے پیغمبرانہ کارنامے
۸۶	حکمت	۲۴	غیر مادی علم	۲۴	نبی اور مصلح اور حکیم
۹۳	کتاب و حکمت کی تعلیم	۲۵	علم غیب	۲۵	نبوت کی حقیقت اور خصوصیات
۹۴	علم	۲۶	غیب کی حقیقت	۲۶	نبوت و رسالت کے ثبوت کا
۹۵	علم و حکم	۲۷	وحی اور ملکہ نبوت	۲۷	اجمالی طریقہ۔
۹۶	شرح صدر	۲۸	کتاب اور سنت	۲۸	تفصیلی ثبوت کے تین طریقے
۱۰۱	تیسرے کتاب	۲۹	وحی متلو اور وحی غیر متلو	۲۹	پہلا طریقہ
۱۰۲	ارادت	۳۰	احادیث قرآن کا بیان ہیں	۳۰	دوسرا طریقہ
۱۰۳	رسول کا وجود مستقل ہدایت ہے	۳۱	الہام و اجتہاد و حکمت	۳۱	تیسرا طریقہ
۱۰۵	تزکیہ	۳۲	نبوت	۳۲	نبی کی ضرورت
۱۰۶	نور	۳۳	علوم نبوی کے اقسام	۳۳	نبی کی عصمت
۱۰۷	آیات و ملکوت کی رویت	۳۴	عصمت اور بے گناہی	۳۴	نبی کی محبوبیت
۱۰۸	سماج غیب	۳۵	بعض شبہات کا ازالہ	۳۵	مصلحین
۱۰۹	تبلیغ و دعوت	۳۶	نکتہ	۳۶	مصلحین کے اقسام
۱۱۰	ایک شبہ کا ازالہ	۳۷	نبی کی بشریت	۳۷	نبی کی دو بعثتیں
۱۱۱	انبیاء کی تعلیم کا امتیازی نتیجہ	۳۸	اجتہاد نبوی میں خطا	۳۸	بعثت کے لئے کسی قوم کا انتخاب
۱۱۲	نبوت کی غرض و غایت	۳۹	اس خطا کے معنی	۳۹	بعثت کا زمانہ
۱۱۳	تائید و نصرت	۴۰	پانچ اجتہادی علوم پر تنبیہ الہی	۴۰	نبی کی یقینی کامیابی
۱۱۵	خاتمہ	۴۱	پہلا واقعہ	۴۱	ایک شبہ اور اس کا جواب
۱۱۶	شب ظلمت	۴۲	دوسرا واقعہ	۴۲	نبی اور غیر نبی کے امتیازات
۱۱۷	پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت دنیا	۴۳	تیسرا واقعہ	۴۳	نبوت کے لوازم اور خصوصیات
۱۱۸	کی مذہبی اور اخلاقی حالت۔	۴۴	چوتھا واقعہ	۴۴	وہابی استعداد

نام کتاب ————— سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
مصنف ————— علامہ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی  
تاریخ طباعت ————— صفر المظفر ۱۴۰۸ھ  
تعداد ————— ایک ہزار  
پریس ————— آر زیڈ پبلیکیشنز، لاہور



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۷	تبلیغ نبوی اور اسکے اصول	۱۶۲	عربوں کے خصوصیات اور خیرالائم بننے کی اہلیت	۱۱۷	ظہور اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت کیا تھی؟
۱۸۸	فریضہ تبلیغ	۱۶۳	صحت نسب	۱۱۸	محبوس فارس
۱۸۹	تبلیغ کی اہمیت	۱۶۴	کسی پہلے مذہب میں داخل نہ تھے	۱۱۹	عیسائی روم
۱۹۰	اس کی وسعت	۱۶۵	محکوم نہ تھے	۱۲۰	ہندوستان
۱۹۱	تبلیغ کے اصول	۱۶۶	کتابی فاسد تعلیم سے نا آشنا تھے	۱۲۱	یہود
۱۹۲	قول لین	۱۶۷	وہ زمین کے وسط میں آباد تھے	۱۲۲	ظہور اسلام کے وقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت
۱۹۳	اعراض اور قول بلین	۱۶۸	بعض اخلاقی خوبیاں	۱۲۳	خدا کا اعتقاد
۱۹۴	تیسیر و تبشیر	۱۶۹	شجاع و بہادر تھے	۱۲۴	ملائکہ کی الوہیت
۱۹۵	تدریج	۱۷۰	پر جوش تھے	۱۲۵	جنات کی الوہیت
۱۹۶	تالیف قلب	۱۷۱	حق گو تھے	۱۲۶	بت پرستی
۱۹۷	دعوت عقل	۱۷۲	عقل و دانش والے تھے	۱۲۷	ستارہ پرستی
۱۹۸	مذہب میں زبردستی نہیں	۱۷۳	ذہن اور حافظہ کے تیز تھے	۱۲۸	جی و شیاطین اور محبوبتِ پلٹ
۱۹۹	میدان جنگ میں تبلیغ	۱۷۴	فیاض تھے	۱۲۹	کمانت
۲۰۰	مسلح تبلیغی جماعتیں	۱۷۵	مسادات پسند تھے	۱۳۰	اوہام پرستی
۲۰۱	تبلیغ و دعوت کی تعلیم	۱۷۶	عملی تھے	۱۳۱	جنگ جوئی
۲۰۲	مبلغوں کی تعلیم و تربیت	۱۷۷	ان اوصاف کی مصلحت	۱۳۲	شراب خواری
۲۰۳	دعوت بالقرآن	۱۷۸	صبح سعادت	۱۳۳	قمار بازی
۲۰۴	اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب	۱۷۹	ایک قوم کا انتخاب	۱۳۴	سود خواری
۲۰۵	قبول اسلام کے لئے کیا چیز درکار تھی؟	۱۸۰	اصلاح و ہدایت کی مشکلات	۱۳۵	لوٹ مار
۲۰۶	اشاعت اسلام کے اسباب و ذرائع	۱۸۱	جہالت	۱۳۶	چوری
۲۰۷	ایک ضروری نکتہ	۱۸۲	آبائی دین و راہ و رسم کی پابندی	۱۳۷	سفاکی و بے رحمی و وحشت
۲۰۸	موالغ کا ازالہ	۱۸۳	توہم پرستی	۱۳۸	زنا اور فواحش
۲۰۹	اسلام یا محمد رسول اللہ کا پیغمبرانہ کام	۱۸۴	قبائل کی خانہ جنگیاں	۱۳۹	بے شرمی و بے سیائی
۲۱۰	تعلیمات نبوی کی ہمہ گیری	۱۸۵	سیاسی مشکلات	۱۴۰	عورتوں پر ظلم
۲۱۱	اسلام کے چار حصے	۱۸۶	ذریعہ معاش	۱۴۱	وحشت و جہالت
۲۱۲		۱۸۷	رفع شک		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۱۳	عقائد	۲۱۳	اسما و صفات	۲۱۳	عقائد کی حقیقت اور اہمیت
۲۱۴	صفات جہانی	۲۱۴	صفات جہانی	۲۱۴	اللہ تعالیٰ پر ایمان
۲۱۵	صفات جلالی	۲۱۵	صفات جلالی	۲۱۵	اصلاح عقائد
۲۱۶	نکتہ	۲۱۶	نکتہ	۲۱۶	تعد و خدا کا ابطال
۲۱۷	صفات کمالی	۲۱۷	صفات کمالی	۲۱۷	بزرگوں کی مشرکانہ تعلیم سے روکنا
۲۱۸	صفات وحدانیت	۲۱۸	صفات وحدانیت	۲۱۸	درمیانی واسطوں کا مشرکانہ اعتقاد
۲۱۹	صفات وجودی	۲۱۹	صفات وجودی	۲۱۹	خوارق خدا کے حکم سے ہوتے ہیں
۲۲۰	علم	۲۲۰	علم	۲۲۰	حرام و حلال کرنا خدا کا کام ہے
۲۲۱	قدرت	۲۲۱	قدرت	۲۲۱	غیر خدا کی مشرکانہ تعلیم
۲۲۲	نکتہ	۲۲۲	نکتہ	۲۲۲	صفات الہی کی توحید
۲۲۳	تنزیہ	۲۲۳	تنزیہ	۲۲۳	معنی قوتوں کا ابطال
۲۲۴	ان تعلیمات کا اثر اخلاقی انسانی پر	۲۲۴	ان تعلیمات کا اثر اخلاقی انسانی پر	۲۲۴	اوہام و خرافات کا ابطال
۲۲۵	خدا کا ڈر اور پیار	۲۲۵	خدا کا ڈر اور پیار	۲۲۵	کفارہ اور شفاعت کے معنی کی تردید
۲۲۶	محبت کے ساتھ خوف و خشیت کی تعلیم	۲۲۶	محبت کے ساتھ خوف و خشیت کی تعلیم	۲۲۶	اجرام سماوی کی قدرت کا انکار
۲۲۷	محبت کے جہانی اصطلاحات کی ممانعت	۲۲۷	محبت کے جہانی اصطلاحات کی ممانعت	۲۲۷	غیر خدا کی قسم سے روکنا
۲۲۸	تعلیمات اسلامی میں محبت الہی کے مظاہر	۲۲۸	تعلیمات اسلامی میں محبت الہی کے مظاہر	۲۲۸	خدا کی مشیت میں کوئی شریک نہیں
۲۲۹	فرشتوں پر ایمان	۲۲۹	فرشتوں پر ایمان	۲۲۹	مشہدات شرک کی ممانعت
۲۳۰	ملائکہ کے معنی	۲۳۰	ملائکہ کے معنی	۲۳۰	قبر پرستی اور یادگار پرستی سے روکنا
۲۳۱	ملائکہ کا تخیل مذاہب قدیم میں	۲۳۱	ملائکہ کا تخیل مذاہب قدیم میں	۲۳۱	ریا اور وہم اخلاص میں مسنوی شرک
۲۳۲	ملائکہ کا تخیل فلسفہ میں	۲۳۲	ملائکہ کا تخیل فلسفہ میں	۲۳۲	توحید اور اس کے ایجابی اصول و ارکان
۲۳۳	یونانی مصری فلسفہ میں	۲۳۳	یونانی مصری فلسفہ میں	۲۳۳	اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل
۲۳۴	قدیم یونانی فلسفہ میں	۲۳۴	قدیم یونانی فلسفہ میں	۲۳۴	توحید پر عقلی دلیلیں
۲۳۵	صائبیوں میں ملائکہ کا تخیل	۲۳۵	صائبیوں میں ملائکہ کا تخیل	۲۳۵	توحید کی تعمیل
۲۳۶	اسلام میں فرشتوں کی حقیقت	۲۳۶	اسلام میں فرشتوں کی حقیقت	۲۳۶	خدا کی حقیقی عظمت
۲۳۷	اس عقیدہ کی عقلی حیثیت	۲۳۷	اس عقیدہ کی عقلی حیثیت	۲۳۷	انسان کا مرتبہ
۲۳۸	آیات و احادیث میں ملائکہ کا ذکر	۲۳۸	آیات و احادیث میں ملائکہ کا ذکر	۲۳۸	خدا کا جامع اور مانع تخیل
۲۳۹	ملائکہ کے فرائض	۲۳۹	ملائکہ کے فرائض	۲۳۹	
۲۴۰	فلسفہ و مذہب کی ملائکہ کے متعلق پہلے اقوال	۲۴۰	فلسفہ و مذہب کی ملائکہ کے متعلق پہلے اقوال	۲۴۰	



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۱۱	وعدۃ الادیان	۲۲۰	ایمان و عمل کیسے نبی کی تصدیق ضروری ہے	۲۲۰	قرآن کی بقا اور حفاظت کی ذمہ داری
۲۱۲	تمام سچے مذاہب ایک ہیں	۲۲۱	اسلام کامل تمام رسولوں کی تصدیق ہے	۲۲۱	اللہ تعالیٰ پر
۲۱۳	دین اور شریعت، خشک مناجح کا فرق	۲۲۲	یہود و نصاریٰ انبیاء کی تکذیب کرتے رہے	۲۲۲	قرآن کے لفظ و عبارت و معنی کی
۲۱۴	صحیفے و تفاتیوں کیوں نازل ہوئے	۲۲۳	اس لئے اصل اسلام سے ہٹ گئے	۲۲۳	حفاظت کے لئے وعدہ الہی
۲۱۵	وعدت دین پر قرآن کی شہادت	۲۲۴	یہود و نصاریٰ کا حسن عمل	۲۲۴	قرآن کا غالب ہونا
۲۱۶	وعدت دین کی دعوت عامہ	۲۲۵	اسلام کا اصل الاصول توحید کامل اور	۲۲۵	ختم نبوت
۲۱۷	دین قیم	۲۲۶	رسالت عمومی ہے	۲۲۶	وعدت ادیان اور دین اسلام
۲۱۸	اسلام اور مذاہب قدیمہ کا اتحاد	۲۲۷	اسلام کا ہدایت نامہ ہونا	۲۲۷	تمام مذاہب سابقہ کا اصل دین
۲۱۹	دین ہمیشہ ایک رہا	۲۲۸	توحید کامل کے بغیر نجات کلی کا کوئی	۲۲۸	صحیفہ محمدی نے اہل کتاب کو
۲۲۰	شرع اور مناجح میں تبدیلی ہوتی	۲۲۹	مستحق نہیں	۲۲۹	دعوت دین کی دعوت دی
۲۲۱	اس کی مثالیں	۲۳۰	نبوت محمدی کا دعویٰ	۲۳۰	وعدت دین کی حقیقت صحیفہ محمدی میں
۲۲۲	تبدیل قبلہ	۲۳۱	دعوت محمدی میں ہدایت کی بشارت	۲۳۱	پچھلے دن اور پچھلی زندگی پر ایمان
۲۲۳	غار کعبہ کے حج کی تعیین	۲۳۲	اہل مذاہب اور تمام انسانوں کو دعوت	۲۳۲	یہ اسلام کے سلسلہ آئیات کی آخری
۲۲۴	یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنی کتابوں	۲۳۳	محمدی کیوں پیش کی گئی	۲۳۳	کڑی ہے
۲۲۵	پر عمل کرنے کی ہدایت	۲۳۴	تکمیل دین	۲۳۴	آخرت کے لغفلہ معنی اور مفہوم
۲۲۶	مسلمانوں کو شریعت اسلام پر عمل کرنا	۲۳۵	قرآن کے سوا کسی صحیفہ نے دین الہی کی	۲۳۵	آخرت سے مراد عالم بعد الموت ہے
۲۲۷	صحیفہ محمدی نے اگلی کتاب کی تصدیق کی	۲۳۶	تکمیل کا دعویٰ نہیں کیا	۲۳۶	قرآن میں ایمان بالآخرت کے بعد سب سے
۲۲۸	اہل کتاب نے اپنی کتابوں کو چھوڑ کر	۲۳۷	حضرت موسیٰ کی بشارت ایک آنے	۲۳۷	زیادہ زور ایمان آخرت پر ہے
۲۲۹	اہل اہوا کی پیروی کی	۲۳۸	والے نبی کے لئے	۲۳۸	آخرت زندگی کے دود و ریخی برزخ و عشت
۲۳۰	حدود میں شریعتوں کا اختلاف غیر مسلم	۲۳۹	موسیٰ، احمد و صلوات اللہ علیہما	۲۳۹	توراة و انجیل میں برزخ و عشت
۲۳۱	یہود و نصاریٰ فروری اختلافات پر	۲۴۰	وقی الہی کی جانب سے تکمیل دین کا اعلان	۲۴۰	تکمیل دین کے اثرات مظاہر
۲۳۲	ایک دوسرے کو برسر باطل کہتے تھے	۲۴۱	تکمیل دین کا مہم ہونا	۲۴۱	قرآن کا تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں
۲۳۳	وہ مسلمانوں کو یہودیت و نصاریت	۲۴۲	قرآن کا تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں	۲۴۲	اور تعلیموں پر مشتمل ہونا
۲۳۴	کی دعوت دیتے تھے	۲۴۳	قرآن محفوظ ہے اور رہے گا	۲۴۳	اس برزخ
۲۳۵	اسلام کی دعوت اصل دین الہی کی	۲۴۴	اگلی کتابیں تحریفات و تصرفات سے برہنہ ہیں	۲۴۴	قرآن مجید میں حد برزخ اور اسکے معنی
۲۳۶	کی جانب	۲۴۵	قرآن کا تمام اہل مذاہب کو یکساں	۲۴۵	قرآن مجید میں حد برزخ اور اسکے معنی
۲۳۷	اسلام کا تمام اہل مذاہب کو یکساں	۲۴۶	خلفاء قبول عمل کے لئے ایمان شریعت	۲۴۶	قرآن مجید میں حد برزخ اور اسکے معنی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۰	قرآن میں دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر	۲۳۱	اعمال کی تمثیلات احادیث میں	۲۳۱	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں
۲۳۱	دونوں موتوں اور حیاتوں کی تشریح	۲۳۲	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۳۲	جسم سے روح کی علیحدگی کے بعد سزا کا دور
۲۳۲	عالم برزخ کی کیفیت	۲۳۳	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۳۳	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۳۳	تیند اور موت کی مشابہت	۲۳۴	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۳۴	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۳۴	غیرت اور موت کا فرق	۲۳۵	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۳۵	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۳۵	قرآن میں موت کی تفسیر غیر سے	۲۳۶	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۳۶	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۳۶	برزخ کی زندگی کی تفسیر غیر سے	۲۳۷	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۳۷	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۳۷	قرآن میں دوسری زندگی کے لئے	۲۳۸	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۳۸	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۳۸	بعثت کا لفظ	۲۳۹	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۳۹	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۳۹	خواب میں لذت و الم	۲۴۰	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۴۰	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۴۰	خواب کی خیالی دنیا کا جسم پر اثر انداز ہونا	۲۴۱	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۴۱	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۴۱	عالم خواب کی لذت و الم کا خاتمہ	۲۴۲	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۴۲	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۴۲	بیداری میں	۲۴۳	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۴۳	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۴۳	اور بیداری کی لذت و الم کا خاتمہ	۲۴۴	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۴۴	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۴۴	عالم خواب میں	۲۴۵	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۴۵	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۴۵	عالم خواب کے لذت و الم کے فلسفیانہ	۲۴۶	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۴۶	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۴۶	اسباب و علل	۲۴۷	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۴۷	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۴۷	بھولے ہوئے احسانات و معلومات	۲۴۸	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۴۸	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۴۸	کا خواب میں متشکل ہو کر نظر آنا	۲۴۹	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۴۹	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۴۹	اچھا اور بُرے اعمال کے نقوش	۲۵۰	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۵۰	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۵۰	ذہن انسانی کے گوشوں میں تمثیلی	۲۵۱	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۵۱	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۵۱	خواب اور اس کی مثالیں	۲۵۲	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۵۲	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۵۲	جسم انسانی میں مختلف مادوں کی کئی	۲۵۳	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۵۳	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۵۳	سے خواب میں ان کے متناسب مجسم	۲۵۴	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۵۴	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۵۴	شکل میں اور اس کی مثالیں	۲۵۵	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۵۵	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۵۵	اعمال انسانی کا خواب میں اپنے متناسب	۲۵۶	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۵۶	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۵۶	آداب میں مجسم ہونا اور ان کی مثالیں	۲۵۷	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۵۷	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال
۲۵۷	اعمال کی تمثیلات قرآن مجید میں	۲۵۸	موت کے سماں کا خاکہ قرآن مجید میں	۲۵۸	سزا کا دور عمل کے مطابق انسانی اعمال



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۴۶	میزان	۲۴۵	دنیاوی جسم برہنہ رہنے پر بھی دیا	۲۴۶	اطعام کائنات کی برابری کی چٹنگی
۲۴۷	حساب	۲۴۸	جسم رہتا ہے۔	۲۴۷	اصل سامن کی طرف سے۔
۲۴۸	جنت و دوزخ	۲۴۹	آخری جسم کیسا ہوگا؟	۲۴۸	ذہانت کا عقیدہ مختلف آسمانی
۲۴۹	جنت انسان کی وراثت ہے	۲۵۰	جزا اور سزا	۲۴۹	کتابوں میں۔
۲۵۰	حضرت آدم کا زمین پر آنا ان کی پریشانی	۲۵۱	جزا اور سزا دیگر مذاہب میں	۲۵۰	قیامت
۲۵۱	سے پہلے مقرر ہو چکا تھا۔	۲۵۲	عالم آخر کا فہم و ادراک	۲۵۱	قیامت کے نام قرآن میں
۲۵۲	آدم اور بنو آدم کی اصلی جگہ جنت ہے	۲۵۳	عالم آخر کو مادی دنیا کی زبان محاورات	۲۵۲	قیامت کے اوصاف
۲۵۳	جنت کے دو درخت، نیک و بد کی پہچان	۲۵۴	میں سمجھا گیا ہے۔	۲۵۳	قیامت میں فساد نظام ہوگا
۲۵۴	کا، اور زندگی جاوید کا۔	۲۵۵	اس طرز افہام سے فلسفی دعویٰ دیتے	۲۵۴	اس کی شہادتیں قرآن مجید سے
۲۵۵	آدم کو نیک و بد کی شناخت کے	۲۵۶	تشفیٰ پاتے ہیں۔	۲۵۵	بعد قیامت ایک نئے آسمان اور
۲۵۶	درخت سے روکا گیا۔	۲۵۷	مادی الفاظ کا استعمال	۲۵۶	نئی زمین کی تعمیر
۲۵۷	شیطان نے حیات جاوداں کا درخت کھڑک	۲۵۸	وجود کے موجودہ قوانین فطرت اور ان	۲۵۷	پچھلی دنیا کے نتائج پر اس کی بنا
۲۵۸	نیک و بد کی شناخت کے درخت کو بتا دیا۔	۲۵۹	حیات جاوداں سے مقصود کیا ہے؟	۲۵۸	قیامت کی حقیقت
۲۵۹	نیک و بد کی تمیز ہی شرعی تکلیف کا	۲۶۰	مادری دنیا کے قوانین فطرت اور سلسلہ ط	۲۵۹	صور قیامت
۲۶۰	باعث ہے۔	۲۶۱	مطلوب اسی مادی عالم کے ہیں۔	۲۶۰	عربوں کا انکار قیامت سے
۲۶۱	آدم کو نیک و بد کی تمیز کا فطری المام	۲۶۲	ضروری نہیں کہ موجودہ قوانین فطرت	۲۶۱	اسی لئے اسلام میں توحید کے بعد
۲۶۲	انسان کا تکلیف شرعی کی امانت کو قبول	۲۶۳	وہاں بھی کارفرما ہوں۔	۲۶۲	زیادہ زور قیامت کے عقیدہ پر دیا گیا
۲۶۳	کرنا، اور حیات جاوداں کا حصول ہی	۲۶۴	اصول جہاں	۲۶۳	عقیدہ قیامت اصول دین کیوں ہے؟
۲۶۴	وہاں پر موقوف ہونا۔	۲۶۵	احمال کے لوازم و نتائج	۲۶۴	قیامت پر قرآنی دلائل
۲۶۵	زمین پر بنو آدم کی چار چیزوں کھانے	۲۶۶	عقاب و ثواب رد عمل ہے	۲۶۵	حشر جہانی
۲۶۶	پینے، پہننے اور اور ٹھننے کی ضروریات کا	۲۶۷	حصول راحت کا اصول	۲۶۶	روحانی زندگی کا تصور نئی جہانی
۲۶۷	پیدا ہونا	۲۶۸	نامہ عمل	۲۶۷	زندگی سے زیادہ دشوار ہے
۲۶۸	غضب نے ان ضروریات اور بعد کے جائز	۲۶۹	کوئی چیز پیدا ہونے کے بعد فنا نہیں ہوتی	۲۶۸	حشر جہانی ہوگا
۲۶۹	طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں سے	۲۷۰	اعمال کے ریکارڈ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں	۲۶۹	مٹی پیکر جسم خاک کی خصوصیات
۲۷۰	احتراز کی تلقین کی۔	۲۷۱	قرآن مجید میں اس اصول کی تشریح اور	۲۷۰	دوام سے الگ ہو
۲۷۱	جنت کی وراثت کا وعدہ الہی	۲۷۲	انسانی جزا و سزا کے تین گھر	۲۷۱	خلق جدید
۲۷۲	انسان کا پہلا دارالجزا یعنی دنیا گھر	۲۷۳	اعضا کی شہادت	۲۷۲	ذمہ داری روح پر ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۷۳	یہ دارالجزا فانی ہے۔	۲۷۴	یہ دارالجزا دارالاصلاح بھی ہے	۲۷۵	انسان کی تہذیب و اصلاح کے مراتب
۲۷۴	قرآن مجید کی کوئی آیت دوزخ کے	۲۷۶	تسلل وجود پر دلالت نہیں کرتی۔	۲۷۷	نیک سے برائی کا کفارہ
۲۷۵	جنت	۲۷۸	قرآن مجید میں بہشت کے عدم انقطاع	۲۷۹	توبہ کفارہ ہے
۲۷۶	جنت کے نام	۲۸۰	جنت کا دوام	۲۸۱	مصائب کی تہذیب اور کفارہ
۲۷۷	اس کی تشریح قرآن مجید میں	۲۸۲	شہادت حدیثوں میں۔	۲۸۳	عذاب الہی کا مقصد
۲۷۸	دائم قیام سے اہل جنت کا جنت	۲۸۴	دفع شبہ	۲۸۵	عذاب برزخ بھی کفارہ ہے
۲۷۹	میں گھرانا، ان کی جبلت و فطرت	۲۸۶	قرآن مجید کی بعض آیتوں سے دوزخ	۲۸۷	عذاب دوزخ کفارہ گناہ ہے
۲۸۰	کے خلاف ہوگا۔	۲۸۸	کے دوام کا شبہ۔	۲۸۹	عذاب انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے
۲۸۱	غیر فانی بادشاہی	۲۹۰	اس شبہ کا ازالہ	۲۹۱	انسان کی تخلیق رحمت کیلئے ہے
۲۸۲	جنت کے عیش و مسرت کی تعبیر	۲۹۲	چند آیتوں میں کفارہ کے دوزخ سے	۲۹۳	دوزخ
۲۸۳	آسمانی بادشاہی سے۔	۲۹۴	الگ نہ ہونے کی تشریح۔	۲۹۵	دوزخ قید خانہ نہیں شفا خانہ ہے
۲۸۴	عیسوی پیغام میں آسمانی بادشاہی	۲۹۶	ان آیات کا مفہوم	۲۹۷	گناہ روحانی بیماری کا اور عذاب
۲۸۵	آسمانی بادشاہی کے اہمال کی تسہیل	۲۹۸	اللہ تعالیٰ کے وعدہ ثواب و عذاب	۲۹۹	اسکے نتیجہ بد کا اصطلاحی نام ہے
۲۸۶	جنت کے لئے باغ کا استعارہ کیا گیا	۳۰۰	میں فرق۔	۳۰۱	دوزخ کی مثال شفا خانہ ہے
۲۸۷	کے لئے ہے؟	۳۰۲	مشرکین و کفار کی معافی کی صریح	۳۰۳	دوزخ سے بالآخر نجات ہوگی
۲۸۸	استعارہ میں ایک نکتہ	۳۰۴	تشریح کیوں نہیں۔	۳۰۵	گویا دوزخ بھی ایک نعمت ہے
۲۸۹	سامان جنت کے دنیاوی نام	۳۰۶	عقیدہ کفار اور عقیدہ کرم اور	۳۰۷	دوزخ میں رحمت الہی کا ظہور
۲۹۰	جنت میں دنیاوی الفاظ کے معانی	۳۰۸	عقیدہ مغفرت۔	۳۰۹	اور نجات۔
۲۹۱	سے بلند تر حقائق۔	۳۱۰	عذاب طویل کا سبب	۳۱۱	اس کی تصریحات احادیث میں
۲۹۲	اسکی شہادت قرآن مجید و احادیث	۳۱۲	مشرک و کافر کا آخر انجام	۳۱۳	شرک و کفر کی بخشش نہیں
۲۹۳	جنت کی ستریں اعمال کی تمثیل ہیں	۳۱۴	بمور کے نزدیک عذاب دوزخ کا	۳۱۵	کیا دوزخ کی انتہا ہے؟
۲۹۴	اسکی شہادت قرآن مجید اور احادیث	۳۱۶	بہشت و دوزخ کی جزا و سزا بھی	۳۱۷	دوزخ رحمت الہی کی چھٹیوں سے
۲۹۵	لفظ و مسرت کا تصور	۳۱۸	تمثیلی ہے۔	۳۱۹	بالآخر سرد ہو جائے گی۔
۲۹۶	لفظ و مسرت کا اعمیٰ ترین تخیل	۳۲۰	تمثیلی سزا کے معنی	۳۲۱	اللہ کے غضب پر رحمت کی بوقت
۲۹۷	جنت میں انسان کی ہر خواہش پوری	۳۲۲	اس کی مثالیں قرآن مجید اور احادیث	۳۲۳	دوزخ کی انتہا قرآن مجید میں
۲۹۸	ہوگی۔	۳۲۴	دوزخ کی جہانی سزائیں	۳۲۵	منہیت پر ہے
۲۹۹	جنت کوئی جہانی و روحانی	۳۲۶	جہانی سزائوں کی تشریح قرآن مجید	۳۲۷	کفار و مشرکین کے عذاب کی انتہا



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۲۶	عقیدہ قضا و قدر کا نتیجہ پستی	۴۲۶	عقیدہ قضا و قدر کا نتیجہ پستی	۴۲۶	عقیدہ قضا و قدر کا نتیجہ پستی
۴۲۷	و دون ہمتی نہیں۔	۴۲۷	و دون ہمتی نہیں۔	۴۲۷	و دون ہمتی نہیں۔
۴۲۸	اس کا نتیجہ بلندی استقلال اور صبر	۴۲۸	اس کا نتیجہ بلندی استقلال اور صبر	۴۲۸	اس کا نتیجہ بلندی استقلال اور صبر
۴۲۹	ثبات ہے۔	۴۲۹	ثبات ہے۔	۴۲۹	ثبات ہے۔
۴۳۰	غلط فہمی کا ازالہ	۴۳۰	غلط فہمی کا ازالہ	۴۳۰	غلط فہمی کا ازالہ
۴۳۱	قضا و قدر اور سعی عمل کی باہمی تطبیق	۴۳۱	قضا و قدر اور سعی عمل کی باہمی تطبیق	۴۳۱	قضا و قدر اور سعی عمل کی باہمی تطبیق
۴۳۲	پہلے فسق اور نافرمانی ہوتی ہے	۴۳۲	پہلے فسق اور نافرمانی ہوتی ہے	۴۳۲	پہلے فسق اور نافرمانی ہوتی ہے
۴۳۳	اس کے نتیجہ میں خدا کی طرف سے	۴۳۳	اس کے نتیجہ میں خدا کی طرف سے	۴۳۳	اس کے نتیجہ میں خدا کی طرف سے
۴۳۴	صلوات کا ظہور ہوتا ہے۔	۴۳۴	صلوات کا ظہور ہوتا ہے۔	۴۳۴	صلوات کا ظہور ہوتا ہے۔
۴۳۵	جبر و قدر کا لاینحل مسئلہ	۴۳۵	جبر و قدر کا لاینحل مسئلہ	۴۳۵	جبر و قدر کا لاینحل مسئلہ
۴۳۶	قدیم مذاہب میں اس کے حل کی دو	۴۳۶	قدیم مذاہب میں اس کے حل کی دو	۴۳۶	قدیم مذاہب میں اس کے حل کی دو
۴۳۷	صورتیں، یا تو خاموشی یا جبر کی تطبیق	۴۳۷	صورتیں، یا تو خاموشی یا جبر کی تطبیق	۴۳۷	صورتیں، یا تو خاموشی یا جبر کی تطبیق
۴۳۸	آنحضرت نے اس راز کو کیا	۴۳۸	آنحضرت نے اس راز کو کیا	۴۳۸	آنحضرت نے اس راز کو کیا
۴۳۹	بیک وقت دو صداقتیں	۴۳۹	بیک وقت دو صداقتیں	۴۳۹	بیک وقت دو صداقتیں
۴۴۰	صحیفہ محمدی میں ان دونوں صداقتوں	۴۴۰	صحیفہ محمدی میں ان دونوں صداقتوں	۴۴۰	صحیفہ محمدی میں ان دونوں صداقتوں
۴۴۱	کی تفصیل اور ان کی تشریح۔	۴۴۱	کی تفصیل اور ان کی تشریح۔	۴۴۱	کی تفصیل اور ان کی تشریح۔
۴۴۲	ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے	۴۴۲	ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے	۴۴۲	ہدایت و ضلالت کے الفاظ سے
۴۴۳	پیدا شدہ غلط فہمی کا ازالہ۔	۴۴۳	پیدا شدہ غلط فہمی کا ازالہ۔	۴۴۳	پیدا شدہ غلط فہمی کا ازالہ۔
۴۴۴	غیر و شر کا مہوم اسلام میں	۴۴۴	غیر و شر کا مہوم اسلام میں	۴۴۴	غیر و شر کا مہوم اسلام میں
۴۴۵	اگر خدا جانتا تو ان کو ہدایت دیتا	۴۴۵	اگر خدا جانتا تو ان کو ہدایت دیتا	۴۴۵	اگر خدا جانتا تو ان کو ہدایت دیتا
۴۴۶	کی تفسیر۔	۴۴۶	کی تفسیر۔	۴۴۶	کی تفسیر۔
۴۴۷	بنہ کی مشیت	۴۴۷	بنہ کی مشیت	۴۴۷	بنہ کی مشیت
۴۴۸	اللہ کی گمراہی کن کے لئے ہے	۴۴۸	اللہ کی گمراہی کن کے لئے ہے	۴۴۸	اللہ کی گمراہی کن کے لئے ہے
۴۴۹	غیبت بحث۔	۴۴۹	غیبت بحث۔	۴۴۹	غیبت بحث۔
۴۵۰	ایمان کے نتائج	۴۵۰	ایمان کے نتائج	۴۵۰	ایمان کے نتائج
۴۵۱	ایمان کا مقصد دل کی اصلاح ہے	۴۵۱	ایمان کا مقصد دل کی اصلاح ہے	۴۵۱	ایمان کا مقصد دل کی اصلاح ہے
۴۵۲	اسلام میں ایمان و عمل کی جامعیت	۴۵۲	اسلام میں ایمان و عمل کی جامعیت	۴۵۲	اسلام میں ایمان و عمل کی جامعیت
۴۵۳	درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے	۴۵۳	درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے	۴۵۳	درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے

## دیباچہ طبع اول

اَلَا تَعْلَمُ اَنَّ رَبَّكَ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ وَ اَلَا تَعْلَمُ اَنَّ رَبَّكَ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ وَ اَلَا تَعْلَمُ اَنَّ رَبَّكَ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ

اے باز کن در معانی بر ما بکلیہ آسمانی

ہر چہ از تو گمان برم یکنوی آن من بوم و تو ز آن بردنی

شام رسل و شفیع مرسل خورشید پسین و نور اول

سلطان ممالک رسالت طغرائے صحیفہ جلالت (خسرو)

پیش نظر کتاب "سیرت النبی" کے سلسلہ کی چوتھی جلد ہے۔ اس کا موضوع منصب نبوت ہے، اس تقریب سے سب

سے پہلے اس میں ایک مقدمہ ہے جس میں نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصوصیات کی تشریح ہے۔ اس کے بعد دیباچہ ہے

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور ظہور اسلام کے وقت دنیا کی مذہبی و مادی حالت کا مرقع دکھایا گیا ہے، بالخصوص

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ملک عرب کی جو مذہبی و اخلاقی حالت تھی اور اس کی اصلاح میں جو وقتیں درپیش تھیں شرح و بسط

کے ساتھ ان کی تفصیل کی گئی ہے۔ اس کے بعد آپ کے تعلیمات و ارشادات کی تفصیل سے اصل کتاب کا آغاز ہوا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشگاہ باری سے جو شریعت کاملہ اور قانون ابدی ملایا ہوا، وہ درحقیقت چار عنوانوں

پر منقسم ہے۔ عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات۔ خیال تھا کہ عقائد و عبادات کی ایک جلد ہو اور اخلاق و معاملات دوسری

جلد میں ہوں، مگر جیوں جیوں مسافر قلم اس دشوار گزار مریض میں آگے بڑھتا گیا، راستہ اس قدر وسیع اور مسافت اتنی ہی

بعید نظر آنے لگی، ناچار اس جلد کو صرف عقائد کے بیان پر محدود رکھا گیا، دوسری جلد میں عبادات اور ان کی تفصیل۔ اور

فرائض چارگانہ کے حقائق و فوائد سے بحث ہوگی اور تیسری جلد کا عنوان اخلاق و معاملات ہوگا، جس میں ہم انشاء اللہ

یہ تفصیل بتائیں گے کہ تمدن و معاشرت بالخصوص قوانین نکاح، طلاق، وراثت، حقوق سائر، غلامی، جہاد، اصول حکومت و

اقتصادیات وغیرہ کے متعلق تمام دنیا کے مذاہب کے کیا اصول اور تمام سلطنتوں اور قوموں کے کیا قوانین تھے اور ان

مغرب نے اس انتہائی تنہیب تک پہنچ کر کس حد تک ان امور میں ترقی کی ہے، پھر موازنہ کر کے ہم دیکھیں گے کہ اسلام

اسلام کے مقابلہ میں مغرب کی معراج ترقی شریعت کا پایہ اولین ہے۔

حضرت الاستاد مرحوم نے اس جلد کا کام شروع ہی کیا تھا اور مذکورہ بالا ماموریت میں سے صرف عرب باہلیت کے مذہبی

و اخلاقی حالات کے پچیس تیس صفحے لکھنے پائے تھے کہ وفات پائی، یہ صفحے بھی ان اوراق میں شامل ہیں مگر چونکہ ان میں

بکثرت اضافہ و ترمیم کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے ان صفحات کو ان کے سرکاری کی طرف منسوب کرنے میں احتیاط

کرتا ہوں، البقیہ پوری کتاب کی ذمہ داری فاکساری کے خطا کار قلم پر ہے، وَاَمَّا اَبْرَئِیْمُ خَیْی اِنَّ اَنْفُسَکُمْ تَارَتْ بِالسُّوَدِ

کوشش ہے کہ ان اوراق میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام و حکم کی پوری تشریح، استدلال اور دلچسپی کے ساتھ ان کی تفسیر میں پیش

کیا جائے، قرآن پاک کے استناد کو ہر موقع پر سب سے آگے رکھا گیا ہے اور اسی کے پر توں حادیث صحیحہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، منافقانہ ہر سے پر

کرپوشی نظر میں اسلام کا دوسرے مذاہب سے اس فرض سے موازنہ کیا گیا ہے، کہ اس میں کس ناک نایاں ہو جائے۔







بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

منصب نبوت

کتاب کا موضوع: آپ کے پیغمبرانہ کارنامے | سیرت کی عام کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کے اندر جو چیز سب سے زیادہ متاثر ہو کر نظر آتی ہے وہ غزوات اور لڑائیاں ہیں لیکن یہ غزوات اور لڑائیاں ہی سب سے مقصود بالذات نہیں ہیں، بلکہ سلسلہ دعوت میں اتفاقیات پیش آگئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا اور نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کے مٹانے کی پُر زور کوشش کی، اس کے قبول کرنے والوں کو ستایا اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا وہ اپنی جان بچا کر دوسرے شہر کو چلے گئے، وہاں ان کی دعوت نے فروغ پایا، اور بہت بڑی تعداد نے ان کی سچائی کو قبول کیا، یہ کچھ لرغالیوں نے ہر طرف سے بورش کی، اور جاکر اس جماعت کو بزرگتر مشا دیں اس نے اپنی جان کے بچاؤ کی تدبیریں لیں اور ان کی پُر زور سازشوں اور کوششوں کے سیلاب کو پیاز بن کر روکا، اس کشمکش نے خوریز لڑائیوں کا ایک سلسلہ چھڑ دیا جو مسلسل دس سال تک قائم رہا، رفتہ رفتہ عجاظ نبوت، حسن تدبیر و لطف اخلاق سے تمام معرکے سر ہوتے اور پھر ایک پُر امن نظام قائم ہو گیا، یہ شہر بہ کارنامہ بھی کچھ مستوجب منقبت نہیں لیکن ناظرین اس نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوں گے کہ ہم کس (ذاتِ اقدس) کے سوانح لکھ رہے ہیں۔

یہ جو کچھ ہوا اور پیش آیا، وہ گونا گوتہ عجیب، حیرت انگیز اور کوشمربانی کا پورا منظر ہے، تاہم وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی بڑا رستہ اور مقصود بالذات کارنامہ نہیں، وہ اتفاقی عوارض ہیں جو اسلام کی دعوت و اشاعت کی راہ میں دشمنوں کی مخالفت سے پیش آ گئے، آپ کے اصلی پیغمبرانہ کارنامے وہ ہیں جو اگر یہ اتفاقی واقعات رونما نہ ہوتے تب بھی ظاہر ہی ہوتے اور وہی آپ کی سیرت مبارکہ کے اصلی دقائق اور سوانح ہیں، یعنی عرب میں سر تار و دھانی و اخلاقی انقلاب پیدا کر دینا تمام عالم کے سامنے کامل ترین اور غیر بشریت کو پیش کرنا، دنیا کے گوشہ گوشہ کو ترازو حیدر اور سرور و محبت سے معمور کرنا، حکمت کردہ عالم کو سراج منیر بن کر بقعہ نور بنا دینا، مگر اہل کوراستہ بنانا، مجبولوں کو یاد دلانا، ہندوں کا رشتہ خدا سے جوڑنا، غلط اوام کو مٹانا، اخلاق فاضلہ کا سکھانا، گناہوں کے دفتر کو دھونا، انسانوں کو شیطانیوں کے ظلم فریب سے نکال کر فرشتوں کی صف میں کھڑا کرنا، دنیا کو رقی و محبت، لطف و شفقت اور برادرانہ مساوات کی تعلیم دینا، حکمت و دانائی، پسند و موافقت اور تہذیب و تمدن کے رموز سکھانا، روحانیت کی برباد شدہ دنیا کی دوبار تعمیر اور قلوب دار و اح کے دیوان گھروں کی از سر نو آبادی، الخزن قائم البندیں کا اصلی کام ایک شریعت ابدی کی تاسیس، مذاہب عالم کی اصلاح، فن اخلاق کی علمی و عملی تکمیل، قانون الہی کا اظہار و عرض اور تہذیب نفوس کی معراج، اخیر مثنیٰ اور یہ سب اسی پُر آشوب فناء میں ہوتا رہا جس کے لیل و نهار بظاہر صرف عملوں کے تیر باران کے روکنے میں صرف ہو گئے، پیش نظر جلد آنحضرت صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے ان ہی واقعات اور کارناموں پر مشتمل ہے۔

بی اور مصلح اور حکیم | بغا ہر نظر آتا ہے کہ اس قسم کے کچھ کام ایسے لوگوں سے بھی انجام پاتے ہیں، نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز نہیں ہوتے، وہ اپنی قوم و ملک کے سامنے اپنا مصلح کی دعوت پیش کرتے ہیں اور سعی و محنت اور متواتر جدوجہد سال میں کوئی سیاسی، اجتماعی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتے ہیں اور ان کو فخر مذلت سے نکال کر ترقی کی سطح پر ترقی تک پہنچا دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو مصلح اور رہنما کہتے ہیں اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے منہ سے اخلاق و حکمت اور پسند و موافقت کے موتی جھڑتے ہیں، جن کو حکیم کہتے ہیں، اس حالت میں ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کیا فرق ہوگا؟ اس التباس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے کوآہ نظر ایک پیغمبر اور ایک مصلح اور ایک حکیم میں کوئی امتیاز نہیں کرتے اس بنا پر اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، اس فرق و امتیاز کو نمایاں کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

نبوت کی حقیقت اور خصوصیات | اس فرق کو پوری طرح واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نبوت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائے، نبوت کی فلسفیانہ حقیقت کی بہترین تشریح امام غزالی نے معارج القدس اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں کی ہے، یہ دونوں بزرگ تصوف، فلسفہ اقلیات تینوں کو چوں سے باخبر ہیں اس لئے یہ جو کچھ بتائیں گے اس میں کچھ کچھ ذاتی ذوق و مشاہدہ کا حصہ بھی شامل ہوگا۔ امام صاحب فرماتے ہیں:-

”نبوت انسانیت کے رتبہ سے بالاتر ہے جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے، وہ عطیہ الہی اور موجب ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (انعام: ۱۵۰)

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحَنَا مَنْ تَبِعَ مَا آتَيْنَاكَ وَكَانَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (نور: ۲۰۴)

اس موقع کے لئے صریح آیت یہ ہے:-

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (معد: ۱۱)

گو یہ جمع ہے کہ وہ عبادات و ریاضات جو فکر و مراقبہ پر مشتمل اور زیر اور شہرت طلبی سے پاک ہوں، نفس میں آثارِ وحی کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں، تاہم نبوت کا منصب خاص محض اتفاقی نہیں جو محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل ہو جائے بلکہ جس طرح نوع انسان کا انسان اور فرشتوں کا فرشتہ بن جانا ان کے افراد کی سعی و محنت کا مرہون منت نہیں ہے معارج القدس کا یہ حصہ حضرت استاد مرحوم نے حکام کے آخر میں بطور ضمیر شائع کر دیا ہے، مہ ۱۱ امام صاحب نے آیت پوری نہیں لکھی ہے میں نے اپنی طرف سے آیت پوری لکھ دی ہے۔



اسی طرح نوح انبیاء کا نبی بن جانا ان کے افراد کی کوشش اور محنت سے ممکن نہیں، ہر انسان کا بچہ اپنی ذاتی محنت سے نہیں بلکہ فیاض عالم کی بخشش سے انسانیت کا رتبہ حاصل کرتا ہے، مگر انسانیت کے ممکن کمالات کو بالفعل حاصل ہو جانے کے لئے اس کو یقیناً کچھ نہ کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اسی طرح نبوت، نوح انبیاء کے لئے اکتسابی چیز نہیں، لیکن مشائے نبوت کے مطابق ریاضت اور عمل، قبول وحی کی استعداد اور تیاری کے لئے البتہ ضروری ہیں۔

چنانچہ اسی اصول کے مطابق اکثر پیغمبروں کے آغاز وحی کے حالات میں آپ کو پہلے گاکہ انہوں نے ایک نازک عبادت مراقبہ میں بسر کی، ایک ایک مہینہ، ایک ایک چار اس طرح گزرا کہ وہ مادی دنیا، آلاتوں سے یکسر الگ ہو گئے تو رات میں حضرت موسیٰ کی نسبت ہے کہ کتاب ملنے سے پہلے وہ چالیس روز تک کوہ طور پر روزہ کی حالت میں رہے، اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کہ وہ ایک سنان جنگل میں چالیس روز تک روزہ رکھ کر عبادتوں میں مصروف رہے اور وحی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فارغ مزاج میں مہینوں عزلت گزری رہنا اور فکر و مراقبہ اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا سب کو معلوم ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے حرامیں جاکر عبادت میں مشغول ہوئے تو رویائے صادقہ دیکھنے لگے جس کی سچائی مثل سیدہ صبح کے صاف نمایاں ہوتی تھی، وحی کے بعد بھی آپ اس قدر عبادت میں مصروف رہتے تھے کہ آپ کے دونوں پاؤں سوخ جاتے تھے، جس لئے قرآن نے آپ کو خطاب کر کے کہا۔

ظَلَمْنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ بِتَشْقٍ (اسے پیغمبر!) ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو تکلف اٹھائے۔

اس عبادت و ریاضت کے ساتھ نبوت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حامل میں حسن صورت، اعتدال مزاج، نشوونما کی پاک، حسن تربیت، لطافت نسب، اکرم اخلاق، نیک طبیعت، عقائد، سنجیدگی، دوستانہ الہی کے ساتھ نرم جوی اور تواضع اور شرمنا حق کے ساتھ شدت قوت پائی جاتے، عطاہ بریں وہ راست گشتار امانت دار تمام برائیوں سے پاک، فضائل و محاسن سے آراستہ اور ذلیل باتوں سے مبرا ہوتا ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو معاف اور زہیے ساتھ برائی کہنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، قربت مندوں اور ہمسایوں کے ساتھ احسان، مظلوموں کی اعانت، فریاد خواہوں کی فریادری، اس کی طبیعت ادنیٰ کی سے محبت اور ربی سے نفرت اس کی فطرت ہوتی ہے، اس کی شان جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے یہ ہوتی ہے کہ۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (بخم) تمہارا ساتھی (پیغمبر) گمراہ ہوا اور نہ بیشک اس کی یہ صفت اس دنیاوی عالم میں ہے کہ وہ ہر گمراہی و بے راہ روی سے پاک ہوتا ہے۔

مَا ذَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (بخم) اس کی نگاہ نہ کج ہوئی اور نہ سرکش ہوئی۔

یہ اس دنیا کے مناظر اور مشاہدات کے متعلق اس کی کیفیت ہوتی ہے۔

تمام دنیا کی قومیں اس کی قوت کے سامنے بالآخر طرنا و کمرنا سرنگوں ہو جاتی ہیں، بایں ہمہ وہ منور و جابر، جنہا پیشہ برغور اور درشت مزاج نہیں ہوتا، وہ پیغمبری اور رسالت کے بارے میں کواٹھاتا ہے اور اس کا پورا حق ادا کرتا ہے اور تمام عالم میں اپنی رحمت کا فیض جاری کرتا ہے۔

نبوت و رسالت کے ثبوت کا اجمالی طریقہ | نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہیں، ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی، اجمالی طریقہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کو حیوان پر نفس ماطقہ کی بنا پر فضیلت حاصل ہے کہ یہ عقلی و دماغی خصوصیت حیوان میں نہیں پائی جاتی، جس کے بل پر انسان، حیوان پر حکمرانی کرتا ہے اور اس کا مالک بنا ہوا ہے اور اس کو اپنے کام میں لگاتے ہوئے ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو اپنے نفوس قدسیہ کی بنا پر تمام انسانوں پر برتری حاصل ہے، وہ اپنے ان قدسی نفوس و پیغمبرانہ قوت سے دوسروں کو راہ راست سوجھاتے اور خود راہ راست پر قائم رہتے ہیں، ان کی پیغمبرانہ عقل و فہم تمام انسانی عقلوں سے بالاتر ہوتی ہے اور ان کو وہ ربانی خصوصیت حاصل ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ تمام انسانی نفوس کی تہ سیر کا فرض انجام دیتے اور ان پر قابو پاتے اور ان کو کام میں لگاتے ہیں اور جس طرح انسانوں کے عجیب و غریب کام حیوانوں کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں، اسی طرح پیغمبروں کے عجیب و غریب کام انسانوں کو معجزہ نظر آتے ہیں۔

اور اگرچہ نبی عام انسانوں کے ساتھ بشریت اور انسانیت میں برابر کا شریک ہوتا ہے مگر عقلیت و معنویت میں وہ ان سے بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ اس میں وحی کے قبول کرنے کی جو صلاحیت ہوتی ہے وہ دوسرے انسانوں میں نہیں ہوتی، اسی مفہوم کو قرآن نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحِي إِلَيَّ (کف ۱۲) میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

دیکھو کہ بشریت میں گو پیغمبر کو دوسرے انسانوں کے مثل کہا ہے مگر ساتھ ہی وحی کے فرق و امتیاز کو دونوں میں حد فاصل قرار دے دیا ہے۔

نبوت کے تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ | انسان میں تین قسم کے اختیاری حرکات پائے جاتے ہیں، فکری، قولی، عملی۔ ان تینوں سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں، وہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی، فکر یعنی راستے سمجھ بھی ہوتی ہے اور غلط بھی، قول صحیح بھی ہوتا ہے اور جھوٹ بھی، عمل اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحیح اور غلط، اچھ اور بھڑے میں تمیز کیونکر ہو؟ پھر کیا یہ تمیز ہر شخص کر سکتا ہے یا کوئی نہیں کر سکتا، یا بعض کر سکتے ہیں اور بعض نہیں، پہلے دو احتمال ہمارے غلط ہیں، اب رہ گیا تیسرا احتمال، یعنی بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہیں کہ فلاں راستے عقیدہ صحیح اور فلاں غلط ہے، فلاں قول صحیح ہے فلاں جھوٹ ہے اور فلاں فعل اچھا اور فلاں بُرا ہے، جس شخص کو خالق فطرت اپنے فضل و کرم سے یہ قوت عطا فرماتا ہے وہی پیغمبر اور صاحب شریعت ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ | نوح انسان کو اپنے اختیاری اعمال و حرکات اور مصلحتی معاملات میں باہمی اجتماع اور تعاون کی ضرورت ہے اگر انسانوں میں باہمی اجتماع اور تعاون نہ ہو تو نہ انسان کا کوئی فرد زندہ رہے نہ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہو سکے، اسی بقائے نفس اور جان و مال و آبرو کے تحفظ کے اصول و آئین کا نام شریعت ہے انسان کو اس کیلئے دو قسم کے کاموں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ اچھے کاموں میں سب مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں، اس کو تعاون کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ



بڑے کاموں سے ایک دوسرے کو باز رکھنے کی کوشش کریں اس کو تمنع کہتے ہیں، اسی تعاون کے ذریعہ سے انسان کھانے پینے پہننے اور رہنے کے سامان و سہا ب فراہم کرتا ہے، تعاون کے ذریعہ نکاح و قربت اولاد و مزہ اور اجاب و دوست کے حقوق و تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور تمنع کے ذریعہ سے نوع انسانی اور افراد انسانی کی زندگی، اور ان کی دولت و جائیداد اور عزت و آبرو کے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے، اس تعاون اور تمنع کے اصول ضرور ہے کہ مرتب محدود اور معلوم ہوں اور وہ اس طرح بنائے جائیں، جن میں کسی شخص، خاندان، قبیلہ، قوم اور ملک کے فوائد کی ترجیح نہ ہو، بلکہ ان میں سب کا برابر فائدہ ہو، یہ ظاہر ہے کہ ایسا قانون انسانوں کے ذریعہ نہیں بلکہ وحی ربانی اور تعلیم الہی سے ہی سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ محض کسی انسان کی عقل سے جو بہر حال کوئی خاص شخص یا کسی خاص خاندان، قبیلہ، قوم اور ملک کا ہوگا، ایسا غیر جانبدارانہ قانون جس میں تمام مخلوقات کی حیثیت یکساں ہو اور کسی طرف پر جھکے نہ پائے اور تمام عالم کے لئے یکساں واجب العمل ہو محال ہے اس لئے ضرور ہے کہ یہ اصول اس کی طرف سے وحی ہوں، جس کے ماتھے میں نظام عالم کی ہاگ ہے اور جو پورے نوع انسانی کے اندرونی و بیرونی احوال و کیفیات کے روبرو سے باخبر ہے، یہ اصول غلاق عالم کی طرف سے جس شخص پر وحی ہوتے ہیں وہی پیغمبر اور رسول ہوتا ہے۔

**تیسرا طریقہ** یہ وہ طریقہ ہے کہ جس نے اس کو نہیں جانا، اس نے نبوت کی حقیقت نہیں پہچانی، پہلے یہ جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے دو کام ہیں، خلق و پیدا کرنا، انیت سے ہمت کرنا، اور امر (جو موجود ہست ہے اس کو اپنی مصلحت کے مطابق حکم دینا) کائنات ان ہی دو چیزوں سے عبارت ہے تو جس طرح فرشتے خالق اور مخلوق اور مخلوق کے درمیان خلق و ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی میں واسطہ ہیں، اسی طرح پیغمبر خدا اور بندہ کے درمیان احکام کے پہنچانے میں واسطہ ہیں اور جس طرح خدا پر بحیثیت خالق اور آمر (پیدا کرنے والے اور حکم دینے والے) کے ایمان لانا واجب ہے اسی طرح فرشتوں پر اس حیثیت سے کہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی کے واسطہ ہیں ایمان لانا ضروری ہے اور اسی طرح پیغمبر پر اس حیثیت سے ایمان لانا فرض ہے کہ وہ خدا اور بندہ کے درمیان حکم کے پہنچانے میں واسطہ ہیں۔

اس کے بعد حسب ذیل مقدمات ذہن نشین رکھنے چاہئیں۔  
(۱) چونکہ ممکن کا وجود اور عدم برابر ہے اس لئے ممکن ہے کہ وجود میں آنے کے لئے ایک مرتج کا ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو اور وہ شے عدم سے وجود میں آسکے، یہی امر مرتج ممکن کی علت ہوتا ہے۔  
(۲) ہر قسم کے حرکات کے لئے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے جو مدبر حرکت کی تجدید کرتا ہے، حرکات کی بھی دو قسمیں ہیں طبعی اور ارادی۔ ارادی حرکت کے لئے ضرور ہے کہ اس کے محرک میں ارادہ اور اختیار پایا جائے، اسی طرح طبعی حرکت کیلئے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کا محرک عقل اور تدبیر والا ہو، آفتاب و مانتاب اور دوسری آسمانی مخلوقات کی حرکات کو طبعی ہی تمام ان کو حرکت دینے کے لئے کسی عاقل و مدبر کی ضرورت ہے اسی لئے قرآن نے ان کے لئے کہا۔

وَأَوْحِي فِي كُلِّ نَسَمَةٍ أَمْرًا وَمَا يَرْثُهَا

خدا نے ہر انسان میں اس کا فرض اور کام وحی کیا

(۳) اب جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع میں نہیں آسکتیں، اسی طرح ان حرکات کو ایسے رہنما کی ضرورت ہے جو ان اعمال و حرکات کا ٹھیک راستہ اور صحیح طریقہ بتائے اور حق کو باطل سے ریح کو مھوٹ سے اور خیر کو شر سے ممتاز کر دے۔

(۴) خدا کے حکم دو قسم کے ہیں، تدبیری اور تکلیفی، پہلا حکم تمام نظام عالم میں جاری ہے، جس کی بنا پر تمام عالم میں تدبیر اور انتظام کا سلسلہ نظر آتا ہے، قرآن مجید میں ہے۔

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مَسْجُورَاتٌ بِأَمْرِ اللَّهِ  
اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں  
اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا۔

تکلیفی حکم صرف انسان کے لئے ہے، چنانچہ قرآن میں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي  
اے انسانو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جو نے تم  
خَلَقَكُمْ دُبُرًا ۱۴۰ کو پیدا کیا۔

مقدمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہیں، اسی لئے مرجع کی ضرورت ہے، اختیار میں اس لئے عقل کی ضرورت ہے، غیر و شر کے تحمل میں اس لئے رہنما کی ضرورت ہے، اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے۔  
نظام عالم میں خدا کا جو تدبیری حکم نافذ ہے وہ ملائکہ کے ذریعہ سے ہے، اسی قیاس پر انسانوں میں خدا کا جو تکلیفی حکم نافذ ہے وہ بھی ایسے ہی نفوس قدسیہ کے ذریعہ سے ہوگا، اور ان ہی کا نام پیغمبر ہے  
شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ کے چھٹے مبحث کے دو ابتدائی بابوں میں اس پر بحث کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ کمال نکتہ سنجی سے کی ہے، شاہ صاحب کی تفسیر کو ہم اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔

**نبی کی ضرورت** انسان میں دو قسم کی قوتیں ہیں، بہیمی اور ملوکی۔ کھانا، پینا، شہوت، حرص و طمع، استیلا و جبر و غرور، انہماک بہیمی قوت کے آثار ہیں، اور غرور و فکر، علم و معرفت، حسن اخلاق، صبر و شکر، عبادت و طاعت وغیرہ ملوکیت کے نتائج ہیں، انسان کی روحانی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بہیمی قوت، اس کی ملوکی قوت کے تابع ہو، اگرچہ عقل سلیم ان اصول اور طریقوں کو معلوم کر سکتی ہے جن کے ذریعہ سے سمیت کے تابع ملوکیت ہونے کے فائدے اور گناہ عصیاء کے نقصانات ظاہر ہوں، عقل سلیم کے اس علم سے انسان فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح کر سکتا ہے، مگر یہ تو امکان عقلی ہے عملی کیفیت یہ ہے کہ انسان کی آنکھوں پر موجودہ دنیاوی لذائذ، حرص و طمع اور بے جا خواہشوں اور غفلتوں کے اتنے توہر توہر دے پڑ جاتے ہیں کہ اس کے اصلی اور فطری وجدان اور قوت احساس کا مادہ فاسد ہو جاتا ہے جیسے بیماری میں انسان کی زبان کا ذائقہ بدل جاتا ہے تو میٹھی سے میٹھی چیز اس کو کڑی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اندرونی وجدان و احساس کے فاسد ہو جانے سے بھی وہ حق و باطل، خیر و شر اور نیک و بد کی تمیز کو بھول جاتا ہے، اس لئے نوع انسان کو ایسے صحیح رہنماؤں اور روحانی معلموں کی ضرورت ہے جن کے احساس و وجدان کا آئینہ گرد آلود نہ ہو۔

اگر افراد، جماعات اور اہل ملک کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اپنی سیاست کے زور سے ان میں صلح و اشتی اور امن و امان پیدا کرے تو ایک قوم کی قوم بلکہ کل دنیا کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت کیوں نہ ہو جو ہر گروہ کی استعداد کو چھین نظر رکھے کہ اس کے مطابق اس کے حقوق و فرائض کی تعیین کرے، ایسے لوگ جو ایسے اہم فریضہ کو انجام دے سکیں، اسی طرح کم ہیں جس طرح دوسرے اصناف کے اہل کمال، انسانوں کے معمولی پیشوں، بنجاری اور لوہاری کو دیکھو کہ کس قدر معمولی ہیں، مگر ان کو کرنا بھی ہر شخص کا کام نہیں، یہ پیشے بھی ایسے لوگوں کے بغیر وجود میں نہیں آتے جن کو ان کاموں کا خاص ذوق و وجدان تھا اور ان کو ان کاموں کی خاص فطری



استعداد ملی تھی جس کے ذریعہ انھوں نے اس فن کو تکمیل تک پہنچایا اور اس کے اصول و قواعد وضع کئے اور بعد کے آنے والوں نے ان کی تقلید کی اور اس تقلید سے مدارج علیا تک پہنچے پھر اخلاق اور روحانیات اور ملک و ملت کے مصالح و فوائد عام کا فن جس قدر اہم اور نازک ہے کیا اس کو سمجھنا اور وضع کرنا ہر کس و ناکس کا کام ہو سکتا ہے۔

**نبی کی عصمت** پھر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص اس رہنمائی کے منصب کا مدعی ہو وہ اپنی نسبت یہ بھی ثابت کرے کہ وہ ان اصول و قواعد سے بخوبی واقف ہے اور وہ اپنے علم اور علم میں غلطی اور گمراہی سے محفوظ رہا اور یہ اس وقت ممکن نہیں جب تک اس کے علم اور تعلیم کا ماحول اور سرشت غلیبوں سے پاک اور محفوظ نہ ہو اس کو ان امور کا علم اسی طرح چاہی ہو جس طرح انسان کو بھوک اور پیاس کا وہرانا ہوتا ہے کیا کسی کو اس علم میں کہ اس کو بھوک یا پیاس ملتا ہو تو اسے کوئی غلطی ہو سکتی ہے اسی طرح اس کو حق و باطل اور شر اور نیک و بد امور کے درمیان فیصلہ اسی طرح قطعی معلوم ہوتا ہے جس میں نہ دلیل کی حاجت ہوتی ہے اور نہ عقل معاش کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر بھوک اور پیاس ہونے کا علم اس طرح رکھ دیا ہے کہ ہمارے سامنے کوئی معاند کتنی ہی دلیلیں پیش کرے کہ ہم کو بھوک یا پیاس نہیں ہے ہم کبھی اپنے اس وجدانی نقیض سے جس کو خدا نے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے اس معاند کے ان عقلی دلائل سے متاثر ہو کر دست بردار نہیں ہو سکتے اور اپنے یقین کو غلط نہیں کر سکتے بعینہ اسی طرح ان نفوس قدسیہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے خاص قسم کا وہرانا و ذوقِ سلیم رکھ دیا ہے جس کا عمل ہمیشہ صحیح اور جس کا احساس ہمیشہ درست اور جس کا فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا ہے۔

**نبی کی محبوبیت** ایسا شخص جب لوگوں کے سامنے آتا ہے اور لوگوں کو بار بار کے تجربے سے اس کی صداقت، سچائی اور راست بازی کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ سے جو تصرفات صادر ہوتے ہیں ان سے اس کا مقرب بارگاہ الہی ہونا بھی ظاہر ہو جاتا ہے تو ہر طرف سے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی محبت کے لیے جان و مال اور اہل و عیال سب کو قربان کر دیتے ہیں۔

شاہ صاحب اس کے بعد دوسری فصل میں ماسی بحث نبوت کو ایک اور انداز سے لکھتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے۔  
**مصلحین** افضل و کمال اور علم و عمل کے لحاظ سے انسانوں کے مختلف درجے ہیں ان میں سب سے بڑا درجہ مصلحین کا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی قوت ملکیہ نہایت بلند ہے اور جن میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ پچھلے اور صحیح جذبہ سے ایک خاص نظام کو دنیا میں قائم کر دیں اور ان پر بارگاہ الہی سے ایسے علوم اور احوال کا ترشح ہوتا ہے جن میں ربانی آثار نظر آتے ہیں ایسے لوگ معتدل مزاج اور اپنی صورت و سیرت میں درست اور عقل و ذکر میں متوسط ہوتے ہیں نہ اس قدر بلند کہ عزیمات سے کلیات تک ان کا پہنچنا مشکل ہو نہ اس قدر تنیز کہ جزئیات اور محسوسات سے قطع نظر کر کے ہمیشہ ذہنیات اور تخیلات میں مبتلا رہیں، مجمع فطرت پر وہ قائم رہتے ہیں، طور و طریق ان کے پسندیدہ ہوتے ہیں، خدا کے ساتھ ان کا تعلق عبادت و طاعت سے اور بندوں کے ساتھ عدل و انصاف سے قائم رہتا ہے وہ اپنے فیصلوں میں شخصی اور جزئی بھلائی اور منفعت کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ منفعت عامہ اور تہریر کلی کا لحاظ کرتے ہیں، وہ براہ راست کسی کو تکلیف نہیں دیتے، الایہ کہ منفعت عامہ کا حصول اور برتری تعداد کا فائدہ چھوٹے سے نقصان سے حاصل ہو تو وہ اس جزئی تکلیف اور شخصی نقصان کو گوارا کر لیتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے کاروبار میں عالم غیب کی طرف مائل رہتے ہیں جس کا اثر ان کی بات چیت، کام کاج اور معاملات میں نمایاں ہوتا ہے، کارکنان

عالم ان کی تائید و نصرت میں رہتے ہیں، معمولی ریاضت سے ان کے لئے قرب و سکینیت کے وہ دروازے کھل جاتے ہیں جو دوسروں کے لئے نہیں کھلتے۔

**مصلحین کے اقسام** مصلحین کے درجہ بدرجہ مختلف اصناف ہیں اور ان کو مختلف استعدادیں ہیں اور اس بنا پر ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ اصلاحی نام ہیں، جو زیادہ تر عبادات کے ذریعہ سے تہذیب نفس کے علوم پاتا ہے، وہ کامل ہے، اور جو اخلاق فاضلہ اور تدبیر منزل کے حصول حاصل کرتا ہے، وہ حکیم ہے، جو عمومی تدبیر و سیاست کے علوم کا فیض پاتا ہے، اور ان کے مطابق اس کو لوگوں میں عدل کے قیام اور ظلم کے دور کرنے کی توفیق ملتی ہے وہ غلیظ ہے اور جس پر بلا ملتی کا نزول ہوا، اور وہ اس سے تعلیم پائے اور اس کو مخاطب کرے اور مختلف قسم کے تصرفات اس سے صادر ہوں وہ مؤید بروج القدس کہلاتا ہے اور وہ جس کی زبان اور دل میں نور ہو کہ لوگ اس کی صحبت اور پیوند و مغلط سے نفع اٹھائیں اور وہ نور اس سے منتقل ہو کر اسکے رفعت خاص میں منتقل ہو، جس سے وہ بھی کمال کے درجہ تک پہنچ جائیں اس کا نام ہادی اور مزی کی لڑاکا کرنے والا ہے اور جس کے علم کا بڑا حصہ ملت کے اصول و قواعد اور اس کی مصلحتوں کی واقفیت ہو اور ملت کے منہدم ارکان کو دوبارہ قائم کرنے کی طاقت ہو وہ امام کہلاتا ہے گا اور جس کے قلب میں یہ ڈالا جائے کہ وہ لوگوں کو ان کی اس مصیبت غلطی سے خبردار کرے، جو اس دنیا میں ان کے لئے ان کے اعمال کے نتیجے کے طور پر مقدر ہے اور ان کو بد اعمالی کے سبب سے ان سے تباہی کی رحمت کو جو دوری ہے یا قبر اور حشر میں ان پر جو مصیبتیں آنے والی ہیں اس کا نام منذر و ڈرانے والا، ہشیار کہنے والا ہے۔

اور جب حکمت الہی کا یہ اقتضا ہے کہ مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لئے ان مصلحین میں سے کسی کو بھیجے تو اس کی آمد مخلوق کی تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنے کا سبب ہو جاتی ہے اور وہ بندوں پر یہ فرعن قرار دیتا ہے کہ وہ دل و جان سے اس کی اطاعت کریں اور بارگاہ الہی سے تاکید ہوتی ہے کہ جو اس کی اطاعت کرے وہ اس سے خوشنودی اور جو اس سے مخالفت کرے وہ اس سے ناخوشی ظاہر کرے، یہی شخص نبی ہوتا ہے۔

**نبی کی دو بعثتیں** انبیوں میں بڑا درجہ اس کا ہوتا ہے جس کو اس پیغمبر نے بعثت کے ساتھ ایک اور بعثت ملتی ہے اور وہ یہ کہ مراد الہی آئیں تو اس نبی کی ذاتی بعثت کا نام بعثت اولیٰ اور اس کی قوم کی دوسری قوموں کی ہدایت کے لئے نامزدگی بعثت ثانیہ ہے۔

نبی کی پہلی بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔  
هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ  
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ  
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (مجموعہ ۱)

اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔  
لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ  
تَأْمُرُهُمْ بِالْعَمْرِوْهِ وَيَنْهَوْنَهُ عَنِ الْعُنْكَرِ  
تَم بَعَثَ فِيهِمُ الرَّسُولَ  
لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ  
تَأْمُرُهُمْ بِالْعَمْرِوْهِ وَيَنْهَوْنَهُ عَنِ الْعُنْكَرِ  
تَم بَعَثَ فِيهِمُ الرَّسُولَ







ہونا نصیب ہوا، غرض دنیا کی کوئی ہستی اپنے وجود کے لئے انسان کی محتاج نہیں، لیکن انسان اپنے وجود کے لئے کارخانہ دہی کے ایک ایک پرزے کا مجتمع ہے، تو پھر کیا یہ نتیجہ صحیح نہیں کہ اس کارخانہ کے ہر پرزہ کی غرض و غایت انسان کا وجود اور اس کی بقا ہے، لیکن خود انسان کے وجود کی غرض کوئی دوسری ہے، جو دیگر موجودات کے وجود کی غرض سے زیادہ اہم ہے۔

قرآن پاک دوسرے موجودات و مخلوقات کی نسبت تو یہ کہتا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ ثُمَّ ارْتَدَّى ۚ وَرَأَى الْإِنسَانَ لَا شَيْءًا يَشْكُرُ ۚ (بقرہ - ۳)

پھر یہ بھی بتایا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۚ (آل عمران - ۹)

زمین کے بعد آسمان کی نسبت بھی اس نے اعلان کیا

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ وَالسَّجُودُ مَسْجُودَاتٌ بَاطِنٌ ۚ (سج - ۵)

استیاء دو ہی ہیں، خالق کی اور اس کی مخلوقات کی، ملاقات کے حالات پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ ان میں ہر ادنی چیز اپنے سے اعلیٰ چیز کے کام آ رہی ہے، جمادات، نباتات، حیوانات کے اور جمادات اور نباتات اور حیوانات تینوں انسان کے کام آ رہے ہیں، آخر انسان کو بھی اپنے سے کسی اعلیٰ ہستی کے کام آنا چاہیے، مخلوقات میں تو اب اس سے کوئی اعلیٰ ہستی نہیں، تو لا محالہ اس کی تخلیق خود خالق کے لئے ہوتی ہے۔

الغرض دنیا کی ساری چیزوں کی غرض و غایت بواسطہ یا بلا واسطہ انسانوں کی بقا زندگی اور آسائش ہے لیکن خود انسان کی زندگی اس کے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۚ (ذاریات - ۳)

عقل و فہم اور ارادہ و اختیار کے لحاظ سے مخلوقات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ جو ان صفات سے محروم ہیں، آفتاب، ماہتاب، زمین، مٹی، پتھر، پھل، پھول، درخت۔

(۲) دوسری وہ جو صرف ابتدائی احساس اور علم و فہم رکھتی ہیں، لیکن قیاس و استقراء و تمثیل اور حاضر پر غائب کو قیاس کر کے کسی نئے علم کا استخراج کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے، ان کا ارادہ و اختیار بھی صرف ظاہری محسوس اشیاء تک محدود ہے جیسے حیوانات۔

(۳) تیسری وہ مخلوق ہے جو عقل و ادراک رکھتی ہے، قیاس آرائی کرتی ہے، استقراء و تمثیل کے ذریعہ سے استنباط کرتی ہے، جزئیات سے کلیات بناتی اور کلیات سے جزئیات پر حکم لگاتی ہے، بدیہیات سے نظریات تک پہنچتی اور غائب

کو حاضر پر قیاس کرتی ہے۔

پہلی قسم کی مخلوقات سے جو حرکات اور آثار پیدا ہوتے ہیں وہ اضطراری اور غیر ارادی ہوتے ہیں اور کبھی ان میں تعلق نہیں ہوتا اسی لئے ان کو فطری آثار اور طبعی خصائص کہتے ہیں، جن کا صدور ان مخلوقات سے ہمیشہ یکساں اور بلا ارادہ ہوتا رہتا ہے دوسری قسم کی مخلوقات سے جو آثار و حرکات پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ گوارا و اور احساس اور ابتدائی فہم کے ماتحت صادر ہوتے ہیں لیکن ان کے ہر فرد سے ایک ہی قسم کے افعال، حرکات اور آثار یکساں طور سے ظاہر ہوتے ہیں، ان کے خلاف نہیں ہو سکتا اور نہ ایک دوسرے سے کم و بیش ہو سکتا ہے ان کے ان افعال، حرکات اور آثار کو جبلت، فطرت اور طبیعت کہتے ہیں، ان کے صدور میں بھی وہ مخلوقات اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے مجبور ہیں، جیسے حیوانات کے افعال، ان کے مختلف انواع کے الگ الگ نوعی کام کرنا، انزل سے ڈرنا، امت تک یکساں، ایک ہی طرح، اور وہ بھی کسی غایت اور انجام و مال کے سہلے سے سوچنے بغیر ان سے صادر ہوتے ہیں تیسری مخلوق کے بعض افعال کو طبیعت و جبلت کے مطابق ہوتے ہیں جو دیگر مخلوقات کی طرح ویسے ہی بے ارادہ اور اضطرار سے صادر ہوتے ہیں مگر اس کے اور دوسرے افعال و حرکات تمام تر اس سے ارادہ، اختیار و فہم سے صادر ہوتے ہیں، صرف یہی آخری قسم کے افعال وہ ہیں، جن پر غیر و مشر اور نیک و بد کا حکم جاری ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے تمام افعال و کام عاقبتی انجام اور مال کار کو خیال کر کے اس کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں اور یہیں سے اس کی ذمہ داری کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ بنی و انس کے علاوہ تمام دوسری مخلوقات خیر و شر کی ذمہ داری سے بری ہیں، جمادات و نباتات تو اس لئے کہ ان کے افعال و حرکات تمام تر مجبورانہ، بے ارادہ اور فکر انجام کے بغیر صادر ہوتے ہیں، یا یوں کہو کہ ان احکام کے بموجب ہمیشہ ہوتے ہیں جو خدا نے ان کو اول ہی دے دیئے ہیں، حیوانات بھی اس لئے اس ذمہ داری سے بری ہیں کہ ان کے افعال و حرکات بھی تمام تر جبلت و طبعی ہیں، اور وہ جبلت و طبیعت پر مجبورانہ بے ارادہ اور انجام کے خیال کے بغیر عامل ہیں، یا یوں کہو کہ وہ اپنے خالق کے احکام پر ہمیشہ اضطرار و عمل پیرا ہیں اسی طرح فرشتے بھی اس تکلیف سے سبکدوش ہیں کیونکہ وہ بھی اپنی خلقت اور جبلت سے اطاعت پر مجبور ہیں اور ای لئے ان سے عصیان نہیں سرزد ہوتا، صرف ایک انسان ایسی مخلوق ہے جو بہت سی باتوں میں ارادہ اختیار اور علم رکھتا ہے، نیکی، بدی اور خیر و شر ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک کے اختیار پر قطعی مجبور نہیں ہے بلکہ عقل و فہم سے سوچ سمجھ کر مال کار اور انجام پر غور کر کے یا اپنے جذبات کے تحت کوئی کام کرتا ہے اس لئے وہی خیر و شر کے اختیار اور حق و باطل کے فرق کے لئے پیغام الہی کا محتاج قرار پایا۔

جمادات و نباتات اور دیگر مخلوقات سے احکام الہی کی مجبورانہ اطاعت یعنی جہت یا فطرت یا غایت کو قرآن پاک یوں ادا کرتا ہے۔

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَّا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ مَنَاسِكُ ۚ وَ الْمَلَائِكَةُ وَ هُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۚ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ قُوَّتِهِ ۚ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۚ (نمل - ۱۷)

اور نہ ہی کے آگے سر جھکاتے ہیں جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے جائزہ میں سے اور فرشتے وہ سرکشی نہیں کرتے اپنے پروردگار کا اوپر سے ڈر رکھتے ہیں، اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔

اسی فطری اطاعت الہی کا دوسرا نام فطری وحی بھی رکھ لو، جیسا کہ قرآن میں ہے۔



وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ثَوَانًا مِّنْ كُلِّ شَعْرَةٍ فَمِّنْهُنَّ مَسْجِدٌ لِّرَبِّكَ ذُلَّةٌ لِّدَاخِلِ (۱۰)

اور تیرے پروردگار نے نند کی مکھوں پر وحی بھیجی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور جہاں چھت ڈالتے ہیں اپنے لئے گھر بنائے، پھر ہر چل میں سے کھانچ کر اپنے پروردگار کی راہوں پر (مقررہ احکام پر) چل مطیع ہو کر۔

دیکھو اس آیت پاک میں طبعی الہام کی مجبورانہ پیروی کو اطاعت الہی کہا گیا ہے اور دوسری ان کی اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے حکم کی اسی طبعی اطاعت اور فطری تعمیل کو ان کی زبان حال کی نماز اور تسبیح فرمایا گیا ہے۔

الْفَوْسَاقَ اللَّهُ يُصِيبُ لَهْمَنَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ مَصِيبٌ كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتِهِ وَتَسْبِيحِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بَعَّا يَعْلَمُونَ (۱۱)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین میں جو کوئی ہے وہ اڑتے جانور پر کھولے اس کی یاد کرتے ہیں، ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی نماز اور اس کی پاکی کی یاد اور خدا کا معلوم ہے جو وہ کرتے ہیں۔

لیکن انسان کو دوسرے موجودات و مخلوقات کی طرح مجبور محض نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے احساس اور ارادہ جو جمادات میں معدوم، نباتات میں محال، اور حیوانات میں متحرک ہے، انسان میں پوری طرح بیدار اور کار فرما ہے اسی طرح وہ ارادی قدرت و اختیار، جو جمادات میں معدوم، نباتات میں منقود اور حیوانات میں محدود ہے، انسان میں ایک حد تک وسیع ہے، علاوہ انہی ہر کام میں عاقبت بینی اور مال اندیشی صرف انسان کا خاصہ ہے، اسی لئے تمام مخلوقات میں وحی ارادی تکلیف کا مستحق قرار پایا اور غیر ذی ارادہ مخلوقات کی طرح بالاضطرار اور مجبورانہ اطاعت الہی کے لئے نہیں بلکہ بارادہ اطاعت کے لئے اس کی تخلیق ہوئی، فرمایا۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (۱۲)

ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو انھوں نے ناکار کیا اور اس سے ڈرے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔

یہ امانت اس کی نیکی و بری کی تمیز اور خیر و شر کا فرق ہے جس کے نتیجے کے طور پر شریعت الہی کا نزول ہوا ہے انسان کو اپنی اس امانت سے عہدہ بکا ہونے کے لئے بارادہ اور با اختیار افعال میں بھی بے ارادہ اور بے اختیارانہ افعال کی طرح احکام الہی کی اطاعت کرنا ضروری ہے یعنی جس طرح بے اختیارانہ افعال میں فطرت و جبلت کی مجبورانہ اطاعت کر کے حکم الہی کی تعمیل کی جاتی ہے اسی طرح بارادہ اور اختیاری افعال میں بھی شریعت کی بارادہ اطاعت کر کے حکم الہی کی تعمیل ضروری ہے۔

اس مطلب کو دوسرے لفظوں میں یوں ادا کر سکتے ہیں کہ غیر ارادی افعال و حرکات میں جس طرح ہم اپنے فطری الہام و وحی کی مجبورانہ پیروی کرتے ہیں، اسی طرح ارادی افعال میں بھی شرعی الہام و وحی کی بارادہ پیروی کریں لیکن کسی کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے احکام و اوامر سے ہم کو واقفیت نہ ہو، انبیاء و رسول و ہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنے ان احکام اور اوامر کی شریعت کو وحی کرتا ہے اور وہ ان ذی ارادہ بندوں کو اس سے آگاہ و باخبر کرتے اور اس کی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں۔

یہ بحث کہ انسان کے علاوہ تمام دیگر بے ارادہ مخلوقات خدا کی اطاعت پر طبعا مجبور و مجبور ہیں، اور کسی قدر با اختیار انسان کے افراد اپنے اسی تھوڑے سے اختیار و ارادہ کے بل پر اپنے خالق سے سرکشی کرنے پر آمادہ ہیں۔ قرآن پاک کے الفاظ میں موجود ہے، فرمایا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ لَهْمَنَ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالذَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ (۱۳)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی آگے سر جاتا ہے جو آسمان و زمین میں ہے اور آسمان و زمین پر اور جہاں وہ بہت سے انسان اور بہت سے (انسان) ہیں جن پر عذاب عظیم ہے۔

دیکھو کہ انسان کے علاوہ تمام دوسری بے ارادہ مخلوقات کی کلی اطاعت اور سرانجام دہی کا اعلان ہے لیکن خاص، بارادہ اور با اختیار انسان میں ان لوگوں کی دو قسمیں کر دی گئیں، مطیع اور سرکش۔

کائنات کے صحیفہ کا تدبیر کی مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان میں سے جس صنف مخلوق میں احساس، ارادہ اور اختیار کی عقلی کمی ہے، اسی قدر قدرت اس کی حلیہ گری کی خدمات زیادہ انجام دیتی ہے اور جس صنف احساس اور اختیار کا دائرہ اصناف ہی میں بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر علم فطرت اپنے فرائض سے کٹ کر کش ہوتا جاتا ہے اور وہ صنف کائنات اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتی جاتی ہے، جمادات اپنی نشوونما کے لئے بیرونی غذا کے محتاج نہیں، نباتات جن میں ان اوصاف کی ہستی صرف انھیں کھولتی ہے ان کی غذا خود ان کے پاؤں کے نیچے ہوتی ہے اور وہ خود اذکار و عمل کرنا تک پہنچ جاتی ہے، حیوانات جن میں یہ اوصاف جاگ کر کروٹیں برتتے ہیں، ان کی غذا بے جوتے بے بوتے اپنے چنے نکھارے ہی پیچھے پکائے، ہر قدم پر ہر وقت تیار ملتی ہے لیکن انسان جن میں یہ تینوں اوصاف بیٹھ کر حکمران اور کار فرما ہوتے ہیں، ان کے منہ تک غذا کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس کی جود و جہد و محنت و ہانفتانی کے پسینہ کا گرم قطرہ پیشانی سے چل کر اس کے پاؤں تک نہیں پہنچتا۔

جہاں احساس، ارادہ اور اختیار جیسے جیسے کم ہے، اسی قدر طبیعت، فطرت اور جبلت کی اضطراری حکومت زیادہ قائم ہے لیکن جیسے جیسے ان تینوں اوصاف کی ترقی و تکمیل ہوتی جاتی ہے، طبیعت، فطرت اور جبلت کی حکومت کا دائرہ تنگ ہو کر، احساس، ارادہ اور اختیار کی شناسائی قائم ہوتی جاتی ہے اور حرکات و اعمال کی باگ، فطرت و جبلت کے مضبوط اور ناممکن اختیار انھوں سے نکل کر اختیار و ارادہ کے مکرور اور ہر آن بدل جانے والے ماحول میں آجاتی ہے جمادات ہمیشہ وہی کر رہے ہیں جو ان کو کرنا چاہیے، جمادات وہی نہیں گے جو ان کو کرنا چاہیے، حیوانات وہی کام انجام دیں گے جو ان کے سپرد کر دیا گیا ہے، لیکن انسان کسی قدر اختیار و ارادہ پا کر اکثر اپنی راہ سے ہٹ جاتا ہے اور معدودہ احتمال سے قدم باہر نکال دیتا ہے اس اختیار و ارادہ کی ذمہ داری کی امانت کو بھول جاتا ہے، انبیاء اور رسول وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ذی ارادہ اور با اختیار مخلوق کو اس کی اس ذمہ داری کے فرائض سمجھانے کے لئے آتے ہیں۔

اس اختیار و ارادہ کے مرکز کا نام مذہب کی زبان میں ذل ہے جو انسان کے سر سے لے کر پاؤں تک کی ہر گونہ ریشہ ریشہ کی ایک ایک جنبش و حرکت پر حکمران ہے اور اسی کے حکم سے اس نام کے اندر ذی ظلم میں سب کچھ ہوتا اور سرانجام



پاتا ہے، انبیاء اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لئے آتے ہیں۔

انسان کو اپنے وجود، بقا، ترقی اور تکمیل کی ہر منزل میں قدم قدم پر ہزاروں چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے ان چیزوں کے میاں اور تیار کرنے کے لئے ہر انسان میں استعداد و وقت الگ الگ ہوتی ہے اور یہ استعداد و وقت فیاض قدرت کی طرف سے پیشکش ہو کر پیدا کرنے سے پہلے ہی اب و گل کے عالم میں اس میں ودیعت رکھی جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہر انسان میں جس قسم کا میلان ہوتا ہے اسی کی استعداد اس میں پائی جاتی ہے اور پھر بعد کو خاص خاص فنی المات کے ذریعہ سے جن کو کم ایجادات و اختراعات کہتے ہیں، ہر چیز کو اپنے مقصد کام کو بڑھاتا اور ترقی دیتا ہے اور تمہاری ضرورت کے مطابق تمہارے لئے سامان فراہم کرتا ہے۔

ان مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت مختلف درجے اور مرتبے ہیں، بعض ان میں سے محض مقلد ہوتے ہیں، جو وہی بنا سکتے ہیں جو بنا ناسکھا ہے، بعض چابکدست اور ذہین ہوتے ہیں جو اچھے کاریگروں کے صرف نمونوں کو دیکھ کر اچھی چیزیں تیار کر سکتے ہیں، بعض ایسے ذہین اور فطین ہوتے ہیں کہ وہ نئی نئی چیزیں بناتے، دریافت کرتے اور ایجاد کرتے ہیں اور بعد کے آنے والے مدت تک ان ہی کی تقلید کرتے رہتے ہیں، کاشتکاری کے اصول، ازالہ مرض کی تدبیر، کھانے پکانے کے طریقے، سواری کی ضروریات، رہنے سہنے کے سامان، پہننے کے کپڑے، لٹرنے کے آلات، ان میں سے ہر شے کی ضرورت ہے اور ان میں ہر ضرورت کے لئے خالق فطرت نے ایک ایک گروہ پیدا کر دیا ہے اور وہ اپنے اپنے کام انجام دیتا رہتا ہے، ان ضرورتوں کے فراہم ہو جانے سے انسان کی مادی زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے اب اس کے بعد اس کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی ضروریات کا جن کو کم اصول تمدن، طریقہ معاشرت، آئین عدل و انصاف، اخلاق حسنہ اور دین و تقویٰ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، وہ شروع ہوتا ہے، اگر یہ اصول اور تعلیمات انسانوں کے سامنے نہ ہوں تو آدم کے بیٹوں کی یہ جنت دوزخ ہو جائے اور اشرف المخلوقات کی یہ جماعت جانوروں کا گلہ اور درندوں کا غول بن جائے۔

جو تمہارے لئے غلہ پیدا کرتا ہے وہ کاشتکار ہے، جو اوزار بناتا ہے وہ لوہار ہے، جو زیور گھڑتا ہے وہ سونار ہے جو تمہارے لئے کپڑے بناتا ہے وہ بیکر ہے، جو تمہارے مکان بناتا ہے وہ مہار ہے، جو تمہاری حفاظت کرتا ہے وہ سپاہی ہے، جو تمہاری نگہبانی کرتا ہے وہ حاکم ہے، جو تمہارے آپس کے جھگڑے چکاتا ہے وہ قاضی ہے، جو تمہارے ملک کے اندر امن و امان کا صامن ہے وہ بادشاہ ہے، جو تمہاری جسمانی بیماریوں کا معالج ہے وہ طبیب ہے، جو اپنی صنایعوں سے تمہاری ضرورتوں کے لئے کاریگری کی چیزیں بناتا ہے وہ صنعت کار ہے، اور جو تمہارے لئے مادی کائنات کے چہرے سے اسرار کا پردہ ہٹا کر تم کو ہر چیز سے باخبر کرتا ہے وہ حکیم ہے۔

اسی طرح جو ہر گروہ افراد تمہارے روحانی و اخلاقی و اجتماعی مالت کے معلم و نگران ہیں، ان کی بھی ایک جماعت ہے لیکن جس طرح تمہارے مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعداد اور حسب حیثیت درجے ہیں، اسی طرح ان روحانی ضروریات کے فراہم کرنے والوں میں بھی مرتبے اور درجے ہیں، بعض وہ ہیں، جو صرف اگلے روحانی معلمین کی نقل و تقلید کرتے ہیں، یہ عام علماء ہیں، بعض وہ ہیں، جو اچھے روحانی نمونوں کو دیکھ کر خود بھی ان کی عمدہ نقل آتے ہیں اور دوسروں کو بھی بتاتے ہیں، یہ مجددین ہیں، بعض ایسے ہیں جو الہام ربانی سے فیض پا کر روحانیت کے لئے نئے نئے اصول وضع کرتے اور دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، یہ انبیاء ہیں، ان کے مقدس ماتھے تمہارے لئے غلہ پیدا کرنے، مکان بنانے، کپڑے بنانے، اوزار بنانے

اور بنانے کے لئے نہیں بلکہ ان سے ہر جہاں بلند تر اور بہتر کام کے لئے ہیں، ان کی مبارک انگلیاں تمہارے ان تاروں پر پڑتی ہیں جن سے یہ صد ہا قسم کے نئے نکل رہے ہیں، یعنی تمہارے دل کی رگوں پر غور کرو کہ یہ اصل مرکز جس پر تمہارے اعمال و افعال اور ہر قسم کے حرکات و سکنات اور ہر طرح کی جدوجہد کا مدار ہے یعنی دل، کیا انبیاء اور ان کے متبعین کے سوا نوع انسانی کا کوئی طبقہ اس کی نشوونما، حفاظت، ترقی، تکمیل اور اصلاح کے لئے بھی کام کر رہا ہے اور کیا خالق فطرت کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ مادی ترقی و اصلاح کی طرح تمہاری روحانی ترقی و اصلاح کی بھی فکر کرتا اور ایسا بکھا گا اس نے اس کی ترقی و تکمیل و اصلاح کی خدمت نوع انسانی کے کسی کارکن طبقہ سے متعلق نہیں کی ہے، کیا اس کی شان ربوبیت کے ساتھ سوزن ظن نہیں ہے۔

یہی وہ طبقہ ہے جو تمام متفرق اور مختلف انسانی طبقوں کو باہم جوڑ کر ایک عام انسانی تمدنی سطح پر لایا ہے، وہ ان سب کو جو تمہارے لئے روٹی تیار کرتے ہیں، کپڑے بناتے ہیں، جھوپڑے بناتے ہیں اور سامان اور اوزار درست کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مشارکت اور معاونت اور نیکی پر آمادہ کر کے ان میں روحانی برادری پیدا کرتے ہیں، اور مٹی سے پیدا ہونے والے ایک آدم کے بیٹوں کو جن کو دولت و غربت، سوسائٹی اور مجلس، حکومت اور قلم اور جغرافیائی و قومی تقسیم نے پارہ پارہ کر رکھا ہے، باہم جوڑ دیتے ہیں، اور ان تمام مصنوعی امتیازات کو مٹا کر پوری زمین کو ایک ملک، تمام اقوام عالم کو اولاد آدم، اور کل بلند و پست، مختلف کو ایک انسانی طبقہ قرار دیتے ہیں، اور ان کے اخلاقی و روحانی عالم میں اصلاح و ترقی اور امن و امان پیدا کرتے ہیں، ان کے دلوں سے بغض و کینہ کو نکال کر اخوت و محبت کا نور بھرتے ہیں، ان کے احساس، ارادہ اور اختیار کی باگ پران کے دل کو قابو حاصل کرنے کی تدبیر بتاتے ہیں اور ان کو اعتدال کی حد بتا کر جمیع غلطی کی تمیز عطا کرتے ہیں۔

یہی وہ انسانی طبقہ ہے جس کو ہم نبی، رسول اور پیغمبر کہتے ہیں، ان کو گو براہ راست جسم و جسمانیات سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف دل اور قلب و روح کے عالم سے سروکار ہوتا ہے، تاہم اس دل اور قلب و روح کی اصلاح کے لئے جسم و جسمانیات کی کوئی قدر اصلاح بھی اس حد تک ان کے فرائض میں داخل ہے جہاں تک ان کو دل اور قلب و روح کے کاموں کی اصلاح میں اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

اس مقام پر ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ افراد انسانی کے درمیان امن و امان اور اطمینان پیدا کرنے کا کام تو بادشاہ بھی کرتے ہیں، اخلاق کا ایک معلم بھی کرتا ہے، ایک فلسفی اور حکیم بھی کرتا ہے، ایک حکیم بھی کرتا ہے مگر ان کے کاموں کے درمیان جو عظیم الشان فرق ہے اس کو سمجھ لینا ہی اس شبہ کا ازالہ ہے، علمی اصطلاح کا یہ بھی کہ مختلف فنون کے ماہر، ایک ہی چیز پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالتے ہیں اور اسی اختلاف نظر سے ان کا فن بھی طیندہ و علیدہ ہو جاتا ہے، کسی جسم کے اجزائے ترکیبی سے اگر بحث کی جائے تو کیمیاء ہے، اگر اس کی زندگی اور اسباب زندگی پر غور کیا جائے تو بیالوجی (علم الحیات) ہے، اگر اس کے دماغی قوی اور ان کے آثار کی تحقیق کی جائے تو سائیکا لوجی (علم النفس) ہے، اگر اس کے جذبات اور جذبات کے مطابق اس کے شخصی افعال و اعمال کے حدود اور ان کے اسباب و علل اور غرض و غایت پر نظر ڈالی جائے تو یہ ایٹھکس (فلسفۂ اخلاق) ہے، اگر اس کے جماعتی خصائص اور لوازم کی تقشیش کی جائے تو یہ سوشیا لوجی (علم اجتماع و معاشرت) ہے، اگر جسم کی صحت و مرض کے اسباب کی جستجو جائے تو یہ طب ہے، دیکھو کہ ایک ہی جسم یا متعلق جسم پر کتنی حیثیتوں سے بحث کی گئی ہے اور ان سے کتنے مختلف علوم پیدا



۳۰ سیرت النبی ص ۴۴۴  
ہو گئے ہیں تاہم وہ سب کے سب جسم اور جسمانیات ہی سے متعلق اور وابستہ ہیں اور بایں ہمہ ان میں سے ہر ایک علم و فن علیحدہ اور ہر ایک علم و فن کے جاننے والے علیحدہ ہیں۔

اسی طرح ایک نبی اور ایک رسول کا کام بھی بادشاہوں، فلاسفوں اور حکیموں کی طرح انسانوں ہی کی اصلاح ہے مگر ان میں سے کسی ایک کا کام بھی دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے، بادشاہ صرف اس کا مہم دار ہے کہ وہ اپنے زور و قوت سے بازاروں، گلیوں، آبادیوں اور میدانوں میں امن و امان اور انصاف کو قائم رکھے، فلاسفہ انسانوں کے تمام اعمال و خیالات کے اسباب و علل کی تحقیق اور ان میں نظم و تسلسل اور علت و معلول کا ربط پیدا کرنے کا کفیل ہے، فلسفہ اخلاق کے معلم تمہارے اخلاق و عادات کے اسباب و علل تم کو بتاتے اور ناقابل فہم جزئیات کی تشریح کرتے ہیں، اس سے آگے ان کا کوئی کام نہیں، حکیم اور داعی تمہارے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لئے نہایت شیریں، خوشگوار اور ڈھلے ہوئے فقرے سناتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی نہیں جو تمہارے دلوں کا رہنما ہو، جو تمہارے احساس، ارادہ اور اختیار کے قدم کو غلط روی سے روک سکے، وہ نہ صرف تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات کے اسباب و علل بتاتے بلکہ تمہارے اخلاق و عادات اور جذبات میں خیر و شر کی تمیز کرے اور خیر کے حصول اور شر سے حفاظت کی تدبیر بتاتے بلکہ اس کے ہاتھ اور زبان میں یہ قوت ہو کہ اپنی تعلیم و تلقین و فیض صحبت سے تمہارے اخلاق و عادات و جذبات بکرا احساس، ارادہ اور اختیار کی غرض و حمایت بلکہ پورے دل کی قوتوں میں انقلاب پیدا کر دے اور شر کے تخم کو دلوں کی سرزمین سے نکال کر خیر کا برگ و بار پیدا کرے، البتہ نبی یہ تمام کام سرانجام دیتا ہے وہ انسانوں کو ان کے احساس، ارادہ اور اختیار کی بھول ہوئی ذمہ داری یاد دلاتا ہے اور ان کے قومی کے مرکز یعنی دل کو خدا کے علم سے درست کر دیتا ہے۔

وہ بادشاہوں کی طرح صرف بازاروں، مجموعوں اور آبادیوں کا امن و اطمینان نہیں چاہتا بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کے اندر کا امن و اطمینان چاہتا ہے، وہ معلمین اخلاق کی طرح اسباب و علل کی تلاش و جستجو و تشریح کی پروا نہیں کرتا بلکہ اخلاق سیرت خواہ کسی سبب سے ہوں، وہ ان کی نیچ کنی کرتا ہے اور اخلاق حسنہ خواہ وہ کسی علت کے معلول ہوں، وہ ان کو انسانوں کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ انسانی اوہام کے غلبہ کو توڑ دیتا ہے اور غلط رسم و رواج کی بندشوں کو کھولتا ہے اور انسانوں کی غلامی سے آزاد کر کے صرف خدا کی غلامی میں دیتا ہے۔

یَا مَرْحُومًا بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الْمَحَلَّاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْفَاحِشَاتِ وَيُضَمُّ عَلَيْهِمْ جُزُوعَهُمْ وَأَوْفَاءُ آلِهِمُ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ - اعراف - ۹

وہ ان کو بھلائی کا علم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اچائیوں کو ان کے لئے حلال اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان کے اس بندھن اور زنجیروں کو جو ان پر ہوتی ہیں ان سے آتارتا ہے۔

ایسے رسول بھی جو نیکوں کو خوشخبری دیتے اور بدکاروں کو ہشیار کرتے ہیں تاکہ رسولوں کے اس وعظ و تذکر کے بعد پھر انسانوں کو خدا پر انعام دینے کا موقع ملے کہ ہم بھولے تھے تو خدا نے ہم کو کیوں یاد دلایا۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا بِأَبِيْنَسٍ وَآتَيْنَا

۳۱ مَعَهُ الْكِتَابَ وَالْحِيزَانَ يُسَيِّرُهُمُ  
الَّذِينَ بِالْقِسْطِ (صدید - ۱۳)

سیرت النبی ص ۴۴۴  
آتاری اور رسول کی ہتھوڑا تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں اور دنیا میں امن و امان کی زندگی بسر کریں۔

نوح انسانی کے دوسرے تمام خدام اور کارکن اپنے فرائض کو جن اغراض سے انجام دیتے ہیں، ان کا وہ موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی سے آگے نہیں بڑھتا مگر انبیا اور رسول نوح انسانی کی خدمت کے یہ کام بھی اس کی موجودہ زندگی کی بھلائی اور برائی کو اس لحاظ سے سامنے رکھ کر کرتے ہیں کہ ان کا اثر اس کی دوسری دائمی و پائیدار زندگی پر کیا پڑے گا، وہ جسم کی خدمت جسم کے لئے نہیں بلکہ روح کے لئے کرتے ہیں اور مخلوق کی خدمت خالق کے خشا کے مطابق بھالتے ہیں، وہ صرف ایک مخلوق کو دوسری مخلوق ہی سے نہیں بلکہ مخلوق کو خالق سے اور خالق ہی کے لئے ایک مخلوق کو دوسری مخلوق سے جوڑتے ہیں۔

وہ صرف اچھی اور میٹھی میٹھی باتیں لوگوں کو نہیں سناتے، بلکہ خود بہتر سے بہتر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کا عامل بناتے ہیں، وہ خیال آرا شاعروں اور مجھوٹے حکیموں کی طرح نہیں ہوتے، جھگڑتے ہیں اور کرتے نہیں، دماغ ہوتے ہیں مگر دل نہیں ہوتے، زبانیں ہوتی ہیں مگر ہاتھ نہیں ہوتے۔

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَا تَأْمَنُونَ  
فِي كُلِّ قَرْيَةٍ يَبْعَثُونَ وَإِنَّمَا يَقُولُ مَا  
لَا يَفْعَلُونَ (شعراء - ۱۱)

اور شاعروں کے پیروکار گم کردہ راہ ہوتے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر میدان میں سرمارتے پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔

وہ اس دعویٰ کے ساتھ انسانوں میں آتے ہیں کہ ان کے خالق نے جس نے ان کے ذرہ ذرہ کا سامان راحت فراہم کیا ہے اور جو ان کے قلب و روح کا سامان راحت بھی ہم پہنچاتا ہے، ان کو اس لئے بھیجا ہے کہ ان لوگوں کے قلب و روح کو اس سامان کا برتنا سکھائیں، اور ان کے رب کا پیغام ان کو سنائیں اور بتائیں کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اپنے احساس، اپنے ارادہ اور اپنے اختیار کو اس طرح اس عالم میں صرف کریں کہ وہ پریشانی و بے اطمینانی کی تاریکی سے نکل کر سکون و اطمینان اور امن و سعادت کی روشنی میں داخل ہوں۔

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدٍ آيَاتٍ  
يُتْلَىٰ بِهَا وَيُخَرِّجُكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى  
النُّورِ وَإِنَّ يَكْفُرُ لَأَوَدُّكَ حِيًّا

وہی خدا ہے جو اپنے (رسول) بندے پر کھلی آیتیں آتارہا ہے کہ تم کو (اے انسانوں) وہ تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے (اور اللہ نے ایسا اس لئے کیا کہ تم پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔)

انبیا بھی ایک بادشاہ کی طرح جماعتوں کا انتظام کرتے ہیں، مگر ملک کے خراج اور زمین کی آبادی کے لئے نہیں بلکہ خلق کے لئے، وہ بھی جان و مال کی حفاظت کے لئے متقن کی طرح قانون بناتے ہیں اور قاضی کی طرح منہر و جزا کا حکم سناتے ہیں مگر انعام شاہی اور تنخواہ مانگنا یا کر کسی دنیاوی بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کے لئے نہیں، بلکہ جسم و جان کے شہنشاہ اور کائنات کے مالک کے فرمان کی تعمیل میں، وہ بھی فلاسفہ کی طرح رموز و اسرار کا پردہ فاش کرتے ہیں مگر تجربہ، استقرار اور قیاس سے نہیں، بلکہ عالم اسرار کے مبدع و معلم و داعی کی طرح پُر تاثیر کلام کرتے ہیں، مگر ان کے مانند اپنے دل سے جھوٹ کر نہیں، بلکہ خدا سے سن کر اور وہ صرف کہتے نہیں، بلکہ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں، وہ دوسروں سے کراتے ہیں



وہ خدا سے ہیں، خدا سے پاتے ہیں اور اسی سے سنتے ہیں اور وہی اوروں کو سناتے ہیں، غرض اور آسمان سے ان کو جو کچھ ملے وہی نیچے زمین پر سب کو بانٹتے ہیں۔

وَالْتَجِبُوا إِذَا هُوَ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۚ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۚ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۚ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۚ

فَاَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۚ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۚ أَفَتَسْمُرُونَ عَلَىٰ مَآثِرِهِ ۚ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۚ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۚ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۚ قُلْ إِنَّمَا أَنبِئُكُمْ بِمَا يَوْحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ۚ هَذَا الْبَصَافُ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّعِبَادٍ يُؤْمِنُونَ ۚ

الحرف ۱۳۰

وَإِنَّهُ لَنَزَّلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۚ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۚ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۚ

قسم ہے اس ستارہ کی جب وہ نیچے گرے کہ تمہارا ساتھی پیغمبر نہ ہو، لا، نہ بھٹکا اور نہ نفس کی خواہش ہی سے بات کرتا ہے وہ تو وہ ہے جو اس کو وحی کے ذریعہ کہا جاتا ہے، اس کو بڑی بڑی قوتوں والے ہی نے سکھایا طاقت والا، تو وہ سیدھا ہوا در آسمان کی وہ آسمان کے سب کے اوپر کن روں میں تھا۔

تو اس نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کی، نہ اس کے دل نے جو اس نے دیکھا، اس کو بھولے کیا وہ جو دیکھتا ہے تم اس پر اس سے بھگڑتے ہو، نہ مینائی نے کئی کی اور نہ سرکشی کی اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے دیکھا۔

کہ دے راے پیغمبر، کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، یہ راے انسانوں تمہارے رب کی طرف سے بصیرت میں ہیں، اور ان کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں، ہدایت اور رحمت ہیں۔

یہ تو عام کے پرورش کرنے والے کی طرف سے آیا، گیا ہے، اس کو، امت والی روح نے تیرے دل پر اتارنا کہ تو ہدایت کرنے والے میں سے ایک ہو، فصیح عربی زبان میں۔

نکتہ :- یہ بالکل ممکن بلکہ واقعہ ہے کہ ایک ہی قوم کا کام مختلف لوگ مختلف غرض و نیت سے کرتے ہیں، کسی قوم کی اصلاح ہی کا کام ہے کہ اس کو مختلف لوگ مختلف غرض و نیت سے کرتے ہیں، خود غرضی کے غیر مخلصانہ اغراض سے قطع نظر کر کے صرف مخلصانہ اغراض کو لو، کوئی یہ سمجھتا ہے کہ قوم کی مالی حالت کی درستی سے قوم بن سکتی ہے، کوئی اصلاح کی عبرت تعلیم کو قرار دیتا ہے کوئی ترک و رواج و معاشرت پر زور دیتا ہے، کوئی ظاہری تمدن پر مدار رکھتا ہے، کوئی جسمانی قوت پر مجبور ہو کر رکھتا ہے، کوئی سیاسی کامیابی کو قومی اصلاح کا مرکز ٹھہراتا ہے لیکن انیسار کے نزدیک یہ سب ثانوی درجہ کی باتیں ہیں، وہ اپنی بنیاد صرف قلب کی اصلاح پر رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اصل چیز ہے اور اسی کے بدلنے سے سب کچھ بدل سکتا ہے، ان کی غرض خدا کی اطاعت، خدا کی محبت اور خدا کی معرفت ہوتی ہے اور تمام دوسری ترقیوں اور اصلاحوں کو وہ یکسر اسی ایک اصل کی فرد سے اور اسی ایک جڑ کی شاخیں جانتے ہیں یہی سبب ہے کہ ان کی دعوت کی کامیابی سے قوموں کو سلطنت بھی ملتی ہے، دولت بھی ملتی آتی ہے، علم بھی حاصل ہوتا ہے، زور اور قوت بھی پیدا ہوتی ہے اور دنیاوی عظمت و جلال کا ہر منظر خدا نے اس کے استقبال کے لئے آگے بڑھنا ہے۔

سیرت النبی جلد چہارم  
صرف خدا کی اطاعت، خدا کی محبت، خدا کی خوشنودی ہوتی ہے اور باقی تمام چیزیں ان کی نگاہ میں فرعی، ثانوی اور غرضی ہوتی ہیں  
نبی اور غیر نبی کے امتیازات

اسطور پر بالا سے ہوتا ہے کہ انبیاء اور ان کے مشاہدین میں کئی عظیم الشان فرق ہے یہ فرق چار حیثیتوں سے نمایاں ہے۔ پہلا۔ اور منبع کا فرق، غرض و غایت کا فرق، طریق و دعوت کا فرق اور عمل و عمل کا فرق۔ نبی کے علم کا مبدع، منبع، ماخذ اور سرچشمہ جو کچھ کو وہ تعلیم ربانی، شہادہ صدر اور وحی و الہام ہوتا ہے، اور حکم کے علم کا ماخذ منبع تعلیم انسانی، ان کے شہدہ، استقراء اور قیاس ہوتا ہے یعنی حکم عقل سے جانتا ہے اور نبی خالق عقل سے اس کی ایک حکم کے تمام افعال اور جہد و جد کا منشأ، بنی ثمرت طلبی، علم کا انظار و قوم یا ملک کی محبت کی خاطر اس کی اصلاح ہوتا ہے، مگر ایک نبی کا مقصد خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضا مندی کے لئے مخلوق کی بھلائی ہوتا ہے، طریق دعوت کا فرق یہ ہوتا ہے کہ حکیم اپنی دعوت کی غارت کو تمام تر مصلحتوں اور عقل و اسباب کے تنویر پر نظر کرتا ہے، لیکن نبی اپنی دعوت کو زیادہ تر خالق کی اطاعت، محبت اور رضا جوئی پر قائم کرتا ہے، حکیم کتا ہے لیکن اس کا کرنا اس کے لئے ضروری نہیں، نبی جو کتا ہے وہ کرتا ہے اور اس کا کر کے دکھانا ان کے لئے ضروری ہے، وہ صرف جلوت کے منبر پر جلوہ نما نہیں ہوتا بلکہ وہ جلوت و علوت اور ظاہر و باطن میں یکساں حسنات سے آراستہ اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے، دنیا میں سقراط، افلاطون، ارسطو، دو جانیں وغیرہ ایک طرف اور ابراہیم موسیٰ اور محمد دوسری طرف ہیں اور دونوں کے سوانح اور سیرتیں اور کارنامے بالکل نمایاں اور ایک دوسرے سے اس طرح متضاد ہیں کہ ان میں ذرا التباس نہیں۔ بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج و لشکر کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتے ہیں تاکہ فتنہ و فساد نہ ہو جائے، فلاسفہ اپنے دعوؤں کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطا سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی بات لوگ تسلیم کریں لیکن پیغمبر اپنے پیروؤں کے قلب کو اس طرح مل دینا چاہتے ہیں کہ وہ از خود برائی کو چھوڑ کر نیکی اختیار کر لیں، وہ اگر کبھی قانون و حد و سزا کو اختیار کرتے ہیں یا ساتھ ساتھ عقل کو بھی غائب کر دیتے ہیں، تو ان کا یہ غرضی یا ثانوی کام ہوتا ہے، اولین سنیں، ان کی اولین غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے پیروؤں کو خدا کی قدرت، اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اتنا محکم اور بے غمہ یقین ہو جائے کہ وہ اس کے حکموں اور نصیحتوں کو جو ان کے ذریعہ آتی ہیں، بلے چون و چرا تسلیم کر لیں۔

دنیا کے بادشاہ اور فاتح اور کشور کشا اپنے زور بازو اور تلوار کی قوت سے دنیا کے طبقے الٹ دیتے ہیں، انھوں نے کبھی کبھی پیار دانگ عالم پر حکمرانی کی، قوموں کی جان و مال پر اپنا قبضہ اقتدار جمایا، ان کی تلوار کی دھاک نے آبادیوں اور جمعوں کے مجرموں کو روپوش کر دیا اندہ بازاروں اور راستوں میں امن و امان پیدا کر دیا، لیکن کیا انھوں نے دلوں کے طبقے بھی الٹے، اپنی سلطنت کے دائرہ سے باہر کسی کمزور سے کمزور انسان سے اپنے حکم منوائے، وہ لوگوں کے دلوں کو بھی اپنے قبضہ اقتدار میں لائے؟ وہ آبادیوں اور جمعوں کو روپوش مجرموں کو بھی فکا کر کے؟ وہ دلوں کی بیسیوں میں بھی امن و امان پیدا کر کے؟ وہ روجوں کی مملکتوں کا بھی نظم و نسق قائم کر کے؟ ملکہ۔ اور فلاسفہ جو اپنی عقل رسا کے ذریعہ سے عجائبات عالم کی حکم کشائی اور کائنات کے غرضی اسرار کے فاش کرنے کے محم ہیں، کیا وہ قلب و روح کے عجائبات کو بھی دریافت کر کے؟ وہ مادہ رائے مادہ اسرار و رموز کو بھی حل کر کے؟ وہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کا بھی کوئی سامان اپنی تحقیق و تفتیش سے فراہم کر کے؟ ان کی دقیق نظر بینیوں اور خیال آرائیوں کے پیچھے ان کے ذاتی حصہ عمل کا بھی کوئی نمونہ ہے؟ ارسطو نے فلسفہ اخلاق کی بنیاد ڈالی، دوسرے حکما نے اخلاق کے اسباب و علل کے مدور و ظہور اثر و نتیجہ کے ایک ایک حرف کی تحقیق کی مگر کیا اس سے کسی انسان کے دل سے برائی کا تخم دور ہوا؟ اچھائی کے بیج نہ زہر نہ پانی؟ اس کے اخلاق



و تعلیمات کے فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرہ ان کی درسگاہوں کی چار دیواریوں سے کبھی آگے نہ بڑھ سکا کیونکہ وہ اپنے درس کے مکروں سے نکل کر جب انسانی صحبتوں میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی اخلاقی زندگی اور قلبی صفائی عام انسانی افراد سے ایک پرچ بھی بلند نہیں ہوتی، حکمائے یونان میں سقراط سے بڑھ کر کوئی نہیں مگر کیا یہ وہی نہیں ہے جو بازار کی فاحشہ عورتوں سے ارتباط رکھتا تھا اور ان میں ایک پیشہ کے فروغ اور کامیابی کے لئے کوشاں رہتا تھا ایسی یونان کے دوسرے حکماء کا حال تھا اور توجید پرستی کا درجہ تو اس سے بدرجہا بلند ہے جس کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی تھی

ان سطروں سے اندازہ ہوا ہو گا کہ ہر شہر میں نوا و اسطو ہر موثر بیان خطیب، ہر دقیقہ رس، متفن، ہر کشورکش فاتح اور ہر شکرہ والے حکیم اس لائق نہیں کہ نبوت و رسالت کا اہم اور بلند اور مقدس منصب اس سے منسوب کیا جائے، اس منصب کے ساتھ کچھ ایسے شروط، لوازم اور خصوصیات بھی وابستہ ہیں، جو اس کے ضروری اجزاء اور عناصر ہیں۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کا تعلق پُر اسرار عالم غیب سے ہو، وہ غیب کی آوازیں سننا ہو، غیب کی چیزیں دیکھنا ہو، غیب سے علم پاتا ہو، عالم ملکوت کی تائید اس کے ساتھ ہو، روح القدس اس کا ہم سفر و ہموا ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام بندوں میں سے اس کے لئے چنا ہو کہ وہ اس بلند منصب پر سرفراز ہو۔

(۳) اس سے خدا کے حکم سے عجیب و غریب اور حیرت انگیز تصرفات صادر ہوں، جن سے اس کا مقبول بارگاہ ہونا ثابت ہو۔

(۴) فضائل اخلاق کے پھولوں سے اس کا دامن بھرا ہو، اور ہر قسم کے گناہ کے خس و خاشاک سے پاک و صاف ہو کہ گندے اتھوں سے میلے کپڑے پاک و صاف نہیں ہو سکتے۔

(۵) وہ لوگوں کو خدا اور عالم غیب پر یقین کی دعوت اور فضائل و اخلاق کی تعلیم دے اور روز الست کا بھولا ہو محمد ان کو یاد دلائے۔

(۶) نہ صرف تعلیم، بلکہ اس میں یہ قوت ہو کہ وہ شریروں کو نیک اور گمراہوں کو راست بنادے اور جو خدا سے جھگڑتے ہوں ان کو پھیر کر پھر اس کے آستانہ پر لے آئے۔

(۷) اپنے سے پہلے خدا کی طرف سے آئے ہوئے صحیح اصول کو انسانی تصرفات سے پاک و صاف کر کے پیش کرے۔

(۸) اس کی دعوت، ہر جہد اور تعلیم و تلقین سے مقصود کوئی دنیاوی معاوضہ، شہرت، جاہ طلبی، دولت مندی، قیام سلطنت وغیرہ نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے حکم کی بجا آوری اور خلق خدا کی ہدایت ہو۔

یہ نبوت و رسالت کے وہ اوصاف اور لوازم ہیں جو دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے جاتے ہیں، مذاہب عالم کے صحیفوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف اور آشکارا ہو جاتی ہے، خصوصاً قرآن پاک نے جو دنیا کی نبوت کا سب سے آخری اور سب سے مکمل صحیفہ ہے اور جس نے نبوت و رسالت کی حقیقت اور شرائط و لوازم کی سب سے بہتر تشریح کی ہے سورۃ النعام میں اکثر پیغمبروں کا ذکر کر کے یہ حقائق ان الفاظ میں بیان کئے ہیں۔

وَبَلَّغْنَاكَ جُجْتَنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلٰی قَوْمِهِ  
نَزَّغْنَاهُ مِنْ رَبِّهِمْ نَشَأُوا رَبِّكَ  
حَكِيمًا عَلِيمًا، وَوَحَبْنَاهُ لَكَ إِسْحَاقَ  
اور یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اسی کی قوم کے مقابلہ  
میں دی تھی کہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ جیسے کہ کرتے ہیں، اے شہر تیرا  
پروردگار تیرے برابر والا خبردار ہے، اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کو

وَلْيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا، وَلَوْحًا هَدَيْنَا مِنْ  
قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ  
يُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَلَكَ ذِكْرُكَ  
نَجَّيْنَا الْمُحْسِنِينَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى  
وَالْيَاسِينَ كُلًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ وَاسْمِعِيلَ وَالْإِسْمَاعِيلَ  
وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ وَمِنْ  
آلِ إِبْرَاهِيمَ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَإِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمَ  
وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ذَٰلِكَ هُدَى  
اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُوا  
لَحِطْنَا عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ  
آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَاتِ فَاثَّ يَكْفُرُوا  
بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا  
بِكَاغِرِينَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ  
فَبِهَٰذَا هُمْ أَقْتَدُوا قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا  
إِن هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

(النعام - ۱۰)

يعقوب بنشینے اور ہر ایک کو ہدایت دی اور نوح کو اس سے  
پہلے ہدایت دی تھی اور اس کی اولاد میں داؤد اور سلیمان اور  
ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیکو لوگوں  
کو ہدایت دیتے ہیں اور زکریا اور عیسیٰ اور یحییٰ اور ایسا کو ہر ایک  
نیکو کاروں میں سے ہے اور اسمعیل اور اسماعیل اور یونس اور لوط  
کو ہر ایک کو بزرگی بخشی، دنیا والوں پر اور ان کے باپ دادوں  
اور بھائیوں میں سے، اور ہم نے ان کو چن کر پسند کیا اور ان  
کو سیدھی راہ پر چلایا، اے اللہ کی ہدایت ہے اس پر وہ جس  
کو چاہے چلتا ہے، اگر وہ شرک کرتے تو ان کا سارا  
کیا برباد ہو جاتا، ایسی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حق و  
باطل میں فیصلہ کرنا رکھ کر، اور نبوت دی تو اگر کوئی ان باتوں  
کا انکار کرے تو ہم نے ان باتوں پر ایسے دوسرے کو مقرر کیا  
ہے جو ان کا انکار نہیں کرتے، یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے  
ہدایت دی، اے محمد! تو بھی انہی کی راہنمائی کی پیروی کرو کہ  
میں اپنے کام کی تم سے مزدوری نہیں چاہتا، یہ قرآن تو دنیا والوں  
کو یاد دہانی ہے۔

ان آیتوں میں اکثر پیغمبروں کے نام لے کر ان کے پیغمبرانہ اوصاف گنائے ہیں، اگر ہم ان کو یکجا کر دیں تو نبوت و  
رسالت کے عام اوصاف، خصوصیات اور لوازم واضح ہو جائیں۔

(۱) فرمایا: ہم نے ابراہیم کو دلیل دی اور ہم نے ان کو ہدایت بخشی، جس سے معلوم ہوا کہ ان کے علم اور ہدایت کا  
سرچشمہ عالم ملکوت سے ہوتا ہے۔

(۲) ارشاد ہوا کہ: ہم نے ان کو سیدھی راہ چلایا اور یہ سب نیکو کار تھے، اس سے ثابت ہوا کہ وہ معصوم اور گناہوں  
سے بے حاش ہوتے ہیں۔

(۳) یہ بھی کہا کہ ہم نے ان کو چن کر پسند کیا اور اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں یہ ہدایت عطا کریں، جس سے یہ مقصود  
ہے کہ یہ منصب سعی و محنت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی اور انتخاب سے ملتا ہے۔

(۴) فرمایا کہ ہم نے ان کو کتاب حق و باطل کے فیصلہ کی طاقت (حکم) اور احکام غیب کی تعلیم (نبوت) دی، اس سے  
معلوم ہوا کہ ان منصب والوں کو کیا چیزیں عطا ہوتی ہیں۔

(۵) حکم ہوا کہ ان کی رہنمائی کی پیروی کر، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی اور دعوت پر مامور ہوتے  
ہیں اور لوگ ان کی پیروی سے نیکو کار اور صالح بنتے ہیں۔



(۱۶) فرمایا کہ اسے پیغمبر! یہ کہہ دے کہ میں اپنے کام کا کوئی معاوضہ یا بدلہ تم سے نہیں چاہتا، یہ تو اہل دنیا کے لئے نصیحت اور یاد دلانا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خالق کی خوشنودی اور اس کے ذریعہ سے مخلوق کی خیر خواہی کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مقصد اور مطمح نظر نہیں ہوتا۔

دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق و نسبت سے ان حقیقتوں کو قرآن پاک نے کئی دفعہ بتصریح بیان کیا ہے، جن میں سے چار باتیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔  
(۱) اشیائے غیب، امور خیر اور فلاح و سعادت کے اسباب پر اس کا علم خدا کی تعلیم سے کامل ہو۔  
(۲) وہ اپنے علم کے مطابق اپنے عمل میں کامل اور راست باز ہو۔  
(۳) وہ دوسروں کو ان امور کی تعلیم دیتا ہو۔

(۴) اور ان کو بھی اپنی تعلیم اور صحبت کے فیض سے حسب استعداد کامل بناتا ہو قرآن پاک میں متعدد دوقول پر ایسی نسبت یہ فرمایا گیا  
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (بقرہ و جمعہ)۔  
بنانا اور ان کو کتاب و حکمت سکھانا ہے۔

اس مختصر آیت میں ان چاروں مذکورہ بالا امور کو یکجا ذکر کیا ہے، جاہلوں کو آیات الہی پڑھانے اور کتاب و حکمت سکھانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ خود اس کو آیات الہی پڑھائی اور کتاب و حکمت سکھائی گئی ہوں اور دوسروں کو پاک و صاف بنانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود پاک و صاف ہو، کہ ایک جاہل اپنے ہی جیسے دوسرے جاہل کو عالم، اور ایک ناپاک اپنے ہی جیسے دوسرے ناپاک کو پاک نہیں بنا سکتا، ایک دوسری آیت میں ہے۔

مَنْ يَتْلُكُمْ فَلَا تَتَّبِعُوهُ لَئِنْ تَتَّبِعُوهُمْ يَفْسُدُوا بِمَقْعَدِهِمْ شَرْعُهُمْ وَأَنْتُمْ كُنْتُمْ سَوَاءً ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَالِمَ الْغُيُوبِ  
اَلَّذِينَ يَتْلُونَ الْكِتَابَ لَئِنْ لَمْ يَخْرُجُوا مِنْ دَارِهِمْ لِيُتْلُوا عَلَيْهِمْ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا يُسْرَتِي يُخْرِجَكُم مِّنْ دَارِهِمْ وَيُكَمِّلْ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأُتِي بِهِمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ  
ہم تجھے پڑھائیں گے تو تو مبین مجھ سے لے گا، مگر جو اللہ چاہے وہ جانتا ہے پکار اور جیسا، اور ہم تجھے آہستہ آہستہ آسانی تک پہنچائیں گے اور تو سمجھا، اگر تیرا سمجھنا فائدہ دے جس کو خدا کا لہذا ہو گا، وہ سمجھے گا اور جو بد بخت ہو گا وہ اس سے پرہیز کرے گا۔ (امی)

ایسا پڑھانا جس میں معمول نہ ہو، پیغمبر کی روحانی تعلیم ہے اور آسانی کی منزل کی طرف اس کو آہستہ آہستہ چلنا اور اس کے لئے اس کو محض منزل کو آسان کر دینا اس کے ذاتی کمال کو کمال کے درجہ تک اس طرح پہنچا دینا ہے کہ تمام امور خیر اس سے بسبوت از خود صادر ہونے لگیں، پھر اس کو دنیا کے بھانے پر مامور کرنا، اس کو اس کا شکار کرنا ہے کہ دوسروں کی تعلیم و تہذیب کا منصب اس کو ملا ہے اس کے بعد یہ فرمانا کہ متقی اس نصیحت سے فیض پائیں گے اور بد بخت محروم رہیں گے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ ناقصوں کی تکمیل اور ذی استعداد لوگوں کو ان کی استعداد کے مطابق پہنچانا بھی اس کا فرض ہے۔

نبوت کے لوازم اور خصوصیات | نبوت کی شرح حقیقت اور اس کے لوازم اور خصوصیات کے اجمالی بیان کے بعد ضرورت ہے کہ نبوت کے چند اہم خصوصیات پر تفصیل سے گفتگو کی جائے تاکہ وقت کی بہت سی غلط فہمیاں اور طریقہ استدلال امام رازی نے اپنی تفسیر اور بعض کتب کلامیہ میں اختیار کیا ہے

کامد باب ۱۶، لیکن ان خصوصیات کے ذکر سے پہلے خود ہم کو خصوصیت کو سمجھنا ہے کہ اس سے مقصود کیا ہے۔  
دنیا میں ہر نوع اور ہر نوع کے ماتحت ہر صنف میں کچھ نہ کچھ مخصوص صفات ہوتی ہیں، یہ مخصوص صفات اس نوع اور صنف کے ہر فرد میں یکساں پائی جاتی ہیں، ان ہی کو ہم لوازم اور خصوصیات کہتے ہیں، پھل پھول، پھوپھ، پرندے، انسان تمام انواع میں کچھ نہ کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں اور انہی خصوصیات کی بنا پر ہر نوع دوسری نوع سے ممتاز اور ہر صنف دوسری صنف سے علیحدہ ہے، گلاب میں خاص قسم کا رنگ، خاص قسم کی خوشبو اور خاص قسم کے پتے ہوتے ہیں، بنانا ممکن ہے کہ کوئی گلاب ہو اور اس میں یہ چیزیں نہ پائی جاتیں، لیکن گلاب کی بھی مختلف صنفیں ہیں، اور ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی لازمی صفات ہوتی ہیں، جن سے گلاب کی ہر صنف دوسری صنف دوسری صنف سے علانیہ الگ نظر آتی ہے۔

اسی طرح انسانیت کے کچھ خاص لوازم ہیں، دو ہاتھ، دو پاؤں، سیدھا قد، بولنے کی طاقت، سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی اہلیت، ایجاد و اختراع کی قوت، انجام دہی اور کمال اندیشی کی صلاحیت وغیرہ اس کے خواص ہیں اور جس طرح شہد میں ششاس، حنظل میں کڑواہٹ، آگ میں گرمی اور برف میں ٹھنڈک، انہی خواص کی حیثیت سے خود بخود پیدا ہو گئی ہیں، اسی طرح انسان میں انسانیت کی مذکورہ بالا خاصیتیں فطرۃ و ولایت ہیں، لیکن اس وصف انسانیت میں اشتراک کے ساتھ گلاب کے اصناف کی طرح نوع انسانی کے بھی مختلف اصناف ہیں جیسے ہندی، چینی، رومی، ایشیائی، یورپین، ویکوکران میں سے ہر ایک صنف میں انسانیت نے اشتراک کے باوجود قد و قامت، چہرہ و رنگ و روغن، صورت و شکل، اخلاق و عادات وغیرہ، جیسوں چیزوں کا نمایاں امتیاز ہوتا ہے اور یہ تمام انسانی اصناف جو مختلف آب و ہوا، مختلف مریضوں، مختلف نسل اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہیں انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ہر لحاظ میں متماثل ہیں اسی طرح ہر صنف انسانی کے اندر مختلف افراد ہیں، اخلاق فطرت نے ان میں سے ہر ایک کو مختلف قابلیتیں عطا کی ہیں، شاعری زبان دانی، فلسفہ، ریاضی، صناعی، باغبانی، معاشی، پہلوانی، سینکڑوں مختلف قسم کی انسانی استعداد کی خصوصیتیں دوسروں سے الگ ہیں، ایک تخیل پسند شاعر اور ایک حقیقت شناس ریاضی دان میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے، ادب و انشاء کے خیالی طرز پر دواز، عموماً ریاضیات جیسے شعبوں اور واقعی علوم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور واقعات سے لبریز ریاضیات کے جاننے والے ادب و شاعری سے بیگانہ، پہلوانی کے جوہر باغبانی سے الگ ہیں، اور ایک صناع کی طبیعت ایک فلسفی سے متضاد ہوتی ہے۔

اسی کے ساتھ صنف بشر میں خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے، نظم کی قوت، تخیل کی بلندی، محاکات کی قدرت، الفاظ کا زور و معانی کا جوش، یہ تمام شعراء کی مخصوص صفات ہیں، اسی طرح تمام فلسفیوں کی ایک خاص دماغی کیفیت ہوتی ہے، خاموشی، غور و فکر و وقت نظر خارجی عالم سے بے پروائی، تصور میں انہماک، غلوت گزینی، اخلاق کی خشکی، الغرض مریضوں اور آب و ہوا کے اختلاف کی بنا پر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی یہ اختلاف و امتیاز نظر آتا ہے، ہنسیال و دیولین، تیمور و چنگیز، دم کے دم کی آبادی کو ویرانہ اور ویرانہ کو آبادی، پہاڑ کو میدان اور میدان کو پہاڑ بنا سکتے تھے مگر وہ بیٹھ کر فلسفہ اخلاق پر چننے نہیں کہہ سکتے تھے، افلاطون تمنائی میں بیٹھ کر جمہوریت کا فلسفہ بنانا، تیار کر سکتا تھا مگر امتیاز کے تحت پر بیٹھ کر ایک لحظہ ان کا فرض انجام نہیں دے سکتا تھا، سلطان محمود کے درباری شاعر فردوسی نے اپنی طبیعت کے زور سے سینکڑوں خیالی سونات کے مصرعے قلم کئے، لیکن بچہ کی ایک چٹان پر کھڑی مزار کا، اس کے برخلاف سلطان محمود فوجوں کے دل بادل کے ساتھ پہاڑوں کو جیرا، دریاؤں کو پھاڑنا اور رگستانوں میں یانی بہانا، ہوا غزنی سے چل کر گجرات کے کن روں تک پہنچ گیا اور سونات کے سنگی قلعہ اور کھنڈ کو چور کر ڈالا مگر فردوسی



کی طرح تنہا بیٹھ کر وہ خیالی شاہنامہ کا ایک معرکہ بھی فتح نہیں کر سکتا تھا۔  
ان مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ نوع انسانی میں اشتراک ہونے کے باوجود اصناف انسانی کی ہزاروں قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر قسم و صنف کے الگ الگ خصوصیات و صفات اور لوازم ہیں، انہی مختلف اصناف انسانی میں انبیاء علیہم السلام کی بھی ایک صنف ہے اور نوع انسانی کی اس مقدس صنف کے بھی چند خاص اوصاف و خصوصیات اور لوازم ہیں جو انکو دوسرے اصناف انسانی سے علانیہ ممتاز بناتے ہیں۔

اس تمیز کے بعد اب ہم کو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ نبوت و رسالت کے اہم لوازم اور خصوصیات کیا ہیں۔  
وہی استعداد ان میں سے سب سے پہلی چیز وہی استعداد ہے، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مختلف انسانوں میں مختلف قسم کی فطری استعدادیں پائی جاتی ہیں، اور انہی کی طرف ان کا طبعی میلان ہوتا ہے اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں ان کی استعداد اور میلان طبع کا جو ہر برگ و بار پیدا کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ ایک خاص مقررہ مدت میں جا کر وہ پوری طرح نما ہر ہو جاتا ہے جس طرح ہر درخت سے آم کا پھل پیدا نہیں ہو سکتا، بلکہ اسی سے ہوگا جس کو خدا نے آم کا درخت بنایا ہے پھر آم کے درخت کے آثار خواص پھل، اس کا مزہ، اس کا رنگ و بو وغیرہ منجملہ خصوصیات خود اس درخت میں اسی وقت موجود ہوتے ہیں جب وہ ہنوز تخم کی صورت میں ہوتا ہے وہی تخم پودا بنتا ہے، پودا بڑھتا ہے، کوئل اور شاخیں پیدا کرتا ہے اور چند سال میں پھل لینے لگتا ہے لیکن اپنی ترقی کے ہر دور میں وہ اپنے مخفی خصوصیات وہی رکھتا ہے جو ایک دن اس سے آخر میں ظاہر ہونے والے ہیں اور اس پھل کی صفت ہمیشہ اس میں بالقوہ موجود رہتی۔

اسی تمیز کے مطابق یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر انسان کو شش سے نبی نہیں ہو سکتا، بلکہ وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا نے نبی بنایا ہے اور نبوت کے یہ آثار خواص اور کیفیات اس میں بالقوہ اور استعداد کی صورت میں اسی وقت سے موجود رہتے ہیں جب وہ ہنوز آب و گل کے عالم میں ہوتا ہے، شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدم ہنوز آب و گل میں تھے، اسی قسم کا مطلب ہوگا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سے وہ عرصہ وجود میں قدم رکھتے ہیں، اسی زمانہ سے آنے والے وقت اور ملنے والے منصب کے آثار ان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں، وہ حسب و نسب اور سیرت و صورت میں ممتاز ہوتے ہیں، شرک و کفر کے ماحول میں ہونے کے باوجود اس کی گندگی سے بچتے جاتے ہیں، اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوتے ہیں ان کی دیانت، امانت، سچائی، راست گفتاری مسلم ہوتی ہے اور یہ تمیزی اس لئے ہوتی ہیں تاکہ منصب ملنے کے بعد ان کے دعوائے نبوت کی تصدیق اور لوگوں کے میلان خاطر کا سامان پہلے ہی سے موجود رہے، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم کے حالات و واقعات قبل نبوت پر حوصو تو ہمارے اس دعویٰ کی سچائی تم کو نظر آئے گی، حضرت ابراہیم کا نبوت پانے سے پہلے ہی سے آسمان و زمین کے خالق کی تلاش و سورج، چاند اور ستاروں پر متفکرانہ نظر انداز ہوتی تھی کہ خلاف نفرت کا شدید جبر کس بات کی شہادت ہے حضرت اسماعیل کا بے آب و گیاہ میدان میں پرورش پانا، چاند و زمزم کا تصور آنے جانے والے قافلوں کا اس کی آبادی کی طرف میلان، پھلنے پھرنے کے قابل ہونے تو مقدس باپ

سید محمد رفیع منقبت نبوی دستبرک حاکم نقب محمدی جو دوم ص ۹۰۰ حیدر آباد۔

کے ساتھ مقدس سفر کے لئے تیاری اور اس کم سنی میں باپ کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پوری آمادگی اور مہر و شکر اور تسلیم و رضا کا اظہار کس مستقبل کی خبر دیتا ہے؟ حضرت یحییٰ کا فرشتوں کی بشارت سے پیدا ہونا اور پیدائش سے پہلے ہی غلہ و حبلیہ و غیرہ کا خطاب پانا، پھر مقدس باپ کی جانشینی اور اورشلیم کی مسجد کی پاسبانی کے لئے انتخاب، کس مقصود کا دیباچہ ہے؟  
حضرت یوسف کا بچپن میں رویائے صادقہ اور مہر و شکر اور پاکدامنی کس بات کی گواہی دیتی ہے؟ حضرت موسیٰ کی مین خطرہ میں پیدائش، حفاظت، پرورش اور نبوت سے پہلے ہی فرعونوں سے تنہا مجاہدہ انداز پیش، کس مبتداء کی خبر ہے؟ حضرت سلیمان کا آغاز عمر میں علم و فہم فصل مقدمات کی قوت کس نتیجہ کے آثار ہیں؟ حضرت یحییٰ کی دعائے پیدائش بچپن ہی میں ان کی نیکی سعادت مندی، نرم خوئی، پاک، کس مقصد کی تمیز ہے؟ حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور بچپن ہی میں نیکی، سلامت روی، تورات کی حقیقت رسی، کس روز و روشن کی صبح ہے؟ اور خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دلتے خلیل، نوید مسیحا، رویائے آمنا و احوال ولادت و تربیت مراہم شرک سے اجتناب، اخلاق حسنہ، دیانت، امانت، آثار خیر و برکت، نبوت سے پہلے ہی تنہائی پسندی خلوت گزینی، حقیقت کی تلاش اور خور و فکر کس خورشید مہتاب کا مطلع انوار ہے

حضرت اسماعیل کا یہ حال ہے۔

فَبَشِّرْنَاهُ بِعِلْمٍ حَلِيمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيُ  
قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ  
إِنِّي أَدُؤُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَأْمُرُ قَالَ  
يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمُرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ  
مِنَ الصَّابِرِينَ (صفت - ۳)

حضرت موسیٰ کو یہ خطاب ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً ثَانِيَةً إِذْ  
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ آمِنًا مَا يُوْحَىٰ  
(طہ - ۲۰)

حضرت یحییٰ کی نسبت یہ ارشاد ہے۔

يُحْيِيْ حٰذَا الْكِتٰبِ بِقُوَّةٍ وَاٰتَيْنَاهُ الْحِكْمَ  
صَبِيًّا وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً  
وَكَانَ قَدَرًا وَبَرًّا اِذَا يَدُودُهُ وَاَوْ  
يَكُوْنُ جَبَّارًا عَصِيًّا وَاَسَلْنَاهُ عَلَيْهِ يَوْمَ  
وُلِدَ (مریم - ۱۲)

نیز حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے۔

كَيْفَ نَكَلِّهُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا

تو ہم نے ابراہیم کو ایک بر بار لڑکے کی خوشخبری دی تو جب وہ اس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو اس نے کہا کہ اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو میں ذبح کر رہا ہوں اس نے جواب دیا اے میرے باپ کر ڈال جو تجھ سے کہا گیا، تو مجھے خدا نے چاہا تو صبر کرنے والوں میں پائے گا۔

اور ہم نے تجھ پر دوسری دفعہ احسان کیا جب تیری حفاظت اور پرورش کے متعلق تیری ماں کے دل میں یہ بات ڈکلی دی جو ڈال گئی۔

اے یحییٰ! کتاب (توراة) کو مضبوطی سے پکڑ، اور ہم نے اس کو فیصلہ کرنے کی قوت بچپن ہی میں دے دی اور اپنے پاس سے رحم و مہر اور سحرانی، اور تجھ پر ہنر گار، اور اپنے مال باپ کا فرما برباد دار اور نہ تھا زبردستی کرنے والا، نافرمان، سلاستی ہو اس پر جس دن پیدا ہوا۔

ہم کیسے اس سے بات کریں جو ہنوز گوارہ میں پڑے عیسیٰ



قَالَ اِنِّي عَبْدُ اللَّهِ اَتَى الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي بَيْنًا وَمَخْلَىٰ  
مُبَارَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ (مریم ۱۰)

سید ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب والی دی اور مجھے  
نبی مقرر کیا اور مبارک بنایا میں جہاں ہوں۔

اور مگر کا اعلان نبوت کے پہلے کی اپنی پوری زندگی موقع شہادت میں بے خطر پیش کر دیتا ہے۔  
فَقَدْ لَبِثْتُ فَيَكْفُرْ عَمْرًا مِّنْ قَبْلِهِ اَفَلَا  
تَعْقِلُونَ (روم ۱۰)

تو اس رہنمائی کے دعویٰ سے پہلے میں تم میں ایک عمر گزار  
چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔

انبیاء علیہم السلام کے احوال مبارکہ کے یہ جزئیات باہم مل کر اپنی نسبت خود کلیہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا دوسرا سب سے اہم خاصہ اس کا غیبی علم ہے یعنی وہ علم جو عام انسانوں کی طرح وجدان، احساس یا  
عقل و قیاس سے نہیں بلکہ براہ راست صدائے غیب یا روئے مآذوق یا فرشتوں کے ذریعہ سے خدا سے پاک سے  
حاصل ہوتا ہے اسی کے آثار سے نبوت کی استعداد بالقوہ کا عملی ظہور شروع ہو جاتا ہے اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے کے لئے  
کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔

علم انسانی کے مآخذ علم انسانی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بلا واسطہ ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو کسی واسطہ سے حاصل ہوتا  
ہے۔ بے واسطہ علم کی بھی تین قسمیں ہیں۔

۱) وجدان۔ انسان کو اپنے جسمانی وجود اور اس جسمانی وجود کی کیفیات کا علم سب سے زیادہ یقینی طور سے  
ہوتا ہے ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے اور اس کے اندر ہموک، پیاس، بیماری، صحت، غم، خوشی، خوف وغیرہ اندرونی اغیار  
کا علم اس کو بلا واسطہ از خود ہو جاتا ہے۔

۲) فطرت۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ہر نوع مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی نوعی خصوصیتیں عطا  
ہوتی ہیں جو دوسری نوعوں میں نہیں پائی جاتیں اور ان ہی سے باہم نوعوں کا اختلاف اور امتیاز ظاہر ہوتا ہے ان نوعی خصوصیتوں  
کا علم ہر نوع کے افراد کو بلا کسی ذریعہ اور واسطہ کے از خود ہوتا ہے اور اسی کو بعض علماء کی اصطلاح میں فطری یا نوعی الہام اور  
اہل فلسفہ کی اصطلاح میں جبلت کہتے ہیں حیوانات کو اپنے متعلق بہت سی باتوں کا علم از خود فطرۃً ہوتا ہے پرندوں  
کے بچوں کو دانہ پگھلانا اور پڑنا کون سچا ہے، آبی جانوروں کو تیرنے کی تعلیم کون دیتا ہے شیر کے بچہ کو درندگی کا سبق کسی معلم  
نے پڑھایا انسان کے بچہ کو پیدا ہوتے ہی رونا، سونا، دودھ پینا کون سکھا دیتا ہے۔

۳) برداشت اولیہ۔ انسان کو کچھ ہوش و تیز آنے کے بعد بلا دلیل بعض ایسی باتیں از خود یا بادی تامل اس طرح معلوم  
ہو جاتی ہیں کہ ان میں ہر کسی قسم کا شک و شبہ راہ نہیں پاتا دو اور دو چار ہوتے ہیں برابر کا برابر برابر ہوتا ہے ایک ہی وقت  
میں ایک ہی چیز سیاہ و سپید دونوں نہیں ہو سکتی، ہر نبی ہوتی چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے، وغیرہ بہت سے ایسے ضروری  
مقدمات اور کلیات جن پر انسان کے استدلال کا تمام تہ مدار ہے اس کو جاہلہ معلوم ہو جاتے ہیں۔  
یہ تو بلا واسطہ علم کی تین قسمیں ہیں اس کے بعد علم انسانی کی وہ قسمیں ہیں جن کا علم اس کو کسی واسطہ سے ہوتا ہے انسان کے

پاس اس قسم کے دو واسطے ہیں ایک احساس اور دوسرا عقل پہلے سے وہ گرد و پیش کی مادی چیزوں کا اور دوسرے سے ان مادی چیزوں  
کا جو سامنے موجود نہیں یا سرے سے خارج ہیں موجود نہیں بلکہ عالم الغیب میں ہیں یا صرف ذہن میں ہیں علم حاصل کرتا ہے۔

۴) انسان کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتیں ہیں، باصرہ، سامعہ، شامعہ، فاعلہ، لامرہ۔ باصرہ دیکھتی، سامعہ سنتی  
شامعہ سونگھتی، فاعلہ چکھتی اور لامرہ مسہ چھوتی ہے، ان ہی کا نام حواس خمسہ ہے، انسان کے پاس یہ پانچ آلات ہیں جن کے  
ذریعہ سے وہ ان مادی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا ہے جو اس کے ان آلات سے آکر گزرتی ہیں، اسی کا نام احساس ہے ہم  
جنگلہ کر مزا پاتے، سن کر آواز پہنچنے، دیکھ کر صورت جانتے، چھو کر سختی و نرمی دریافت کرتے اور سونگھ کر بو معلوم کرتے ہیں ان  
حواس کے ذریعہ سے بھی جو علم ہم کو ہوتا ہے وہ اگر یقینی اور شاذ و نادر غلط بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ کبھی کبھی کسی سبب سے دھوکا  
بھی کھاتے ہیں اور دریافت میں غلطی بھی کرتے ہیں اور دلائل سے ان کا یہ دھوکا اور ان کی غلطی ثابت ہوتی ہے پہلی میں تو  
ذائقہ بدل گئی ہے اور اس لئے میٹھے کو کڑوا بتایا ہے تیز حرکت میں قوت باصرہ نے ہم کو دھوکہ دیا ہے، ریل میں ہم کو ساکن اور چلتی  
ہوتی چیز چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، چلتی ہوئی اجاز ہم کو ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے، حرکت چوڑی کا لفظ تیز سیدھی حرکت میں ہم  
کو آتشیں خذا اور گول حرکت میں آتشیں دائرہ معلوم ہوتا ہے، آسمان کے چمکتے ہوئے بڑے بڑے ستارے کتنے چھوٹے معلوم  
ہوتے ہیں، لیکن کیا درحقیقت وہ ایسے ہی چھوٹے ہیں۔

۵) علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل و قیاس، خور و فکر اور استدلال کے ذریعہ سے حاصل کرتے  
ہیں اس کی بنیاد درحقیقت ان ہی معلومات پر ہوتی ہے جن کا علم ہم کو اپنے وجدان، الہام فطری یا جبلت، برداشت اولیہ، اور  
احساس سے پہلے ہو چکا ہے اور ان ہی معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقرا کے ذریعہ سے قیاس کر کے ان معلوم  
امور کے خصوصیات اور آثار کا علم ان غیر معلوم لیکن مشابہ و مماثل امور پر لگا کر نیا نتیجہ حاصل کرتے ہیں، وہ غیر معلوم امور جس پر  
معلوم امور کے ذریعہ ہم کوئی حکم لگاتے ہیں، اگر مادی ہوتا ہے تو نتیجہ چندان غیر مشکوک نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ جزئیات کا  
استقرا پورا نہ کیا گیا ہو یا تمثیل نام نہ ہو، یا تجربہ مشابہ نہ دھوکہ دیا ہو یا کوئی اور اصولی غلطی ہو گئی ہو، طبیعات اور سائنس کے  
مسائل اکثر اسی طرح معلوم کئے گئے ہیں لیکن اگر وہ امر مجہول غیر مادی ہے تو مادی امور پر اس غیر مادی کو قیاس کر کے اس کی نسبت  
جو کچھ کہا جائے گا اس کا مرتبہ ظن و تخمین سے آگے نہیں بڑھتا مگر یہ کہ وہ تمام تر فطریات یا طبیعیات و محسوسات پر علانیہ غرضی ہو  
مابعد الطبیعیہ اور فلسفہ النیات کے مسائل اسی طریقہ استدلال سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی لئے ان میں اختلافات کی بڑی گنجائش  
نہلتی ہے کہ ان کے آخری نتیجہ اور ابتدائی مبادی و جہانی یا بدیہی یا حسی مقدمات کے درمیان تیاسات کی کئی منزلیں ہیں اور ان میں  
سے ہر منزل خطروں سے لبریز ہے، مشابہت و مماثلت میں دھوکا ہو سکتا ہے، عقل اور وجدانی اور حسی اشیاء کے خواص کے  
درمیان اختلاف اور فرق ہو سکتا ہے، خور و فکر، بحث و نظر، تحقیق، جستجو اور ترتیب مقدمات جو قیاس عقلی کے کارکن اور عامل  
ہیں، وہ اپنے کام میں دھوکا کھا سکتے ہیں اسی لئے یہ علوم شک و شبہات سے لبریز ہیں۔

ذرائع علم کے حصول کے زمانے اور ان کے مراتب

پہلے غایت ہوتے ہیں کہ عمارے وجود کی بقا اس علم پر موقوف ہے جیسے ہموک اور پیاس کا احساس اور اس علم کا یقینی ہونا بھی ضروری  
ہے ورنہ ہمارا وجود قائم نہ رکھ سکیں گے، ہم کو جو ہموک پیاس لگتی ہے، کیا اس کے یقینی اور قطعی علم میں ہم سے غلطی ہو سکتی ہے  
اور کیا کسی کے شک و دلائل سے کہ ممکن ہے کہ ہم کو ہموک نہ ہو، ممکن ہے کہ ہم کو پیاس نہ ہو، کبھی ہموک کے یا پیاس کے کو اپنی ہموک



اور پیاس کے متعلق شک ہو سکتا ہے اور یہ احساس اور علم وجود کے ساتھ ساتھ انسان کو ملتا ہے، یہاں تک کہ آج کا پیدا شدہ بچہ بھی اس کا احساس کرتا اور علم رکھتا ہے درجہ اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے۔

وجدانیات و فطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے، دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا، چھونا، یہ ہمارے پانچ حواس ہیں جو ہمارے مادی علم کے آلات ہیں اور جن کے بغیر کوئی باہر کا علم حاصل نہ کر سکتا، یہ احساسات بھی ایک ہی دفعہ نہیں کمال پا جاتے بلکہ ضرورت کے مطابق حسب استعداد ملتے اور ترقی پاتے ہیں اور پیدائش کے چند ماہ بعد تکمیل کو پہنچتے ہیں، کیونکہ وجود کی بقا اور ضروریات کی تکمیل بھی سے ان پر رفتہ رفتہ موقوف ہوتی جاتی ہے۔

محسوسات کے بعد برسیات اولیہ کا درجہ آتا ہے، انسان کو اپنے اس علم میں بھی وہی اذعان و قطعیت ہوتی ہے دو دو چار ہوتے ہیں، دس پانچ کا دو گنا ہے، ایک چیز ایک ہی وقت میں دو جگہ نہیں ہو سکتی، ایک چیز ایک ہی وقت میں سیاہ و سفید نہیں ہو سکتی، ان برسی علم کو ہر شخص مانتا اور تسلیم کرتا ہے مگر اس کا علم انسان کو بچپن میں نہیں ہوتا بلکہ تمیز و تشدد کے بعد ہوتا ہے کیونکہ اسی وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے، اگر یہ علوم اس سن میں اس کو عطا نہ ہوں تو وہ دنیا کے ضروری کاروبار چلانے کے لائق نہ دوسرے علوم کی دریافت کی اس میں استعداد پیدا ہو، فطری احمق اور بے وقوف ان ہی کہلاتے ہیں جن میں ان برسیات کا علم کم یا بالکل نہیں ہوتا۔

سب سے اخیر میں اس علم کا درجہ آتا ہے، جو وجدانیات، فطریات، برسیات اور محسوسات پر قیاس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور جس کو علم معقولات کہتے ہیں، اسی علم اور اسی کی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے کہ انسانی عقلیں درجہ اور مرتبہ میں متفاوت ہوتی ہیں، ایک طرف تو رکی کی سمت میں، وہ حماقت تک پہنچ جاتی ہیں اور دوسری طرف سمت کمال میں، عاقل، عاقل تر اور عاقل ترین طبقہ تک اونچی ہو جاتی ہیں، یہاں تک کہ وہ درجہ بھی آتا ہے کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے جہاں کوئی اس کا دوسرا حریف اور ہمسر نہیں ہوتا، ایک جاہل جشی سے لے کر ارسطو اور بوعلی سینا تک سب انہی عقلی مدارج کے مختلف انسانی نظائر ہیں، بایں ہمہ یہ ظاہر ہے کہ اس علم کا طریقہ نہایت پرخطر اور منزل مقصود ہمیشہ مشکوک رہتی ہے۔

عام طور سے انسانی علم کے پانچ ذریعے اور طریقے سمجھے جاتے ہیں لیکن درحقیقت ایک اور ذریعہ بھی ہے، جس کا تعلق تمام تر مادائے مادہ سے ہے، غور کیجئے کہ آپ کا سب سے پہلا علم یعنی وجدانیات آپ کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہے دوسرا یعنی فطریات کا علم خالق فطرت خود آپ کے اندر ولایت رکھتا ہے، تیسرا علم یعنی محسوسات کا علم آپ کے ان ظاہری حواس کا نتیجہ ہے جو گو باہر ہیں مگر آپ کے جسم کے اندر ہیں، آپ کا چوتھا ذریعہ علم یعنی برسیات اولیہ آپ کے حواس اور ذہن کا ایک مشترکہ فیصلہ ہیں، پانچواں ذریعہ علم جو آپ کی عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے وہ آپ ہی کے اندر کے دماغی قوی کا عمل ہے، مقصود سے تامل سے معلوم ہو گا کہ آپ کا علم و جان سے لے کر ذہن تک تدریجاً مادیت سے ترقی کر کے مادائے مادہ کے قریب تک پہنچتا ہے و جان تمام تر ہماری اندرونی جہانی مادیت ہے جس میں کوئی شک نہیں، محسوسات بھی ہمارے ہی جسم کے مادی آلات علم کے نتائج ہیں، برسیات ہمارے حواس سے جو مادی ہیں اور ہمارے ذہن سے جو غیر مادی ہیں مشترک تعلق رکھتے ہیں، یعنی برسیات مادی اور غیر مادی ذرائع علم کے بین ہیں اور معقولات تمام تر ذہنی اور غیر مادی ہیں، تاہم اس غیر مادی قوت کا مرکز ہمارا مادی جسم ہی ہے اور اس متک اس غیر مادی قوت کا ارادہ سے تعلق بہر حال ہوتا ہے۔

اب اس کے بعد اس علم کا درجہ آتا ہے جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے اور جس کا تعلق مادہ سے آتا ہے غیر مادی علم بھی نہیں ہوتا بلکہ معقولات اور ذہنیات کا ہے، وہ تمام تر مادہ اور مادیات سے پاک ہوتا ہے اس کو ہمارے اسی قدر لگاؤ ہوتا ہے کہ وہ علم مادی دل و دماغ کے آمیزہ پر ادھر سے لے کر اپنا عکس ڈالتا ہے۔

اس غیر مادی علم کے بھی بہ ترتیب مختلف درجے ہیں، جن کو فراست، حدس، کشف، الہام اور وحی کہتے ہیں اور جس طرح انسانی علم کے مذکورہ بالا پانچوں ذریعے انسان کے جہانی قوی سے متعلق تھے، اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع انسان کے روحانی قوی سے وابستگی رکھتے ہیں اور جس طرح آپ نے دیکھا ہے کہ وجدانیات سے لے کر عقلیات تک بہ ترتیب ہمارا ذریعہ علم خاص مادی، کامل مادی، کم مادی اور براتے نام مادی تک ترقی کرتا چلا گیا ہے، اسی طرح فراست، حدس، کشف، الہام اور وحی بھی بلے نام مادی و روحانی سے لے کر پھر روحانی، کامل روحانی اور خالص روحانی کے ذریعہ تک ترقی کرتے چلے گئے ہیں۔

فراست کے لفظی معنی تاثر جانے کے ہیں، تاثر جانے کی قوت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی، مگر جس میں نمایاں ہوتی ہے اس کی یہ کیفیت ایک ملکہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے جو تجربہ کی کثرت اور عمل کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتا ہے اور جس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعدد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اتنی جلدی انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کر رہا ہے حالانکہ اس کا علم تمام تر ظاہری علامتوں اور نشانوں پر مبنی ہوتا ہے جن کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے مگر دیکھتا نہ تھا، ایسے ماہر فن اور ذی فراست اشخاص برابر ہر شخص کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں جس کو جس چیز یا فن میں یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، اس کی فراست اس کو حاصل ہو جاتی ہے، جرائم کے پتہ لگانے والے ماہرین اور جاسوس اپنے فن کی فراست میں یہ کمال رکھتے ہیں کہ صورت دیکھی اور تاثر گئے، اسی طرح ہر علم و فن کے ماہروں کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملکہ حاصل ہو جاتا ہے، اخبار اور نیوکاروں کو اپنی جماعت کے افراد کے پیمان لینے اور جان لینے کی طاقت بھی اسی طرح حاصل ہوتی ہے اور اسی کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

اتقوا فساد المومن فانہ ینظر مینور اللہ (ترمذی) مومن کے تاثر لینے سے ڈرو کہ وہ خدا کی روشنی سے دیکھتا ہے (۲) فراست کے بعد حدس کا درجہ ہے، فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہیں لیکن حدس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں اور ان ہی ذہنی اور عقلی مقدمات کے غور و فکر و تلاش اور ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ مہارت کے سبب سے غور و نظر، فکر و تلاش اور ترتیب مقدمات کے منطقیہ مرحلوں کو ذہنی رساں بیرونی اور سرعت کے ساتھ طے کر کے آخری نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں اس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے، یہ چیز بھی اکثر کامل العقل اور صائب المرأۃ انسانوں کو ضرور عطا ہوتی ہے اور دنیا کے مشہور عقلا اور دانایان روزگار کے واقعات میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔

(۳) کشف کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں، مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیت کے ظلمانی پردہ کو پاک کر کے مادی چیز روحانی عالم میں مشاہدہ کے سامنے آ جاتی ہے وہ کبھی اصل صورت میں اور کبھی اپنی مثالی صورت میں نظر آتی ہے، عام لوگوں کے سمجھنے کے لئے اس کی بہترین مثال خواب کی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہے اور







میں یہ مغالطہ نہیں ہوتا کہ دو اور دو چار نہیں ہوتے، اسی طرح اس کو بھی پیغمبرانہ فطریات میں مغالطہ واقع نہیں ہوتا اور جس طرح تم کو اپنے محسوسات میں اگر کسی کو سامنے دیکھ رہے ہو، یا کسی کی آواز سن رہے ہو، شبہہ نہیں ہوا کرتا، اس کو بھی اپنے روحانی محسوسات میں شبہہ نہیں ہوا کرتا، غرض وہ اپنے ان جملہ غیبی اور روحانی ذرائع علم میں ہر لغزش، فریب، خطا اور غلطی سے اسی طرح پاک ہوتا ہے جس طرح تم اپنے وجدانیات، فطریات، محسوسات اور بدہشیات میں غلطی اور خطا سے پاک ہوتے ہو۔

**علم غیب** اسلام کے عقیدہ میں غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، قرآن پاک میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کی ہدایت ہوتی ہے۔

قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ (یونس-۱۲)

تو کہہ دے اے پیغمبر کہ غیب خدا کے لئے ہے۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَرْتٌ فِي السَّمَوَاتِ قَالَهُ وَرَضِ

کہہ دے کہ آسمانوں میں اور زمین میں خدا کے سوا کوئی نہیں

جس کو غیب کا علم ہو۔

الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ (زل-۱۵)

رسول کہتے ہیں۔

وَلَا أُخْلَعُوا الْغَيْبُ (انعام-۱۵)

اور میں غیب نہیں جانتا۔

لیکن اسی کے ساتھ دو موقعوں پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ بایں ہمہ خدا اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی اطلاع دیتا ہے

سورۃ جن میں ہے۔

فَلَا يَظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ

تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اس پیغمبر

جس کو پسند کرے

مِنْ رَسُولٍ (جن-۱۲)

دوسری جگہ سورۃ آل عمران میں ہے۔

فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْهَرَ عَلَىٰ الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ

اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پر تم کو مطلع کرتا لیکن یہ اللہ اپنے

پیغمبروں میں سے جس کو چاہے چاہے لیتا ہے۔

يَجْعَلُ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ (آل عمران-۱۸)

ان دو آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں غیب دانی کی کلیتہً اور قطعاً نفی کی گئی ہے اس سے مراد ذاتی اور حقیقی علم ہے یعنی خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں، البتہ خدا کے واسطے اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم و اطلاع سے پیغمبروں کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے ساتھ ہی آیت الکرسی میں فرما دیا گیا۔

وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا

اور وہ خدا کے ذرہ علم کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن اتنے

کا جتنے کا وہ چاہے۔

شَاءَ (بقرہ-۲۵۵)

یعنی اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے اور مصلحت سمجھتا ہے، وہ ان کو بذریعہ وحی ان سے واقف کرتا تھا ہے، بایں ہر بعض بانوں کی نسبت جیسا کہ سورۃ ہود اور لقمان میں ہے، اللہ تعالیٰ نے قطعی طور سے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ان کا علم کسی کو نہیں، مثلاً قیامت، بارش، موت، شہم، مادرین، لڑکا ہے یا لڑکی؟ کل کیا ہوگا؟ ان باتوں کو خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اسی طرح بعض آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اس کا نام کو علم نہ تھا، جیسا کہ غزوہ تبوک میں عدم شرکت

کے بعض مہذب خواہ لوگوں کے متعلق سورۃ توبہ میں ہے کہ انھوں نے جھوٹی قسمیں کھا کر اجازت حاصل کر لی، خدا نے فرمایا۔

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنتُ لِمَا هَذَا

خدا نے تجھ سے درگزر کیا، کیوں تو نے ان کو اجازت

دی تا آنکہ تجھے معلوم ہو جائے جو سچ بولے اور جھوٹوں

کو جان لیتا۔

لَقَدْ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَبُوا

انہوں نے پہلے فتنہ پیدا کرنا چاہا اور تیرے سامنے واقعات

لَكَ إِذْ مُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ

الت دیئے یہاں تک کہ حق بات آگئی اور خدا کی بات کھل

أَمْرُ اللَّهِ وَهُوَ كَرِهُونَ (توبہ)

گئی اور وہ ایسا نہیں چاہتے تھے۔

آگے چل کر ہے۔

مَرَدُوا عَلَىٰ الْبِقَاقِ قَدْ تَعْلَمُهُمْ عَنْ تَعْلَمُهُمْ (توبہ-۱۳)

یہ نفاق پرارے ہیں، تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں۔

ان آیتوں سے یہ واضح ہے کہ پیغمبروں کو غیب کا کلی علم نہیں ملتا، بلکہ ان کو غیب کی اطلاع دیتے جانے کے موقع کی دونوں آیتوں میں رسول ہی کا لفظ استعمال کرنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جن امور غیب کی اطلاع پیغمبروں کو دی جاتی ہے ان کا تعلق فریضہ رسالت اور اس کی مصلحتوں اور شریعتوں سے ہے۔

**غیب کی حقیقت** علم غیب کے اس نامیدہ راستہ میں اتنی منزل طے کر لینے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید

کی اصطلاح میں غیب کس کو کہتے ہیں، قرآن مجید کے اس لفظ کے استعمال کے تمام مواقع پر غور کرنے سے اس کی اجمالی اور تفصیلی دونوں معنی واضح ہوتے ہیں، اجمالا اس کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جن کا علم انسان اپنے علم کے عام اور طبعی و فطری ذریعوں سے حاصل نہیں کر سکتا، گزر چکا ہے کہ انسانی علم کے طبعی ذریعے، وجدان، حواس اور عقل و استدلال وغیرہ ہیں، ان طبعی ذریعوں سے جو ہر انسان کو ملے ہیں، جو علم حاصل نہیں ہوتا، اس کو علم غیب کہتے ہیں یعنی اس شے یا ان اشیاء کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قوی کی نگاہوں کے سامنے سے غائب ہیں اور اس کا مقابل لفظ شہادت ہے، جس کے معنی حاضر ہونے کے ہیں یعنی وہ اشیاء جو ہر انسان کے حواس اور قوتائے دماغی کے سامنے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کو بار بار عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کہا ہے (انعام ۱۷۲) حشر تعابین، یعنی انسانوں کے طبعی ذرائع علم کے سامنے جو حاضر ہیں، اور غائب ہے، ان سب کا عالم اور واقعہ نقل دی ہے، (الغرض اجمالا علم غیب اسی غیبی قوت علم کا نام ہے جو عام انسانوں کو نہیں ملتا ہے۔

تفصیل حیثیت سے قرآن پاک میں غیب کا اطلاق چار چیزوں پر ہوا ہے۔

(۱) زمانہ ماضی کے واقعات جن کا علم بعد کو تو حواس کے ذریعہ ہو سکتا ہے کہ حواس سے صرف شاہد سامنے موجود کا علم ہوتا ہے اور عقل و فکر کے ذریعہ ہو سکتا ہے اگر ہو سکتا ہے تو تحریر و روایت کے ذریعہ، لیکن جس کے لئے تحریر و روایت کا ذریعہ یقینی طور سے مسدود ہو، اس کے لئے ان کا علم اگر ہو سکتا ہے تو غیبی ہی ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔

حضرت نوح کے مختصر قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْغَيْبُ لَا تُخَيِّبُنَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں ہم ان کو وہی کرتے ہیں تیری طرف تو تو



کو پہلے سے جانتا ہی نہ تھا اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔

أَنْتَ وَلَوْ قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا (محمہ ۴)

حضرت مریم کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ (آل عمران ۵۰)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے اس کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور نہ تو ان کے پاس موجود تھا جب وہ اپنے قلم رقرق کھلو پر ڈال رہے تھے کہ کون مریم کو پالے اور نہ تو ان کے پاس اس وقت مقابہ ہو چکا رہے تھے۔

دیکھو کہ محسوس واقعات کے علم کا طبعی طریقہ اس وقت موجود رہ کر دیکھنا اور سننا تھا اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی گئی کہ آپ وہاں یقیناً اس وقت موجود نہ تھے، اب رہ گیا کسی دوسرے انسانی ذریعہ سے سننا، اس کی بھی نفی پہلے ہی سے ہے کہ تیری قوم میں سے بھی کسی کو معلوم نہ تھا، اور نہ دوسروں سے معلوم کیا، اب اس کا علم جس غیر طبعی طریقہ سے رسول کو دیا گیا، وہ وحی کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح حضرت یوسف کے پورے واقعہ کے ذکر کے بعد فرمایا۔

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَجْمَعُونَ أُمُورَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ (یوسف ۱۰)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم اس کو تیری طرف وحی کرتے ہیں اور نہ تو اس وقت ان کے پاس نہ تھا جب وہ اپنا کام طے کرنے لگے اور چال چل رہے تھے۔

اس میں بھی علم شاہد کی نفی کر کے علم غائب کو ثابت کیا گیا ہے، بہر حال ان تینوں آیتوں سے واضح ہے کہ مامی کے واقعات کے غیر طبعی طریقہ علم کو بھی علم غیب کہا گیا ہے۔

۴۔ اسی طرح آئندہ مستقبل میں جو واقعات ہونے والے ہیں ان کو بھی غیب کہا گیا ہے ان کا علم دلائل و قیاس کے طبعی ذرائع کے علاوہ غیر طبعی ذریعہ سے ہوا ہو، تو اس کو بھی علم غیب کہیں گے، قرآن پاک میں ایک موقع پر ان کفار کے جواب میں جو نشانہوں کے طالب تھے یہ کہا گیا۔

فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ (یونس)

مستقبل کے منتظرہ واقعات کو اس آیت میں غیب کہا گیا ہے، اسی طرح قیامت کو بار بار غیب کہہ کر غیر خدا اس کے علم کی نفی کی گئی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عَلِمُوا السَّاعَةَ (نہان)

یَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِلُهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي (اعراف ۱۳)

اسی طرح مستقبل کے دوسرے واقعات کے علم کی بھی انسانوں سے نفی کی گئی ہے۔

وَمَا تَذَرُنِي نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ عِنْدَ وَمَا كُنْتُ نَفْسٌ جَانَتْ كَلَّ وَهِيَ كَرَسٌ كَا وَنَ كُنْتُ يَهْ جَانَتْ كَلَّ

تَذَرُنِي نَفْسٌ يَأْتِي أَرْضِي تَصَوُّتُ (نہان ۱۴)

۲۔ ان چیزوں پر بھی غیب کا اطلاق کیا گیا ہے جو گواہی اور مستقبل نہیں بلکہ زمانہ حال میں موجود ہیں، تمام انسان کے حواس خمسہ اور عقل کی محدود طاقت سے ان کا علم نہیں ہو سکتا، ہم کو دیکھنے اور سننے کی طاقت دی گئی ہے مگر اس کے لئے کسی نہ کسی مسافت عدم حجاب اور دیگر چند شرائط کی قید لگا دی گئی ہے، جن کے بغیر ہماری یہ طاقت بالکل بیکار ہے، ہم دلی میں بیچہ کر، بھٹی کے پیش نظر مناظر کو نہیں دیکھ سکتے، اور نہ بغیر آلات کے ہم یہاں سے وہاں کی آواز بھی سن سکتے ہیں، اس لئے زمانہ حال کے علم کیلئے بھی جو طبعی شرائط اور قیود ہیں، ان کے بغیر جو علم حاصل ہو گا، وہ غیب ہو گا۔

حاملہ عورت سامنے موجود ہے مگر اس کے بطن کے پے درپے حجابات کے اندر جن کو آنکھیں چاک نہیں کر سکتیں، کیا ہے اس کو معلوم۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ (نہان ۱۴)

اور اللہ جانتا ہے رحمہاں کے اندر جو ہے۔

آسمان وزمین میں اس وقت جو کچھ ہے وہ سب زمانہ حال میں سب کے سامنے موجود ہے، تمام اس کا علم ہمارے حواس اور عقل کی محدود دسترس سے اس وقت تک باہر ہے، جب تک ہمارے دیکھنے، سننے اور جاننے کے لئے خدا نے جو طبعی شرائط بتا دیئے ہیں، وہ پورے نہ ہوں۔

وَاللَّهُ غَيْبُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ (ہود ۱۰)

إِنَّ اللَّهَ لَيَغْلِبُ الْغَيْبُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ (حجرات)

۳۔ عالم غیب کی آخری چیز وہ امور ہیں، جو غیر مادی ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس اور عقل کے تنگ دائرہ عمل سے قطعاً باہر ہیں، ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے، خدا کی رعبت کی صلاحیت نہیں رکھتے، جنت اور دوزخ ہم کو یہاں نظر نہیں آ سکتی، یہ تمام امور بھی غیب ہیں۔

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ (انبیاء ۱۲)

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (بقرہ ۱۱)

وَالَّذِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادًا بِالْغَيْبِ (مریم ۲۰)

غیب "میں" کے معنی ہیں بے جانے، بن دیکھے۔ حواس سے علم حاصل کئے بغیر اور باوجود اس کے کہ وہ چیزیں اس عالم میں دیکھی نہیں جاسکتی ہیں۔

پیغمبر کو اللہ تعالیٰ غیب کی جن باتوں سے آگاہ کرتا ہے وہ ان چاروں قسم کے امور غیب ہوتے ہیں بعض گزشتہ قوموں اور پیغمبروں کے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز حالات سے بھی روایت اور تحریر کے ذریعہ کے بغیر وحی کے واسطے سے انکو مطلع کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کے حوالوں سے اوپر گزر چکا، آئندہ مستقبل میں دنیا کے فتنوں، امت محمدیہ کے انقلابات، قیامت کے مناظر اور اسکے بعد کے پیش آنے والے واقعات کا علم آپ کو دیا گیا، جیسا کہ ان دنیاوی پیشین گوئیوں اور قیامت و محشر کے ان مناظر سے ظاہر ہے جو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں تصریح مذکور ہیں، اسی طرح مال کے ان احوال و مناظر کا علم بھی ثابت ہے جو باوجود سامنے موجود

۴۹

کودہ کس سرزمین میں مرے گا۔

سیرت النبی جلد چہارم



ہونے کے احساس و عقل کے طبعی شرائط نہ پائے جانے کے سبب سے عام انسانوں کو نظر نہیں آتے، قبروں کا انکشاف، پس پرہ  
روایت، دوسروں کے موجودہ احوال سے واقفیت وغیرہ اس علم غیب میں سے بھی پیغمبر کو عطا ہوتا ہے اور سب سے آخر میں  
وہ مفیبات ہیں جن کا احساس و تصور ہمارے مادی ذرائع علم سے قطعاً خارج ہے، تاہم وہ بھی اس کو دکھاتے اور بتاتے  
جاتے ہیں، خود خدا کا دیدار، فرشتوں کی رویت، جنت و دوزخ کا مشاہدہ وغیرہ، ان تمام امور غیب میں سے اللہ تعالیٰ جن  
رسول کے لئے جس قدر مناسب اور سزاوار سمجھتا ہے، اس کا علم وحی کے مختلف اقسام کے ذریعہ سے اس کو عطا فرماتا ہے۔  
**وحی اور ملکہ نبوت** حکمائے اسلام نے وحی کی حقیقت ملکہ نبوت کے لفظ سے ظاہر کی ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ  
ترتیب کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں علم اور عقل نے پستی سے بلندی کی طرف  
رفتہ رفتہ ترقی کی ہے، جمادات بے حس ہیں ان کے اوپر نباتات ہیں جن میں صرف محدود احساس ہوتا ہے اور دماغی قوی،  
حافظہ، تذکر اور غور و فکر کی قوت سے وہ محروم ہیں، ان سے اونچے حیوانات ہیں، جن میں یہ تمام قوی ناقص طریقے سے نمودار  
ہوتے ہیں اور آخر میں ان سے بالاتر ہستی یعنی انسان میں جا کر یہ قوی پورے کمال میں ظاہر ہوتے ہیں، ان قوی کی ترقی  
میں تک محدود نہیں ہے بلکہ جس طرح نباتات میں قوت احساس ہے، جس سے جمادات محروم ہیں اور حیوانات میں  
حافظہ، تصور، عقل وغیرہ کے وہ قوتیں ہیں جو نباتات میں نہیں، انسان میں وہ دماغی و ذہنی قوی ہیں، جو حیوانات میں  
نہیں، اسی طرح انبیاء میں علم و عقل کی ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی اور اسی کا نام ملکہ نبوت ہے  
جو اس صرف مادیات کو دریافت کرتے ہیں، دماغی قوی مادیات سے بلند ذہنیات اور عقلیات کو اور ملکہ نبوت اس  
سے بھی اونچا جاتا ہے، وہ ذہنیات و عقلیات سے بلند تر حقائق یعنی غیبیات کو دریافت کرتا ہے، اس ذریعہ علم میں  
غور و بحث اور منطقیہ فکر و نظر اور ترتیب مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہیں جس  
طرح و جہانیاں، فطریات، برہمیات اور محسوسات سامنے آتے ہیں اور ان ہی کی طرح وہ یقینی بھی ہوتے ہیں اور چونکہ اس  
ذریعہ میں علم انسانی کے عام ذریعے اور طریقے یعنی وجدان، فطرت، نوعی، براہت اولیہ، احساس اور غور و فکر سے معلومات  
ماصل نہیں کئے جاتے بلکہ خود علام الغیوب وہ علم ان انسانی وسائل کے بغیر ان کو عطا کرتا ہے، شرع کی زبان میں اسی کو  
وحی والہام کہتے ہیں، علم کلام کی اصطلاح میں ملکہ نبوت اور عام محاورہ میں اس کو غیبی علم کہہ لیجئے۔  
لیکن اہل نقل کی اصطلاح میں وحی کی یہ صورت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو وقتاً فوقتاً احکام اور ارادوں سے  
براہ راست فرشتوں کے ذریعہ سے مطلع کرتا رہتا ہے یہی وحی ہے۔

امعان نظر سے معلوم ہوگا کہ اہل عقل و نقل کے اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق اور غیر معمولی ہوگی  
علم و فہم کا نتیجہ ہوتی ہے یا خود براہ راست وقتاً فوقتاً تعلیم ربانی کا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ جس طرح عام انسانوں میں علم و  
فہم کی قوت آغاز پیدائش ہی میں فطرۃ و دیعت کر دی جاتی ہے، اسی طرح انبیاء میں منشاء الہی جاننے کی قوت بھی شروع  
ہی میں و دیعت کر دی جاتی ہے یا یہ کہ وہ فطرۃ تو ویسے ہی عام انسانی طریقہ کا طبعی علم و فہم رکھتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نبوت  
کے بعد اپنے منشاء الہی سے ان کو کسی غیبی ذریعہ سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے  
لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقت، عقل کی نقل سے اور نقل کی عقل سے علیحدگی میں نہیں بلکہ اتحاد میں ہے وہ لوگ

جو عقل و نقل دونوں کے جامع ہیں، وہ ان دونوں کو مجتمع کہتے ہیں۔

ع بار ما این وارد و آل نسیز ہم

انبیاء علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑی فطرت اور آغاز پیدائش سے ان امور کے متعلق جن کا ان کی رشتہ  
و نبوت سے تعلق ہے اور جن کو دین کہتے ہیں وہ کلی استعداد اور عمومی فہم ہوتی ہے، جس سے غیر انبیاء محروم ہیں اور اس شیعہ  
قوت کا عملی ظہور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وہ نبوت کے منصب پر علمائے سرفراز ہوتے ہیں، اسی کا نام ملکہ نبوت  
ہے اور اہم امور دین کے متعلق ان کو وقتاً فوقتاً جو غیبی اطلاع ملتی رہتی ہے، اس کا نام "وحی" ہے۔

آج کل قرآن فہمی اور عقل کے مدعیوں اور نقل کے لفظی باندوں میں جو اختلاف ہے وہ دراصل انہی دو قوتوں کے  
درمیان تمیز نہ کرنے کا نتیجہ ہے، نقل کے لفظی پابند یہ سمجھتے ہیں کہ ہر لفظ جو نبی کے منہ سے نکلتا ہے وہ اس معنی میں وحی ہے جس معنی  
میں قرآن ہے کہ وہ براہ راست خدا کی غیب کی اطلاع ہے اور عقل کے مدعی یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن بے شک خدا کی براہ راست وحی ہے  
مگر اس کے ماسوا رسول جو کچھ کہتا ہے وہ اس کے پیغمبرانہ سنیں بلکہ انسانی و بشری علم و فہم کا نتیجہ ہے لیکن حقیقت ان دونوں کے  
ماوراء ہے جیسے وحی قرآنی، وحی براہ راست ہے اسی طرح نبی کے دوسرے احکام اس کے عام انسانی و بشری علم و فہم کا نہیں بلکہ  
اس کی پیغمبرانہ و وحی قوت علم و فہم کا نتیجہ ہیں، جو وحی کی ایک دوسری قسم اس لئے کہی جاسکتی ہے کہ اس کا منشاء ملکہ نبوت کے  
ذریعہ وحی ربانی کی ترجمانی ہے اس لئے پیغمبر کی وحی اور ملکہ نبوت دونوں کے احکام واجب الاتباع ہیں۔

**کتاب اور سنت** اس تقریر کا منشاء یہ ہے کہ پیغمبر کو جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وحی حقیقی یعنی وہ علم جس کو  
اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے خاص الفاظ میں پیغمبر پر نازل کرتا رہتا ہے اور دوسری قسم کے مجموعہ کو کتاب الہی صحیفہ  
ربانی، تورات، انجیل، زبور اور قرآن کا نام دیا گیا ہے، دوسرا وہ علم جو پیغمبر کے ملکہ نبوت یا فہم نبوت کا نتیجہ ہوتا ہے پہلا علم  
اصلی اور دوسرا ضمنی ہے یا یوں کہو کہ پہلا اصولی اور دوسرا فرعی ہے یعنی علم اول پیغمبر پر شریعت کے غیر تبدیل اور انہی احکام  
کلید اور مہمات کو واضح کرتا ہے اور دوسرا علم پہلے علم کے غیر تبدیل کلی اصول کے ماتحت اس کے مقصود کی صحیح تشریح اور اس کے  
جزئیات کی ضروری تفصیل کرتا ہے اور غیر اہم اور تبدیل امور کے متعلق ہنگامی اوقات میں مصلحتی احکام بتاتا ہے اور اسی  
دوسری قسم کا علم ہے جو روایات اور احادیث کی صورت میں ہے اور جس کو اہل اصول اصطلاحاً سنت کہتے ہیں، کتاب اصول احکام  
ہیں اور سنت ان اصولی احکام کی عملی تشریح اور بیان ہے، کتاب براہ راست وحی الہی کا نتیجہ ہے اور سنت ملکہ نبوت اور  
فہم نبوی کا، کتاب بلفظ وحی ہے اور سنت بالمعنی۔

**وحی متلو اور وحی غیر متلو** بعض علمائے اصول نے کتاب اور سنت دونوں کو وحی مانا ہے اور ان دونوں کے درمیان  
تفریق یہ کی ہے کہ کتاب اس وحی کا نام ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور سنت اس وحی کو کہتے  
ہیں جس کی تلاوت نہیں کی جاتی، اس تشریح کا مقصود حقیقتہً تلاوت و عدم تلاوت کا فرق نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ کتاب میں وحی  
کے ساتھ الفاظ بھی وحی کئے گئے ہیں اور وہ الفاظ بھی محفوظ ہیں ان کا حرف اور لفظ لفظ و آئالہ لہی محفوظ کی  
چشمیں گوئی میں داخل ہے اور اس لئے اس میں الفاظ کی کمی بیشی اور حذف و اضافہ محال ہے اور سنت میں الفاظ کی نہیں بلکہ  
صرف معانی کی حفاظت ہے اسی لئے کتاب کی وحی مرقون، مستحب اور محفوظ کی گئی اور نماز میں اس کی قرأت کا حکم ہے اور یوں بھی عام طور



سے اس کی تلاوت مسنون ہے اور سنت کی وحی بالفاظہ مقصود نہیں، اس لئے اس کی لفظی حفاظت کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی اور نہ نماز میں اس کے الفاظ قرأت کئے جاسکتے ہیں اور نہ ان کی تلاوت کی جاتی ہے اور نہ ان کو کتاب الہی کہا جاسکتا ہے مگر معنی اصولی حیثیت سے انکی حفاظت خود قرآن نے اپنے اندر کر لی ہے اور جزئیات کی حیثیت سے گو الفاظ میں نہیں مگر عمل میں خود رسول اور اس کے پیروؤں اور پھر ان کے پیروؤں کے مسلسل تعامل سے یہاں تک کہ آج بھی تمام مسلمانوں کے عمل درآمد سے عملی توازن کی صورت میں محفوظ ہے اور بعد کے اماموں نے اچھی طرح تحقیق کر کے الفاظ اور کتب حدیث کے اوراق میں بھی ان کو محفوظ کر دیا ہے۔

سنت کو وحی کہنا اس لحاظ سے ہے کہ اس کے جزئیات اصولاً وحی حقیقی یعنی کتاب کے اندر داخل ہیں اور اس کی کلیت میں سنت کے تمام احکام مندرج ہیں، بنا بریں چونکہ سنت وحی کے کلی منشا کے اندر داخل ہے، وہ بھی ضمنی حیثیت سے وحی کہی جاسکتی ہے، لیکن چونکہ اس میں الفاظ کی تعبیر خدا کی طرف سے نہیں، اس لئے وہ غیر متلو ہے اس فرق کا راز یہ ہے کہ کتاب کی اصلی حیثیت کلی قانون کی ہے، قانون کے اصل منشا کی حفاظت اور وضاحت کے لئے نہ صرف اس کے ایک ایک لفظ کے محفوظ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اس کے ایک ایک نقطہ، شوشہ، وقف، وصل، فصل، عطف، قطع، تصادم، تاخیر یعنی آج کل کی اصطلاح میں ایک ایک ڈیش اور کلمے کی بعینہ حفاظت کی ضرورت ہے، ورنہ ذرا سے تغیر میں قانون کا مطلب کچھ کا کچھ ہو جاسکتا ہے، اور سنت کی یہ کلی قانونی حیثیت نہیں ہے بلکہ وہ اس کلی قانون کی تشریحات، تفصیلات اور جزئیات ہیں، جو درحقیقت اس کلی قانون کے اندر مندرج تھے مگر چونکہ عام لوگوں کی فہم میں نہیں آتے تھے یا عام لوگ ان کو نہیں سمجھتے تھے، اس لئے صحابہ کے دریافت پر یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت محسوس فرما کر اس کو کھول کر بیان فرما دیا کہ پھر اشتباہ نہ رہ جائے۔

اسی مقام پر ایک اور نکتہ بھی ہے کہ کتاب الہی میں جو حکم جن الفاظ میں ادا ہوا ہے وہ اگر بعض کم فہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تشریح چاہی اور انھیں نہیں معلوم ہوا کہ اس غائر جزئی واقعہ کا کیا حکم ہے، اور قرآن پاک کی کس اصل سے ماخوذ مستنبط ہو گا، اور اس لئے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، تو اس کے جواب میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کے بعینہ ان ہی الفاظ کو بے کم و بیش دہرا دیتے تو یہ بیکار ہوتا کہ انہی الفاظ کے نہ سمجھ سکے کے سبب سے تو سوال کی نوبت آتی اس لئے ضرور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ کو بدل کر اور طریقہ تعبیر کو تغیر دے کر ان الفاظ کی تشریح فرمائیں اور یہی احادیث ہیں۔

درحقیقت احادیث میں قانون الہی اور کتاب ربانی ہی کے مفہوم و منشا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھنے والوں کی سہولت، اگر انہوں کی تکمیل ہدایت اور اصل منشا الہی کی پوری توضیح اور کہیں پوری تاکید کی خاطر مختلف لفظوں، مختلف عبارتوں اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا ہے، اس لئے اصل مفہوم و منشا کے لحاظ سے احادیث کے معانی ضمناً وحی ہیں لیکن الفاظ، عبارت اور تعبیر کی حیثیت سے یعنی لفظاً وحی نہیں ہیں بلکہ فہم نبوی، اجتہاد نبوی اور عکسہ نبوت کے غیر خطائے نتائج ہیں، اسی لئے ان کو اصطلاح میں وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

ہم اس فرق کی ایک مثال دے کر اپنے مطلب کو زیادہ واضح کر دینا چاہتے ہیں، قرآن پاک میں والدین کی خدمت اور اطاعت

کا حکم ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ ہے کہ والدین کی رضا مندی گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے، یہ وحی الہی کا حقیقی منشا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منشا الہی کو ان الفاظ اور مختلف تعبیروں سے ادا فرمایا، ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے کبھی ارشاد ہوا، رب کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے، ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا: تیری ماں، تیری ماں، تیری ماں، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، صحابہ حضور کی شرف سے ممتاز تھے کہ زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے، وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! کون؟ ارشاد ہوا وہ جس نے اپنی ماں یا باپ کی ضعیفی پائی اور پھر ان کی خدمت گزاری کر کے جنت نہ حاصل کر لی، ایک اور مجلس میں صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کسی کے کاموں میں خدا کو سب سے زیادہ کون کام لہند ہے فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا۔ دریافت کیا اس کے بعد، فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

ان تمام احادیث پر معمولی سی غور و فکر کی نظر بھی یہ راز ظاہر کر دے گی کہ یہ کل حدیثیں ذیل کی آیتوں کی تشریح و بیان ہیں۔  
وَالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بقرہ - ۹ - نساء - ۶)  
وَلَا تَقُلْ لِلْهَرَمِ أَفٍّ (اسرائیل - ۳)  
وَنَسْجَاوَزَعَنْ سَيِّئَاتِهِمْ۔  
ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔  
وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کو اُف نہ کہو۔  
یہ زبان باپ کے خدمت گزار وہ ہیں جن کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں۔

یہی حال دوسرے قرآنی احکام کے بیان و تشریحات کا ہے۔

**احادیث، قرآن کا بیان ہیں**  
قرآن پاک اور احادیث دونوں پر جن کی عین و وسیع نظر ہے ان کو یہ برہان معلوم ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ کے تمام فرعی اور ثانوی احکام قرآن پاک کے عمومی اور کل احکام کے تحت میں مندرج ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں صرف ایسی تشریح فرمائی ہے، اس قسم کی حدیثوں کی عموماً تین شکلیں ہیں، ایک وہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں حکم بیان فرمانے کے بعد خود قرآن پاک کی کوئی آیت اس کے ساتھ پڑھ دی، اس قسم کی حدیثوں کے بیان ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے، دوسری شکل یہ ہے کہ اپنے آیت نہیں پڑھی، مگر خود اس حکم میں ایک دو لفظ ایسے فرمادیتے جو کسی آیت کا جزو ہیں جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ حکم فلاں آیت کی تشریح ہے، اس صورت میں بھی اصل و فرع کی تیز اہل علم کیلئے آسان ہے، تیسری شکل یہ ہے کہ آپ نے کسی آیت یا اشارہ کے بغیر صرف حکم بیان فرمادیا، اس قسم کی حدیثوں کے ماضی کا تعلق وقت نظر کا کام ہے، ان کا پتہ زبان نبوت اور فہم رسالت کے طرز اسلوب کے سمجھنے والے راغبین فی العلم ہی پاسکتے ہیں۔

**امام و اجتہاد و حکمت**  
امام شافعی نے کتاب الرسالة میں احادیث و سنن کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جو بعینہ قرآن پاک میں مذکور ہیں، دوسری وہ جو قرآن پاک کے مجمل حکم کی تشریح ہیں، تیسری وہ جن کا ذکر (بغیر قرآن پاک میں) تفصیلاً ہے نہ بالفاظ الہی تیسری قسم قابل بحث ہے، امام صاحب نے اس کے متعلق ائمہ سلف کے چار نظریے نقل کئے ہیں۔

۱۔ مجھے یہی شبہ تھا کہ میں اس رائے میں منفر ہوں مگر بعد اللہ کہ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ دیگر متعدد علمائے اصول کا یہی مسلک ہے چنانچہ خیال ہوا کہ سہ سے پہلے امام شافعی کی کتاب الرسالة (ص ۲-۳) ۲۹۰-۲۹۱ مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ میں اور نیز سب سے زیادہ مفصل امام شافعی علیہ السلام کی تفسیر ۱۳۲۱ھ کی اہم تصنیف الموافقات فی اصول الاحکام جلد اول ص ۱۰۵-۱۰۶ مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ میں موجود ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مجاز اللہ البالغہ میں بھی اس کا ایک باب ہے۔ لے کتاب الرسالة امام شافعی ص ۲۸۔



(۲) رسول نے کوئی ایسا کم نہیں دیا ہے جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو (مقصود یہ ہوا کہ اس کے احکام و دراصل کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہیں، گو بظاہر کم بینوں کو ایسا نظر نہ آئے)

(۴) اس قسم کے تمام امور جو احادیث میں ہیں، کتاب الہی سے جدا گانہ مستقل پیغام ربانی کے ذریعہ رسول کو معلوم ہوئے ہیں جو تحسے نظریہ کو چھوڑ کر بقیہ تین راہیں میرے خیال میں تقریباً ایک ہی ہیں، پہلے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ مرتجح وحی کے علاوہ جو قنایا فوقانی پر آتی رہتی ہے اس کو ابتدا ہی سے ایک توفیق ازل ہی عنایت ہوتی ہے جس سے وہ پیش آمدہ امور میں رضائے الہی کو دریافت کر کے فیصلہ کرتا ہے، تیسرے نظریہ میں اسی توفیق علم کو الہام، القاء فی الرذع اور دل میں ڈال دیتے سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے نظریہ کا منشا یہ ہے کہ رسول کے جو احکام بظاہر کتاب اللہ میں نہ ہوں، ان کی اصل بھی درحقیقت کتاب اللہ میں ہے اور رسول اسی اصل سے اپنے احکام مستنبط کرتا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ استنباط عام انسانی و بشری فہم سے نہیں ہوتا، درنہ اس کا غلطی سے پاک ہونا مشتبہ رہے گا، بلکہ وہ پیغمبرانہ قوت فہم کا نتیجہ ہوگا اور جب ایسا ہے تو اس پیغمبرانہ قوت فہم کی تعبیر خواہ الہام کہو، القاء کہو یا اس کو حکمت نبوی کا نتیجہ کہو یا توفیق الہی کہو، بات ایک ہی ہوتی۔

میرے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ رسول کے تمام صحیح ربانی احکام بھی عموماً اس کے صحیفہ ربانی سے ماخوذ و مستنبط ہیں اور ان کے جزئیات کتاب الہی کے کلیات کے تحت میں مندرج ہیں اور رسول کا یہ اخذ، استنباط اور فہم اس کی اس پیغمبرانہ قوت علم کا نتیجہ ہیں جس کو حکماء، ملکہ نبوت اور اہل شرع مکت، الامام اور شرح صدر وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور جو خطا اور غلطی سے یکسر پاک ہے۔

**اجتہاد نبوت** اس موقع پر علمائے اصول کی ایک اور اصطلاح اجتہاد نبوی کی تشریح ضروری ہے، علمائے اصول لکھتے ہیں کہ جب کوئی نیا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آتا اور وحی نازل نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے یعنی گزشتہ وحی شہیدہ احکام کے تطبیق سے آپ حکم دے دیتے تھے یہ فقہاء کا طریقہ تعبیر ہے ورنہ یوں کہنا چاہیے کہ رسول اپنی اس حکمت ربانی کے فیض سے مدد لے کر جو خدا نے ان کے سینہ میں رایت رکھی تھی، گزشتہ وحی کے کلیات کی روشنی میں اس کا فیصلہ فرماتے تھے، بہر حال خواہ فقہاء کے طریق پر اجتہاد نبوی کو نصوص قرآنی سے مستنبط سمجھتے یا شاہ ولی اللہ صاحب کے نظریہ کے مطابق رسول کے علم میں اور وحی شدہ اصول کلی کے جزئیات تسلیم کیجئے، بہر حال میں وہ نتیجہ امت کے لئے واجب العمل اور خطا سے پاک ہے کیونکہ یہ مقدمہ اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ انبیاء گنہوں سے معصوم، ضلالت و گمراہی سے پاک اور ہوائے نفسانی سے مبرا ہوتے ہیں، اس لئے امور رسالت اور امور دین میں ان کی کوئی رائے غلط نہیں ہو سکتی کہ ان کی غلطی سے پوری امت کا غلطی پر قائم ہو جانا مسلم ہے، حالانکہ ان کی بعثت کی غرض ہدایت ہے، ضلالت نہیں، ان وجوہ سے ان کا اجتہاد اگر کبھی کسی ایسے نتیجہ پر منتج جاتا ہے جو مصلحت الہی کے مطابق نہیں ہوتا تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اس پر تنبیہ فرما کر ان کو اپنی مرضی سے مطلع فرمادیتا ہے

میری رستے میں یہ اصطلاح بھی معنی گذشتہ اصطلاحوں کے قریب قریب ہے اسلئے اس اجتماع نبوی کے معنی الہام حکمت  
ملکہ نبوت، اہم نبوی وغیرہ گذشتہ اصطلاحات سے عملاً الگ نہیں کہ اس کی حیثیت بھی وحی ثانوی کی قرار پا جاتی ہے۔  
اس بحث پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ بالغہ میں جو خیال ظاہر فرمایا ہے اس کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں

علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقسام

(۱) ایک وہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے، اور یہ آیت:-

مَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ  
فَانْتَهُوا (حشر-۱)

پیغمبر تم کو سب کچھ دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع  
کرے اس سے باز آؤ۔

اسی قسم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

علوم معاد یعنی قیامت اور آخرت کے احوال بہ جز او سزا اور عجایب الملکوت (یعنی دوسرے عالم کے احوال و کیفیات اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب کا دار و مدار صرف وحی پر ہے اور ان اصول کے مطابق جن کا ذکر اوپر گزر چکا، قوانین شریعت اور عبادات و معاملات کی جزئیات کا ضبط بھی اسی قسم میں داخل ہے، لیکن ان میں سے بعض چیزوں کا دار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتماع پر ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی وحی کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو غلط رائے قائم کرنے سے محفوظ رکھا ہے اور بی ضروری نہیں ہے کہ آپ کا ہر اجتہاد کسی خاص نص و آیت سے استنباط کا نتیجہ ہو جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے بلکہ آپ کے اجتہاد کی زیادہ تر صورت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے شریعت اور وضع قانون کے مقاصد، انسانوں کی آسانی اور سہولتی اور اصولی مقاصد کا قانون آپ کو تعلیم کر دیا تھا، وہ مقاصد جن کا ماخذ وحی تھا، آپ اس کلی و اصولی قانون کے ذریعہ سے جو آپ کو سکھایا گیا تھا، ان کی تشریح فرما دیا کرتے تھے، حکمت کی متفرق باتیں اور عام مصلحتیں جن کے لئے آپ نے نہ کوئی وقت مقرر کیا نہ ان کے حدود بتائے مثلاً اخلاق صالحہ اور اخلاق غیر صالحہ کا بیان بھی تبلیغ رسالت کے طور پر ہی ہوتا تھا اس کے حوالہ کے لئے دیکھو شرح تحریر ابن ہمام المتوفی ۸۹۱ھ مسمیٰ بہ التقرير والتبیین للعلما ابن امیر الخلیج المتوفی ۸۹۹ھ ص ۳۶۴ ۲۹۹، ۱۶۴۴ مطبوعہ امیر مصر ۱۳۱۵ھ اور التلویح فی کشف حقائق التبیح والتوضیح فی حل غوامض التبیح امیر الخلیج المتوفی ۸۹۹ھ ص ۳۶۴ ۲۹۹، ۱۶۴۴ مطبوعہ امیر مصر ۱۳۱۵ھ بحث الرکن الثانی فی السنۃ۔



سے تعلق رکھتا ہے لیکن ان میں اکثر کاردار و مدار اجتہاد پر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو باہمی معاملات و اجتماع کا کلی قانون تعلیم کر دیا تھا اور آپ نے حکمت کی باتیں اسی کلی قانون سے جو آپ کو تعلیم کر دیا گیا تھا مستنبط کیں اور ان کے متعلق ایک کلیہ بنایا، فضائل اعمال اور ان پر عمل کرنے والوں کے مناقب بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور میرے خیال میں ان میں بعض کاردار و مدار وحی پر اور بعض کا اجتہاد پر ہے، ان قوانین کا بیان اوپر گزر چکا اور ہم اسی قسم کی شرح کرنا اور ان کے معانی کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

(۱۲) دوسری وہ روایتیں ہیں جو تبلیغ رسالت سے تعلق نہیں رکھتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں صرف ایک آدمی ہوں، جب تمہارے دین کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو یہ سمجھو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں۔ اور چھ باروں کے جوڑ لگانے کے واقعہ میں آپ کا یہ فرمانا کہ میں نے ایک خیال قائم کیا تھا میرے خیال پر تم لوگ عمل نہ کرو، البتہ جب خدا کی کوئی بات بیان کروں تو اس پر عمل کرو کیونکہ میں خدا پر قیامت نہیں باندھتا۔ اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے، طب کے متعلق حدیثیں اور آپ کا ارشاد کہ تم سیاہ رنگ اور ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس کی پیشانی میں عقوڑی سی سفیدی ہو، اسی قسم میں داخل ہے اور اس کا دار و مدار تجربہ پر ہے۔

آپ نے جو کچھ عادت کیا، عبادت نہیں، اتفاقاً کیا، قصد نہیں، وہ بھی اسی قسم میں داخل ہے، آپ نے جو واقعات ایسے بیان کئے جن کا نام قوم میں چرچا تھا مثلاً ام زرع اور خرافہ کے قصے، وہ بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی بات کو حضرت زید بن ثابت نے جب ان سے چند لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی، اس طرح بیان کیا ہے کہ میں آپ کا پڑوسی تھا، اور تب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ مجھ کو بلا بھیجتے تھے، وہ میں آپ کے حکم سے اس کو لکھا کرتا تھا لیکن جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تھے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر فرماتے تھے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تھے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے، تو کیا میں ان تمام چیزوں کو بطور حدیث بیان کروں؟

اسی میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جن کو آپ نے اپنے زمانہ کی جزئی و عارضی مصلحت کے طور پر کیا ہے اور وہ تمام امت کے لئے ضروری نہیں ہیں مثلاً فوجوں کی آراستگی اور جنگی ملامت کی تعیین کے وہ احکام جن کو غلیف دیتا ہے اور حضرت عمرؓ کے اس قول کے کہ اب ہم کوچ میں اکر کر چلنے کی کیا ضرورت؟ ہم ایک قوم و گنہار قریش کے سامنے اس کی نمائش کرتے تھے لیکن اب خدا نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بھی یہی معنی ہیں کہ وہ اس کو ایک خاص جزئی و عارضی مصلحت سمجھتے تھے، لیکن چونکہ اپنے اس اجتہاد پر پورا اطمینان نہ تھا، اس لئے ان کو یہ خوف ہوا کہ خاص اس کا کوئی اور سبب ہو، اس لئے اس میں دست اندازی نہیں کی، اسی طرح دوسرے احکام بھی اسی پر محمول کئے گئے ہیں، مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ جو شخص جس کو قتل کرے اس کا ہتھیار اسی کا حق ہے نیز آپ کے مخصوص فیصلے بھی اسی قسم میں داخل ہیں کہ آپ مقدمات کے ان فیصلوں میں گواہوں اور قسموں کے مطابق فیصلے کرتے تھے، آپ نے حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ سے جو یہ فرمایا تھا کہ واقعہ میں حاضر ہو کچھ دیکھنا ہے، اس کو غائب نہیں دیکھتا، اس کے معنی بھی یہی ہیں۔ (انتہی کلام)

شاہ صاحب کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی جو دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن کا

تعلق پیغمبرانہ فرائض، تبلیغ رسالت اور مہمات امور دین سے ہے، یہ تمام باتیں براہ راست وحی و تعلیم سے ماخوذ ہیں دوسری وہ جو عام انسانی باتیں ہیں، ان کی متعدد صورتیں ہیں۔

(۱) کسی جزئی عارضی مصلحت کی بنا پر کوئی حکم جیسے حج میں آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قریش کے سامنے اکر کر سجدہ کریں، تاکہ قریش یہ نہ سمجھیں کہ مدینہ کی آب و ہوائ نے ان کو کمزور کر دیا ہے۔

(۲) وہ امور جن کو دین و رسالت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں، بلکہ زمانہ کے حالات کے ساتھ وہ بدلتے رہتے ہیں مثلاً جنگ کا طریق، ہتھیار کے اقسام، حکومت کے صیغوں کی ترتیب وغیرہ۔

(۳) وہ امور جن کو آپ اپنی شخصی، قومی یا ملکی عادت کے مطابق کرتے تھے، جن کو دین و رسالت سے کوئی واسطہ نہیں، مثلاً وضع و لباس، فرش پر نشست، مکمل اور ٹھنڈا، دسترخوان اور چمچوں کا عدم استعمال، عمامہ باندھنا، تہ بند پہننا، اونٹ پر سوار ہونا وغیرہ۔

(۴) وہ امور جو عرب میں بطور قصہ کے مشہور تھے اور آپ نے بھی ان کو اسی طرح تغنی طبع کے لئے یا کسی اخلاقی نتیجہ کی خاطر بیان فرمایا، مثلاً ام زرع اور ان کی نوسیلیوں کی کمائی، خرافہ کی داستان، بنی اسرائیل کی بعض حکایتیں۔

(۵) عربوں کے بعض عجری مسلمات اور علاج و معالجہ کی بعض باتیں۔

(۶) زراعت وغیرہ کے متعلق بعض ذاتی رائے، مثلاً مدینہ میں قاصدہ تھا کہ فصل کے موقع پر نہ چھوڑا کروں کے پھول مادہ چھوڑا کروں کے درختوں میں ڈالے جلتے تھے، آپ نے یہ طریقہ دیکھا تو اس کو محض رسمی بات سمجھ کر فرمایا کہ اگر ایسا نہ کیا کرو تو کیا ہو۔ مدینہ والوں نے آپ کے اس ہلکے سے اشارہ کو حکم کے طور پر مانا اور اس سال یہ ترکیب چھوڑ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال پیداوار کم ہو گئی، لوگوں نے اگر عرض کی، فرمایا میں نے ایسا خیال کیا تھا۔ انتہا اعلیٰ امور دین کا۔ تم اپنے دنیاوی کاروبار اور معاملات سے زیادہ واقف ہو۔ یہ امور تغیر اور رد و بدل کے قابل ہو سکتے ہیں۔

الغرض یہ وہ امور ہیں جن میں رسول کے ارشادات کی حیثیت، انسانی باتوں کی ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے امور جن کا تعلق دین و رسالت و نبوت سے ہے مثلاً عقائد، عبادات، اخلاق اور اخبار معاد اور معاملات کے بعض جزئی حصے، یہ سب کے سب وحی اور تعلیم ربانی سے ہیں جو دائمی اور ناقابل تغیر ہیں۔

ان ناقابل تغیر امور کی تعلیم و اطلاع کی دو صورتیں ہیں، ایک براہ راست وحی الہی جو وقتاً فوقتاً پیغمبر کی تعلیم و اطلاع کے لئے خدا کی طرف سے آیا کرتی تھی اور دوسری اجتہاد نبوی، یہاں بحث اسی دوسری چیز سے ہے، شاہ صاحب اس کے متعلق دو باتیں فرماتے ہیں۔

(۱) یہ کہ اجتہاد نبوی کی صورت و حقیقت مجتہدین کے اجتہاد کی طرح نہیں ہے، مجتہدین کا اجتہاد کسی خاص فن سے استنباط کا نام ہے اور پیغمبروں کے اجتہاد کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اجالی طور سے شریعت کے کلی اصول و قواعد کا علم منصب نبوت کے ساتھ ساتھ عطا فرما دیا ہے، اسی علم کے مطابق آپ وحی کی توضیح، احکام منصوبہ کی تفصیل، کسی کلی کے جزئیات مسائل کی تشریح اپنے الفاظ میں فرما دیا کرتے تھے۔

(۲) پیغمبروں کا یہ اجتہاد، دوسرے عام انسانی مجتہدین کے اجتہادات کے برخلاف خطا و غلطی سے یکسر پاک و منزہ



ہوتا ہے کیونکہ ان کی رائے خطا و غلطی پر باقی رکھے جانے سے محفوظ بنائی گئی ہے، اسی لئے ان کا پیغمبرانہ اجتماع بھی بمنزلہ وحی کے ہے۔

پیغمبرانہ اجتماع کی جو تشریح شاہ صاحب نے فرمائی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ نہایت آسان ہے کہ دوسرے لوگ حکمت نبوت، الامام، الفاعل، حکمت ربانی، فہم نبوی سے جو کچھ مراد لینے ہیں اس میں اور اجتماع نبوی میں عملاً کوئی فرق نہیں ہے کہ اس اجتماع سے مقصود وہ قوت علیہ یا الامامیہ یا نبویہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ خاص پیغمبر کے سینہ میں ودیعت رکھتا ہے، اس لئے مجتہدانہ اجتماع اور پیغمبرانہ اجتماع کے درمیان صرف لغت کی مشارکت ہے، معنی کی نہیں، مزید بحث آگے آئے گی۔

ایک نکتہ کی طرف یہاں اور اشارہ کر دینا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور جتنے صاحب کتاب انبیاء آئے ان کی دینی کتاب اور نتائج حکمت نبوی میں فرق و امتیاز باقی نہیں رہا، چنانچہ تورات و انجیل و زبور میں یہ سب باتیں ملی جلی ہیں، جیسا کہ ان کے پڑھنے سے ہر شخص کو نظر آسکتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری اور غیر منسوخ کتاب لے کر آئے تھے اس لئے آپ کی کتاب کی ہر طرح حفاظت کی گئی اور ہر تخیل و آرمیزش سے محفوظ رکھی گئی، بلکہ اسی لئے آغاز اسلام میں آپ نے نتائج حکمت نبوی کی تحریر سے لوگوں کو باز رکھا، تاکہ کتاب کے ساتھ ان کی آرمیزش نہ ہو بعد کو جب یہ خطرہ باقی نہیں رہا تو انہوں نے نزدیک یہ ہے کہ آپ نے ان کی تحریر کی اجازت دے دی اور بعض متشدد صحابہ اور علماء کے نزدیک یہ اجازت مخصوص لوگوں کے لئے تھی، عام نہیں، لیکن یہ اختلاف تحریر و کتابت میں ہے، ان کی صحیح طور سے حفاظت و روایت و تبلیغ میں نہیں، اس لئے اس خدمت کو تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور علمائے صالحین نے ہمیشہ ادا کیا۔

**عصمت و بے گناہی** انہی کی تیسری اہم خصوصیت اس کی معصومی اور بے گناہی ہے، یہود میں چونکہ پیشین گوہونے کے علاوہ فساد کی گئی ہیں جو ان کی شان نبوت کے سراسر منافی ہیں، جیسا کہ یوں میں صرف ایک مسیح کی ذات معصوم مانی جاتی ہے لیکن اسلام میں یہ عقیدہ سبزی اور رسول کی نسبت عام ہے، اس کے نزدیک تمام انبیاء اور رسول گناہوں سے پاک اور معصوم تھے ان سے بغاوت نے بشریت محمول چوک ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی وحی سے ان کی ان غلطیوں کی بھی اصلاح کرتا رہتا ہے نبوت کے متعلق عقلی حیثیت سے بھی جب تک عصمت کا اصول مان نہ لیا جاتا ہے نبی اور عام حکیم و مصلح میں فرق نمایاں نہیں ہو سکتا اور نہ نبیوں اور رسولوں کی کامل صداقت و صحت پر اعتبار کیا جاسکتا، اسی لئے اسلام نے اس عقیدہ کا بھی بڑا اہتمام کیا ہے ایک ایک کر کے تمام پیغمبروں کے مقدس احوال کا تذکرہ کیا ہے اور ان واقعات کی تردید کی ہے جو شان عصمت کے خلاف ہیں اور جن کو لوگوں نے ان کے سواغ میں شامل کر دیا ہے۔

عرب کے مشرکوں کا یہ عقیدہ تھا کہ انہی جو غیب کا حال بتاتے ہیں اور شاعر جو ہر چویش اور ہر تاثیر کلام نظم کرتے ہیں یہ شیطانوں سے بیکہ کرتے اور کرتے ہیں اور یہی بات وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی دہخوذ بلکہ کہتے تھے قرآن نے ان کے جواب میں کہا، درخت اپنے پھل سے اور شے اپنے آثار سے پہچانی جاتی ہے۔

اِنَّهُ لَنَبِيٍّ لِّمَوْلَانَا عَلٰى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رٰبِعِهِمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا سُلْطٰنٰهُ عَلٰى الَّذِيْنَ رَبُّہُمْ يَخْتَارُ

شیطان کا زور ایمان والوں پر نہیں چلتا اور نہ ان پر جو اپنے رب پر عبور و سر رکھتے ہیں اس کا زور انہی پر چلتا ہے جو اس سے

یَتَوَلَّوْهُ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِہٖ مُّشْرِکُوْنَ رُحْل - ۱۱۳

دوستی کرتے ہیں اور اپنے رب کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

اس کے بعد آخر تک اس خیال کی تردید کی ہے اور پھر خاتمہ اس پر ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَوْ تَخَوَّزْنَا حٰکِمُہُمْ  
وَلَوْ تَكَّ فِيْ ضَلٰلٰتٍ فَمَا يَخْلُکْ دُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِيْنَ  
اَتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ يُخٰیفُوْنَ رُحْل - ۱۱۶

اور صبر کر اور تیرا صبر کرنا بھی خدایا کی مدد سے ہے اور نہ تو ان پر غلبہ ہو اور نہ ان کے فریب سے تنگ دل ہو بلکہ شک خدا کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور جو نیکو کار ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ انبیائے کرام شیطانوں کے فریب سے آزاد متقی، پرہیز گار اور نیکو کار ہوتے ہیں۔

سورۃ شعراء میں اسی شبہ کا جواب تمام پیغمبروں کے حالات کو سنا کر آخر میں یہ کہہ کر دیا ہے۔

هَلْ اَنْتُمْ كُفْرًا مِّنْ تَنْزِلِ الشَّيْطٰنِ  
تَنْزِلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَشِیْعُوْہُ یُلْقُوْنَ  
السَّمْعَ وَاَكْثَرُہُمْ کٰذِبُوْنَ

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں ان پر اترتے ہیں جو جھوٹ گھڑتے ہیں، گنگنا رہتے ہیں لوگوں کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ وہ غیب کی باتیں سن رہے ہیں، کان ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔

(اشعراء - ۱۱)

سورۃ باثیہ میں مخالفین کے جواب میں کہا گیا ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلٰی اَفَّاكٍ اَشِیْعُوْہُ یُسْمَعُ اٰیٰتِ  
اللّٰہِ تَنْتَلٰی عَلَیْہِ فَاَنْصُرُ مُسْتَلٰی  
كَانَ لَوْ یَسْمَعُہَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْسَ

پھٹکار ہوا اس پر جو جھوٹ گھڑنے والا گنگنا رہے خدا کی آیتوں کو جو اس کو بڑھ کر سنائی جاتی ہیں، وہ سنتا ہے، اور پھر اپنے غور پر اثر رہتا ہے، گویا اس نے سنا نہیں تو اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔

(جاثیہ - ۱)

اس کے معنی یہ ہوتے کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹ گھڑنے والے اور گنگنا نہیں ہوتے کہ اگر ایسے ہوں تو فرشتوں کے بھاتے وہ شیطانوں کے قہر و رفیق ثابت ہوں اور ان کی سچائی اور صداقت مشتبہ ہو جاتے اور نیز یہ کہ نبوت کی حقیقت کذب و گنگناری کے صریح منافی ہے۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّوْقِبَہُ اللّٰہُ اَلْکِتٰبَ وَاَخْلُوْ  
وَالنَّبٰیۃَ تَقَرُّ یَقُوْلُ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا  
عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (آل عمران - ۸)

اس آدمی کے جن کو اللہ کتاب اور فیصلہ اور نبوت دے یہ شایان نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔

یعنی پیغمبروں کی دعوت کا منشا خدا کی بندگی کا اعلان ہے نہ کہ لوگوں کو اپنا بندہ اور پرستار بنانا، اور یہ گناہ ان سے سرزد نہیں ہوتا اور ایک آیت میں فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّخْلٰہُ وَاَنْ یَّخْلُوْ  
یَاۤتِ بِمَا خَلَّ یَوْمَ الْقِیَمَۃِ بِرُشْدٍ  
تُوَفِّیْ کُلَّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَہُوْ

کسی پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ وہ جو کچھ چوری سے چھپالے اور جو کوئی چھپالے گا، قیامت کے دن لے کر اس کو حاضر ہوگا، پھر اس وقت ہر شخص کو اس کے کام کا پورا بدلہ ملے گا اور



لَا يُظْلَمُونَ أَفَمَنْ أَتْبَعَ رِضْوَانُ اللَّهِ كَمَنْ  
هَامَ سَخِطَ مِنَ اللَّهِ وَمَا وَهَ جَاهِلُونَ  
وَبَشِّرِ الْمَصِيبِينَ وَهُوَ ذَرَبَتْ  
عَنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ  
لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ  
رَسُولَهُمْ أَنْفُسِهِمْ سَلَفًا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِمْ وَيُزَكِّيهِمْ  
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ  
لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (آل عمران - ۱۰)

ان آیتوں میں گوہر غیبی سے غلول مال پھیلنے کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے کہ نبی جو خدا کی خوشنودی کی ہمیشہ دری  
کرتے ہیں وہ ان کے مانند نہیں ہو سکتے جو خدا کی خلق کھاتے ہیں، مگر خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ اس سے ایسا جرم سرزد ہو سکے، کیونکہ اللہ کی رضا مندی  
کاملاً اس کی ناشی کے کام کا قریب نہیں ہو سکتا، اور جو دوسروں کو احکام الہی سناتے، خود اس سے ان احکام کی  
طواف درزی مکن نہیں اور جو دوسروں کو پاک و صاف کرنے پر مامور ہے وہ خود گنہگار و ناپاک نہیں ہو سکتا۔  
انبیاء علیہم السلام کے لئے ہر بار قرآن نے چن کر پسند کرنے کا لفظ استعمال کیا ہے جو سراسر ان کی عصمت  
اور گناہوں سے محفوظ و پاک رہنے پر دلالت کرتا ہے، عام پیغمبروں کے متعلق یہ آیت ہے۔  
اللَّهُ يُصْطَفِي مِنْ آئِلَتِكَ رَسُولًا وَرَبِّكَ  
النَّاسِ (آل عمران - ۱۰)

چند مخصوص پیغمبروں کی شان میں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ  
وَآلَ عِصْرَ عَلَى الْعَالَمِينَ (آل عمران - ۳۳)  
خاص حضرت ابراہیم کے متعلق ارشاد ہوا۔  
وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَا فِي الذِّكْرِ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ  
حُزْنَ مَوْسَىٰ كُنْ نَبِيًّا (آل عمران - ۳۴)

حضرت موسیٰ کی نسبت فرمایا۔  
وَإِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي  
وَبِكَلَامِي (آل عمران - ۳۵)

ایک آیت میں پیغمبروں کے لئے اصطفا کے ساتھ غیر (مہتر اور نیکو کار) کی صفت ظاہر کی گئی ہے۔  
فَلَمْ يَكُنْ عِبَادًا لَّنَا لَمْ يَكُنْ لَنَا شَيْءٌ وَاصْطَفَىٰ  
أُولَٰئِكَ الْبَشَرِ وَالْبَصَارِ إِنَّا أَخْلَصْنَا لَهُمْ

ہم نے تم کو اپنے کلام اور پیغاموں کے لئے لوگوں میں سے  
چن کر پسند کیا۔  
ہمارے خاص بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو  
جو با حقوں (وقت عمل) والے اور انھوں (وقت مل) والے تھے ہم

بِخَالِصَةٍ ذِكْرِي الدَّابَّةِ وَإِنَّمَا جَعَلْنَا  
لَهُمُ الْمُصْطَفَيْنَ الْوَحْيَ (ص - ۴۰)  
سورۃ انبیاء میں اکثر پیغمبروں کے تذکرہ کے بعد فرمایا۔

وَكَلَّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً  
يَقْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ  
الْخَيْرَاتِ وَأِقَامَ الصَّلَاةِ وَآتَاَهُمُ الزَّكَاةَ  
وَكَانُوا لَنَا عِبِيدِينَ (انبیاء - ۵۰)

ان میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا اور ہم نے ان کو وہ پیشوا  
بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ دکھاتے تھے اور ہم نے ان کو  
نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز کھڑی کرنے اور زکوٰۃ دینے کی  
وحی کی اور وہ ہمارے پرستار تھے۔

کیا اس سے زیادہ ان کی عصمت اور بے گناہی کی شہادت ہو سکتی ہے کہ وہ امام و پیشوا اور صالح اور خدا کے پرستار  
بنائے گئے، سورۃ انعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام گناہ کر سب کو صالح فرمایا گیا۔  
كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ (انعام - ۱۰)

پھر آگے چل کر فرمایا كَلَّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ (انعام - ۱۰) ہر ایک کو دنیا والوں پر فضیلت دی۔ پھر ان کا ذکر کر کے  
فرمایا وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ اور ہم نے ان کو ہرگز یہ کیا اور ان کو سیدھی راہ چلایا۔ صالح ہونا  
برگزیدہ ہونا اور راہ راست پر ہونا سراسر عصمت اور بے گناہی ہے۔

شقی و سعید اور گنہگار و نیکو کار، دونوں کی سیرتوں اور زندگیوں کا فرق اتنا نمایاں ہے کہ ان میں التباس اور  
اشتباہ ممکن نہیں، تاریخ و سیر کی خاموش اور خلق کی گویا زبانیں چیخ چیخ کر اس فرق و امتیاز کی منادی کرتی رہتی ہیں، اس  
اصول کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

أَفَرِحَ الَّذِينَ فِي الْبُيُوتِ أَجْتَرَحُوا الشَّيْءَ أَنْ يَجْعَلَهُمْ  
كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مَسْوًى  
فَقِيَاهُمْ وَمَا تَنْهَاهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (بقرہ - ۱۰)

کیونکہ جو گناہوں کے مرتکب ہیں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان  
کی طرح جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے بنائیں گے ان دونوں  
کی زندگی اور موت یکساں ہو، یہ ان کا فیصلہ گناہ برائے

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کی زندگی اور موت دونوں ممتاز ہوتی ہیں۔  
انبیاء کے وصف میں فرمایا۔  
الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا  
يَحْشُونَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ (احزاب - ۵)

جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں  
اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور بیویوں کو جو حجت اور شرف حاصل ہے وہ نبوت و رسالت ہی کی  
نسبت سے ہے، ازواج مطہرات کی شان میں ہے۔  
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتُكَ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ  
إِنَّ الْقَيِّسِينَ (احزاب - ۳۴)

اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتوں میں سے کسی ایک کی طرح  
نہیں ہو، اگر تم متقی ہو۔  
پھر اہل بیت نبوی کو خطاب کر کے فرمایا کہ ارادہ ربانی یہ ہے کہ وہ تم کو برائی سے پاک اور صاف اور سحر جانتے۔



۶۳  
 إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ  
 الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُتُبَكُمْ (احزاب: ۳۳)  
 آخر میں چاہتا ہے کہ تم سے ہر پاکی کو دور کر دے، اسے نبی کے گھر والوں  
 اور تم کو بالکل صاف ستھرا بنا دے۔

کاہرہ کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے ازواج و اولاد کی شرافت کے لئے گناہ اور بدی کی نجاست مغل ہے تو خود انبیاء کا کاذب ہے ایک دوسری آیت میں حضرت عائشہؓ کو تہمت سے بری کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْجَبِيَّتُ لِلْجَبِيَّتِيْنَ وَالْجَبِيَّتُونَ لِلْجَبِيَّتَاتِ  
وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ  
اُولٰٓئِكَ مُتَرَدِّدُونَ مِمَّا يَقُولُونَ (نورہ)

گندیاں گندوں کے واسطے اور گندے گندیوں کے لئے اور  
سحریاں، سحر دوں کے واسطے اور سحرے سحریوں کے واسطے  
یہ ان کی تمت سے پاک ہیں۔

یہاں طیب، پاک اور سحرے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے اور اسی سحرے بن، پاک، اور طہارت سے ازواج مطہرات کے اخلاقی سحرے بن، پاک اور طہارت پر استدلال کیا گیا ہے۔

انبیا۔ درحقیقت مقتدی اور پیشوا اور نمونہ بن کر اس دنیا میں بھیجے جاتے ہیں، اسی لئے فرمایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (امتزایا)

تمہارے لئے خدا کے رسول میں اچھی پیروی ہے۔

نیز ان کی اطاعت واجب ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ  
اللّٰهِ (نساء: ۶۴)

ہم نے کوئی نبی نہیں بھیجا لیکن اس لئے کہ خدا کے حکم سے  
اس کی اطاعت کی جائے۔

اور خاص اسخبرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تصریح ہے کہ آپ کی پیروی، خدا کا محبوب بننے کا مستحق ٹھہراتی ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّبْکُمْ  
اگر تم خدا کو چاہتے ہو تو تم میری پیروی کرو خدا  
تم کو چاہے گا۔

کیا کسی گنہگار اور معصیان کار کی زندگی، پیروی، اتباع اور نمونہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، تاریکی سے روشنی کبھی نکلی، اور گندگی سے پاک کبھی پیدا ہوتی اور گندگدوں کی دھوت سے کبھی نیکو کاری پھیل ہے؟ برائی اور گنہگار یوں کا اصلی محرک اور منبع شیطان یا انسان کی خود قوت شر ہے، لیکن خدا کے خاص بندے اس کے دام فریب سے آزاد ہیں۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكُنْ بِرَبِّكَ وَكِيلًا (اسرائیل - ۷)

یقیناً میرے بندوں پر تیرا اسے شیطان کوئی زور نہیں، تیرا پروردگار  
 (اپنے بندوں کی طرف سے) سب کچھ کر دینے کو بس ہے۔

کیا انبیائے کرام علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی بندہ رب ہو سکتا ہے۔

انسانوں کی گمراہی اور عصیان کاری، دوسرے شیطانی کا نتیجہ ہوتی ہے، خواہ یہ شیطان خود اپنے دل کے اندر رہتا ہے یا چھپا ہوا انسان اور جن کی صورت میں ہو، ہر ایک کے فتنے سے اس کی ذات پاک اور بلند ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض غور غرض لوگوں نے بعض مشوروں میں پھسلانا چاہا، مگر خدا نے پھسلنے نہ دیا اور فرمایا کہ میری جو رحمت اور مہربانی تجھ پر مبذول ہے، وہ ہر وقت تیری دست گیر ہے اور مگر اہی سے تیری نگہبان ہے اور کتابہ الہی اور حکمت و دانائی جو تجھے عطا ہوئی وہ تیری پاس بان ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ  
طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا  
أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصْرِفُونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ  
عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ  
وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (الناس: ١١)

۶۳  
سیرت النبی بلوچہم  
اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی، تو ایک گروہ نے  
تیرے مگر نہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور وہ گمراہ نہیں کریں گے  
لیکن خود اپنے آپ کو، اور تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے  
اور خدا نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے اور اس نے وہ سکھایا  
جو تو نہیں جانتا تھا اور تم پر خدا کا بڑا فضل ہے۔

اور یقیناً موقع و محل کی شہادت سے اس سب سے بڑے فضل سے یہاں مراد عصمت ہے۔

خود نفس انسانی بھی اپنی جموئی تمناؤں، خود غرضانہ آرزوؤں اور خوش منانیاہوں سے لوگوں کو دھوکا دیتا ہے لیکن انبیاءِ علیہم السلام اس فریبِ تمنا سے بھی پاک ہیں، بشریت کے اقتضائے سے یہ تو ممکن نہیں کہ خود اپنے مشن اور جس دھوتِ حق کو لے کر وہ آئے ہیں، اس کی حیلہ از جلد کامیابی اور لوگوں کے بسرعت قبولِ ایمان کے متعلق ان کے دل میں تمنائیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہوں، لیکن وہ مصلحتِ الہی کے مطابق نہیں ہوتیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان خیالات اور تمنائوں کو ان کے دلوں سے نکال دیتا ہے اور اپنے فیصلہ کو بر جا رکھتا ہے، فرمایا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ آيَتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (ج۔ ۲۰)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا لیکن یہ کہ جب خیال یا تمنا ہے تو شیطان اس کے خیال میں کچھ ملا دیتا ہے تو خدا شیطانوں کی ملاوٹ کو مٹا دیتا ہے اور اپنے حکموں کو مضبوط کر دیتا ہے اور خدا دان اور حکمت والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام غلط خیال آرائی کے گناہ سے بھی محفوظ رکھے جاتے ہیں۔

آنحضرتؐ علی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (بخم-۱)

(اے مسلمانو! تمہارا صاحب نہ گمراہ ہوا نہ گھٹکا۔)

اس عام گمراہی اور عدم ضلالت کا تعلق کسی خاص عہد اور وقت سے نہیں ہے بلکہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر سابق اور زمانہ ماضی سے ضلالت اور غوایت کی پوری نفی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کا دامن سدا ان کاغذوں سے پاک رہا۔

بعض شہادت کا ازالہ | قرآن پاک میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن سے ایک ظاہر میں کو یہ دھوکا ہو سکتا ہے کہ بعض سنجیدوں کے دامن پر عدم معصومیت کے بھی داغ ہیں مگر علمائے معقین نے ان میں سے ہر ایک شہد کا

تشریحی بحث، جواب دے دیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ علامہ ابن حزم اندلسی نے الفصل فی اللیل والنخل وعلیہ چارم میں اور قاضی عیاض مالکی نے شفا وقسم ثالث، باب اول میں خواجه نے شرح شفا وعلیہ چارم میں اور متاخرین میں ملا دوست محمد کابلی نے تحفۃ الخلاء فی عصمة الانبیاء میں ایک ایک شبہ کو پوری طرح رد کیا ہے جس سے ظاہر بینی کا پردہ اٹھانے کے سلسلے سے ہٹ جاتا ہے اور اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے ان میں سے ہر شبہ کا ذکر کرنا اور اس کا رد کرنا ایک طویل عمل ہے، مختصر اصولی طور سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ میں جو غلط فہمیاں کسی کو پیش آتی ہیں، ان کے دو اسباب میں



اور ان اسباب کی تشریح کر دینا ہی ان غلط فہمیوں کو دور کر دینا ہے۔

(۱۱) سب سے پہلی بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کا پایہ بندوں میں بلکہ تمام مخلوقات میں خواہ کس قدر بلند ہو، اور ان کا دامن گناہ و عصیان کے گرد و غبار سے کتنا ہی پاک ہو، تاہم اس ذل و لہلال والا کرام کے سامنے ان کی حیثیت ایک عبد، ایک بندہ اور ایک عاجز مخلوق کی ہی ہے، ایک عبد و غلام خواہ کس قدر اطاعت کیش، کتنا ہی وفا شاکا اور مطیع و فرمانبردار ہو، تاہم اپنے اُقا کے سامنے اس کو اپنے حضور کا معترف، اپنی تقصیر کا مقرر، اپنی کوتاہیوں پر غمگین اور اپنی فروگزاشتوں پر نادم ہی ہونا چاہیے، اسی لئے حضرت ابراہیمؑ جن کی نیکی اور پاکی کی شہادت سے قرآن بھرا ہوا ہے وہ خدا کی عظمت و جلال اور اس کی رحمت و شفقت کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

وَالَّذِي أَطْلَعَنَا أَنْ يَخْلُقَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (شرا - ۵)

اور وہ خدا جس سے جو اے کے دن اپنی بھول چوک کی معافی کی پوری امید رکھتا ہوں۔

نبی کا یہ اعتراف و اقرار اور خجالت و ندامت، اس کا نقص نہیں بلکہ اس کی بندگی اور عبودیت کا کمال ہے اور اُقا کو حق پہنچتا ہے کہ اس کے غلام، اطاعت و فرمانبرداری کے جس حیرت انگیز رتبہ تک بھی پہنچے ہیں، وہ ان سے اطاعت کیشی اور وفا شکاری کے اس سے بھی بلند رتبہ کا مطالبہ کرے کہ اس کے دربار میں ان کے عروج و ترقی کی کرسی اور بھی اونچی ہوتی جائے، بعض ایتوں میں اگر کسی پیغمبر کو خدا سے مغفرت مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے تو اس کا سبب گناہ کا وجود نہیں بلکہ ہر قدم پر گزشتہ رتبہ، اطاعت پر قناعت کر لینے پر تنبیہ اور مزید اطاعت کا مطالبہ ہے تاکہ وہ اس کے مزید تقرب کا ذریعہ بن سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا

جب اللہ کی مدد آپ کی اور فتح ہو چکا اور لوگوں کو اللہ کے دین میں گروہ درگروہ جاتے دیکھ چکا تو اپنے پروردگار کی پاکی بیان کر اور اس سے معافی چاہ کہ وہ بندے کے حال پر رجوع ہونے والا ہے۔

غور کرو کہ خدائی مدد آنا، مکہ فتح ہونا، بُت پرستی کی بیخ کنی اور لوگوں کا مسلمان ہو جانا کوئی مجرم ہے جس سے کوئی معافی چاہے، اسی طرح سورہ فتح میں فرمایا۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَنُفِصِرْكَ اللَّهُ تَصْرًا عَظِيمًا (فتح - ۱)

ہم نے تجھ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ تیری اگلی پچھلی خطا کو معاف کرے اور اپنا احسان تجھ پر پورا کرے اور تجھ کو سیدھی راہ چلائے اور تجھ کو مضبوط مدد دے۔

دوبارہ غور کرو کہ مکہ کی فتح کا مل نصیب ہونے کو حضور کی معافی سے بجز اس کے کیا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے حسن خدمت کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے۔

اس استغفار سے مقصود نفوذ باللہ پیغمبر کی گنہگاری کا ثبوت نہیں بلکہ اس کی عہدیت کا طرہ کا اظہار ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کے خدا کے بیٹے ہونے کے عیسائی، اور فرشتے جن کے خدا کی بیٹیاں ہونے کے اہل عرب

قابل تھے اور ان کو خدا کا درجہ دیتے تھے، ان کے متعلق قرآن نے کہا۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُعْتَزُّونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ رَبُّكَ يُنْزِلْهُنَّ فَتُصْبِرُنَّ عَلَيْهِنَّ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (نسا - ۲۴)

مسیح کو ہرگز اس سے علحدہ نہ آئے گا کہ وہ خدا کا بندہ ہو، اور نہ فرشتوں کو اور جو اس کی بندگی سے عار نہ کرے گا اور بڑائی چاہے گا تو خدا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کرے گا۔

اس سے مقصود نفوذ باللہ حضرت عیسیٰ کی توہین نہیں بلکہ ان کی عہدیت اور بندگی کا اعلان ہے۔

الغرض انبیاء کا خدا کے حضور میں اپنی کوتاہی کا اعتراف، ان کی گنہگاری کا ثبوت نہیں بلکہ ان کی عہدیت کا طرہ کا اظہار ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی پیغمبر کی نسبت یہ فرمانا کہ میں نے تجھے معاف کیا، اس کی گنہگاری کا اعلان نہیں بلکہ اپنی پسندیدگی، رضا اور قبولِ تام کی بشارت ہے، سورہ فتح کی جو آیتیں اوپر گزریں، ان کو پڑھو، تو ظاہر ہوگا کہ چونکہ بت پرستی کی آلائش سے مکہ کی تطہیر اور کل جزیرہ عرب میں حق و باطل کی تمیز، مکہ کی فیصلہ کن فتح پر موقوف تھی، اس لئے جب وہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کی مسلسل کوششوں اور جانفروشیوں سے حاصل ہوئی تو خدا نے اعلان فرمایا کہ آج اس فتح سے نبوت کے فرض کی اور تجھ پر میرے سلسلہ احسانات کی تکمیل ہوئی، پھر خدا آپ سے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کا اور اپنی ذبردست مدد کا وعدہ کرتا ہے حالانکہ ان میں سے ہر چیز آپ کو پہلے ہی عنایت ہو چکی تھی، کیا فتح مکہ سے پہلے آپ صراطِ مستقیم بھی اسلام پر نہ تھے یا آپ کو ذبردست مدد نہیں مل چکی تھی، یہ سب مرتبہ حاصل تھے، مگر ان باتوں کے یہاں ذکر سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ اس موقع پر اس طرح اپنی مزید رضامندی کا اظہار فرماتے اور رسول کی اگلی پچھلی تمام فروگزاشتوں پر راکھوں اخطیہ عفو پھیرنے کا اعلان کرے کہ ان کو نیا خلعتِ فافرو عطا اور نئے سمراتِ جلیلہ عنایت فرماتے۔

عہدیت کا طرہ کا یہی لازو نیاز ہے جو حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ میں نمایاں ہے، ایک سرداران کو اسے نیک استاد کہہ کر خطاب کرتا ہے، اس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں۔

"تو کیوں مجھ کو نیک کہتا ہے، کوئی نیک نہیں، مگر ایک یعنی خدا: (لوقا - ۱۹: ۱۸)

حضرت مسیحؑ کے اس فقرہ سے کسی کا یہ قیاس کرنا کہ وہ نیک نہ تھے، کس قدر غلط ہوگا، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا اپنی مشہور دعائیں یہ کہنا کہ:-

"اور جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو بخشے ہیں، تو اپنے دین ہم کو بخش دے: (متی - ۱۲: ۶)

ان کی گنہگاری کی دلیل نہیں بلکہ عہدیت کا طرہ کے اظہار کا ثبوت ہے۔

نکتہ: عربی زبان میں گناہ کے لئے مختلف الفاظ ہیں مثلاً ذنب، اثم، حث، جرم وغیرہ، ان میں سے ذنب کے سوا دوسرے الفاظ کا اطلاق اس حقیقی گناہ پر کیا جاتا ہے جو بالفصد اور جان بوجھ کر کیا جائے، لیکن ذنب کا اطلاق ہر غلط فعل پر ہوتا ہے خواہ وہ جان بوجھ کر کیا جائے یا بن جانے غلط فہمی سے ہو یا سوچ سمجھ کر، مجبور چوک سے ہو یا قصداً، اور ان کاموں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو درحقیقت عام امت کے لئے گناہ نہیں، لیکن انبیاء کے حق میں اتنی غفلت بھی مواخذہ کے قابل ہے، اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ حسنات ادوارِ مسیات المقربین (نیکیوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں) ۷ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔



انبیاء علیہم السلام کے استغفار کے موقع پر ہمیشہ ذنب کا لفظ استعمال ہوا ہے، جرم، اثم یا حنث کا نہیں۔  
 ذنب کا لفظ بھول چوک اور غفلت سے لے کر عصیاں تک کو شامل ہے۔ اس لئے کسی نبی کو اگر خدا کی طرف سے استغفار  
 ذنب کی ہدایت کی گئی تو اس کے معنی صریح عصیان و گناہ کے نہیں بلکہ نبی انسانی بھول چوک اور فروگزاشت ہے جس کی اصلاح  
 و تنبیہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم اور لطف و عنایت سے فرماتا رہتا ہے اور اسی کے لئے استغفار کا حکم ان کو ہوتا رہتا ہے۔  
 اسی سے ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ بھول چوک اور بلا ارادہ غفلت گوامت کے حق میں قابل مواخذہ نہیں  
 مگر انبیاء علیہم السلام کے بلند مرتبہ کے لحاظ سے یہ چیزیں بھی گرفت میں آتی ہیں کیونکہ ان کا قول و فعل شریعت بن جانا ہے اس لئے  
 شریعت کی حفاظت کے لئے ان کے ہر قول و فعل کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس بنا پر اگر ان سے احیاناً کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے  
 تو فوراً اس پر تنبیہ کی جاتی ہے اور ان کو ہشیار کر دیا جاتا ہے اور اسی کے ساتھ ان کی یہ چیز معاف کر کے ان کو بشارت سنادی  
 جاتی ہے اور اس طرح ہر چھوٹے بڑے دانستہ اور نادانستہ تمام گناہوں سے ان کا دامن پاک و صاف رکھا جاتا ہے۔  
 فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَتٍ فَتَابَ  
 عَلَیْهِ (البقرہ - ۳۷)

پھر خدا نے اس (آدم) کو برگزیدہ کیا، پھر اس کی طرف رجوع ہوا۔  
 لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَىٰ النَّبِيِّ (توبہ - ۱۳)  
 فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ (انبیاء - ۶)  
 لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (فتح - ۱)  
 چہرہ ہم نے اس (یونس) کی دعا قبول کی اور اس کو غم سے رهایی دی۔  
 تاکہ اللہ تیری اگلی پچھلی فروگزاشت معاف کرے۔

کامل اور عام غفرو و مغفرت کا یہ مرتبہ بلند خود بندہ کی زندگی میں انبیاء کے سوا کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔  
 ۱۲۔ انبیاء کی معصومیت کے مسئلہ میں غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انبیاء کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیوں  
 میں قوت اور فعل کا جو فرق ہے اس کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا، علم اور جبل، ضلالت اور ہدایت، اضافی الفاظ میں سے ہیں، علم کی ہر حد کو علم  
 کے مافوق درجہ کے لحاظ سے جبل اور ہدایت کے بلند سے بلند رتبہ کو اس سے بھی اوپر کے مرتبہ کے لحاظ سے ضلالت کہہ سکتے ہیں۔  
 انبیاء علیہم السلام کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت زندگیوں میں قوت اور فعلیت کا فرق ہے، جس طرح تخم میں تمام برگڑ  
 بار پوشیدہ ہوتا ہے لیکن وہ اس وقت درخت نہیں ہوتا اور نہ اس میں تنا، شاخیں، پتے، پھول اور پھل ہوتے ہیں اور نہ اس  
 کا عالم پناہ سایہ ہوتا ہے لیکن ایک وقت آتا ہے جب وہی تخم بڑھ کر ایک نیا درخت بن جاتا ہے، اس کے پتے آنکھوں میں  
 ہریالی پیدا کرتے ہیں، اس کے پھول مشام جاں کو معطر کرتے ہیں اس کے پھل کام و دہن میں شہد پکاتے ہیں، اس کے سایہ میں تھکے  
 لہ اس فرق کو عام لنت نوبیوں نے ملحوظ نہیں رکھا ہے مگر جن علمائے لنت نے الفاظ کے فرق پر کتا ہیں انہی میں انہوں نے اس کی تصریح کی ہے  
 ہم یہاں پر بیروت کے مشہور معانی لغت نویس و ادیب اب ہنریکس لاک کتاب فرائد اللغۃ فی لغز و فہم کی عبارت نقل کرتے ہیں انشاء اللہ  
 الذی یستحق العفوۃ علیہ و نہ یوصف بہ الا بالمحجوم و بین الاشع و الذنب فوق من حیث ان الذنب مطلق الجرم محمد اکان اوسموا  
 بخلاف الاشع فانہ ما یستحق فاعلہ العقاب فیخص بما یکون عذراً و الحنث ابلغ من الذنب لان الذنب یطلق علی الصغیرۃ  
 والحنث والکبیرۃ و الجرم یشترک الذنب الغلیظ (ص ۹۶، ۹۷) (مطبوعہ کاتھولیکہ ۱۸۸۹ء)

ماندے مسافر آرام پاتے ہیں، اسی طرح نبوت کی سابقہ اور لاحقہ زندگیوں میں عظیم الشان فرق ہے اور اسی فرق کی بنا پر اس کی  
 قبل از نبوت زندگی، ظہور نبوت کے بغیر تاریکی اور ضلالت، اور بعد کی زندگی نور اور ہدایت معلوم ہوتی ہے جس طرح عام انسان کی  
 زندگی اسلام و ایمان کے بغیر ضلالت اور اسلام و ایمان کے بعد ہدایت بن جاتی ہے، اسی طرح انبیاء کی زندگی ان کی نظر میں نبوت  
 کے بغیر ضلالت اور نبوت کے بعد ہدایت ہوتی ہے، غرض یہ ہے کہ ظہور نبوت سے پہلے کا زمانہ ان کی ضلالت کا اور بعد کا زمانہ  
 ان کی ہدایت کا عہد کہلاتا ہے لیکن ضلالت اور ہدایت کا یہ مفہوم اس مفہوم سے بالکل مختلف ہے جو غیر انبیاء کے حق میں  
 مستعمل ہے، اللہ تعالیٰ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے احسانات گناہ فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ یَجِدُكَ یَتِیْمًا فَآوٰی وَّ وَجَدَكَ ضَالًّا  
 فَهَدٰی وَّ وَجَدَكَ عَاثِلًا فَاعْتٰی (ضحیٰ - ۱۰)  
 کیا اللہ نے تجھ کو یتیم نہ پایا، پھر پناہ دی اور اس نے تجھ کو بھولا  
 پایا تو رہنمائی کی اور تجھ کو محتاج پایا تو بے نیاز کیا۔  
 سطور بالا سے ظاہر ہے کہ یہاں ہدایت سے نبوت اور ضلالت سے قبل نبوت کی زندگی مراد ہے، جو نبوت کے  
 بعد کی زندگی کے مقابلہ میں نسبتہ ضلالت ہی ہے۔

”ضلالت کے معنی عربی میں صرف صریح گمراہی ہی کے نہیں ہیں بلکہ نادانستہ بھولنے، بھٹکنے اور غفلت کرنے کے  
 بھی ہیں، عورتوں کی شہادت کے موقع پر ہے۔  
 اَنْ تَحْضِلَ اَحَدُہُمَا فَتَذْکُرَا حُدُوبَہُمَا الْاُخْرٰی (بقرہ - ۲۲۹)  
 بھول جاوے ایک عورت تو یاد دلاوے اس کو دوسری۔  
 ایک اور آیت میں علم الہی کی تعریف میں ہے۔  
 لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنۡسِیْ (زلزلہ - ۲۰)  
 نہ جھوکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے۔

ان آیتوں میں لفظ ضلالت کا استعمال بتاتا ہے کہ ضلالت کے معنی عربی زبان اور محاورہ قرآن میں صرف گمراہ کے  
 نہیں بلکہ بھول چوک کے بھی ہیں، اسی طرح اس حالت کے بھی ہیں جس میں گمراہی کو گمراہی معلوم ہوتی ہے لیکن ہنوز ہدایت الہی  
 کا نور اس کے سامنے نہیں چمکا، غلطی کا احساس ہوتا ہے، مگر اس غلطی کی جگہ ہنوز صحت نظر نہیں آئی ہے، جبل کی برائی تو  
 معلوم ہو گئی ہے مگر ہنوز علم کا دروازہ نہیں کھلا ہے اور یہی قبل نبوت کی کیفیت ہوتی ہے، حضرت موسیٰ نے اپنی نبوت  
 سے پہلے ایک ستم شعار قبطی کو گھونسا مارا تھا جس کے صدر سے وہ الفا قیہ مر گیا تھا، نبوت پا کر جب وہ لوٹے تو فرعون نے  
 ان کو طعنہ دیا کہ تم میرے فراری مجرم ہو، حضرت موسیٰ نے جواب دیا۔

فَعَلَّیْتُهَا اِذْ وَاَنَا مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ (شعرا - ۲)  
 میں نے اس حالت میں کیا تھا کہ میں جو کئے والوں میں سے تھا۔  
 اس چوک اور ضلالت سے مقصد صرف یہی ہے کہ اس وقت میں نبوت کی عزت سے سرفراز نہ تھا، اور نہ ظاہر ہے کہ  
 حضرت موسیٰ نے نبوت سے پہلے کوئی گمراہی کی بات نہیں کی تھی، نہ بت کو پوجا تھا، نہ فرعون کو سجدہ کیا تھا، نہ کوئی اور شرک کیا تھا کی  
 کے ملچ مارنے سے الفا قیہ کسی کمزور کامر جانا، مارنے والے کا کوئی بالقصد گناہ نہیں، جس کو ضلالت کہیں، اس سے صاف ظاہر  
 ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا اپنے کو اس وقت ضال کہنے سے مراد نبوت سے سابقہ زندگی ہے، اس قبل نبوت کی زندگی کو  
 بعد نبوت کی زندگی کے لحاظ سے یہاں ضلالت کہا گیا ہے، دوسری جگہ اس کو غفلت (زیحیری) سے بھی تفسیر کیا گیا ہے،  
 حضرت یوسف کے قصہ میں آپ کو خطاب ہے۔



نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْفَيْنَاكَ  
إِيَّاهُ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ  
لَمَنِ الْعَظِيمُ (سورہ یوسف - ۱۱)

ہم تجھے بہترین قصہ سناتے ہیں، کیونکہ ہم نے تیری  
طرف یہ قرآن اتارا، اگرچہ اس قرآن کی وحی سے پہلے  
تو بے خبروں میں تھا

اس بے خبری کے عالم کی تفسیر دوسری آیت میں ہے جس میں پیغمبر کی قبل از نبوت اور بعد از نبوت کی زندگی کا فرق  
ظاہر فرما دیا ہے۔

وَكَذَلِكَ أَوْفَيْنَاكَ رُوحَاتِنَ أَمْرًا نَادَى  
كُنْتَ تَدْرِي مَا أَكْتُبُ وَلَا يُؤْمِنُ وَالْكَرْبُ  
جَعَلَنَاهُ نُورًا أَتَهْدِي بِهِ مَنْ لَشَاءُ  
مَنْ جَاءَكَ وَاتَّبَعَكَ لِمَ اتَّبَعَكَ لِمَ اتَّبَعَكَ  
مُسْتَقِيمًا (سورہ شوری - ۵)

اور اسی طرح ہم نے اپنے (غلوٹ غانا) راز سے ایک روح  
تیری طرف وحی کی، تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ  
ایمان، لیکن ہم نے اس کو نور بنا دیا جس سے جس کی چاہتے  
اپنے بندوں میں سے رہنمائی کرتے ہیں اور بے شک توسیر بھی  
راہ دکھاتا ہے۔

کتاب و ایمان کے نور و ہدایت ملنے سے پہلے کی یہی وہ کیفیت و حالت ہے جس کو کہیں ضلالت اور کہیں غفلت کہا گیا  
اس سے مقصود حقیقی گنہگاری، عصیان کاری اور باطنی گمراہی نہیں ہے، بلکہ طلب حق، تلاش معرفت اور انتظار حقیقت ہے  
کہ وہی ان کے حق میں ضلالت اور غفلت کا حکم رکھتا ہے، آخر وہ وقت آتا ہے جب روشنی چمکتی ہے، روحانی سکون کا پتھر پڑتا  
ہے اور منزل ری کے بعد دوسروں کی رہنمائی کا منصب عطا ہوتا ہے، یہ ہدایت کا دور ہے، چنانچہ ایک موقع پر انبیاء کے  
نبوت ملنے کو ہدایت کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ دُكُلًا هَدَيْنَا وَنُوحًا  
هَذَا نِيَامًا قَبْلُ (انعام - ۱۰)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب بخشے اور ان میں ہر ایک کو  
ہدایت دی اور ان سے پہلے نوح کو ہدایت دی۔

اس ہدایت دینے سے اگر نبوت عطا کرنا مراد ہے تو ظاہر ہے کہ عدم نبوت کا عندہ ضلالت ہی کہلائے گا مگر اس سے  
مقصد صرف وہ حالت ہوگی جس میں ان کو ہنوز نبوت منین ملی تھی اور اس مرتبہ بلند کا انتظار تھا۔

اس تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ انبیاء کے حق میں ضلالت سے مقصود گنہگاری، عصیان کاری اور گمراہی نہیں بلکہ عدم نبوت  
کا دور اور رسالت کی زندگی سے پہلے کا عندہ ہے جو نبوت و رسالت کی ہدایت کے مقابلہ میں نسبتہ ضلالت ہے۔

نبی کی بشریت

نبی کی معصومیت اور اس کے دوسرے مقدس شخصیات کے باوجود اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ نبی خدا کا مخلوق  
خدا کا بندہ اور آدمی ہی ہوتا ہے، وہ خدا کا اوتار، دیوتا یا فرشتہ نہیں ہوتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسلمان  
ان مسائل میں سے ہے جن کی اصل حقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے افراد و تفریق کی تاریکی میں گم تھی اور آپ کے فیضِ علم  
سے وہ روشن ہوئی، اسلام سے پہلے یہودیوں کی طرح ایسے اہل فریب بھی تھے جو پیغمبروں کی ایک پیشین گوئی کی صفت کے علاوہ ہر  
جینیت سے معمولی انسان سمجھتے تھے، وہ ہر قسم کے گناہ بھی کرتے تھے، وہ بد اخلاقیوں کے بھی مرتکب ہوتے تھے، وہ کفر بھی کرتے  
تھے تاہم پیغمبر سمجھے جاتے تھے، دوسری طرف عیسائی بھی تھے جو اپنے نجات دہندہ کو انسانیت سے پاک خود خدا یا خدا کا جز  
یا ناسوت و لاہوت کا ایک مجموعہ سمجھتے تھے اور ہندو بھی تھے جو اپنے رہنماؤں کو دیوتا اور اتار یعنی مجسم خدا یا انسان کے ہیں

میں خدا سمجھتے تھے اور حتیٰ کو ہر قسم کی خدائی طاقتیں حاصل تھیں۔

اسلام نے اپنی تعلیم ان دونوں کے وسط میں پیش کی، وہ ایک طرف رسولوں کو مخلوق محض صرف انسانوں اور پورا بندہ اور خدا

کے حکم کے سامنے عاجز و درمانہ تسلیم کرتا ہے لیکن دوسری طرف وہ ان کو خدا کا برگزیدہ، معصوم، نیک اور خدا کی قدرت سے فیض پا  
کر برکتوں، سعادتوں اور ہدایتوں کا مرکز اور اس کی اجازت سے عجیب و غریب امور صادر کرنے والا بتاتا ہے اور بے اعتدالی  
کے ان دونوں خیالات کی جو غلط فہمی پر مبنی ہیں، علانیہ تردید کرتا ہے، اہل عرب بھی ہندوؤں، یونانیوں اور عیسائیوں کی طرح یہ  
سمجھتے تھے کہ انسان کی رہنمائی کے لئے خود انسان نہیں بلکہ انسان سے مافوق، ہستی ہوئی چاہیے اور وہ ہستی صرف فرشتوں کی ہے قرآن  
نے ان کے اس خیال کی بار بار تکذیب کی ہے اور کہا ہے کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو فرشتہ کو ان کے پاس رسول بنا کر بھیجا جاتا اور  
انہوں میں فرشتہ آتا بھی تو انسانیت ہی کے پیکی میں آتا تو ایسی حالت میں تم اس فرشتہ کو فرشتہ کہہ مانتے۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے دور رخ ہوتے ہیں، ایک طرف تو وہ بشریت کے جامہ میں ہوتے ہیں اور انسانوں ہی کی طرح  
کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، شادی بیاہ کرتے اور پیدا ہوتے اور مرتے ہیں، دوسری طرف وہ اپنی روحانیت  
بے گناہی، پاکدامنی اور اختصاص نبوت میں انسانوں سے بلند تر ہیں، یہودیوں کی طرح جن کی نظر ان کے انسانی رخ پر پڑتی ہے  
وہ ان کو ہر طرح معمولی انسان سمجھتے ہیں اور عیسائیوں کی طرح جن کی نظر ان کے مافوق انسانی خصائص پر پڑتی ہے وہ ان میں اللہ  
کے اوصاف ثابت کرنے لگتے ہیں حالانکہ حق ان دونوں کے بیچ میں ہے، وہ اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہ انسان ہوتے  
ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے مافوق بشری خصوصیات کی بنا پر فوق البشر ہوتے ہیں، یہی مغالطہ اپنے اپنے پیغمبروں کے  
متعلق کفار کو ہوتا تھا، پیغمبران کے سامنے جب اپنی نبوت اور خدا کی طرف سے آنے کا دعویٰ پیش کرتے تھے، تو وہ ان کی  
بشری خصوصیتوں کو دیکھ کر کہتے تھے کہ تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو، تم خدا کے قاصد اور پیامبر کیسے ہو سکتے ہو، چنانچہ کفار  
نے بار بار پیغمبروں سے کہا۔

الْبَحْثُ اللَّهُ لَبِشْرًا أَوْ سَمَوَاتٍ (اسرائیل - ۱)

کیا خدا نے بشر کو قاصد (رسول) بنا کر بھیجا۔

وہ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا۔

هَلْ كُنْتُ إِلَّا لَبِشْرًا أَوْ سَمَوَاتٍ (اسرائیل - ۱)

میں تو نہیں ہوں مگر انسان رسول۔

ان کو شبہ تھا کہ کیا گمراہ انسانوں کی رہنمائی انسان ہی کر سکتا ہے۔

الْبَشَرُ يَهْدِي وَنْتَ (تغابن - ۵)

کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے۔

یہ وہی شبہ تھا جس میں پھنس کر عیسائی حضرت عیسیٰ کی انسانیت سے منکر ہوئے کہ موروٹی گنہگار انسان کو انسان کا بیٹا  
کیونکر نجات دے سکتا ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ انسان موروٹی گنہگار نہیں، بلکہ وہ گنہگار بھی ہو سکتا ہے اور بے گناہ بھی، بے گناہی  
اور معصومیت کے لئے انسانیت سے پاک ہونا ضروری نہیں، یہی بات اور کفار کی سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی اور انبیاء کو ظاہری  
اور جسمانی طور سے اپنی ہی طرح انسان سمجھ کر، ان کو نبوت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اور کہتے تھے۔

إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا (ابراہیم - ۱۲)

تم تو نہیں ہو لیکن ہماری ہی طرح ایک بشر۔

دوسروں کو نبی کے انکار کرنے پر اس طرح آمادہ کرتے تھے کہ۔



نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر۔  
نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر۔

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (انبیاء - ۱)  
مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (مومنین - ۲)  
انبیاء کے سامنے وہ ہی دلیل پیش کرتے تھے۔

تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو۔  
تم لوگ تو ہماری ہی طرح بشر ہو۔

مَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (شعراء - ۱)  
مَا أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (زین - ۲)

اور وہ اپنے اس دعویٰ کی صداقت کو ہر امت اور مشاہدہ سے ثابت کرتے تھے۔

مَا نَزَّلْنَا إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا (ہود - ۳)

ہم تو تم کو اپنی ہی طرح بشر دیکھتے ہیں۔  
انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ ہاں تمہاری ہی طرح ہم بشر ہیں لیکن خدا کے فضل و کرم سے سرفراز ہیں اور یہی تم میں اور ہم میں فرق ہے فرمایا۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ  
مِثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ  
مِنْ عِبَادِهِ (ابراہیم - ۲)

ان کفار کی نظر میں ان کے ایک رنج یعنی عام انسانی پہلو پر پڑتی تھی، انبیاء نے جواب میں اس پہلو کے ساتھ اپنے دوسرے پہلو کو بھی پیش کر دیا اور کہا کہ ہاں ہم انسان ہیں لیکن ایسے انسان جن پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بارش ہے یعنی نبوت سے سرفراز اور اس کی خصوصیتوں سے ممتاز ہیں۔

دوسرے نبیوں کی طرح ختم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بار بار ارشاد فرمایا بلکہ وحی الہی نے آپ کی زبان سے یہ اعلان کر دیا کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی اور بشر ہوں، اس اعلان نے جو درحقیقت اس غلط عقیدہ کو مٹانے کے لئے تھا جو انبیاء کی شان الوہیت کے متعلق عیسائیوں کے اثر سے لوگوں میں پھیل گیا تھا اور افسوس ہے کہ اس قسم کا غلط خیال اس نبی کی امت کے ایک گروہ میں بھی پایا جاتا ہے جو دنیا میں خدا کی توحید کامل کا مبلغ بن کر آیا تھا، دوسری طرف اس اعلان کے ایک تقریباً پسند کردہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ پیغمبر اور عام انسانوں میں فرق و امتیاز نہیں اور نہ پیغمبروں کی عام انسانوں پر کوئی بڑی و برتری حاصل ہے۔ الایہ کہ پیغمبروں پر وحی آتی رہتی ہے اور عام انسان اس سے محروم ہیں، گویا اس کا منشا یہ ہے کہ پیغمبر صرف اس لحاظ اور ان میں منصب نبوت کا اختیار پاتا جاتا ہے جس وقت کسی قسم کی وحی نازل ہوتی ہے اور اس سے پہلے اور اس کے بعد وہ عام انسان ہوتا ہے، اس سے آگے بڑھ کر اسی لئے ایک اور محضر سے فرق کرنے پر دعویٰ کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ حکم صرف وہی ہے جو وحی قرآنی کی صورت میں آیا، اس کے علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہیں، وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی امور ہیں، جن کی پیروی کرنا نہ اسلامی شریعت ہے نہ اسلام کا جز ہے، یہ خیالات حقیقت میں دوسرے فرقہ کے مفروضات خیالات کے مقابلہ میں تقریباً وہ ہیں اور یہ دونوں اعتدال کی حد سے باہر ہیں اور حقیقت ان کے بیچ میں ہے۔

قرآن پاک میں تین جگہ وہ آیتیں ہیں جن میں خامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اعلان ہے مگر ہر جگہ توحید کامل کے بیان اور خدا کے مقابلہ میں رسولوں کی عہدیت کی تشریح اور اس عقیدہ باطل کی تردید میں ہیں کہ رسولوں کے افعال میں

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
قوت ہونی چاہیے کہ وہ خدا سے زبردستی کسی بات کو منوالیں اور سعی و سفارش کر کے قصور معاف نہ کر دیں، قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کو جو کچھ حاصل ہے وہ خدا سے تعالیٰ کی اجازت، اذن اور عطا سے ہے۔

سورہ کہف میں ان مشرکوں کا ذکر ہے جو خدا کے بندوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔  
أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي  
مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءُ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ  
نَزْلًا (کہف - ۱۲)

کیا وہ جنہوں نے کفر کیا، یہ سمجھتے ہیں کہ وہ میرے بندوں (رسولوں اور فرشتوں) کو میرے سوا اپنا حمایتی بنا لیں گے، ہم نے ان کافروں کے لئے جہنم تیار کی ہے۔

قرآن اس خیال کو کفر قرار دیتا ہے، یہ رکوع کا شروع ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے غیر محدود و اوصاف و کمالات کا ذکر ہے، پھر ارشاد ہے۔  
قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ  
إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ (مائدہ - ۱۱۰)

کہہ دے کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

دوسری جگہ یہی تعلیم بعینہ سورہ حم السجده (فصلت) میں ہے۔  
قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ الْوَحْيُ  
وَإِنِّي كُنْتُ مِنَ الْغَاثِ (سجده - ۲۰)

کہہ دے کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے اس کی طرف سیدھے رہو اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی پانا ہو، غرابی ہے شرک کرنے والوں کے لئے۔

اس آیت کا منشا بھی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں رسول اسی طرح ایک بندہ ہے جس طرح خدا کے دوسرے بندے، دعائیں خدا ہی سے مانگی جاتیں اور اسی سے اپنے گناہوں کی درخواست کرنی چاہیے، یہ اختیارات خاص خدا کے بندوں کے نہیں، اس تعلیم سے مقصود حقیقت میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ اور ان کے عقیدہ کی تردید ہے کہ گناہوں کا معاف کرنا حضرت عیسیٰ کی اختیار میں ہوگا اور مسلمانوں کو اپنے رسول کی نسبت اس قسم کی باطل عقیدت مندوں سے بچانا ہے، چنانچہ تیسری جگہ قرآن پاک میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کا یہ مطالبہ مذکور ہے کہ تم خدا کے پیغمبر ہو تو ہمارے لئے سونے کی تھبت بنا دو، جہاں نہریں نہیں وہاں نہریں جاری کر دو، ہمارے سنسان جنگلوں کو باغ و بہار بنا دو، اپنے ساتھ جلو میں فرشتوں کے پرے لے کر طوفان ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے ہاتھ میں کتاب لے کر سامنے اترو۔

اور انہوں نے کہا کہ تم پر ایمان اس وقت تک نہیں لائیں گے  
دَقُّوا لَنَا لَوْ تَوَكَّلْنَاكَ فَخُذْ لَنَا مِنْ  
الْأَرْضِ يَنْبُتُوعَاهُ أَوْ تَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ  
نَّجِيلٍ وَعَنْبٌ فَتُفَجَّرَ أَلْدُنْهَارُ يَجْلُلُهَا نَجِيلٌ  
أَوْ تَسْقُطُ السَّمَاءُ كَمَا دَعَمَتْ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ  
تَأْتِي بَالِدٌ وَالْمَلَكُ قَبِيلٌ أَوْ يَكُونُ لَكَ  
بَنِيٌّ مِّنْ زُخْرٍ أَوْ تَقُفِي فِي السَّمَاءِ وَلَكِنْ  
تَوَكَّلْ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتَّىٰ نُنْزِلَ عَلَيْكَ آيَاتِنَا

کہتے ہو آسمان کے ٹکڑے کر کے ہم پر گراؤ یا خدا کو اور فرشتوں کو صاف بنا کر دے آؤ یا تمہارے لئے سونے کا ایک گھڑہ ہو جائے، یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور ہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا ہم کو اس وقت تک نہیں دے گا جب تک تم وہاں



نَعَزُّوْهُ (بِجَناسِ اسْمِ)

نَقْرٌ مُؤَلَّاءٌ (بنی اسرائیل - ۱)

ایک نوشتہ نہ ہم پر آمار لاؤ جس کو ہم پٹھ لیں۔

یہ امور مشکل و محال نہ تھے لیکن نبوت کے اوصاف کو ان بازیگرانہ تماشوں سے تعلق نہ تھا اور اس سے زیادہ یہ کہ اس غلط عقیدہ کا الطال کرنا تھا کہ پیغمبر میں براہ راست کچھ خدائی اقتیارات ہوتے ہیں اس لئے آپ کو یہ جواب سکھایا گیا کہ آپ فرماتیں۔

کہ دے اسے پیغمبر ایمان اللہ میں تو ایک بشر ہوں، رسول  
اور لوگوں کو جب اس کے پاس ہدایت آئی ایمان لانے سے باز  
نہیں رکھا، مگر اس خیال نے کہ کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر  
مبعوث کیا ہے کہ دے کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے تو ہم آسمان سے  
فرشتہ کو رسول بنا کر ان پر اتارتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحکم خدا معجزات بھی صادر ہوتے اور ان کی حیرت انگیزی کو انہوں نے تسلیم بھی کیا پھر بھی  
یہ خیال کر ایک بشر رسول کیونکر ہو سکتا ہے، قائم رہا۔  
کنار نے معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہی کہا۔

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَةَ  
وَأَنْتُمْ تَبْصُرُونَ (انبیاء)

یہ تو تمہاری ہی طرح بشر ہے کیا تم دیکھ بجالا کر بھی جاہلوں  
کے پاس آتے ہو۔

معجزات کی حیرت انگیزی کو جادو کہہ کر تسلیم کیا، مگر پھر بھی ان کو بشریت رسالت کے منافی ہی معلوم ہوتی، ان سے کہا گیا کہ نبوت و رسالت کے اوصاف و خصائص تم سے زیادہ ان کو معلوم ہیں جن کو تم سے پہلے آسانی کتابیں عطا ہوئیں یعنی میسواہ ان سے پوچھ لو کہ رسول اور نبی بشر ہی ہوتے آئے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رَجُلًا فَتَرَىٰ إِلَيْهِمْ فُتُلُوا  
أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (۱۱) بیا۔ ۱۱  
یہی جواب سورۃ یوسف میں دیا گیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْهِمْ اِلَيْهِمْ  
 مِنْ اَهْلِ الْقُرْاٰی رِسُوْلًا - ۱۲  
 اس سے زیادہ تفصیل سورہ نمل میں ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ  
فَسَلُّوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ  
وَالزُّبُرِ ۚ وَانزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ بِالْحَقِّ  
لِلنَّاسِ ۚ مَا نَزَّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ  
يَتَفَكَّرُوْنَ رُحْلًا ۝۱۱

ہر شخص جو مشیت اور بفریت کی ان آیتوں پر ایک نگاہ ڈالے گا وہ یہی سمجھے گا کہ ان آیتوں میں جس قسم کی مشیت اور بفریت

کا ذکر ہے اس کا تعلق ظاہری جمائیت اور جسمانی قومی اور مخلوقیت سے ہے، ورنہ اخلاق، روحانی، دماغی، قلبی، علمی اور ملی حیثیت سے ایک پیغمبر انسان رہ کر بھی غیر نبی انسانوں سے بلند تر اور علانیہ ممتاز ہوتا ہے، نبی اور غیر نبی میں صرف وحی کے، مرقاق ہونے کے معنی نہیں ہیں کہ نبی القائے ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ بقیہ تمام اوصاف و کمالات یا عیوب و نقائص میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے، یہ کتنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ عالم و جاہل میں صرف علم کا فرق ہے، ورنہ دونوں برابر کے انسان ہیں، تو اس کے معنی یہ نہیں کہ علم و جہل کے علانیہ ممتاز و متضاد اوصاف میں بھی وہ دونوں برابر ہیں اور ان میں عقل، اخلاق، تہذیب، سلیقہ، رائے اور حکمت و دانائی کا کوئی فرق نہیں، حالانکہ ان میں علم و جہل کا فرق کہہ کر درحقیقت ان دونوں کے درمیان علم اور جہل کے سینکڑوں اوصاف، لوازم اور خصائص کا فرق و امتیاز تسلیم کرنا ہے۔

اسی طرح نبی اور غیر نبی میں وحی کا فرق مان کر وحی والے اور بے وحی والے انسانوں میں خود وحی اور عدم وحی کے سینکڑوں لازم خصائص اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا، وحی و رسالت کو چھوڑ دو، دوسرے انسانی کمالات کو مثلاً نو تو بھی یہی ماننا پڑے گا کہ انسان کے لئے جتنے اوصاف و کمالات ممکن ہیں، ان سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچنا ممکن ہے اور جو وہاں تک پہنچ جاتے ہیں وہ اپنے جسمانی اوصاف و خصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود اپنے دوسرے قومی میں عام انسانوں سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہیں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ جسمانی قوت کا ایرانی ہیرورتم انسان نہ تھا، علم و عقل کا یونانی محرم ارسطو انسانیت سے پاک تھا اور موجودہ دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادوں کا مخترع اڈیس بشرنیں، لیکن اس انسانیت اور بشریت کے اشتراک کے باوجود اپنے اپنے دائرہ میں، وہ عام انسانوں سے بلند تر اور ممتاز تر ہیں اور باایں ہمدرد اپنے جسمانی خصائص پہلے پھرنے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، دیکھنے بھالنے، صورت شکل، ہاتھ پاؤں، ہر ایک چیز میں وہ ایسے ہی انسان ہیں اور مخلوق انسان بلکہ مجبور انسان ہیں، جیسے دوسرے کمزور جاہل اور بلیہ الذہن انسان، یہی مثال ایک معنی میں انبیائے کرام علیہم السلام کی بھی ہے کہ وہ غیر نبی انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود وحی اور اس کے خصائص اور لازم میں ان سے صریحاً الگ، بلند اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص میں بھی ان سے متنازع ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صوم وصال رکھتے دیکھ کر جب صحابہ بھی آپ کی پیروی میں کئی کئی دن تک کا متصل روزہ رکھتے ہیں تو آپ ان کو منع کرتے ہیں اور اپنی نسبت فرماتے ہیں اَیْکُمْ مِثْلِيْ اَوْ مِثْلِيْ لَیْطِعُ عَمْرٰی رَبِّیْ وَ سَیْفِیْ؟ تم میں کون میرے مثل ہے میں رات گزاتا ہوں تو میرا رب مجھے کھاتا پلاتا ہے۔ کیا تم انسانوں کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے اور وحی کے علاوہ بعض دوسری حیثیوں سے بھی مشابہت کی اس میں نفی نہیں ہے۔

اسی طرح نیند کی حالت میں بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا وَكَذَلِكَ اَلْاَنْبِيَاءُ نَامُوا عَنْهُمْ اَعْيُنُهُمْ وَلَآ تَنَامُ قُلُوبُهُمْ اور اسی طرح سب انبیاء ہیں کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں، مگر ان کے دل نہیں سوتے، کیا یہی کیفیت عام انسانوں کی نیند کی بھی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز میں صغوں کو درست رکھنے کی تاکید کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ تم کو اپنی پیٹھ کے پیچے سے بھی دیسے ہی دیکھتے ہو اور اہل جیسے سامنے سے، کیا علم انسانوں کو قوت بعبارت کا یہی عالم ہوتا ہے قرآن پاک میں ہے اَفَتَعْمَدُونَ عَلَىٰ مَا يَدْعٰى بِهَا سُلٰطِمٌ







وَمَا خَلَقْنَاكَ إِلَّا نَذْرًا وَمَا مَنَ حَاجُّكَ لَيْسَ وَ  
 هُوَ يَخْشَى فَأَمَّا هَذِهِ تَكَلُّمِي كَلَامًا تَذَكُّرًا  
 ۴۶  
 سیرت النبی بلعیدم  
 تاجر پر کوئی الزام نہیں، وہ جو تیرے پاس دوڑا آیا اور غلہ  
 سے ڈرتا ہے، تو اس سے تخاف کرنا ہے، ایوں نہیں، یہ  
 توضیحت ہے جو چاہے اس کو یاد کرے۔

ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اجتہاد پر کہ ایک پرانے لیکن غریب مسلمان کی مزید ہدایت سے قریش کے  
 ریسوں کا بھلا زیادہ بہتر ہے، تبصرہ کی گئی اور اس نکتہ کو ذہن نشین کیا گیا کہ اسلام کی اصولی بنیادوں میں سے ایک یہ ہے کہ  
 اس کے نزدیک امیر و ملوک، اہل و عیال اور نیچے کی کوئی تمیز نہیں، اس کی نگاہ میں دنیا اور دنیا داروں دونوں برابر ہیں یہ نکتہ  
 تو اس وقت کے فیصلے میں آپ کے پیش نظر رہا کہ ایک مسلمان اندھے کی دلجوئی سے ان ریسوں کی جائز دلجوئی کر کے انکو اسلام  
 کی طرف مائل کرنا زیادہ بہتر ہے، مگر یہ نکتہ نظر انداز ہو گیا کہ اس طرز عمل سے خود اسلام کی بنیادی تعلیم پر کیا اثر پڑے گا، اس لئے وحی  
 الہی نے خبردار کیا کہ اسلام کا یہ پیغام دنیا کے لئے صدائے عام ہے جو چاہے قبول کرے، اس میں کوئی تمیز و تخصیص نہیں، علاوہ انہیں  
 اس کا بھی اشارہ کیا کہ یہ رسول نے قریش جن کے مسلمان ہونے کی آپ اس قدر کوشش فرما رہے ہیں وہ ایمان سے محروم ہی ہیں  
 گئے، اس لئے ان کی طرف مزید توجہ بے سود ہے، اور ظاہر ہے کہ آپ ان کے حق میں دانائے غیب کے اس فیصلے سے پہلے آگاہ  
 دتے، اس لئے آپ اپنے موجود علم کے مطابق اپنے فعل کو صحیح سمجھ رہے تھے۔

**دوسرا واقعہ** (۲) سب سے پہلی لڑائی میں مسلمانوں کے مال غنیمت حاصل کرنے اور بدر کے قیدیوں سے زرقاریہ قبول کرنے  
 کا ہے، اس وقت تک ظاہر ہے کہ مال غنیمت اور زرقاریہ کا قانون نازل نہیں ہوا تھا کہ ابھی اس کا موقع ہی  
 نہیں آیا تھا، مسلمانوں کو مدینہ منورہ اگر سب سے پہلے سریرہ نخلہ میں مال غنیمت ہاتھ آیا، اس کے بعد ہی بدر کے معرکہ میں پھر مال  
 غنیمت ملا اور ساتھ ہی قریش کے ستر قیدی بھی ہاتھ آئے، جن میں اکثر مکہ کے دولت مند اور شرفاء تھے، ان قیدیوں کی نسبت  
 مسلمانوں کی مختلف رائیں تھیں بعضے ان کو آگ میں زنمہ جلا دینا چاہتے تھے، کچھ لوگ قادیلے کران کو پھوڑ دینا چاہتے تھے جس سے انکو  
 چالیس ہزار درہم ملنے والے تھے، انبیاء کے ماہر جانتے ہیں کہ جو قوم مدت سے ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف اٹھاتی رہتی ہے وہ یکسی  
 مظلومیت، مظلومیت اور غربت کے دور سے نکل کر جب پہلے پہل غالب اور دولت مند ہوتی ہے اور اس کو ملکی اور مالی قوت پر دسترس  
 حاصل ہوتی ہے تو وہ لحاظ اس کی زندگی میں اخلاقی حیثیت سے بڑا ہی نازک ہوتا ہے، غلبہ، قوت اور دولت پا کر بھی اس کے نشہ میں  
 سرشار نہ ہوا اور اپنے دل و دماغ پر قابو رکھے، یہ بڑا ہی مشکل کام ہے، جو مظلوم تھا وہ غالب ہو جائے اور جو ظالم تھا وہ مظلوم ہو  
 جاتے اور اس وقت رد عمل اپنا کام کر کے مظلوم غالب میں اپنے ظالم مظلوم سے شدید انتقام لینے کا جذبہ نہ پیدا کرے، یہ کوئی آسان  
 کام نہیں، سیاسی و مذہبی تاریخوں میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ ایسا نہ ہو سکا، خود عیسائی قوم کو دیکھتے ہیں نے یہودیوں  
 اور بت پرست رومیوں کے ہاتھوں سے تین صدیوں تک برابر سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، لیکن قسطنطین کے نواسی  
 جب دفعہ جو مظلوم تھے وہ غالب اور جو ظالم تھے وہ مظلوم ہو گئے، تو عیسائی قوم کا پچھلا جو ہر ایک ایک کر کے رخصت ہو گیا  
 اور ان لوگوں نے جو پہلے مظلوم تھے، انتقام کے نشہ میں چور ہو کر یہودیوں اور رومی بت پرستوں کے ساتھ وہ کچھ کیا جس سے  
 اخلاقی انسان کا تہ تیغ آج بھی شرماتی ہے۔

غزوہ بدر کی غیر متوقع فتح نے مظلوم و بے کس مسلمانوں کے لئے تاریخی دور کا وہی نازک موقع پیدا کر دیا، غریب و تنگ

مسلمانوں کو جو سالہا سال سے کسب معاش سے محروم اور معمولی ضروریات کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے، ان کو غنیمت اور فخر  
 کی دولت ہاتھ آئی اور وہی قریش جن کے ظلم و ستم سے ان کے بدن زخمی اور ان کے سینے داغدار تھے، وہ دفعہ مظلوم ہو گئے ان کے  
 بڑے بڑے سرداران کے ہاتھوں سے لڑائی میں مارے گئے اور انکے ہاتھوں میں قید ہو کر ستر ستر دار صرف ان کے رگم و کرم پر زنمہ تھے۔  
 اب تک مسلمان نہایت یکدلی، ایک جہتی اور خلوص سے اپنی راہ طے کر رہے تھے اور یہ اخلاقی جوہر مظلوموں کی برادری میں اکثر  
 پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن دولت آکر ان کے بجائے ان میں اختلاف، تفریق اور عرص و طمع اور فانی اغراض کے جذبات پیدا کر دیتی ہے  
 اس اتفاقی دولت اور غیر متوقع فتح و غلبہ نے صحابہ کرام کے لئے امتحان کا وہی نازک موقع پیش کر دیا اور دنیا کے سب سے بڑے بہانہ قوت  
 رہنمائی کے اظہار کا بھی یہی موقع تھا، چنانچہ اس وقت مال غنیمت، زرقاریہ اور قیدیوں کے ساتھ بڑا بڑا کے متعلق غالب و فاتح مسلمانوں میں  
 اختلاف راستے رونما ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس وقت اہم ترین کام تھا، آپ نے امر اول کی طرف توجہ فرمائی کہ مظلوم فاتح  
 قوت پا کر اپنا جوہر نہ کھوٹیں، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان قیدیوں کے قتل کی جو تجویز پیش کی تھی، آپ نے رد فرمادی اور حضرت  
 ابو بکر صدیقؓ کی تجویز کو قادیلے کران کو دیا جائے قبول فرمائی اور ان سے فرمایا کہ اسے ابو بکر تمہاری مثال ابراہیمؑ اور عیسیٰ  
 کی ہے اور اسے عمر تمہاری مثال نوحؑ اور موسیٰؑ کی، آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی نیک دلی اور حضرت عیسیٰؑ کی رحمت کی مثال کی  
 پیروی کی اور بدر کے ان قیدیوں کی جان بخشی فرمائی اور قتل کے بجائے زرقاریہ ادا کر دینے پر راضی کاظم دے دیا اور جوان میں  
 نادر تھے، ان کو چند مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر آزادی کا فرمان عطا کر دیا اور صحابہ کو تاکید کی کہ ان کے ساتھ بہتر سے  
 بہتر سلوک کریں، چنانچہ بعضوں کا یہ حال تھا کہ وہ کھجور پر قناعت کرتے تھے اور اپنے قیدیوں کو روٹی کھلاتے تھے۔

لیکن وحی الہی کی نگاہ میں اس سے زیادہ اہم پہلو، ان غریبوں کا دفعہ مال و دولت کی عرص و طمع میں مبتلا ہو جانا تھا چنانچہ  
 یہی صورت پیش آئی، مال غنیمت کے فراہم کرنے والوں نے دعویٰ کیا کہ اس پر ہم نے لڑائی میں قبضہ کیا ہے، اس لئے ہمارا حصہ ملنے  
 والے نوجوانوں نے دعویٰ کیا کہ ہمارے تلواروں سے فتح حاصل ہوئی ہے اس لئے اس کے اصلی حصہ دار ہم ہیں، جو لوگ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے وہ کہتے تھے کہ سب سے نازک اور خطرناک فرض ہمارا تھا، اس لئے ہم کو ملنا چاہیے، یہ  
 اختلاف زرقاریہ کی ملکیت کی نسبت بھی ہوا ہو گا، جیسا کہ سورۃ انفال کی ابتدائی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ  
 وَالرَّسُولِ فَاَتَقُوا لِلّٰهِ وَاَصْلِحْ خُذْ اٰتِ بَنِيكُمْ  
 وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ اِنْ كُنْتُمْ  
 مُّؤْمِنِيْنَ (انفال)

حضرت عبادہ بن صامت سے پوچھا گیا کہ سورۃ انفال کے نزول کی کیا وجہ ہے، تو کہا:-  
 یہ سورہ ہم بدر والوں کے متعلق نازل ہوئی جب مال غنیمت  
 میں ہم نے باہم اختلاف کیا اور اس میں ہمارے اختلاف بڑے  
 ہو گئے تو خدا نے اس کو ہمارے ہاتھوں سے بھیج لیا اور رسول اللہ  
 فینا اصحاب بدر نزولت حنین اختلافنا  
 فی النفل و سألوت فیہ اخلافنا فنزعه اللہ  
 من ایدینا فجعله اللہ الی رسول اللہ صلی اللہ

نہ مستمک عالم ۳۲ ص ۱۲ کتاب المغازی حیدر آباد کنز سیرت ابن ہشام، ذکر النبی بدر والہا ص ۱۶ ص ۳۹۱ مبلوہ محمد علی۔







مذہب لایا تھا، ظاہر ہے کہ ہر شخص پر مباح چیز کا کھانا فرض نہیں، اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی خوشی سے یا کسی دوسرے کی رضا مندی کے لئے اس کے نہ کھانے کا عہد کرے اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیویوں کی خاطر جن کو وہ شہسپہ زہتی، اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا تو ظاہر ہے کہ آپ کا اپنی بیویوں کی خاطر داری کے لئے ایسا کرنا الزام کے قابل نہیں کہ آپ نے بحیثیت شوہر کے ان کی اتنی دلجوئی کو بھی عورتوں کے ساتھ عدل و انصاف کے مناسب مجاہد اس مسئلہ کی ایک دوسری حیثیت بھی تھی، اور وہ یہ کہ بحیثیت ایک پیغمبر کے، ایک حلال و جائز چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور اس کے نہ کھانے کا عہد کرنے سے آپ کی اقتدار میں امت کے عام افراد بھی اس کو ناجائز نہیں تو پابند ضرور ہی کرتے، اور یہ ایک طرح سے شریعت الہی میں تبدیل و تحریف کا مرادف ہو جاتا، اس لئے حکم آیا کہ ان امور میں پیغمبر کو کسی کی دلجوئی اور خاطر داری کی پروا نہ چاہیے، فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لَوْ تَحَرَّيْتُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ط  
تَبَشَّيْتُ مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ عَفُورٌ  
اے پیغمبر! جس کو اللہ نے تیرے لئے حلال کیا ہے اس کو حرام کیوں کرتا ہے، اپنی بیویوں کی مرضی چاہتا ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

رَحِيمٌ (مکریم) ۱۱

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا آپ کو نبی کہہ کر خطاب کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ بحیثیت ایک انسان اور شوہر ہونے کے آپ ایسا کر سکتے تھے، مگر پیغمبر کی حیثیت سے آپ کو یہ اختیار نہیں۔

انغم میں وہ پانچ واقعے میں جی میں آپ کی اجتہادی خطا ثابت کی گئی ہے مگر تفصیلات سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان کو خطا کنہ حقیقت مجاز ہے کہ پیغمبر کی بندہ و معصومی کو پیش نظر رکھ کر اس کو اس مجازی خطا کی بھی اجازت نہیں، اور اسی حق الہی نے ان میں سے ہر موقع پر تنبیہ کی اور اپنے صحیح فیصلے سے رہنمائی فرمائی، اب کیا کسی کا شبہ یہ بھی ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معمولی مسامحت پیش آئے، جن کی تنبیہ و اصلاح ہر وقت وحی الہی نے کی، ایسے ہی ممکن ہے کہ آپ کو اور بھی ایسے مسامحت پیش آئے ہوں جن کی تنبیہ و تصحیح کی حکمت الہی نے پروا نہ کی اور خاموشی برتی، اگر کسی کو یہ شبہ ہے تو درحقیقت رسالت و نبوت کی مرتبہ شناسی اور دین الہی و شریعت ربانی کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کے طرق رشہ و ہدایت کی معرفت سے وہ کوسوں دور ہے، رسولوں کی بعثت اس لئے ہے کہ وہ غلط کار انسان کو ان کی غلطی سے نکال کر حق و صواب کی تعلیم دیں نہ اس لئے کہ ان کے ذریعہ لئے ہدایت کے بجائے مزید ضلالت کا اضافہ ہو، استغفر اللہ! اس لئے ناممکن ہے کہ رسولوں کے ماتحتوں اور زبانوں سے کوئی ایسا کام صادر ہو جو حکمت الہی کے مطابق نہ ہو اور پھر اللہ اس کی تصحیح اور رہنمائی سے تفاعل برتے اور انسانوں کو اپنے رسولوں کے ذریعہ گمراہ ہونے دے۔

پیغمبر اجتہاد اور رائے علم کا وہ کوشہ ہے جس کی دھاریں دماغ سے نہیں بلکہ دل کے سرچشمہ سے بنتی ہیں، جو انسانی رائے و تجربہ سے نہیں بلکہ اللہ اللہ، القائے ربانی، حکمت یزدانی، فہم رسالت بلکہ نبوت سے ماخوذ ہے اور جس کی نسبت محرم اسرار شریعت عمر فاروق رضی اللہ عنہ برسر منبر فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي أَمَّا كَانُ مِنَ رَسُولٍ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُصِيبًا لَنَ اللَّهِ كَانُ يَرِيدُهُ وَأَمَّا  
صَوْمًا الظَّنَّ وَالتَّكَلُّفَ (ابوداؤد کتاب الاقضية)  
اے لوگو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے غلطی سے پاک تھی  
کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو راہ دکھاتا تھا اور ہماری رائے، ہمارا  
گمان، اور از خود کہنا ہے۔

وہ رائے نبوی جو خدا کے بتانے اور دکھانے سے قائم ہوتی ہو، ظاہر ہے کہ بمنزلہ وحی کے ہے اور اس کا نام بشری اجتہاد اور انسانی رائے نہیں بلکہ نبوی اجتہاد اور پیغمبرانہ رائے ہے جو عمل و وحی الہی کی ہم مرتبہ اور کلام ربانی کی ہم پایہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس خطبہ میں جو کچھ کہا ہے درحقیقت وہ خود کلام پاک سے مستنبط ہے، قرآن پاک میں ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ  
بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ  
لِلْخَائِثِينَ خَصِيمًا (نساء: ۶۰)  
ہم نے تجھ پر کتاب سچائی کے ساتھ اتاری تاکہ لوگوں کے  
درمیان جو اللہ تجھ کو سوجھائے فیصلہ کرے اور تو نہ ہو دغا باز  
کی طرف سے جھگڑنے والا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دکھایا، سوجھایا، اور رائے پیدا کرائی جاتی تھی، وہ خدا کی طرف سے ہوتی تھی، یہی پیغمبرانہ رائے ہے، جس کی نسبت خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّا قَضَىٰ بَيْنَكُمْ بِرَأْفٍ فِيمَا لَوْ يَنْزِلُ  
عَلَىٰ رَأْبٍ (ابوداؤد۔ اقضية)  
میں تم لوگوں کے درمیان اس مسئلہ میں جس کی نسبت مجھ پر وحی  
نہیں ہوتی اپنے رائے سے فیصلہ کرتا ہوں

یہ فیصلہ اگر غلط ہوتا تو فوراً وحی الہی دست گیری کرتی اور صحیح راستہ پر لے آتی جیسا کہ گزشتہ پانچوں واقعات سے ظاہر ہے۔  
**ایک غلط استدلال**  
اس آیت پاک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مقدمات کے فیصلوں میں آپ کو اراست الہی ہوتی تھی یعنی خدا کی طرف سے آپ کو رائے سوجھائی جاتی تھی اور ظاہر ہے کہ اراست الہی خدا کی طرف سے سکھایا جاتا، تاکہ آپ کتاب الہی کے مطابق فیصلہ کریں، غلط نہیں ہو سکتی، لیکن ابوداؤد وغیرہ میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مقدمہ سے فرمایا۔

”میں ایک بشر ہوں، تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو، اور شاید تم میں سے بعض زیادہ زبان آو  
ہوں، جو اپنی دلیل کو خوبی سے بیان کر سکتے ہوں، تو میں جیسا سنتا ہوں ویسا فیصلہ کر دیتا ہوں تو میں اگر کسی  
کو وہ حق دلا دوں جو اس کا نہیں، بلکہ اس کے بھائی کا ہے تو وہ نہ لے کر میں اس کو آگ کا ٹھوکرا کاٹ کر دے  
رہا ہوں (کتاب الاقضية)“

اس سے ایک غلط فہم یہ استدلال کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے ہمیشہ غلطی سے پاک نہیں ہوتے تھے اس لئے امت آپ کے قضایا اور فیصلوں کی پیروی پر مجبور نہیں، لیکن ایسا خیال کرنا سراسر مغالطہ ہے، اصل یہ ہے کہ مقدمات میں دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک واقعہ کی اصلی روداد جس کو ہر مدعی اور مدعا علیہ اپنے دعویٰ کے مطابق بنا کر اپنے ننگ میں بیان کرتا ہے اس کے بعد دوسری چیز اس بیان کردہ روداد کے مطابق صحیح اور عادلانہ حکم اور فیصلہ ہے جو تمام ترمقدمہ کی اس روداد پر مبنی ہوتا ہے جو حاکم و قاضی کے سامنے بیانات اور ثبوتات کے ساتھ پیش ہوتی ہے یہ بات کہ واقعہ کی اصلی روداد کیا ہے اور ان میں سے کون صحیح کہہ رہا ہے، علم غیب سے تعلق رکھتی ہے جس کا دعویٰ کسی نبی کو نہیں، اور اگر ہو بھی تو یہ دعویٰ بجائے خود مسلم ہے کہ قاضی کا ذاتی علم دو انسانوں کے درمیان فیصلہ کا جہی نہیں قرار پا سکتا، اس کے لئے فریقین کے بیانات، شہادتیں اور دلائل ہی بکار آمد ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امراؤل کے متعلق عموماً آپ کو غیب کا علم عطا نہیں ہوا، لیکن دوسری چیز یعنی جس روداد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح باور کیا اس کے مطابق آپ کا فیصلہ کبھی کبھی صحیح و صواب اور



مادلانہ نہیں ہوتا تھا، یہ کنسار رسول و نبی کی شان کی توہین و تحقیر ہے اور اس آراءِ التی کے خلاف ہے جس کا شرف مقدمات کے فیصلہ میں آپ کو بخشا جاتا تھا، اس لئے جو غلطی فیصلوں میں آپ سے ہو سکتی تھی وہ فریقین میں سے کسی ایک کی دلیل و شہادت کو سن کر اس کے صحیح یا غلط کے مطابق واقعہ یا مخالف واقعہ سمجھنے میں لیکن جس کو آپ نے صحیح باور فرمایا اس کے مطابق مناسب و صحیح حکم و فیصلہ کرنے میں آپ سے کسی غلطی نہ ہوتی اور نہ ہو سکتی تھی اور امت آپ کی پیروی، آپ کے ان قضایا اور فیصلوں میں کرتی ہے نہ کہ نزاع نہ کو کر کے گزشتہ واقعات اور گزشتہ مقدمات کے صحیح یا غلط باور کرنے میں فُتْنَانِ بَيْنَهُمَا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان میں نکتہ یہ ہے کہ شاید فریقین میں سے کوئی غلط بیان یا بھوٹا یا برسر باطل جو اپنے مقدمہ کی روداد زیادہ خوبی سے بنا کر آپ کی عدالت سے موافق فیصلہ حاصل کر لے، یہ سمجھے کہ گو حقیقت میں میرا حق نہ تھا لیکن جب عدالت نبوی نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا تو میری ملکیت ثابت ہو گئی اور غضب حق کے گناہ سے برأت ہو گئی تو اس کا ایسا سمجھنا صحیح نہ ہو گا گو قانوناً حکم نافذ ہو جائے گا، مگر عند اللہ جو برسر حق تھا وہ حق ہی رہے گا اور جو برسر باطل تھا وہ باطل ہی رہے گا اور جو اصل مالک تھا وہی مالک رہے گا، اور جو غاصب ہے وہ غاصب ہی ٹھہرے گا، اسی اعلان کا اثر تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ میں فریقین کو اس حقیقت سے مطلع فرمایا تو دونوں روپڑے اور دونوں ایک دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گئے (ابو داؤد کتاب الاقصیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو دادمقدمہ کو سامنے رکھ کر جو فیصلے صادر فرماتے تھے وہ تمام ترقی منصفانہ اور صحیح ہوتے تھے اور ان کی اطاعت سے انحراف، کفر و نفاق تھا، اسی لئے ارشاد ہوا کہ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيكَ الْفَاسِقَ وَخَرَجَا مِمَّا قَضَيْتَ وَيَسْلَمُوا إِلَيْكَ سَلَامًا طَيِّبًا (۱۹)

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک  
وہ تجھ کو حکم نہ مانیں، پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلے سے تنگی نہ  
پاویں اور مان کر قبول کریں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (احزاب - ۵)

اور کسی ایمان دار مرد یا عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو بھی اس کو اپنے کام کا اختیار دے ہے اور جو خدا اور اس کے رسول کے بے حکم چلا وہ صریح گمراہ ہوا۔

کیا امت کو رسول کی امانت اور اس کے فیصلوں کے بے چون و چرا قبول کر لینے کا خدا کی طرف سے تاکید ہی تکم برسرِ مابل پہلو پر ہو سکتا ہے، چنانچہ دوسری آیت میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ آپ کا کوئی فیصلہ کبھی ظالمانہ اور غلط نہیں ہو سکتا۔

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ  
إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ وَإِنْ يَكُنْ  
لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذِئْبِينَ هَ أَفَرَأَى  
قُلُوبَهُمْ مَرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ  
يَحْجِفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ أَوْ بَدُلْ

اَوَلَيْكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (نور ۶)

وہی بے انصاف ہیں

اس میں بھی شک نہیں کہ وحی اور ملکہ نبوت کے علاوہ نبی میں نبوت و رسالت کے فرائض سے باہر کی چیزوں میں وہی عقل ہوتی ہے جو عام انسانوں کی ہوتی ہے اور جس میں اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے مثلاً صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے جس میں نبی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے کہ اس کا مدار وحی والہام اور ملکہ نبوت پر نہیں بلکہ انسانی علم و تجربہ پر ہوتا ہے اور یہی وہ قسم ہے جس کا اتباع پیروؤں پر واجب نہیں، اور اس کی بہترین مثال کعبہ کی کاشت کا واقعہ ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے بعض باغوں میں گزرے تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھجوروں کے درختوں پر چڑھ کر کچھ کھدے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہیں، ایک ہمراہی نے کہا کہ یہ مادہ کھجوروں میں نہ کھجوروں کے پھول ڈالتے ہیں کہ پھل زیادہ آئیں۔ فرمایا: میں تو نہیں سمجھتا کہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا، اس نے جا کر باغ والوں سے آپ کا یہ فقرہ بیان کر دیا، صحابہ نے جو سرتاپا اطاعت تھے اس پر عمل کیا، اور ایسا کرنا چھوڑ دیا، پھل اس سال کم آئے یا کم ٹھہرے، آپ کا پھر گزر ہوا تو ان لوگوں نے صورت حال عرض کی، آپ نے فرمایا میں نے تو یوں ہی ایک بات سمجھ سے کہ دی تھی مگر ان کا اس عمل سے فائدہ ہوتا ہے تو کریں، پھر فرمایا۔

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ دِينِكُمْ  
 فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَّأْيِي  
 فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ (سورہٴ مائده ۷۶)

میں تو ایک آدمی ہی ہوں، جب تمہارے دین کا کوئی حکم دوں  
 تو اس کو قبول کر دو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو  
 میں ایک آدمی ہوں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں  
اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُورِ دُنْيَاكُمْ  
تم اپنے دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔

تیسری روایت کے یہ الفاظ ہیں۔  
 إِنَّمَا ظَنَنْتُ ظَنًّا فَلَا تَوَاضَعُ وَفِي بِالظَّنِّ  
 وَلَكِنْ إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ اللَّهِ شَيْئًا فَاخْذُوا  
 بِهِ فَإِنِّي لَأَكْذِبُ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

میں نے ایک گمان سا کیا تھا، گمان پر مجھ کو نہ پکڑو، ہاں  
 جب خدا کی طرف سے کوئی بات کہوں تو اس کو لو کہ میں خدا  
 پر بھڑکے ہوئے نہ کہوں گا۔

ان تینوں روایتوں میں آپ نے اپنے اس ارشاد کو ظن و گمان اور رائے سے تعبیر فرمایا ہے، اس سے یہ کلیہ سمجھ میں آتا ہے کہ امور دین و شریعت میں آپ کا ہر حکم واجب اور منجانب اللہ ہے، لیکن کھیتی باڑی، علاج و معالجہ وغیرہ خالص دنیاوی امور میں اگر آپ نے کچھ کہا ہے تو اس کی حیثیت فقط مشورہ اور رائے کی ہے یہی سبب ہے کہ صحابہ کرام جن باتوں میں اپنا مشورہ آپ کو دینا چاہتے تھے، پوچھ لیتے تھے کہ یا رسول اللہ! یہ وحی ہے یا رائے ہے، آپ جب فرما دیتے تھے کہ رائے ہے تو وہ اپنا مشورہ پیش کرتے اور آپ پسند فرماتے تو قبول فرماتے، غزوہ بدر میں آپ نے ایک مقام پر بڑا ڈھلانا پایا، ایک صحابی نے آکر عرض کی یا رسول اللہ! اس مقام کا انتخاب وحی سے ہے یا رائے سے ہے، فرمایا محض رائے سے ہے۔

نحوہ تینوں روایتیں صحیح مسلم باب وجہ اشتغال ما قالہ شرفادون ما ذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم من سائل اللہ یا اہل سبیل الرائی ج ۲ ص ۵۰۶ میں ہیں۔  
 و ص ۲۶۲ طبع کراچی۔



تو عرض کی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ مقام بہتر نہیں، فلاں مقام بہتر ہے، آپ نے ان کی رائے پسند کی اور اس پر عمل فرمایا، اسی طرح صلح و جنگ اور حکومت کے دوسرے معاملات میں بھی مجاہد سے مشورہ لیا اور عمل فرمایا ہے اور اسی میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وُشَادُوْهُمُ فِی الْاُمْرِ رُوْبًا یعنی امور حکومت یا عام امور میں مجاہد سے مشورہ لے لو۔ کا حکم خدا کی طرف سے ہے، چنانچہ غزوہ احزاب میں خندق کھودنے میں سلمان فارسی کی رائے پر عمل کیا، لیکن امور جنگ و سیاست میں بھی بات کا علم عقل بشری سے نہیں بلکہ وحی الہی یا فہم نبوی سے ہوا تھا، اس میں آپ نے نہ کسی سے مشورہ لیا اور نہ کسی کے مشورے کو قبول فرمایا، صلح حدیبیہ کے شرائط اور دفعات جو سراسر مصلحت الہی اور حکمت ربانی پر مبنی تھے، ان کے بدلنے پر حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے کیا کیا زور نہیں لگایا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ التفات نہ فرمایا، اور اگر مستقبل نے بتا دیا کہ فہم نبوت سراسر مجمع تھا، اسی طرح غزوہ احزاب کے موقع پر عبداللہ بن ابی کاتین سوا دیسوں کے ساتھ پھر جانا گوارا کیا مگر مدینہ سے باہر جا کر صف آراء ہونے سے باز نہ آئے اور پھر مستقبل نے مصلحت الہی کے راز کو فاش کیا۔

ایک ادنیٰ سا تامل عقلی حیثیت سے بھی یہ راز بتا دے گا کہ دنیا میں ہر صاحب فن کی ایک نہیں دو عقلیں ہوتی ہیں ایک اس فن کے متعلق جس کی استعداد اس کے اندر رکھی جاتی ہے اور پھر تعلیم و تربیت، مشق و کثرتِ عمل سے وہ اتنی بلند اور پختہ ہو جاتی ہے کہ وہ اس فن کے بڑے بڑے عبقی اور مشکل دقائق کو ایک نظر میں معلوم کر لیتی ہے اور اس کے لایحل عقود کو اشاروں میں حل کر دیتی ہے لیکن اس دائرہ کے باہر اس کی دوسری عقل عام انسانوں ہی کی طرح معمولی ہوتی ہے، ایک شخص جو فن تعمیر کی مہارت اور ہندسہ اور انجینئرنگ کی حساسی میں غیر معمولی عقل و ذہانت رکھتا ہے، بالکل ممکن ہے کہ کھجور کی کاشت میں اس کی عقل معمولی انسانوں سے بھی کم درجہ ہو، ایک فلسفی جو اپنے زور و فکر سے افلاطون و ارسطو کی غلطیاں نکالتا ہو، وہ تعمیر کے فن میں ایک معمولی مزدور سے زیادہ کم عقل ہو، یہ روزمرہ کی پیش آنے والی مثالیں ہیں، اسی طرح وہ برگزیدہ انسان جو روحانیت کے اسرار، معرفت ربانی کے حقائق، تزکیہ نفس کے رموز و اخلاق و معاشرت کے آداب اور حقوق و شریعت کے مسائل میں دقیقہ رس فہم اور پختہ دان عقل رکھتا ہو، اس کو تعمیر و کاشت کاری کے مسائل میں محض معمولی درک ہو بلکہ بالکل نہ ہو۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام امور دین و شریعت میں وحی اور ملکہ نبوت سے جو کچھ فرماتے ہیں وہ عین مصلحت، حکمت، خطا اور غلطی سے ستر پامبر اور پاک ہوتا ہے لیکن دوسرے امور مثلاً پینے اور چھنے، کھانے پینے، رہنے، سننے، سلطنت و سیاست، نظم و نسق صلح و جنگ، سامان و اسلحہ، جنگ و سواری، صنعت و معرفت، طب و علاج وغیرہ دنیاوی امور کی نسبت کلی مصلحتیں بتا کر، جزئیات کی تفصیل سے انہوں نے احتراز فرمایا، اور کسی قطعی فیصلہ کا مسلمانوں کو باندہ نہیں کیا، پینے اور چھنے کے متعلق صرف تین باتیں فرمائیں، پہلی یہ کہ وہ لباس اور طرز لباس نہ اختیار کیا جائے جس سے ستر عورت نہ ہو دوسری یہ کہ مرد وہ لباس اختیار کریں جو عورتوں کے لئے زیبا ہے، نہ عورتیں وہ لباس اختیار کریں جو مردوں کے لئے مناسب ہے تیسری بات یہ ہے کہ وہ لباس پسندیدہ نہیں جس سے غرور و نخوت نمایاں ہو، کھانے پینے میں چند حرام چیزوں کے سوا کسی کی ممانعت نہیں، نظم و نسق اور نظام حکومت و سلطنت میں چند کلی اصول تعلیم فرمائے، شہنشاہانہ اور جابرانہ حکومت نہ ہو، لوگوں میں مساوات ہو اور اراکین امور میں اہل مل و عقد کا باہمی مشورہ ہو، و علیٰ ہذا القیاس۔

الغرض یہی وہ امور ہیں جن میں زمانہ اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ تغیر و انقلاب ہوتا ہے، اس لئے ان کو ہیشہ کے

لئے محدود کر دینا مصلحت الہی کے خلاف تھا۔

ملکہ نبوت یا عقل نبوت کا شرعی ثبوت

وحی ملکہ نبوت، اور عام عقل بشری، ان میں سے اول دائرہ کے ثبوت کے لئے

اب کسی استدلال کی ضرورت نہیں کہ اول تو یہ مسلمات سے ہیں اور دوسرے اوپر کی تشریحات میں متقل طور سے ان پر بحثیں ہو

چکی ہیں لیکن اب تک ہم نے دوسری چیز یعنی ملکہ نبوت کے لئے کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی ہے، اس سلسلہ میں سب سے

پہلی بات یہ کہنی ہے کہ جن علماء نے اس کی حقیقت ظاہر کی ہے انہوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لئے الگ الگ

اصطلاحیں قائم کی ہیں، مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے وہ دراصل ایک ہیں، سلف صالحین میں سے بعض نے اس کو القاء

فی الرود (دل میں ڈالنا)، نبی کی حکمت قلبیہ، توفیق ازلی اور قوت قیام سے تعبیر کیا ہے، امام غزالی و امام رازی اور دوسرے

متکلمین نے اس کو ملکہ نبوت سے ادا کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اور علامہ مصلح نے اس کو پیغمبرانہ قوت اجتماع کہا

ہے اور صوفیہ کی عام پسند اصطلاح میں اس کو علم لدنی کہا جاتا ہے، مگر ان سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں یعنی نبی کے اندر

کی وہ پیغمبرانہ عقلی قوت جو بشری عقل سے فوق ہے اور جس کے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح اسرار شریعت کا بیان

اور دقائق حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے۔

انبیائے کرام کے ان ربانی الغامات کی فہرست پڑھتے، جن کا تذکرہ قرآن نے جا بجا کیا ہے، تو وحی کی مخصوص نعمت کے

بعد فہرست الغامات میں جو چیز نظر آتے گی وہ علم نبوت ہے جس کو کہیں ذکر زیادہ داشت کہیں حکم حق و باطل میں تمیز کا ملکہ،

کہیں حکمت (داناتی) کہیں شہر صدر (مدینہ کا کھول دینا) کہیں تفہیم (سوچنا و سمجھنا) کہیں تعلیم (دیکھنا) کہیں ارادت (دیکھنا)

سوچنا دیکھنا، کہا گیا ہے، ان سب مختلف الفاظ کا مفہوم وحی سے نیچے اور عقل بشری سے اوپر عقل نبوی کے سوا اور کیا ہے، ان

مراد وحی تو اس لئے نہیں کہ ان کا ذکر وحی سے الگ ہوتا ہے اور عقل بشری اس لئے نہیں کہ عقل بشری خاص نبی پر کوئی انعام

نہیں کہ یہ نعمت تو ہر انسان کو کچھ نہ کچھ ملی ہے اس بنا پر اس سے مراد عقل نبوی اور حکمت نبوی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوتی ہیں ان میں ایک خاص نعمت کا ذکر قرآن پاک میں بار بار

حکمت آتا ہے اور وہ حکمت ہے آل ابراہیم پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانات کئے ان کا ذکر وہ ان الفاظ میں فرماتا ہے۔

۱۔ فَقَدْ اٰتَيْنَا اٰلَ اِبْرٰہِیْمَ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ ۚ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُلْکًا عَظِیْمًا (نساء)

تو بے شبہ ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی اور

ان کو بڑی سلطنت بخشی۔

حضرت لقمان کی نسبت ہے۔

۲۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ (لقمان)

اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی۔

حضرت داؤد کی شان میں ہے۔

۳۔ وَشَدَدْنَا مُلْکَہٗ وَ اٰتَيْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَ

فَضَّلْنَاہُ الْخِطَابَ (ص)

اور ہم نے داؤد کی سلطنت مضبوط کی اور اس کو حکمت اور

قول فیصل عطا کیا۔

لے یہ تمام الفاظ امام شافعی کی کتاب الرسالہ میں مذکور ہیں۔

سیرت النبی مہجدیم



اور داؤد نے مالوت کو مارا اور خدا نے داؤد کو سلطنت اور حکمت بخشی اور جو چاہتا ہے اس میں سے کچھ سکھایا۔

۴۔ وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَاسْتِثْنَاهُ اللَّهُ الْمُلُوكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مَا يَشَاءُ (بقرہ-۲۳)  
حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔

۵۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَرَبِّينَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَحْتَلِفُونَ فِيهِ (زمر-۶)

۵۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَرَبِّينَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَحْتَلِفُونَ فِيهِ (زمر-۶)

خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ پر اپنا احسان جاتا ہے، تو فرماتا ہے۔

۶۔ وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ (مائدہ-۱۵)

اور یاد کرو جب میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور توراہ اور انجیل کی تعلیم دی۔

۷۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ (آل عمران-۹)

عام انبیاء کے متعلق ہے۔

۸۔ رَبَّنَا وَأَلْهَمْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بقرہ-۱۲۹)

۹۔ كَلَّمَآرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ مَا لَوْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (بقرہ-۱۲۹)

۹۔ كَلَّمَآرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ مَا لَوْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (بقرہ-۱۲۹)

اس دعا سے ابراہیم کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی یہ دعائیں مانتی تھی۔

۱۰۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ بِوِثَارٍ كَثُورٍ مِنْ قَبْلِ لُبِّ ضَلِيلٍ مُبِينٍ (آل عمران-۱۰۴)

۱۱۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَافْقِهِ

۱۱۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَافْقِهِ

۱۲۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۲۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۳۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۳۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۴۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۴۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۵۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۵۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۶۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۶۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۷۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۷۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۸۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۸۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۹۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۹۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۲۰۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۲۰۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۲۱۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۲۱۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۲۲۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۲۲۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۲۳۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۲۳۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجٌ حِكْمَةٌ بِالْفِعْلِ فَمَا تَعْنِ الشُّذُرُ (قرۃ-۱)

۱۔ وَكَوْنَهُ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ لِمَا آفَنَّا مِنْهُمْ أَنْ لِيَصْلُوكَ وَمَا يُصْلُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُرُونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء-۱۱)

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اپنا یہ احسان ان پر ظاہر فرمایا ہے۔

۲۔ وَكَوْنَهُ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ لِمَا آفَنَّا مِنْهُمْ أَنْ لِيَصْلُوكَ وَمَا يُصْلُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُرُونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (نساء-۱۱)

۳۔ ذَلِكِ هِيَ آيَةُ رَبِّكَ مِنْ الْحِكْمَةِ (اسراۃ-۲)

۴۔ وَأَذْكُرُوا فَضْلَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ لِيُعْظَمَ عَلَيْكُمْ (بقرہ-۹)

۵۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۶۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۷۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۸۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۹۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۱۰۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۱۱۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۱۲۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۱۳۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۱۴۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۱۵۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۱۶۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۱۷۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۱۸۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۱۹۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۲۰۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۲۱۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۲۲۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۲۳۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۲۴۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)

۲۵۔ وَأَذْكُرُوا مَا يُثَلَّى فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب-۳۴)



یا یوں کہ کوئی سے کتاب مراد ہے جسے توراۃ و قرآن وغیرہ لیکن حکمت کا مفہوم ان آیتوں میں کیا ہے؟  
حکمت کے لغوی معنی دانائی کی بات اور کام کے ہیں، مگر یہاں اس سے کیا مقصود ہے اس تحقیق کے لئے ضرورت ہے کہ مستند اہل لغت اور ماہرین قرآن کے اقوال نقل کر کے تبصہ کیا جائے، سب سے قدیم لغت نویس ابن درید المتوفی ۳۴۰ھ اپنی کتاب مجمع اللغۃ میں حکمت کے حسب ذیل معنی لکھتا ہے۔

فکل كلمة وعظمتك وزجرتك اودعتك  
الى مكرمة اودعتك من قبيل فہو حکمة و  
حکمہ (جلد ۲، ص ۱۸۶) حیدرآباد

لغت کا امام جوہری اپنی صحاح اللغۃ میں لکھتا ہے۔  
الحكمة من العلم والحكيو العالم وصاحب الحكمة  
والحكيو العتق للزمور (جلد ۲، ص ۱۲۶) مصر

عربی لغت کی مبسوط و مستند کتاب لسان العرب میں ہے۔  
والحكمة عبارة عن معرفة افضل الاشياء  
بافضل العلوم (جلد ۱، ص ۱۱۵) مصر

لغت قرآن کے مشہور امام، اغلب اصغہانی مفردات القرآن میں کہتے ہیں۔  
والحكمة اصابة الحق بالعلوم والعقل فالحكمة  
من الله تعالى معرفة الاشياء وایجادها على  
غاية الاحكام من الانسان معرفة الموجودات  
وفعل الخيرات (ص ۱۲۶) مصر

یہ تو عربی لغت کے اماموں کی تصریحات تھیں، اب ان بزرگوں کے اقوال پر غور کرنا ہے جو زبان دانی کے ساتھ  
قرآن اور شریعت کے استدلالات اور محاوروں سے بھی کامل طور سے آگاہ تھے، ابن حبان انہی نے اپنی تفسیر بحر المحیط  
میں ان کے اکثر اقوال کو یکجا کر دیا ہے۔

۱۔ قال مالك والبرزبن: الحكمة الفقه في  
الدين والفهم الذي هو سجية ونور  
من الله تعالى۔

۲۔ وقال مجاهد: الحكمه فہو القرآن۔

۳۔ وقال مقاتل: العلم والعمل به  
لا يكون الرجل حكيما حتى

لے زیر آیت والبت فیہو رسولہنہ لایاتہ ۱۶، ص ۲۹۳ مطبوعہ سعادت مصر

یجمعہا۔

۴۔ وقيل: الحكمة، القضاء۔

۵۔ وقيل: ما لا يعلم الا من جهة  
الرسول۔

۶۔ وقال ابو جعفر محمد بن يعقوب: كل صواب من  
القول ورث فعله صحيحا فهو حکمة۔

۷۔ وقيل وضم الـ شياء مواضعها۔

۸۔ وقيل: كل قول وجب  
فعله۔

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں۔

۱۔ قال مالك، المعرفۃ بالدين والفقه في الدين  
والاتباع له۔

۲۔ قال ابن زيد: الحكمة الدين الذي  
لا يعرفونه الا به صلى الله عليه وسلم

يعلمهم اياها قال والحكمة العقل في  
الدين وقوم ومن يؤت الحكمة

فقد اوتي خيرا كثيرا وقال يعيسى  
ويعلمه الكتب والحكمة والتوراة

والانجيل، وقول ابن زيد، واتل عليه نبأ  
الذي اتيناه ايتنا فانسلم منها قال لعنيتهم

بالذيات حين لم تكن معها حكمة  
قال والحكمة شئ يجعله الله في القلب

نور له به۔

۳۔ عن قتادة: والحكمة اي السنة۔

آخر میں امام طبری اپنا فیصلہ سناتے ہیں۔

۴۔ قال ابن جریر الطبری: والصواب من القول  
هندنا في الحكمة انها العلوم باحكام الله التي لا

يدرك علمها الا بسان الرسول، صلعم والمعرفة

علم اور عمل دونوں کا جامع نہ ہو۔

۴۔ بعضوں کا قول ہے، حکمت فیصلہ کرنا ہے۔

۵۔ کسی کا قول ہے، حکمت وہ ہے جو رسول کے حکام کی اور  
ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکے۔

۶۔ ابو جعفر کا قول ہے، ہر وہ صحیح بات جو صحیح عمل پیدا کرے  
حکمت ہے۔

۷۔ کسی کا قول ہے چیزوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا حکمت ہے۔

۸۔ ایک اور شخص کا قول ہے، ہر وہ بات جس کا کرنا ضروری  
ہو، حکمت ہے۔

۱۔ مالک کا قول ہے، دین کی معرفت اور دین میں سمجھ اور اس  
کی پیروی حکمت ہے۔

۲۔ ابن زید کا قول ہے، حکمت دین کا وہ حصہ ہے جو صرف رسول  
سے معلوم ہوتا ہے وہی اس کو سکھاتا ہے نیز انہی کا قول ہے

کہ حکمت دینی عقل کا نام ہے اور اس پر یہ آیت پڑھی کہ جس  
کو حکمت دی گئی اس کو بڑی دولت دی گئی اور خدا نے

حضرت عیسیٰ کے متعلق کہا کہ خدا ان کو کتاب اور حکمت اور توراۃ  
اور انجیل سکھاتا ہے، ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی کہ ان کو

اس کا مال سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے  
انگ ہو گیا، یعنی ان آیتوں سے نفع نہیں اٹھایا کیونکہ ان

کے ساتھ حکمت نہ تھی، انہی کا قول ہے کہ حکمت وہ چیز ہے  
جس کو اللہ اپنے بند کے قلب میں رکھتا ہے اور اس سے

اس کو روشن کرتا ہے۔

۳۔ قتادہ سے مروی ہے، حکمت یعنی سنت نبوی۔

۴۔ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت ان احکام الہی کے

علم کا نام ہے جو صرف رسول کے بیان (تشریح) سے معلوم  
ہوتے ہیں اور ان کی اور ہوان کی مثالیں اور نظیریں ہیں، ان کی

بے



بہا و ما دل علیہ ذلک من نفاثۃ و هو عندی ما حوز  
معرفت کو کہتے ہیں اور حکمت کا لفظ میرے نزدیک حکم سے ماخوذ  
من الحکمۃ یعنی الفصل بین الحق والباطل۔  
ہے جس کے معنی حق و باطل میں تمیز کرنے کے ہیں۔  
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف کتاب الرسائل میں قنادہ کے مسلک کو پسند کیا ہے، لکھتے ہیں۔

و سمعت من ارضی من اهل العلم بالقرآن  
ہم میں نے قرآن کے ان اہل علم سے جن کو پسند کرتا ہوں یہ سنا کہ حکمت  
یعنی الحکمۃ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری)  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نام ہے۔  
امام شافعی کی کتاب میں آگے چل کر بعضوں کا قول نقل کرتے ہیں۔

صفتہ الحکمۃ التی فی روعہ عن  
اور آپ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں خدا کی  
اللہ عز وجل (ص ۲۸)  
طرف سے ڈالی گئی۔

انہ لغت اور علمائے قرآن کے ان تمام اقوال پر ایک فائز نظر ڈالو، تو معلوم ہوگا کہ یہ کل کے کل ایک ہی مفہوم کی مختلف  
تفسیریں اور ایک ہی حقیقت کی متعدد تفسیریں ہیں، حکمت عقل و فہم کی اس کامل ترین حقیقت کا نام ہے جس سے صحیح و غلط صواب  
و خطا حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان تمیز و فیصلہ بذریعہ غور و فکر و دلیل و برہان اور تجربہ و استقراء کے نہیں بلکہ منکشفانہ  
طور سے ہو جاتا ہے اور اسی کے مطابق اس صاحب حکمت کا عمل بھی ہوتا ہے۔

ہر فن کے واقف کار دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو کسی فن کو باقاعدہ حاصل کرتے اس کی مشق کرتے اور اس میں  
مہارت کمال پر پہنچاتے ہیں، دوسرے وہ جو اس فن کی فطری استعداد اور قابلیت رکھتے ہیں اور تجربہ و دلیل کے بغیر خود اپنی فطری  
صلاحیت صحیح و جہان اور سلیم ذوق سے اس فن کی کسی شے کو دیکھنے کے ساتھ ہی اس کے متعلق سچی تلی راستے دیتے ہیں اور حرف صرف  
صحیح دیتے ہیں، اسی کا نام آپ محبت و جہان اور سلامت ذوق رکھتے ہیں، شاعری و انشاء پر دہانزی اور دوسرے فنون لطیفہ میں  
اس کی مثالیں بکثرت دی گئی اور سنی جاتی ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں اشیا کے حق و باطل اور افعال کے خیر و شر کی تمیز کا صحیح و جہان  
اور صحیح ذوق ہوتا ہے، وہ ان امور کے دقیق سے دقیق مسئلہ کے متعلق اپنے ربانی ذوق و جہان سے ایسی صحیح راستے دیتے ہیں  
جو دوسرے لوگ وسیع مطالعہ اور غور و فکر کے بعد بھی نہیں دے سکتے، یہی وہ معرفت اور نور الہی ہے جو جہد و جدوجہد اور سعی و محنت  
سے نہیں بلکہ عطا و بخشش سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کا نام حکمت ہے۔

دوسری ربانی استعداد اور فطری بخششوں کی طرح حکمت کا عطیہ بھی سب کو یکساں نہیں ملتا بلکہ حسب استعداد و  
معمولی حکمت سے لے کر اعلیٰ ترین اور کامل ترین حکمت تک لوگوں کو عطا ہوتی ہے اس کے مختلف درجے اور مرتبہ عام انسانوں  
کو مل سکتے ہیں اور ملتے ہیں، لیکن اس کا اعلیٰ ترین اور کامل ترین درجہ اور مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے۔

مگر یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اس ربانی عطیہ آسمانی فہم، دینی عقل اور نورانی قوت پر حکمت کا اطلاق ہوتا ہے اسی  
طرح اس قوت حکمت کے آثار و نتائج اور اس کی تعلیمات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ دوسری آیت جس میں حضرت لقمان کو  
حکمت دینے جانے کا بیان ہے، اس کے بعد اس حکمت لقمانی کی حسب ذیل تعلیمات کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اللہ کا شکر ادا کرنا، شرک  
کی مانعت، والدین کی خدمت، اچھوں کی پیروی، خدا کا ہمہ گیر علم، ناز کا حکم، صبر و فقر و غرور کی مانعت، میانہ روی، آہستہ بولنا،  
اسی طرح تیرہویں آیت میں حکمت محمدی کی حسب ذیل تعلیمات کی تفصیل بھی کی گئی ہے، شرک کی مانعت، والدین کے ساتھ احسان

قرابتداروں اور سیکسوں سے نیک سلوک، اسراف کی برائی، نرمی کی بات کرنا، میانہ روی، اولاد کے قتل کی مذمت، کسی کی زبان  
ن لینا، مقتول کا بدلہ لینا، یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ، صمد پورا کرنا، ناپ تول ٹھیک رکھنا، بے جانی چیز کی پیروی نہ کرنا، غرور  
نہ کرنا، کی مذمت، ان تمام باتوں کو بیان فرما کر اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (اسراء ۵۳)  
یہ ہیں حکمت کی وہ بعض باتیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں۔  
حکمت کی ان بعض باتوں کی تفصیل سے اعجاز ہوتا ہے کہ حکمت کے مظاہر اور نتائج کس قسم کی باتیں ہوتی ہیں یہ معلوم  
وہی باتیں ہوتی ہیں جن کی عالمگیر صداقت اور سچائی کو خود فطرت انسانی اور جس اطلاقی تسلیم کرتی ہے، یہی سبب ہے کہ تفسیری اور عمومی  
آیت میں حکمت کا اطلاق زبور پر اور پانچویں اور چھٹی آیت میں انجیل پر ہوا ہے کہ ان میں اسی قسم کی دلائل و نصیحتیں اور عالمگیر صداقتوں کی  
تعلیم ہے اور خود قرآن پاک نے بھی اپنی صفت حکمت والا قرآن ظاہر کی ہے تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (لقمان ۲) وَالْقُرْآنِ  
الْحَكِيْمِ (یس ۲) وَالَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ عَلٰی عِمْرَانَ اَنْ اٰتِیَکَ مِنْ رَبِّکَ عَلٰی سِتٍّ مِّنْ اٰیٰتِکَ مِنْ رَبِّکَ عَلٰی سِتٍّ مِّنْ اٰیٰتِکَ مِنْ رَبِّکَ عَلٰی سِتٍّ مِّنْ اٰیٰتِکَ مِنْ رَبِّکَ  
کبھی شامل کر کے ان کو آپ مقرر بنا دیتی ہے، یہ چیز انبیاء کو کتاب الہی کے ساتھ ساتھ عام طور پر ملتی ہے، فرمایا۔

فَاِذَا اخَذَ اللّٰهُ مِنْکَ الشَّہِیْدَیْنِ لَمَّا اٰتٰیٰکَ مِنْ رَبِّکَ عَلٰی سِتٍّ مِّنْ اٰیٰتِکَ مِنْ رَبِّکَ عَلٰی سِتٍّ مِّنْ اٰیٰتِکَ مِنْ رَبِّکَ عَلٰی سِتٍّ مِّنْ اٰیٰتِکَ مِنْ رَبِّکَ  
اور یاد کرو جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ البتہ جو میں تم کو  
کتاب اور حکمت دوں۔

بہر حال یہ حکمت کی قوت انبیاء علیہم السلام کو بدرجہ اتم حاصل تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی ہر بات دانائی اور ان کا ہر  
کام دانشمندی پر مبنی ہوتا تھا اور چونکہ یہ قوت ان کو حاصل تھی اس لئے اس کے آثار اور نتائج بھی اقوال و افعال کی صورت میں  
ظاہر ہوتے جن کا نہ صرف اقرار و اعتراف بلکہ ان پر عمل بھی نبوت کی تصدیق میں داخل ہوا، پسند ہوئی آیت میں ہے۔  
فَاذْكُرْنَ مَا یَمِیْنُ لَیْ فی بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ (سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم اسے گھروں میں خدا کی باتیں یاد کرو  
وَالْحِكْمَةِ (اعزاب ۲۴)  
حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو آیات الہی کے علاوہ کس حکمت کے یاد رکھنے کا حکم دیا گیا، ظاہر ہے کہ وہ خود  
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانائی کی باتیں تھیں، اب اگر وہ باتیں امور دین سے متعلق نہ ہوتیں تو ان کے لئے ان کا یاد رکھنا  
کیوں ضروری قرار دیا جاتا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں ہے۔  
لَعَلَّہُمْ یُؤْتٰی الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ (مجموعہ ۱۱)  
وہ مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کے بعد کس حکمت کی تعلیم دیتے تھے؟ ظاہر ہے کہ خود اپنی حکمت کی، تو جس حکمت کی  
تعلیم وہ دیتے تھے وہ خود ان کے اندر بھی تھی کہ جو چیز ان کے پاس نہ تھی دوسروں کو کیا بخش سکتے تھے، اور جب یہ قوت آپ کے  
پاس تھی تو اس کے آثار و نتائج بھی اقوال و افعال کی صورت میں نمایاں ہوں گے، جن کی آپ تعلیم فرماتے تھے اور اپنے ان  
امور حکمت کی تعلیم سے آپ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا تھا کہ مسلمان ان پر عمل کریں۔

پانچویں آیت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔

لے لفظ یتلی سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ وہ کتاب کے لئے خاص ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کا کوئی صفحہ پڑھ کر نہیں سکتے تھے  
بلکہ الفاظ الہی کو ربانی ادا فرماتے تھے۔







اب جب ان مطالب و معانی کی شرح و تفسیر بھی آپ کے فرائض نبوت میں داخل تھی تو اس پتھر پر شرح و تفصیل کی حیثیت بھی دینی ہوگی اور اس کی تفصیل بھی امت کے لئے ضروری ہوگی آپ کی اسی زبانی و لسانی شرح و تفصیل کو صحابہ اور تابعین نے اپنی روایت و عمل کے ذریعہ سے محفوظ رکھا اور وہ احادیث و سنن کے نام سے موسوم ہے۔

اس تفصیل کے بعد حکمت کے ان معنوں پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیجئے جو ائمہ لغت اور علمائے قرآن نے بیان کئے ہیں تو آپ کو یقین آجائے گا کہ وہ کل ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں اور ایک ہی معنی کی متعدد تفسیریں ہیں اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جمہ کے اصطلاحی نام احادیث و سنن ہیں کتاب الہی کی عمل و زبانی تشریحات ہیں کتاب الہی وہی ربانی کا نتیجہ ہے اور احادیث و سنن سب سے نبوی کی طہارہ حکمت کا اس مقام پر نام شافعی کی یہ تحقیق پیش نظر رہے۔

و سننہ الحکمۃ الہی القی فی روعہ عن اور آپ کی سنت و حکمت ہے جو آپ کے قلب میں خدا کی طرف اللہ عزوجل و کتاب الرسلہ مصر ص ۱۲۸ سے ڈالی گئی۔

اور اسی مفہوم کو مجاہد اس طرح ادا کرتے ہیں کہ الحکمۃ فہو القرآن حکمت فہو قرآن کا نام ہے دوسری عبارت میں یوں کہہ کر قرآن کے معانی و مطالب کی تشریح حکمت ہے اور اس تشریح کا نام جو رسول کے قول و عمل سے ادا ہوتی سنت ہے اور اس معنی کو امام مالک رحمہ اللہ ابوہریرہ اور ابن زبیر وغیرہ دوسری صدی کے علمائے قرآن ان عبارتوں میں ادا کرتے ہیں کہ حکمت معرفت دین فقرہ دین اور اس علم دین کہتے ہیں جس کو رسول نے بیان کیا اور حکمت اس نور کا نام بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کسی قلب میں پیدا کر کے اس کو منور کر دیتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اصل حکمت نبوی و انور نبوت اور الہامی معرفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب و سینہ میں ودیعت کیا تھا اور جو آپ کے سنن و اقوال آپ کی اسی ودیعت شدہ حکمت نبوی کی پیداوار اور آثار و نتائج ہیں اس لئے ان پر بھی حکمت کا اطلاق جائز ہے اس تفصیل کے بعد ظاہر ہوگا کہ بعض اماموں اور عالموں نے حکمت کی تشریح میں اصل معنی کی طرف توجہ کی ہے اور بعض نے ثانوی معنی کو بیان کیا ہے اور دونوں حق پر ہیں۔

علم کے لغوی معنی جاننے کے ہیں مگر ہر فن کے تعلق سے جاننے کی نوعیت اور معلومات کی حیثیت مختلف ہوگی انبیاء کے علم اطلاق سے جب اس کا استعمال ہوگا تو اس سے طبعا خدا کی توحید ذات و صفات و دین و شریعت کے احکام اور اخلاقی تعلیمات مراد ہوں گی حضرت ابراہیمؑ توحید پر استدلال کر کے اپنے باپ سے فرماتے ہیں۔

يَا اَبَتِ اِنَّ قَدْ جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا۔

حضرت خضرؑ کے متعلق ہے۔

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عَلِمًا (مکد ۱۰) اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا خدا کے پاس سے تو ہر چیز ہے پھر اپنے پاس سے علم سکھانے کا مفہوم کیا ہے ہر وہ شے جو انسان کی ذاتی محنت و کوشش اور جدوجہد وغیرہ معمولی ذرائع کے بغیر حاصل ہوتی ہے وہ معجزانہ اللہ کی جانی ہے اسی طبع خدا کے پاس سے علم ملتا ہونے کے معنی اس علم کے طبعی ذرائع علم و استدلال اور تلاش و تحقیق کے بغیر خود بخود ملتا ہو اسی علم

خدا داد ہے اور اسی لئے صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو علم لدنی یا اس فالاعلم کہتے ہیں۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی نسبت ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عَلِمًا (زل ۲) اور ہم نے شہر چمنے داؤد اور سلیمان کو علم دیا۔

حضرت یوسفؑ کے آغاز نبوت کے موقع پر ہے۔

وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رُبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَوَالِيهِ اَزْهَادِثٍ وَيُتِّعُكَ نِعْمَتُهُ عَلَيْكَ (يوسف ۱۱) اور اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو نواہے گا اور تجھ پر اپنا انعام پورا کرے گا۔ ان آیتوں میں اس علم کا ذکر نہیں جس کا فشاہی موقع ہے کیونکہ ان میں سیاق کلام سے علم کے کبارگی دیتے جانے کا ذکر ہے جو وحی موقت کی شان نہیں خصوصاً آخری آیت میں تو توالیہ احادیث کا علم بیک دفعہ دینے جانے کی تصریح ہے اسی لئے حضرت یوسفؑ ایک خواب کی تعبیر بیان کر کے دوسرے موقع پر کہتے ہیں۔

ذِكْرًا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي (يوسف ۵) یہ وہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھایا ہے۔

یہ کہیں بیان نہیں کیا گیا ہے کہ خواب کی تعبیر بتلاتے وقت ان پر وحی اگر حقیقت سے ان کو مطلع کرتی تھی بلکہ خود ان کے اندر یہ علمی قوت ہمیشہ کے لئے ودیعت کر دی گئی تھی اسی قسم کا وہ علم ہے جس کی نسبت سے بعض انبیاء کو پہلے ہی میں علم (جاننے والے) کا خطاب ملا۔

وَلَبَّشُوا بَعْضُهُمْ عَلِيًّا (ذاریات ۲۰) اور فرشتوں نے اس کو ایک بڑے صاحب علم فرزند کی خوشخبری دی۔

ہم تجھے ایک بڑے صاحب علم فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں۔

یہاں لفظ عَلِيًّا اختیار کیا گیا ہے عالم نہیں اور یہ لفظ عالم سے زیادہ علم پر دلالت کرتا ہے ان آیتوں سے ظاہر ہوا کہ وحی موقت ہوگا گاہ آتی ہے اس کے علاوہ علم کا ایک دائمی عطیہ بھی نبی کی شان ہے۔ علم و حکمت بہت سے انبیاء کے متعلق علم کے ساتھ علم کا عطا ہونا بھی بیان ہوا ہے حکم کے معنی لغت میں فیصلہ اور حق و باطل میں امتیاز کرنے کے ہیں جس کا ترجمہ اردو میں سمجھ اور بوجھ کا نتیجہ یعنی فیصلہ کر سکتے ہیں امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں کہتے ہیں والحکم بالشم ان تقضی بالشم باتہ کسی شے پر حکم کرنا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا ہے یا ایسی نہیں ہے عام اس سے کہ اس فیصلہ کا تم دوسرے کو غیب اولو تلزمہ ۱۲۶ مصرع پابند کر سکیا کر سکو۔

عربی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے۔

الحکماء للعلم والفقه والقضا بالعدل (۱۵۶-۱۳) حکم کے معنی علم سمجھ اور منصفانہ فیصلہ کرنا ہے۔

ان انبیاء علیہم السلام کو جن پر کسی کتاب کا نازل ہونا ثابت نہیں اس علم اور حکم کا عطا ہونا ثابت ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ وحی کتاب کے علاوہ کسی اور عطیہ علم و حکم کی طرف اشارہ ہے چنانچہ حضرت یوسفؑ کی شان میں ہے۔

وَلَقَدْ بَلَّغْنَاكَ آمْرًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا۔ اور جب یوسفؑ عجمانی کی قوت کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکم اور علم دیا۔ (یوسف ۳)



حضرت لوط کے متعلق ہے۔

وَلَوْ كُنَّا اَتَيْنَهُ حُكْمًا وَجَلَمًا اَنْبِيَاۡ-۹۰

حضرت داؤد اور سلیمان کے ذکر میں ہے۔

فَعَزَّزْنَا سَلٰتِنَاۤ اِِيْهِمْ وَكَلَّمْنَا اٰمِيْنَا حُكْمًا وَجَلَمًاۙ

(انبیاء-۹۰)

حضرت یحییٰ کی نسبت ہے۔

يٰۤاٰخِيْلُ خُذِ الْكِتٰبَ بِعَرَفٍۙ اَتَيْنٰهُ الْحِكْمَۃَ

صَبِيْٓاۡۙ (مریم-۱۰)

ایک عہدہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنی نعمتیں ان الفاظ میں شمار کرتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰمِيْنَا اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَۃَ

وَالنَّبُوْۤتَۃَ (ہاشمہ-۱)

نبوت دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور حکم اور نبوت تین چیزیں ہیں، یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ان آیتوں میں حکم سے مراد

دنیاوی حکومت اور سلطنت ہے کہ اس معنی میں یہ لفظ خالص اور قدیم عربی میں نہیں آیا ہے، یہ اہل علم کا محاورہ ہے قرآن

نے ہر جگہ اس کو فیصلہ اور قوت فیصلہ کے معنی میں استعمال کیا ہے جیسے:-

فَاَحْكُمُوْا بَيْنَنَا بِالْحَقِّ (ص-۶۰)

ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو۔

فَاَحْكُمُوْا بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (ص-۶۰)

تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو۔

وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاَحْكُمُوْا بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (مائدہ-۶۱)

اور تو ان کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

حضرت داؤد اور سلیمان ایک مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں۔

وَاِذَا دَاوُدُ وَسُلَيْمٰنُ اٰدَاۤىۤا حٰكَمِيْنَ فَاِنْ حٰكَمْتَ فَاَحْكُمُوْا بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (انبیاء-۶۰)

اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ دونوں کسیت کا فیصلہ کر رہے تھے۔

وَمَا اَخْلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْۡءٍ فَحُكْمُهُۥ

اور جس کسی چیز میں تم نے اختلاف کیا تو اس کا فیصلہ اللہ

کی طرف ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ یہی تین باتیں سورۃ النعام میں بہت سے پیغمبروں کے نام لگ کر کی گئی ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَۃَ وَالنَّبُوْۤتَۃَ (انعام-۶۰)

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت بخشی۔

جن پیغمبروں کے نام اوپر گئے ہیں اور جن کی طرف وہ لوگ کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے یہ ہیں ابراہیم، اسحق، یعقوب،

نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہرون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام۔ ان اشارہ

ناموں میں حکم بمعنی حکومت و سلطنت اگر تو اس کے مستحق صرف دو ہیں، سلیمان اور داؤد اور چاہے کسی طرح کسی تاویل سے یوسف

اور موسیٰ کو بھی شامل کر لیجئے۔ باقی چودہ نام ان پیغمبروں کے ہیں جن کو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا، اس لئے لامحالہ حکم کا لفظ

قرآن میں عربیت کے اصلی اور صحیح و صریح معنی میں مستعمل ہے اور اس لفظ سے خدا کا جو مقصود ہے وہ کتاب کے ساتھ ساتھ ان

پیغمبروں کو برابر حیثیت میں ملا تھا، غلط فہمی کا پردہ چاک کرنے کے لئے ایک اور آیت کو میرے نظر ڈالتے۔

مَا كَانَ لِشَيْۡءٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَۃَ

کسی بشر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت

وَالنَّبُوْۤتَۃَ نَحْنُ لَيَقُوْلُ لِلنَّاسِ كُذُّوْا عِبَادَ اِلٰهٍ وَّحِيْدٍ

دے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو،

ذُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِيْنَ كُذُّوْا تٰبِيْنَۙ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

بلکہ جو تم کتاب (تورہ) سیکھتے تھے اور جو تم پڑھتے تھے اس کے

اَلْكِتٰبِ وَبِمَا كُنْتُمْ تَذَرُوْنَ (آل عمران-۸۰)

ذریعہ سے تم خدا والے بنو۔

ان آیتوں میں مخاطب اہل کتاب ہیں اور جن مقدس بشر کا ان میں ذکر ہے، انہما اس سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں، وہ نہ

ہوں تو خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ اس وقت کی بات ہے، جب یہودی پوری قوت مدینہ کے اطراف اور حجاز میں

موجود تھے اور اسلام ہنوز ان کے مقابلہ میں کمزور و ناتواں تھا، ایسی صورت میں جس حکم کے ملنے کا ذکر ان آیتوں میں ہے وہ

کتاب اور نبوت ہی کی جنس کی کوئی چیز ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو تو حکومت و سلطنت کا ادنیٰ شائبہ بھی عطا نہیں ہوا تھا،

اور اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک جب بنی اسرائیل اپنی متنازع قوت کے ساتھ مدینہ اور حجاز میں موجود تھے، یہ رتبہ

نہیں ملا تھا آیت اِنْ اَحْكُمُوْا لِلّٰهِ میں بھی حکم سے مراد وہی فیصلہ اور قضائے ربانی ہے حکومت و سلطنت نہیں، لیکن

کے لئے اس آیت کے آگے پیچھے کے الفاظ پر نظر ڈالو۔

قُلْ اِنِّيْ هَلٰى بَيْنَ يَدَيْۡكَ مِنَ زَيْۡفٍ وَّكَذَّبْتُوْۤا بِهٖ

کہ دے (اے پیغمبر!) کہ میں اپنے پھر دغاگر کی کھلی دلیل پر ہوں

مَا عِنْدِيْۤ اِلَّا لَهٗۙ لِيَقْضِيَ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ

اور تم اس کو جھٹلاتے ہو، میرے پاس وہ نہیں جس کی تم ملری کرتے

اَلْغٰۤاۤصِلِيْنَ (انعام-۱۰۷)

ہو، فیصلہ کسی کا نہیں لیکن اللہ کا، وہ حق بیان کرتا ہے اور سب فیصلہ

کرنے والوں سے وہ بہتر ہے۔

ان وجوہ سے اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ انبیاء علیہم السلام کو منصب نبوت اور وحی کتاب کے ساتھ حکم کی سند بھی

ملتی ہے جس سے صاف و صریح معنی کلام عرب اور لغت اور قرآن کے قریبوں سے علم و فہم، فیصلہ اور حق و باطل میں تمیز ہے اور ان

لئے رسول کی اس قوت و طاقت کے نتائج بھی ہمارے لئے واجب العمل ہیں۔

مشریح صدر | ربانی علم و معرفت کا ایک اور مقام شرح صدر ہے، شرح صدر کے معنی سینہ کھولنے کے ہیں، عام خیال یہ ہے

کہ سینہ کی سنگی اور ضیق جمل و نادانی کی علامت ہے اور سینہ کی کشادگی اور فراخی علم کی وسعت اور معرفت کی فراوانی

پر دلالت کرتی ہے، اسی لئے شرح صدر کے اصطلاحی اور مجازی معنی علم کی کمزرت اور آگاہی کی وسعت کے ہیں اور خاص طور سے

اس علم و معرفت اور اطلاع و آگاہی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو کسی دقیق اور مشکل مسئلہ کے متعلق دفعۃً اور یک بیک قلب

میں وارد ہو جاتی ہے اور اس حل سے اس کی تسلی و تسکین ہو جاتی ہے اور اس کے تسکوک و شہادت دور ہو کر اس کو یقین کی

راحت و مسرت حاصل ہو جاتی ہے، جمہور ابن درید میں ہے۔

والشرح من قولہ شرححت للہ

الامر ای او ضحتہ و کشفته و مشرح

اللہ صدرہ فا نشرح اذا تسع بقبول

شرح اہل عرب کے اس محاورہ سے ہے کہ میں نے ترے لئے

بات کی شرح کر دی یعنی اس کو واضح کر دیا اور کھول دیا اور

اللہ نے اس کے سینہ کو کھول دیا تو وہ کھل گیا، یعنی جب یس کی کے



قبول کرنے کے لئے وسیع ہو گیا۔

صحاح جوہری میں ہے۔

الشرح الكشف لقول شرحت الغامض  
إذا فسرته

لسان العرب میں ہے۔

الشرح الكشف يقال شرح فلان امرى اوضحه  
وشرح مسألة مشكلة بينها وشرح الشئ  
بشرحه شرحا وشرحه فتحه بينه و  
كشفه وكل ما فتح من الجواهر فقد شرح  
ايضا نقول شرحت الفاص اذا فسرته وشرح  
الله صدره بقبول الخير بشرحه شرحا فالشرح  
وسعه لقبول الحق فاتسع.

قال ابن العربي، الشرح المحفوظ والشرح الفتح  
والشرح البيان، والشرح الفهم.

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا منصب ملتے وقت دعا مانگی۔

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي  
 وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي يَفْقَهُوا  
 قَوْلِي (طہ - ۱۲)

اے میرے رب! میرے سینے کو میرے لئے کھول دے اور میرے کام  
 کو میرے لئے آسان کر دے اور میری زبان کی گرو کھول دے تاکہ  
 لوگ میری بات کو پوری طرح سمجھیں۔

دعا کے پہلے جملہ میں حضرت موسیٰ نے اپنے لئے شرح صدر کی استدعا کی ہے اور آخر میں فصاحت بیان کی یعنی اول میں صحیح معنی کے الفاظ اور آخر میں ان کے لئے صحیح الفاظ کے انتخاب کی دعا کی ہے تاکہ ان کی دعوت و تبلیغ کو مخاطب سمجھ سکے لیکن یہ دولت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی مانگئے ملی خدا نے فرمایا۔

الْمُشْرُخَ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنكَ  
وِزْرَكَ (انفراج ۱)

کھانہ نے (اے محمدؐ) تیرے لئے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تیرے  
بوجھ کو تھکے آثار لیا۔

شرح صدر اور سینہ کھولنے کی جو تشریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے اس کے لئے عام اصطلاح شقِ صدر ہے یعنی عالم رو یا بیداری میں فرشتوں نے اگر سینہ مبارک کو شکاف کیا، اس کو آب زمزم سے دھویا اور سونے کے طشت میں ایمان اور حکمت مہر کر لائے اور ان سے سینہ مبارک کو معمور کر کے شکاف کو برابر کر دیا۔ اگر یہ واقعہ اپنی ظاہر حقیقت پر محمول کیا جائے تو بالکل کلی ہوئی بات ہے کہ سینہ مبارک کو واقعا پاک کر کے اور زمزم کے پانی سے پاک و صاف کر کے ایمان اور حکمت اس میں نہ بھیج بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن احمد بروایت انس بن مالک و سنن ترمذی تفسیر سورۃ الشرح

جبری گئی اور اگر تمثیل کے رنگ میں لیا جائے، تو بھی یہ حقیقت ماننی پڑے گی کہ سینہ صافی ایمان و حکمت سے معمور کیا گیا، ہر حال شرح صدر کی حقیقت ایمان اور حکمت کی ربانی بخشش ہے۔

شرح صدر کے اس مذکورہ بالا معنی کو جو شوق صدر کے واقعہ کی تفصیل سے واضح ہے اگر کوئی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو تو بھی بحمد اللہ کہ اس کی تسکین کا سرمایہ قرآن پاک میں موجود ہے، سورۃ زمر میں ہے۔

اَمَّا شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَكَ لِذٰلِكَ سَلَامٌ مِّنْ عَلٰی الْوُزْرِ  
مِنْ رَّبِّكَ (زمزم ۱۳)

اسلام کے لئے سینہ کھول دینے سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کی حقیقت موثر طریقہ سے اس پر اس طرح کھل گئی کہ اس کو اسلام کی سچائی کا پوری حقیقت آگیا، اور اس کو اپنے اس یقین پر کامل یقین حاصل ہو گئی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو اپنی منزل مقصود کے ہر قدم پر اتنی روشنی حاصل ہے یہی شرح صدر کی حقیقت ہے اور اس روشنی کی کمی ہمیشہ درجوں اور منصوبوں کے مطابق ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں حدیث کے دو ایسے موقعوں کا ذکر کرنا ہے جن سے لفظ شریعہ صمد کے معنی کی پوری تشریح ہو جاتی ہے یہاں یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ ان حدیثوں سے معنوی احتجاج یہاں مقصود نہیں، بلکہ صدر اول کے کلام عرب سے شریعہ صمد کے محاورہ کی تشریح مقصود ہے۔

۱) پہلا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے بعض قبیلے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ان پر سختی کا ارادہ کرتے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ آکر عرض کرتے ہیں کہ یا خلیفہ رسول اللہ! ان سے جہاد کیونکر ممکن ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا، حضرت صدیقؓ جواب دیتے ہیں، خلایک قسم! میں اس سے لڑوں گا جو زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرتا ہے، نماز خدا کا حق ہے اور زکوٰۃ بندوں کا حق ہے، اگر وہ بکری کا ایک بچہ بھی جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے، اب نہ دیں گے تو میں ان سے لڑوں گا، اس کے بعد حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

فواللہ ما ہوا الا ان قد شوح اللہ صدر ابی بکر  
فعرفت انہ الحق (سجدی کتاب الوکلاء)

تو خدا کا قسم، نہ تھا یہ کہ کھول دیا تھا اس نے ابو بکر کے سینہ کو  
تو میں نے جان لیا وہی حق ہے۔

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے حافظ شہید ہوئے، اس وقت حضرت عمرؓ نے اگر حضرت ابو بکرؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن پاک کو ایک ترتیب سے کاغذ پر لکھ لیا جائے، حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ میں وہ کام کیونکر کروں جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، لیکن حضرت عمرؓ اپنے مشورہ کے بہتر ہونے پر اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ کی سمجھ میں بھی بات آگئی، اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں۔

فلہ یزل عمیرا جعنی حتی شرح اللہ صدری  
لذلک وراثت فی ذلک الذی راہی عمیر  
(صحیح بخاری قبح القرآن)

تو عمرؓ بار بار مجھ سے کہتے رہے یہاں تک کہ خدا نے اس  
کے لئے میرے سینہ کو کھول دیا اور میں نے بھی وہی  
دیکھا جو عمرؓ دیکھتے تھے۔



ابا آخری سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کا جو یہ عمومی شریعہ صدر عنایت ہوا اس کا کوئی اثر و نتیجہ بھی تو نیا یا ہو گا؟ دراصل اسی کے یہ آثار و نتائج ہیں جو افعال و اقوال اور عادات و سنن کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔

وَمَا أَزِلْنا عَلَيْكَ الْكِتابَ إِلَّا لَتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً

اور ہم نے تجھ پر کتاب نہیں اتاری لیکن اس لئے تاکہ تو واضح کر دے اس کو جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور ایمان والوں کے لئے



اختلاف کے مقابلہ میں اظہار اور اعلان کی نہیں بلکہ توضیح و تشریح کی ضرورت ہے کہ جس امر میں اختلاف ہو وہ اس توضیح و تفسیر کے بعد دور ہو جائے، اب پہلی آیت پر غور کرنا چاہیے، جو اسی سورہ میں ایک اور مقام پر ہے۔  
 وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ  
 مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔  
 اور ہم نے اسے پیغمبر تیری طرف نصیحت کی کتاب (قرآن) کو اتارا تاکہ لوگوں کی طرف جو اتارا گیا، تو اس کو ان کے لئے کھول

سوال یہ ہے کہ اس آیت پاک میں بیان کرنے کے معنی ظاہر کرنے کے، میں یا تشریح و تفصیل کرنے کے، ہمارا دعویٰ ہے کہ ظاہر کرنے کے بجائے یہاں غور و فکر کی مناسبت اور قرینہ کے سبب سے تشریح و تفصیل کے معنی لینا صحیح ہے، امر مخفی کا اظہار سننے اور ماننے کے تو مناسب ہو سکتا ہے مگر سوچنے کے نہیں، سوچنے اور غور و فکر کرنے کے لئے یہاں تشریح و تفصیل کی ضرورت ہے ذکر اظہار و اعلان کی، اب جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تفصیل و تبیین کا منصب خدا کی طرف سے ثابت ہے تو اس تفصیل و تبیین کی پیروی اور اتباع بھی خدا ہی کے احکام کی پیروی ہوگی، در آپ کی یہ تبیین و تشریح آپ کے نور مملکت کا فیضان ہوگا، جس کے اشارے خود کتاب الہی کے اندر آپ کو موجود نظر آتے تھے۔

**ارحمت** انسانی الفاظ میں یہ قدرت نہیں کران کے ذریعہ سے کوئی ایسا قانون وضع کیا جاسکے جو ایک طرف اختلاف فہم سے محفوظ رہے اور دوسری طرف اس میں یہ وسعت ہو کہ تمام آئندہ پیش آنے والے واقعات پر جس کے جزئیات کی کوئی مدد نہیں، پوری طرح حاوی ہو سکے، لیکن فہم انسانی کے اختلاف کے جو لائق قانون میں ہوتے ہیں، گو ان کو تمام تردد و رہنمائی کیا جاسکتا، تاہم ان کو کم کیا جاسکتا ہے، اسلام نے اپنے قانون الہی سے جو بہر حال انسانی ہول چال کے الفاظ میں ہے، اس اختلاف فہم کے نقص کو کم کرنے کے لئے یہ کیا کہ اپنے رسول کی معرفت زبانی اور عملی طور سے اس کی تشریح و تبیین کرادی، گو انسانی ذرائع حفظ و روایت کی فطری کمزوریوں کے سبب سے اس تشریح و تبیین میں بھی اختلاف فہم پیدا ہو گیا مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر یہ تشریح و تبیین نہ ہوتی تو اختلافات کی غلیج اس سے زیادہ عمیق اور وسیع ہوتی۔

روزمرہ کے پیش آنے والے جزئیات کے فیصلہ کی یہ صورت رکھی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں روزانہ اس قسم کے واقعات اور مقدمات پیش ہوتے رہے اور آپ وحی کتاب کے حصول و کلیات کے ماتحت اپنے نور بصیرت اور فہم حکمت سے ان کے فیصلے فرماتے رہے خلفائے راشدین نے اپنے اپنے عہد میں ان نہ نو اور تازہ و تازہ واقعات کے فیصلوں کے لئے اولاد وحی کتابی کو اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان قضایا اور فیصلوں کو جو فہم نبوت، نور بصیرت اور امارت الہی کے ذریعہ فیصلہ ہوتے تھے اپنا ماخذ قرار دیا، اور یہی اصول بعد کے فقہاء اور مجتہدین نے اختیار کیا اور نئے واقعات کو وحی کتاب اور فیصلہ نبوی کے معصوم و مسلم معیار پر جانچ کر ان میں سے کسی نہ کسی فاضل اور مشابہ فیصلہ پر قیاس کر کے اپنے فیصلے دیئے اور جو چیزیں ان میں نہ ملیں ان کو معمولی عمل و انصاف، رسم و رواج، عقل و فکر و استخوان وغیرہ کے اصول پر سمجھ کر ان کا فیصلہ کیا، یہی مجموعہ آج فقہ اسلامی کہلاتا ہے۔

وحی الہی قرآن پاک میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قضایا اور فیصلے احادیث و سنن کی جمع روایتوں میں محفوظ ہیں، وحی الہی کی حد میں تو کلام نہیں ہو سکتا، اب رہ گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قضایا اور فیصلوں کی پیروی تو اس کے متعلق بھی وحی الہی ناطق ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 ہم نے اسے پیغمبر تیری طرف سچائی کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان جو تجھ کو اللہ سوچاتے اس کے ذریعہ فیصلہ کرے۔

اس کتاب الہی کے نزول کی غرض ہی یہ بتائی گئی ہے کہ تو اسے پیغمبر اس کے احکام اور قوانین کو لے کر اس فہم کے ذریعہ جو کچھ اللہ تعالیٰ تجھ کو کھاتے اور دکھاتے تو لوگوں کے درمیان فیصلہ اور انصاف کرے، اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبر کو یہی سوچانا اور دکھانا چاہتا تھا، وہ آپ کے عمل اور قضایا اور فیصلوں کی صورت میں محفوظ ہے اور اسلام کے قانون کا وحی الہی کے بعد دوسرا ماخذ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف پر خود منافقین تک کو مجبور و متاثر کیا، چنانچہ ان کا قاعدہ تھا کہ جب ان کا حق کسی پر ہوتا تو دوسرے ہوتے عدالت نبوی میں حاضر ہوتے، کیونکہ سمجھتے تھے کہ یہ حق آپ ہی کی عدالت سے ہم کو ملے گا، لیکن جب ان پر کسی کا حق نکلتا تو وہ ٹال جاتے اور دوسرے طریقے سے فیصلہ چاہتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا نش کی۔

وَاِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرَّئِي مِنْهُمْ فُجُورًا فَمَنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۚ اَفِي قُلُوبِهِمْ مَوَازِينُ  
 اَمِ اَرَأَيْتُمْ اَمَّا يَخِفُونَ اَنْ يَّخِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ اُولَٰئِكَ هُمُ الْخَالِفُونَ ۚ  
 اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ اِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَاطَعْنَا اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْعَلُونَ ۚ وَمَنْ يُّطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ مَخْرَجًا مِّنْ حَيْثُ يَشَاءُ ۚ  
 اور جب وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف بلائے جاتے جاتیں کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان میں سے کچھ لوگ منہ موڑتے ہیں اور اگر ان کو کچھ حق پہنچتا ہو تو فرماں بردار بن کر رسول کے پاس چلے آتیں، کیا ان کے دل میں بیماری ہے یا وہ شک میں ہیں یا وہ ڈرتے ہیں کہ خدا اور اس کا رسول ان کے ساتھ بے انصافی کرے گا، بلکہ وہی لوگ بے انصاف ہیں، ایمان والوں کی بات یہ تھی کہ جب ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جاتے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا، انہی لوگوں کا بھلا ہے اور جو کوئی اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم پر چلے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ سے بچ کر نکلتا وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول کے تمام فیصلے منصفانہ ہوتے تھے اور رسول کے فیصلوں کی اطاعت خود خدا کے حکم کی اطاعت ہے بلکہ ایمان کی دلیل اور نشانی ہے۔  
 فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ  
 فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ  
 حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء - ۵)  
 وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
 اَمْرًا اَنْ يَكُوْنُوا لِحُكْمٍ مِّنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ  
 اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ صُلًّٰى سَبِيلًا (احزاب - ۵)  
 ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے تو ان کو اپنے کام کا امتیاز ہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا۔  
 یہ اطاعت اور مطلقاً سراسر نکلندگی اور تمام فیصلوں کے قطعی حق اور منصفانہ فیصلہ ہونے کی ربانی ذمہ داری ہر عالم وقت



۱۰۴ اور سلطان زمانہ کے لئے نہیں، یہ انبیاء کے لئے خاص ہے، دو شخصوں کے باہمی جزئی و شخصی مقدمات کا فیصلہ ظاہر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ وحی قرآنی کے ذریعہ نہیں کرتا تھا بلکہ رسول کے فہم نبوت، نور نبوت، فیض حکمت، شرح صدر تبیین حقیقت اور ارادت (دکھانا اور سوجھانا) کے ذریعہ فرماتا تھا، لیکن کلیات کی حیثیت سے وہ یقیناً وحی قرآنی کے مطابق ہوتا تھا اور ان کلیات کے مطابق ان جزئیات کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ آپ کو سوجھاتا تھا۔

آپ کے ان قضایا اور فیصلوں کی رہنمائی اطاعت ہر مسلمان پر قیامت تک ضروری ہے، آپ کی زندگی کے بعد ان فیصلوں کی اطاعت یہ ہے کہ اس قسم کے مقدمات اور معاملات میں ہم وہ ہی فیصلے جاری کریں جو آپ نے اپنی زندگی میں ان کے متعلق کئے، آپ کے فیصلے حکم خدا تعالیٰ سے پاک، ظلم سے بری اور بے انصافی سے منزہ تھے، اور دنیا میں رسول کے سوا کسی انسان کو اس بے گناہی اور عصمت کا درجہ اور رتبہ حاصل نہیں۔

**رسول کا وجود مستقل ہر ایت ہے** اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو امام و پیشوا اور مادی و رہنما فرمایا ہے یعنی نبوت اور وحی سے سرفراز ہونے کے بعد ان کی ذات مجسم ہدایت و رہنمائی اور امامت و پیشوائی کے لئے خاص ہو جاتی ہے، ان کی بعثت اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی فرمائیں اور ان کو ضلالت و گمراہی سے بچائیں، جس امت میں مبعوث ہوتے ہیں، اس کے سامنے ہدایت و رہنمائی کے دو چراغ روشن ہوتے ہیں، ان دونوں کی روشنی مل کر ایک ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنہیں مبعوث اپنی شہادت اور سازش سے گمراہ بنانا چاہتے تھے، خطاب کر کے فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّي طَلِيقُكُمْ فَمَن لَّيْقَا مَرَدًّا  
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ  
كُفْرًا بَلْ كُفْرًا وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُثَلِّقُونَ  
أَيْتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ (آل عمران - ۱۰)

اے مومنو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کا کمانا لو گے تو وہ ایمان لا چکے کے بعد تمہیں مرتد کر کے کافر بنا دیں گے اور تم کو کفر و کفر کرنا چاہیے، اور آل مائیکم کو اللہ کی آیتیں سناتی باقی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے۔

آیت کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوا کہ کفر سے بچانے والی دو مستقل چیزیں مسلمانوں کے پاس تھیں ایک تو آیات الہی جو انکو سناتی باقی تھیں اور دوسری خود رسول کا مستقل وجود جو اپنی تعلیم و تقیین فیض محبت اور اثر سے ان کو ہلکنے نہ دیتا اور ضلالت سے مانع آتا تھا، اگر صرف کتاب الہی اس کام کو انجام دے سکتی، تو رسول کے ذکر کی حاجت، بلکہ خود بعثت کی ضرورت کیا تھی، اس سے یہ واضح ہوا کہ اللہ کی کتاب صامت (قرآن) اس کی کتاب ناطق (رسول) سے مل کر اپنے طریقہ کو انجام دیتی ہے اور غالباً اس حدیث صحیح کے بھی یہی معنی ہیں جس کا اعلان آپ نے حجۃ الوداع سے واپسی میں اپنی وفات سے کچھ مہینوں پہلے فرمایا۔

اَف تَارِك فَيْكُمَا الثَّقَلَيْنِ كِتَابِ مُسْلِمَانِ فِي تَحَارِيرِ دَرَمِيَانِ دُوْ حَيْرِيں جَمْعُ مَرَاتِيں اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْذُ بِكَ مِنْ اَنْ يَكُوْنَا فَاكِلَيْنِ مِنْ اَمْنَيْنِ كَمَا كَانَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى مِنْ اَمْنَيْنِ (عقود - ۱)

کتاب اور اپنی سنت (یعنی اپنی عملی زندگی)

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا ظاہری وجود چھپ گیا مگر آپ کی عملی زندگی جس کو سنت کہتے ہیں، قائم رہی ہے اور وہ بھی قرآن کے بعد ہماری ہدایت کا دوسرا سرچشمہ ہے۔

**تذکرہ** انبیاء علیہم السلام کا علمنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصاً ایک اور انبیاء کی وصف تذکرہ ہے، تذکرہ کے معنی پاک و صاف کرنے کے ہیں، نبوت محمدیہ کے اس وصف کا ذکر ان آیتوں میں ہے جن میں آپ کی یہ توصیف کی گئی ہے، ایک رسول

۱۰۵ جو لوگوں پر خدا کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے، ظاہر ہے کہ آپ کا یہ تیسرا وصف دو پہلے اور صاف سے الگ ہے، یہ پاک و صاف کرنا آیات الہی کی تلاوت اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد ہی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی تعلیم و تربیت، فیضان محبت، حسن اخلاق، پند و موعظت اور تبلیغ و دعوت کی تاثیر سے جسے اچھے، بد نیک اور شرار اختیار بن جاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی ہر تاریخ اس واقعہ کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ ہر کار اور گمراہ قوموں میں مبعوث ہوتے، ہر طرح کی نڈیوں کی تکلیفیں سہیں، مصیبتیں بھیلیں اور آخر تاریکی کو روشنی سے، جہالت کو علم سے اور کفر کو توحید سے بدل کر رہے اور مدت تک ان کی تاثیر کا فیض جاری رہا، ان کا یہ وصف تزکیہ وحی والہام کے علاوہ ان کے جسم و جان اور زبان و دل کی کیمیا اثری کا نام ہے، خواہ ان کی زبان اس وقت وحی الہی سے مترنم ہو یا خاموش، ہر آن آقا با حق کی کز میں مطلع نبوت سے نکل کر دلوں کی سرزمین کو روشن کرتی رہتی تھیں۔

**نور** اسی لئے نبوت کا سیدہ صدق و صفا کا آئینہ ہوتا ہے، نبی کا جسم پیکر خلعت کدہ عالم کا چراغ اور علم و ہدایت کا مطلع نور ہوتا ہے جس طرح اس کا صحیفہ الہامی اور وحی ربانی نور ہوتی ہے، وہ خود بھی سراج نور ہوتا ہے جس سے اندھے دیکھتے گمراہ راہ پاتے اور ان کے طالب روشنی حاصل کرتے ہیں، خود آپ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَ  
مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذَانِهِ وَ  
بِسْرَاجٍ مُنِيرٍ (احزاب - ۶)

اے نبی! ہم نے تجھ کو بتانے والا، خوشخبری سنانے والا، چوک کرنے والا، خدا کی طرف اسکے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا۔

یہ اس پاس کی چیزوں کو روشن کرنے والا چراغ خود رسول کی ذات ہے، سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے جسم و جان از زبان و دل، خلق و عمل، علم و فہم میں روشنی نہیں تو آپ کی ذات جو ان ہی چیزوں کا مجموعہ ہے، روشن چراغ کیونکر ثابت ہوگی اور جب آپ کی ذات مبارک کی یہ تمام چیزیں انوار الہی ہیں، تو ان انوار میں سے ہر نور کی روشنی میں چلنا ہدایت ہے اور ان میں سے کسی سے قطع نظر کرنا بھی ظلمت کے ایک گوشہ میں قدم دھرنا ہے۔

**آیات و ملکوت کی رویت** جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی قوت سامعہ سے نڈائے غیب کو سنتے اور صلوات وحی کی سماعت کرتے ہیں، اس طرح ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھتی ہیں جو عام انسان نہیں دیکھتے حضرت ابراہیم کے ذکر میں ہے۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِي آدَمَ الْكُلُومَ وَمَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضِ وَلَيْكُوْنَنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انعام - ۹)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی ملکوت دکھاتے تھے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو۔

استعداد نبوت کی تربیت اور نشوونما کے لئے یہ رویت و بصیرت کی مافوق قوت ان کو عطا ہوئی، حضرت موسیٰ کو طور پر جو کچھ نظر آیا وہ جلوہ گری حسن و عشق کی مشور کمانی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدات روحانی کا تذکرہ معراج کے تعلق سے ان الفاظ بنا کیا گیا ہے۔

لَمَّا رَآهُ مِنْ اَيْتِنَا (اسراء - ۱۰) تاکہ ہم اس (رسول بندہ) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔



دوسری جگہ ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ مَا فَتَمَّرُوتُهُ عَلَىٰ مَا  
يُرَىٰ وَلَقَدْ رَاكَ نَزْلَةً أُخْرَىٰ (نجم-۱)  
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ  
الْكُبْرَىٰ (نجم-۱)

دل جھوٹ نہیں لہا اور اس نے دیکھا کیا اس پر اس سے جھوٹ  
ہو م اور دوسری بار اس کو اتھرتے دیکھا۔  
نگاہ نہ ہلکی اور نہ سرکش ہوئی اس نے اپنے رب کی بڑی  
نشانیوں دیکھیں۔

ایک اور مقام پر ہے۔

وَلَقَدْ رَاكَ بِأَلْوَفُقِ الْعَبَسِينَ (تجوید)  
یہ مشاہدہ وحی والہام کے علاوہ نبوت کے دوسرے حاسہ بصارت کے امتیاز کو ظاہر کرتا ہے۔  
اس طرح آیات و ملکوت کا مشاہدہ انبیاء کے حاسہ بصارت کا امتیازی وصف ہے اسی طرح غیب کی آواز اور وحی  
کی صدا کو سنا بھی ان کے حاسہ سماعت کا خصوصی امتیاز ہے قرآن پاک میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ انبیاء خدا سے  
ہم کلام ہوتے تھے اور وحی کو پاتے تھے، وَلَقَدْ عَلِمَ اللَّهُ مَوْسَىٰ تَحْتَ ثَمَرِ الْإِزْنَادِ (۱۲۳) اور خدا نے موسیٰ سے بات کی۔  
حضور کو حکم ہوا۔

وَلَوْ تَحَوَّلَ بِالنُّفُوسِ مِنْ قَبْلِي أَنْ يَعْصِيَ إِلَيْكَ  
وَحْيِي (زلزالہ-۶)

خدا نے پیغمبروں کو پکارا اور انہوں نے اس کی آوازیں سنیں نادرینا ہم نے پکارا، بار بار یہ مضمون قرآن میں پیغمبروں کے  
متعلق آئے ہیں۔

**تبلیغ و دعوت** انہی کا سب سے پہلا اور اہم فرض تبلیغ اور دعوت ہے یعنی جو پکائی اس کو خط سے ملی ہے اس کو دوسروں تک پہنچا  
دینا اور جو علم اس کو عطا ہوا ہے اس سے اوروں کو بہرہ ور کرنا، خدا کا جو پیغام اس تک پہنچا ہے وہ لوگوں کو سنا دینا  
اس نے اس کو جس صداقت سے سنا گا کہ اس سے اپنے ہم جنسوں کو باخبر کرنا، جو مالی، جانی، زبانی، دماغی، روحانی اور اخلاقی حالتیں  
اس کو بخشنی گئی ہیں ان کو اس راہ میں صرف کرنا اور اس بھاننے بھاننے اور راہ راست پر لانے میں صداقت کی ہر تاثیر سے کام لینا، اس  
اعلان اور دعوت میں جو تکلیفیں بھی پیش آئے اس کو راحت جاننا، جو مصیبت بھی درپیش ہو اس کو آرام سمجھنا، جو کاٹنے بھی اس وادی میں  
اس کے تلواروں میں چھین ان کو رگڑ گھل بھنا، اس حق کی آواز کو دہانے کے لئے جو قوت بھی سہاٹھائے اس کو کھل دینا، اور مال و منال  
اہل و عیال، غرض جو چیز بھی اس سفر میں سنگ راہ ہو کر سامنے آئے اس کو ہٹا دینا اور اس کی اس ساری کوشش و کاوش کا مقصد  
خدا کی رضا مندی، مخلوق کی خیر خواہی اور اپنے فرض رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

یہ ہے انبیاء کی تبلیغ و دعوت کا مضمون، دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے انہوں نے اپنے فرض کو اسی ایتار و قربانی کے ساتھ  
انجام دیا اور ایک لمحہ بھی اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی اور آج دنیا میں جو کچھ خدا کی محبت، جہانوں کا پیار، انسانوں کی ہمدردی  
بے کسوں کی مدد و غریبوں کی اعانت اور دوسری نیکیوں کا اس سطح زمین پر وجود ہے وہ سب بواسطہ یا بلا واسطہ، نالستہ یا نالستہ  
انہی کی دعوت و تبلیغ اور جہد و جہد کا اثر اور نتیجہ ہے۔

دنیا کے بڑے سے بڑے مفکر بڑے سے بڑے شاعر بڑے سے بڑے حکیم اپنا فرض خود سمجھ لیا یا زیادہ سے زیادہ  
دوسروں کو بھلایا سمجھتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام جس صداقت کو پاتے ہیں اس کو دوسروں کے بھاننے اور ہر ممکن طریق سے  
۳۱ کے چیلانے اور اہل دنیا کو اس کے بار آور کرانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہیں، وہ ہر مشکل کو جھیل کر نافرمانی کو  
حقیقت سمجھاتے اور اندھوں کو راہ راست دکھاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی تعریف میں خدا فرماتا ہے۔

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ  
وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ  
حَسِيبًا (احزاب-۵۰)

جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچانے میں ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں  
اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ بس ہے حسابہ  
(اعمال) کے لئے۔

حضرت موسیٰ کو حکم ہوتا ہے۔

اِذْ هَبْ إِلَىٰ قَوْمِكَ إِنَّكَ طَلْعِي (ذکر)

فرعون کے پاس جا کر اس نے سرکشی کی۔  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ پیغام ربانی کی بے محابا تبلیغ کریں اور دشمنوں سے نہ ڈریں کہ ان کی حفاظت  
کا خود دشمن شاہ دو عالم ذمہ دار ہے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ  
وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ لَمََّا يَلْعَنُ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ  
يُعَذِّبُكَ مِنَ النَّاسِ زَمَانًا (۱۲۰)

اے پیغمبر! خبر دے کہ اس سے جو تیری طرف آتا ہے اس کو پہنچا  
دے اور تو نے نہ کیا تو اس کے پیغام کے پہنچانے کا فرض ادا نہیں  
کیا اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بھلے گا۔

انبیاء کی تبلیغ و دعوت میں تبشیر اور انذار دونوں ہوتے ہیں، تبشیر یعنی بشارت دینا اور خوشخبری سنانا اور انذار یعنی عذاب  
کے جلال سے ڈرانا، عذاب الہی کا خوف دلانا اور لوگوں کو ان کے انجام بد سے آگاہ کرنا، اور انبیاء کی آہ اس شان سے ہوتی ہے  
کہ خدا کی محبت بندوں پر تمام ہو جاتے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِيُؤْمِنُوا بِاللَّهِ  
عَلَىٰ اللَّهِ تَحِيَّةٌ لِّعَدَا الرُّسُلِ (نہ-۱۲۳)

ان سب نے پیغام الہی پہنچانے کے ساتھ اپنی خیر خواہی، دلسوزی و اخلاص مندی کا اعلان کیا۔  
میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا  
امانت دار خیر خواہ ہوں۔

اے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کا پیغام تم کو پہنچا دیا، اور  
تمہاری خیر خواہی کو چکا لیکن تم خیر خواہوں کو پیار نہیں کرتے،  
اے میرے لوگو! میں نے اپنے رب کے پیغام تم کو پہنچا دیا اور  
تمہاری خیر خواہی کو چکا تو پھر کیسے نہ ماننے والے لوگوں پر میں  
غم کھاؤں۔



یہ بھی فرمایا کہ۔

لَا تَسْأَلُوهُ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى  
الَّذِي فَطَرَنِي زُحْرَد-۵

میں اپنی نصیحت کی تم سے مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو  
اس پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا

لَا تَسْأَلُوهُ عَلَيْهِ مَاذَا آتَىٰ الْخَيْرِ  
إِلَّا عَلَى اللَّهِ زُحْرَد-۳

میں اپنی تبلیغ کے بدلہ تم سے مال و دولت کا خواہاں نہیں ہوں  
میری مزدوری تو خدا پر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ اس سلسلہ میں ہم کو ایک اور غلط فہمی کو دور کرنا ہے جو بعضوں کو حضور کی صفت تبلیغ کے سمجھنے میں پیش آتی ہے  
قرآن مجید میں متعدد آیتیں اس معنی کی آتی ہیں کہ رسول کا فرض صرف پیغام پہنچانا دینا و ابلاغ ہے اس سے کچھ کل کے  
بعض کوتاہ بینوں کو یہ دھوکا ہوا کہ رسول کا فرض صرف وحی الہی کی تبلیغ ہے یعنی قرآن پاک کے الفاظ کو بعینہ انسانوں تک پہنچانا  
اس کا کام ہے۔ اس کے معانی کی تشریح اور مطالب کی توضیح نہ اس کا منصب ہے نہ اس کا اس کو حق ہے ان کے نزدیک مبلغ  
رسول کی حیثیت صرف ایک قاصد اور نامبر ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ خط تو پہنچا دیتا ہے مگر اس خط کے مفہوم و معنی کی تشریح  
کا اس کو حق نہیں ہوتا بلکہ اس کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس بند لفظ میں کیا ہے۔

شاید ان کو یہ دھوکا اس آیت کے علاوہ لفظ رسول سے بھی ہوا ہے جس کے لفظی معنی پیغامبر اور قاصد کے ہیں لیکن وہ لوگ  
یہ خیال نہیں کرتے کہ جہاں اس کو رسول کہا گیا ہے نبی (خبر پانے والا) بھی تو کہا گیا ہے، بشر (خوشخبری سنانے والا) نیز (ڈرانے والا)  
سراج منیر (رشتہ کننے والا) اور (صاحب حکمت، صاحب خلق عظیم، صاحب مقام محمود، مجتبیٰ مقبول) مصطفیٰ (برگزیدہ) مبین (بیان اور  
شرح کرنے والا) معلوم رکھانے والا، مزل (پاک و صاف کرنے والا)، داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) حاکم (فیصلہ کرنے والا) مطاع  
(واجب اطاعت) و غیرہ معنی دینے والا اور نہ ہی (رد کرنے والا) بھی تو کہا گیا ہے، کیا یہ اوصاف و القاب اس کی اسی حیثیت کو ظاہر کرتے  
ہیں کہ وہ صرف ایک پیغام پہنچانے والا قاصد ہے جس کو اصل پیغام کے مفہوم و معنی سے ایک معمولی قاصد اور نامبر کی طرح کوئی سروکار نہیں  
اس کے پیغام کے مفہوم و معنی کی تشریح و تفسیر کا کچھ تو ہر عربی و اقوامی حاصل ہے اور اس کی اصل حقیقت تک پہنچ جانے کا ہر مدعی کو  
دھڑی ہے مگر وہ صاحب پیغام کا اپنی پیغامبری کے وقت نہ مفہوم و معنی کا علم تھا اور نہ اس کی تشریح کا اس کو حق تھا، اِنْ هَذَا الشَّيْءُ  
فَجَابَتْهُمُ لِي فِيهَا صَفَاتٌ فِي جَوْكٍ لَّكُلِّهَا اس سے اس غلط خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے۔

ان کے اشتباہ کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اسلام میں شرع اور وضع قانون کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کیا گیا ہے کہ وہی اصلی  
شارع ہے، اب مگر رسول کے لئے بھی وحی کتابی سے الگ شرع بنانے کا حق تسلیم کیا جاتے تو خدا کے سوا ایک اور شارع تسلیم کرنا ہوگا،  
اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم رسول کو شارع نہیں شارع قرار دیتے ہیں، کیا عدالت کی کرسی پر مجھ کر جج جب حکومت کے قانون کی  
توضیح و تشریح کرتا ہے، تو وہ اپنے اس عمل سے سلطان وقت بن کر وضع قانون کا منصب حاصل کرتا ہے یا صرف قانون کے  
مفہوم کا شارع ہوتا ہے، یہی حیثیت آسمانی عدالت کے اس قاضی کی ہے جس کو ہم نبی اور رسول اور معلم اور مبین کہتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر پیام اور مقصد اور مفہوم اور فیصلہ سے صرف وحی کے اسی طریق خاص کے ذریعہ اپنے پیغام  
کو مطلع نہیں فرماتا جس طریق خاص سے قرآن مجید نازل ہوا ہے بلکہ وہ اپنی تینوں قسموں کے ذریعہ سے اپنے اغراض اس رسول پر واضح  
کرتا ہے اور ان میں سے ہر طریق کی وحی کی اطاعت قائم امت پر فرض ہے خواہ وہ وحی ہو جو الفاظ الہی کی قید کے ساتھ آتی ہو، جس

کو قرآن کہتے ہیں، یا ربانی مفہوم و معنی رسول کے الفاظ میں ادا ہوں، جس کو حدیث و سنت کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ خواہ وہ کتاب الہی  
کے ذریعہ ہو یا حکمت ربانی کے فیض سے ہو۔

قرآن مجید کی وہ آیتیں جن کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہے، ان کا یہ فضا نہیں کہ وہ صرف پیغام پہنچا  
والا ہے، خوشخبری سنانے والا نہیں، ہشیار و بیدار کرنے والا نہیں، پیغام الہی کے الفاظ سنانے کے بعد ان کی تعلیم دینے والا  
نہیں، آیات الہی کی تبیین و تشریح کرنے والا نہیں، رہنما و ہادی نہیں، بھانستوں سے پاک و صاف کرنے والا نہیں، ایسا کائنات  
کا انکار اور عقل و فہم کا ماتم ہے، قرآن میں کئی جگہ ہے۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ (ص، رد، نازعات)

تو تو صرف ڈرسانے والا ہے

ایک جگہ ہے۔

إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ (ص-۵)

میں تو صرف ڈرسانے والا ہوں۔

کیا ان آیتوں کا مفہوم یہی ہے کہ ڈرسانے کے سوا رسول کا کام بشارت اور خوشخبری سنانا نہیں اور وہ صرف منذر ہے  
بشر نہیں، اصل یہ ہے کہ اس قسم کی آیتوں

إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْعَبِيْنُ (مائدہ)

ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچانا ہے۔

کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ صرف پیغام رسال اور قاصد ہے مبین اور شارح نہیں بلکہ یہ ہے کہ اس کا کام صرف خدا کا پیغام پہنچانا  
ہے، زبردستی لوگوں کے دلوں میں اس پیغام کا آثار دینا نہیں، بزور لوگوں کو مسلمان بنادینا نہیں، جبراً مسلمان نہیں، اور پیغام پہنچا  
دینے کے بعد لوگوں کے کفر و انکار اور عدم ایمان کی ذمہ داری اس پر ہے، قرآن میں جہاں جہاں اس معنی کی آیتیں آتی ہیں ان کا فضا  
یہی اور صرف یہی ہے، قرآن پاک کی تیرہ مختلف آیتوں میں یہ بات کہی گئی ہے اور ہر جگہ یہی ایک مفہوم ہے۔

وَقُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَوْ تَوَّابُ الْكِتَابِ وَالَّذِينَ آمَنُوا

کتاب والوں اور ان پڑھوں سے کہہ دے کیا تم نے اسلام

قَابَتْ أَسْلَمُوا فَتَقَدَّاهُمْ تَوَّابُ الْكِتَابِ

قبول کیا، اگر کیا تو ہدایت پاتی اور اگر منہ پھیرا تو جگہ پر

تَوَّابُ الْكِتَابِ وَالَّذِينَ آمَنُوا

(اے رسول) صرف پیغام پہنچانا ہے اور انہیں بندوں کا دیکھنے

بِالْعِبَادِ (آل عمران-۲۰)

مفہوم بالکل صاف ظاہر ہے کہ اسلام کی ہدایت قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں، اگر لوگ قبول کریں تو انہوں نے حق کی راہ  
پاتی اور اگر انکار کریں تو رسول کا کام صرف پیغام پہنچانا تھا، وہ اس نے پہنچا دیا، اس کا فرض ادا ہو چکا اب خدا جانے اور جسے جسے جائی  
فَاتَمَّاعِلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ

تو تیرا فرض صرف پیغام پہنچانا ہے اور ہمارا فرض ان سے

(رد-۶)

اس کی مزید تفصیل سورہ غاشیہ میں ہے۔  
فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ مَّنْ كُنْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَوِّطٍ  
إِلَّا مَن قَوْلٍ وَكَفَرْنَا فَنُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ الْعَذَابَ  
الْكَبِيرَ اِنْ إِلَيْنَا يَأْتِيهِمْ شُعَارٍ

تو اے پیغمبر! تو نصیحت کر، تو تو صرف نصیحت کرنے والا ہے  
ان پر اور وہ نہیں لیکن جس نے منہ پھیرا اور انکار کیا تو خدا اس  
کو بڑی سزا دے گا، بے شک پھر وہی ہی طرف لوٹ کر آئے گا۔



فَلْيَنَاصِبْهُمْ (فاشيه)

ہَلِیْنَا حَیَّابَلُّہُ (غاشیہ) اور ہمیں پر ان کا حساب ہے  
یہی مضمون سورۃ شورخی میں ہے کہ رسول کا کام صرف بھجانا اور تبلیغ کرنا ہے، وہ سلطان، کارفرما اور فرماں روا بنا کر نہیں

فَإِنْ أَعْرَضُوا عَنْكَ أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا  
إِنْ عَلَيْكَ إِذْ الْبَلَاءُ شَرِيرٌ (۵)

تو اگر وہ انکار کریں تو ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان بنا کر منین بھیجا  
تیرا کام صرف پہنچا دینا ہے۔

کافروں نے جب کبھی رسولوں کو قتل کیا، انہوں نے یہی کہا کہ ہمارا کام پہنچا دینا ہے، امانے نہ ماننے کا تمہیں اختیار ہے۔  
 قَالُوا مَا أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنزَلَ الرَّحْمَنُ مِن شَيْءٍ إِنَّا أَنتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ قَالُوا رَبَّنَا  
 بَلِّغْنَاكَ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَعُوسُونَ وَمَا عَلَيْنَا أَنِ الْبَلَّغُ  
 الْمُعِينِينَ (یونس - ۲)

خود اللہ تعالیٰ نے بھی رسولوں کو تسلی دی ہے کہ ان منکروں کے انکار سے دل شکستہ نہ ہوں، اگلے پیغمبروں کے منکروں نے بھی یہی کیا تھا، پیغمبروں کا فرض لوگوں سے منوانا نہیں بلکہ ان تک خدا کا پیام پہنچانا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا حَبَدْنَا  
مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا  
آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ لَا  
كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ  
إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (رملہ ۵)

وَإِنْ تَكْذِبُوا فَعَلَا كَذَبَ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (عنکبوت - ۲۰)

رسول کا کام پہنچا دینا ہے، باقی غلام الغیوب جو چاہے سو کرے۔  
 مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يُلَاقِي مَنِ بَدَّ وَنَ  
 رسول پر نہیں ہے لیکن پہنچا دینا، اور اللہ جانتا ہے جو تم فہر کرنا  
 ہو اور جو چاہتے ہو۔ (ماہ ۱۳)

بقیائیں حسب ذیل ہیں جو ایک ہی مفہوم کو ادا کرتی ہیں۔

وَالطِّيعُوا اللَّهَ وَالطِّيعُوا الرَّسُولَ وَآخِذُوا  
بِأَنْ تُولِيَتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا  
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (مائدہ ۱۲۰)

اور اللہ کا فرمان اور رسول کی بات مانو اور بچو، ادا کرو  
تم نے منہ پھیرا تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف کھل کر  
پہنچا دینا ہے۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا  
فَأِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ

وَاِنْ طَائِفَةٌ لَا تَهْتَدُوا فَمَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا  
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نور،)

ہے اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ ہم پر ہے اور اگر اس کی اطاعت کرو گے  
تو ہدایت پاؤ گے اور رسول پر نہیں، لیکن کھول کر مہینچا دینا۔

کَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكَ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ (مغل: ۱۱)

اسی طرح اللہ تم پر اپنا احسان پورا کرے گا تا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور اگر انھوں نے منہ پھیرا تو تجھ پر کچھ نہیں ہے مگر کھول کر سنبھا دینا۔

وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا  
عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (تغاب: ۲)

اور خدا کا کمانہ اور رسول کی فرمانبرداری، اگر تم نے منہ پھیرا تو  
ہمارے رسول پر صرف کھلی کر سہنپا دینا ہے۔

پہنمبر کا قول ہے۔  
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ  
إِلَيْكُمْ (ہود-۵)

تو اگر تم منہ پھیرو تو میں جو پیام دے کر تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہی  
سننے تم کو پہنچا دیا یعنی میرا فرض ختم ہو چکا

ان تمام آیتوں کا تعلق نبوت کے منکروں سے ہے یہاں یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو کچھ نبوت کے منکر ہوں ان سے رسول کا تعلق صرف تبلیغ و نصیحت، پسند و موغلت اور کھانے کا ہے لیکن جو خوش قسمت اقرار نبوت کی سعادت حاصل کر لیں تو پھر (کا تعلق) رسل سے اتباع و پیروی اور اطاعت کا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد رسول ان کو تبلیغ ہی نہیں بلکہ امر و نہی بھی کرتا ہے، کوئی حکومت دوسرے ملک کے باشندے کو زبردستی اپنی رعایا نہیں بناتی، لیکن اگر کوئی شخص از خود اس حکومت کی رعایا بن جائے تو پھر اس کو اس کے قانون کی پیروی پر مجبور کیا جائے گا کہ رعایا بننے کے معنی ہی اس کے قانون کے قبول کرنے کے ہیں۔

انبیاء کی تعلیم کا امتیازی نتیجہ دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے وہ ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ لے کر آئے، وہی توحید وہی نبوت وہی عبادت، وہی اخلاق، وہی جبر و سزا اور عمل کی پریش، اس لحاظ سے انبیاء کی تعلیم میں کوئی اصول فرق نہیں، اس لئے فرمایا کہ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا ءَايَةً۔ یعنی خدا نے تمہارے لئے وہی دین مشروع کیا جو نوحؑ کو دوسرے پیغمبروں کو دیا تھا اور اسی کا نام اسلام ہے، لیکن انبیاء کی تعلیم کا اہم لاصول اور سب سے ضروری جبر توحید ہے اور وہی نبوت کے سارے اصل اور انبیاء کے سارے اصول ہیں۔

محکم ہے کہ دنیا میں اسلام سے پہلے بہت سا چمے لوگ گزرے ہوں اور ان کی دعوت بھی مفید ہوان کے اطلاق و مطلق  
دل پسند ہوں۔ وہ یونان کے حکیم ہوں یا ہندوستان کے اوتاریکین ان کی تعلیم میں اگر توحید کی دعوت شامل نہیں تو وہ نبوت کے رتبہ کے  
تمام نہیں رکھ سکتے تھے کہ یہ اللہ ہی تو خدا کی دعوت ہے، اگر نہ نہیں تو نبوت بھی نہیں فرمایا۔

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن اس کو یہودیوں کی  
میرے سوا کوئی معبود نہیں، میری ہی پرستش کرو۔  
اور ہر قوم میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ خدا کی عبادت کرو اور  
بتوں سے پرہیز کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمی حیثیت سے نبوت کی شناخت اسی سے ہوسکتی ہے اسلام سے پہلے جس مدی نبوت کی یہ



اہم ترین جزو توحید نہیں، اس کو دعوائے نبوت کا کوئی حق نہیں۔

نبوت کی غرض و غایت | انبیاء علیہم السلام کی آمد کی غرض و غایت کو شاعرانہ زبان اور خطیبانہ جوش بیان میں بہت کچھ بتایا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ان انفرادی کو گناہا عاتے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دولم کی وحی مبارک کی زبانی سے ادا ہوتے ہیں، اصل دعویٰ وہی ہے جس کو مدعی ظاہر کرتا ہو نہ کہ گواہ۔

انبیاء کی بعثت کی سب سے پہلی غرض اس روز الست کے مجملے ہوئے ازلی عہد و پیمان بندگی کی یاد دہانی ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بُنَىٰ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَنزَلْنَاهُمْ فِيهَا

ذَرِّبْهُمْ وَاتَّبِعْهُمْ عَلَىٰ أَلْسِنِهِ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ لَكَ دُونِي حَقٌّ وَلَا يَسْمَعُونَ

عبداللہ اور ان کو خود پسند اور پراپ کو اکیلا کہ کیا میں تمہارا پروردگار

بَرِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ لَقَوْا يَوْمَ  
الْبَاقِ أَكْأَعْيُنُهُمْ أَغْفَلُونَ

اس لئے ضرور ہوا کہ ان کو موقع بموقع ان کا یہ وعدہ یاد دلایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول کی بعثت کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اس کا وجود بنی آدم پر اتمام حجت ہے، ممکن ہے کہ

آدم کے فرزند یہ بجا ہند کریں کہ ہمارے پاس کوئی یاد دلانے والا نہیں آیا اس لئے فرمایا۔

رَسُولٌ مُبَشِّرٌ وَمُنْذِرٌ إِنَّ إِلَهًا لَيَكُونُ  
الْأَمْرُ هَهُنَا أَفْأَنْ تَتَّبِعُوا الْاِسْطِثْنَانِ

تذکرہ کے مصنف کا فرض اولیٰ مرتبہ اور دستیار۔

لئے ایک آیت میں نبی اور رسول کے لئے لادھی کا لفظ آیا ہے، فرمایا۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ حَادٍ (ص ۱)

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ  
سُورَةُ الْفَاتِحَةِ بِمِثْلِ

وَجَعَلْنَاهُمْ اٰيَةً يَتَذَكَّرْنَ اَمْرًا۔ اور ہم نے ان سے مخلوق کو اس امتیاز بنا دیا۔

(افنیاء - ۵)

راہ دکھاتے تھے۔

اسی طرح ان آسمانی کتابوں کو جو ان کو دینی تعلیمیں بار بار پڑھتی رہیں

[illegible]

لوگ جب فاسد خیالات، بیہودہ افکار اور سودا گمار کی تہذیبوں میں مضمرات کا فہم حاصل کرتے ہیں تو ان کے اندر جو کچھ کمال کی روحانی زندگی میں ملتا ہے

جاتے ہیں، انبیاءِ سامانہ حصول کے ہاتھ پکڑ کر ان کو غلام

حق اور خلعت کے بجائے نور عطا کرتے ہیں۔

هو الذی یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهِ اٰیٰتِہٖ بُیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَہُمْ

۲۱۔ دنیا کی نعمات صرف امتداد میں ہے، جب کبھی مزاج انسانی کی طرح اس کے ان عناصر میں جن سے اس کی ترکیب ہوئی ہے

افراط و تفریط پیدا ہوگی اور سب سے زمین پر فساد رونما ہوگا، انسانی جماعتوں اور قوموں میں بھی یہ ترازو جب اعتدال کے معیار پر پوری نہ

ہوگی کبھی دونوں پتے برابر نہ ہوں گے آسمان سے زمین تک ایک ایک ذرہ اعتدال کی ترازو میں تولا ہوا ہے کیسٹری اور علم الفلك

کا واقف کار اس ترازو کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور حیرت کرتا ہے کہ کہیں ایک ذرہ لکمی بیشی نہیں ہے جس طرح اس مادی

دنیا میں یہ حیرت انگیز نوازن ہے، ٹھیک اسی طرح رومانی اور اخلاقی دنیا میں بھی اس نوازن کی ضرورت ہے، عقائد ہموں کے

عبادات، اعلان ہوں کہ معاملات، اسی کو ارن کا نام ہے اور اصل ہے سرمایہ

وَأَقِيمُوا الزَّانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (رحمن - ۱)

یہ توازن اور برابر قول جو بے ارادہ اور بے اختیار دنیا کے ذرہ ذرہ اور اس کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام میں خالقِ فطرت



حسن خلق کی تعلیم، تبلیغ اور دعوت ان ہی کی زبانوں سے ہو رہی ہے جو رسولوں کے پیرو اور پیغمبروں کے تابع ہیں جو عقیدہ کے ملحد ہیں ان کو بھی نیکو کاری ان ہی پیغمبروں کے نادانستہ فیضانِ تعلیم کا نتیجہ ہے، اس بنا پر جو لوگ ذہنی طور پر پیغمبروں کے منکر ہیں وہ بھی عملی طور سے ان کی تعلیم کے مقرر اور معترف ہیں، اس لئے انبیاء کا وجود تمام دنیا کے لئے رحمت بن کر ظاہر ہوا ہے اور قرآن نے آسمانی کتابوں کو بار بار رَحْمَةً وَهُدًى رَحْمَت اور رہنمائی کی غرض سے بھیجنے کا جو اعلان کیا ہے وہ تمام تر اسی غرض و غایت کی تشریح ہے اور اسی لئے خاتمِ نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات تمام عالم کے لئے رحمت بن کر آئی، خزانے فرمایا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء)

اور ہم نے تجھ کو اسے محمد تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

**تائید و نصرت** انبیاء علیہم السلام جو مقصد لے کر آتے ہیں، خواہ کسی قدر خشکات پیش آئیں، کتنی ہی رکاوٹیں ہوں، کتنی ہی تکلیفیں اور زحمتوں کا سامنا ہو، بالآخر وہ مقصد کامیاب ہی ہوتا ہے، پیغمبروں کی سیرت اور ان کی دعوت کی تاریخ خود اس دعویٰ پر گواہ صادق ہے، قرآن نے کہا۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا لِّكُلِّ بَلَدٍ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ثُمَّ أَغْلَقْنَا الْبَابَ عَلَى الْمُقْسِطِينَ وَأَلْقَيْنَا لَمُصَّوِّرَاتِهِ يَوْمَ نُحْشُرُ الْمُؤْمِنِينَ فِي جَنَّاتٍ نَّارُهَا سَامِيَةٌ (سجۃ ۵)

اور ہماری بات اپنے رسول بندوں کے لئے پہلے ہی طے ہو چکی ہے کہ یقیناً انہی کی مرد ہوتی ہے اور ہمارا ہی لشکر غالب ہوتا ہے۔

صرف اس دنیا میں بلکہ حشر کے دن بھی انہی کو اور ان کے ذریعہ اہل ایمان کو کامیابی ہوگی۔

لَمَّا لَفِئْنَا رَسُولَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَفَاةً وَيَقْبِضُ السُّلَيْمِينَ مَعْذِرَتَهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ الْآخِرَةِ (مومن ۱۰)

بے شبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد اس دنیا میں کرتے ہیں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے جس دن گنہگاروں کو ان کے بہانے کام نہ دیں گے ان پر چھپکار ہوگی اور ان کے لئے برا گھر ہوگا۔

پیغمبروں پر ایسے بھی سخت وقت آتے ہیں، جب ان کو اپنی قوم کے قبولِ ہدایت کی طرف سے پوری مایوسی ہو جاتی ہے اور امیر کی روشنی کسی طرف سے دکھائی نہیں دیتی اور غلاب میں دیر ہونے کے سبب ان کے حکم پر سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کو غضب کی دھمکی بھوٹ دی گئی تو دفعۃً امید کا دروازہ کھلتا ہے اور خدا کی تائید و نصرت کے پرے اس طرف آتے دکھائی دیتے ہیں کہ صلح لوگوں کے دل قبول کے لئے کھول دیتے جاتے ہیں اور معاندوں پر کسی دھمکی کی طرح غلاب آکر ان کا استیصال ہو جاتا ہے، فرمایا۔

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَرَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا آلِهَتَهُمْ فَهُمْ نَصْرًا (یوسف ۱۱۳)

یہاں تک کہ پیغمبروں کو اپنی قوم کے ایمان سے مایوسی ہونے لگی اور ان کے منکروں کو یہ خیال ہونے لگا کہ ان سے بھوٹ لگایا تو ہماری مدد آگئی۔

اللہ تعالیٰ کی اسی تائید و نصرت اور حفاظتِ دعوت کا یہ یقین ان کو ہوتا ہے کہ وہ ہر مشکل کو اس راہ میں جھیل لیتے ہیں اور اپنے رسول کو تھیلیوں پر لئے پھرتے ہیں، مخالفوں کی فوج و لشکر تیغ و خنجر اور خوف و خطر کے باوجود اپنی دعوت و تبلیغ کے فریضے سے باز نہیں آتے اور کسی دام پر بھی مخالفوں سے صلح پر آمادہ نہیں ہوتے منکروں کو شروع شروع میں ان کی ظاہر بچا رگی اور

تنہائی کو دیکھ کر، ان کی ناکامی کا گمان ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے سونپنے کی تزدید کر کے فرماتا ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُ رُسُلِهِ (ابراہیم ۵)

سو مت خیال کر کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔

ازل کے دن ہی یہ قانون بن چکا ہے کہ سچائی کسان بیکار کرنے والوں ہی کو آخر حجت ہوگی۔

كَتَبَ اللَّهُ لَأُولَٰئِكَ أَنَا دُورُ سُبْحَىٰ (مجادلہ)

اللہ لکھ چکا کہ میں ہی غالب ہوں گا اور میرے رسول۔

**خاتمہ** اس تفصیل اور تشریح سے مقصود ناظرین کو نبوت کے اصلی کمالات کا ایک جلوہ دکھانا تھا۔

فلسفی را از پیسبر و شناس	آبگینہ راز گوهر و شناس
آبگینہ را نہ پنداری بدست	جز دے کہ گوهرے آری بدست
چوں گہر آمد بدست شب چراغ	آبگینہ شد سیہ چوں پیر زانغ
فلسفی اندر رنج چہ او نثر مند	زرد باں دار و بخور شید بلند
زرد بانٹ می برد تا چند ارتس	پس بخاک افتد نگوں گشتہ سرتس
واں پیسبر خود ز باہم آسمان	رشتہ انگندہ سوتے خاکیاں
رشتہ جاں را بدین رشتہ تباب	پس بر آتا بارگاہ آفتاب
ز آسمان پیسبر آواذت دم	فلسفی از خاک پروازت دم

ایں زرد ورت رہ نہاید سوتے جاں  
واں نخواند خود ترا از کوتے جاں

ۛ



# شَبِ ظَلَمْتُ

پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت

اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کی ہر شے اپنے منہ سے پہچانی جاتی ہے، بارش کی خشکی سخت اس کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے، روشنی کی پوری قدر شب تاریکی میں ہوتی ہے اور فضا جس قدر تاریک ہو، بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشاں نظر آتی ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر اصلاحی تحریک کی وقعت اور عظمت کے جانچنے میں یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ دنیا اس وقت کتنی گمراہی میں مبتلا اور اصلاح کی محتاج تھی، اور ایسی اصلاح کی محتاج تھی، جس کے لئے پیغمبرانہ دست و بازو کی حاجت تھی اور وہ بھی ایک ایسے پیغمبر کے دست و بازو کی جس کے متعلق خود خدا یہ فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنْ يَأْمُرُكَ اللَّهُ  
يُؤْتِرُوكَ بِمَا تَهْتِكُ بِهِنَّ سُبُوحَاتُكَ  
بِأَنَّهُمْ يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ

اسلام یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور تعلیم کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کی ایک عظیم الشان روحانی و اخلاقی و معاشرتی دعوت تھی، اس بنا پر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی؟ اس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک ایسا کربا رمنی تھا جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا تو بالکل سچ ہوگا، تمام دنیا میں سچے اور صحیح عقیدہ کا کہیں وجود نہ تھا، توحید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ محروم تھا، مصر و یونان و روم میں سورج چاند اور مختلف سیاروں اور ستاروں کی غنائی تھی، ان ہی کے معبد تھے اور ان ہی کے ہموں پر بے گناہ انسانوں اور جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں، ہر جگہ پتھر کی مورتوں اور مٹی کی صورتوں اور سونے چاندی اور جواہرات کے بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔

اس وقت کی دنیا میں اخلاق کے تین معلم تھے رذائق عیسائی اور بودھ مت کے پیرو اور یہ قینوں کے تینوں تجر و نہایت اور جوگی بن میں مبتلا ہو کر اس طرح غش و غفل ہو گئے تھے کہ دنیا کا دست ترقی شل ہو کر رہ گیا تھا اور ایسی سخت سنگدلانہ ریاضتوں کو نیکی اور عبادت کا مترادف سمجھ کر کھانا کھانے کے آج ان کی تفصیلات سننے سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ مسیح نے چھ صدی قبل از کریستوس کے کچھ درس دیے تھے لیکن مدت ہوئی دنیا اس سبق کو بھلا چکی تھی یہ بھی سچ ہے کہ موسیٰ نے اس سے بھی پیشتر ہدایت و نجات کی ایک شمع جلائی تھی، لیکن فتنوں اور ہنگاموں کی آمد بھی میں چراغ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا اور پھر یہ بھی سچ ہے کہ مدت مدید ہوئی کہ زردشت نے رومانیست کی آگ سلگائی تھی، لیکن یہ شعلہ بھی انسانی خون کے جبینوں سے سرد ہو چکا تھا، یہ بھی سچ ہے کہ اس سے پہلے بودھ نے آریہ رت کے پہاڑوں اور غاروں میں روح کا دارالامن ڈھونڈ نکالا تھا مگر حوادث کے طوفان نے ان پہاڑوں کو بے نام و نشان صحرا اور ان غاروں کو درندوں کا جمعہ بنا دیا تھا، ہر قوم دوسری قوم سے برسرِ پیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا، حرص و طمع اور کشت و خون کی گرم بازاری تھی نفس انسانی کی ملوثی خفاقت جذبات خبیثہ کے دیوتا کے سامنے پامال ہو چکی تھی، عدل و راستی اور پاکبازی و پارسائی کے عطر سب

کی خوشبو انسان کے چہرہ خاکی سے اڑ چکی تھی، توحید اور رپرستی کا نور دلیوتاؤں، دیسیوں، ستاروں، شمشیدوں، ولیوں اور بمبوں کی پرستش کی عالمگیر تاریکی میں بھپ گیا تھا، غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے کہ کوئی عالم کا مصلح، اخلاق کا معلم، حق کا داعی، بنی نوع انسان کا نجات دہندہ آخری بار وجود میں آئے اور انسانیت کے شیرازہ میں جو عرصہ دراز سے پراگندہ اور منتشر ہو رہا تھا پھر نظم و انتظام پیدا کر دے اور روحانیت و خدا پرستی کے خزاں رسیدہ بلبل کو از سر نو پر بہار بلبلکہ سد بہار اور دنیا کے ظلمت کدہ کو پھر مطلع انوار بنا دے۔

یہ اس عہد کی دنیا کی حالت کا ایک اجمالی خاکہ تھا تفصیل کے لئے ہمیں مختلف قوموں اور ان کے مذہبوں میں سے ایک ایک قوم اور اس کے مذہب کی تاریخ پر نظر کرنی چاہیے۔

ظہور اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی اور مذہبی حالت کیا تھی؟  
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت مصر یونان، کلدانیا، اسیریا اور بابل کی عظمت افسانہ پارینہ کی چمکی تھی، خود عرب و مضافات عرب میں جو نامور حکومتیں کہیں تھیں مثلاً نابتی، حمیری، سبائی وغیرہ مدت گزری ان کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

ان موقع پر صرف یہ دیکھنا مقصود ہے کہ صبح سعادت کے طلوع کے وقت کون کون سی قومیں دنیا میں کمران تھیں اور ان کی مذہبی و اخلاقی حالت کیا تھی اور دنیا کے مذہب اس وقت کی روحانی حالت کے سمجھانے کی کہاں تک استطاعت رکھتے تھے، اس وقت روئے زمین کی اہم طاقتیں دو ہی تھیں، فارس اور روم۔ فارس کا مذہب مجوسیت تھا جس کا دائرہ عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحد تک محیط تھا اور روم کا مذہب عیسوی تھا جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تینوں براعظموں کو گھیرے تھا، لیکن مذہبی حیثیت سے دو اور قومیں بھی ذکر کے قابل ہیں جن میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ قدامت کا دعویٰ ہے اور وہ یہود اور ہندو ہیں۔

عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس تھی، جس کے تمدن کا ستارہ ایک زمانہ میں ادب کمال پر تھا مگر عہد بعثت سے مجموعہ فارس سوڈینہ سوہرس پہلے سے ساسانی شان و شوکت اور کیانی جاہ و جلال ٹٹتے ٹٹتے سایہ سارہ گیا تھا، مسلسل بناؤتوں، سفاک و خون ریز لویوں اور سیاسی بد امنیوں نے اس کو تہ و بالا کر دیا تھا، بادشاہوں کے ظلم و ستم اور امراء کی عیاشیوں اور خود غرضیوں نے صداقت، اخلاص اور ہر قسم کے اخلاقی جوہر کو جس کے خمیر سے قوم کی زندگی تعمیر ہوتی ہے فنا کر دیا تھا۔

ایران میں بابل کے اثر سے ستارہ پرستی بہت عام تھی، اسی کا اثر ہے کہ فارسی لٹریچر میں افلاک اور ستاروں کی کار فرمائی آج تک نمایاں ہے زردشت نے اس تاریکی میں اپنی آگ روشن کی، اور نور و ظلمت، باخیر و شر کے دو خالق یزدان و اہرن اس کے دو خدا اور آگ اس کی بھو دہنی، اسلام سے کچھ صدیاں پیشتر مانی نے یہ سحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے مذہب کا ایک نیا مرقع تیار کیا تھا جس میں نور و ظلمت کے فلسفہ کا ایسا گور کہ دھندلایا تھا جس سے اخیراً خیر تک اس قوم کو نکلتا نصیب نہ ہوا، اس کی تعلیم یہ تھی کہ دنیا سے گوشہ گیری کر کے اس کو دیران، برباد اور ترک از دواج سے نسل انسانی کو منقطع کر دیا جائے تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے اخلاقی حیثیت سے محرکات کا وجود ہمیشہ ان کے ہاں مختلف فیہ رہا، باپ کا بیٹی کو، اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت میں لینا و دال کوئی

سنہ کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر مانی و کتاب البدو و التاریخ مقدسی ذکر فرقہ مانویہ تہ تاریخ عزرا خلد الفرس ثعالبی مطبوعہ بیروت ۱۳۰۲ھ



غیر معمولی بات نہ تھی، یہ سن کر کس قدر حیرت ہوگی کہ بزرگ درویشانی جو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں وہاں کا بادشاہ تھا، اس نے اپنی بیٹی سے اپنا عقد کیا اور پھر اس کو قتل کر ڈالا، عورتوں کو اس قوم اور اس مذہب میں جو حیثیت حاصل تھی، وہ ان افسانوں اور متولوں سے ظاہر ہے جو ایرانی ادبیات کا اب بھی جز ہیں اور جو شاہنامہ کے اوراق میں اب بھی ہر شخص کو نظر آسکتی ہے، عورتوں کی بے وفائی، بد اخلاقی اور ان پر عدم اعتماد پرانے ایرانی تمدن کا سب سے بڑا جزو تھا۔

سلاطین اور امراء درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے جن کو سجدے کئے جاتے تھے، ان کی الوہیت کے گیت گائے جاتے تھے، ان کے دربار میں کوئی میٹھ نہیں سکتا تھا، ان کے مخالف کو قتل کی جرات نہیں کر سکتا تھا، ان کے جرائم پر ان کو سزا نہیں دی جاسکتی تھی، رعایا ان کے مخالف کے سامنے دم نہیں مار سکتی تھی۔

ملک کا بڑا حصہ رومی عیسائیوں کی دائمی جنگ سے پریشان حال تھا اور گرجاؤں اور آتش کدوں کی باہمی آویزش کا غیر منظم سلسلہ قائم تھا، جب رومی فاتح ہوتے تو آتش خانے ٹوٹ کر کیلے بن جاتے اور جب ایرانی غالب آتے تو کیلے ٹوٹ کر آفتاب دیوتا کے مبد اور آتش خانے تعمیر ہو جاتے، یہودیوں پر جو مظالم توڑے جاتے تھے، اس کا ایک مختصر سا نقشہ تورات کے قصہ البرہین نظر آتا ہے اور بعد کو مفتوح عیسائیوں پر وہ جس جس طرح ظلم کرتے تھے، اس کی تفصیل گلبی کے اوراق میں منتشر طور پر ملے گی۔

بعثت سے پہلے جہانپانی کا قرہ قباد اول بن فیروز کے نام پڑا، بیرونی حملوں اور اندرونی بد نظمیوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا گیا، آخر رعایا نے قباد کو قید کر دیا۔ قباد نے قید خانے سے بھاگ کر تار یوں کے پاس پناہ لی اور ان کی اعانت سے دوبارہ تاج حاصل کیا، لیکن ملک پر اس سے بھی زیادہ یہ مصیبت نازل ہوئی کہ اس کے صمد میں مزدک نام ایک شخص پیدا ہوا جو اس امر کی تعلیم دیتا تھا کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملک نہیں، بلکہ ان کو تمام جماعت میں مشترک ہونا چاہیے، چنانچہ ایک شخص کی بیوی مزدک کے عقائد کی رو سے ہر شخص کے ساتھ ہم بستر ہو سکتی تھی، عیش پرست اور ہوس رانی امراء اور عوام دونوں نے اس کو خوشی خوشی قبول کیا، اس مذہب نے بہت جلد شاہی سایہ میں ترقی حاصل کی اور خود قباد نے اس دین کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا، قوم کی اخلاقی حالت پر اس تعلیم کا جو اثر پڑ سکتا ہے وہ ظاہر ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک عیش پرستی اور ہوس رانی کے نشہ میں سرشار ہو گیا۔

۳۵۱ء میں قباد کی جگہ خسرو نوشیروان نے لی، ایرانیوں میں اس کی صل پروردی اب تک مشہور ہے مگر اس کو یہ مبارک لقب اپنے عزیزوں اور افسروں اور ہزاروں بے گناہوں کے قتل کی بدولت ملا، مزدک کی فتنہ کو اس نے تلوار کے زور سے دبا دیا اور کیش زردشتی کو دوبارہ فروغ دینا چاہا مگر خود اس کا بیٹا نوشزاد شلیت پرستی کی طرف مائل تھا اس کی پاداش میں قید ہوا اور قید سے بھاگ کر ایک عیسائی فوج لے کر زردشتیوں سے صف آرا ہوا اور مارا گیا۔

۳۵۹ء میں نوشیروان نے وفات پائی اور ایران کا پایہ تخت ہرمز چہارم کے حصہ میں آیا، افیاری کی دست اندازیوں کیسے تھے تاریخ عزا اخبار الفرس ثعالی مطبوعہ بیروت ص ۲۶۷ مورخوں کا تاریخ عالم ص ۸۲ ص ۸۴ عزا اخبار الفرس ثعالی ص ۱۵۰ پیرس، باز رکھا جلتے کتاب الخراج والامانۃ والی جلد دوم ص ۲۶۷ مورخوں کا تاریخ عالم ص ۸۲ ص ۸۴ عزا اخبار الفرس ثعالی ص ۱۵۰ پیرس، انسانی کلچر پیٹریا برٹانیا کا بیچ یازدہم جلد ص ۲۲۳ عزا اخبار الفرس ثعالی ص ۵۹۸ پیرس۔

اندرونی بد نظمی اور باہمی فتنہ جگمگ، بادشاہوں کی تغافل شکاری، امراء کی عیش پرستی اور عوام کے اخلاقی انحطاط میں برابر ترقی ہی ہوئی گئی، یہاں تک کہ لکھنؤ میں مجاہدین اسلام کی فتح مند کی طرف فانی صحر کے سامنے ملک فارس کی یہ ٹھکانی ہوئی شمع ہمیشہ کیلے بجھ گئی۔ اور یہ کہ بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ایران کی سرزمین لغزہ توحید سے کبھی گویا آشنا نہیں ہوئی، اخلاق کے متعدد ابواب ہیں جو ان کے آئین میں کبھی داخل نہیں ہوتے، یزدان و اہرمن نور و ظلمت اور خیر و شر کی بھول بھلیوں نے ان کو ہمیشہ سرگرداں رکھا حکومت اور شاہی کے متعلق ان کا تخیل خدائی کا ہم رتبہ تھا، اسلام و فساد کی جنگ میں مغیرہ بن شعبہ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر جب سپر سالار ایران کی بارگاہ میں گئے اور آزادی کے ساتھ جا کر اس کے برابر بیٹھ گئے تو ایرانی امیروں کو اس میں اپنے نائب السلطنت کی توہین نظر آئی اور مغیرہ کو سامنے سے ذلت کے ساتھ اٹھا دیا، انہوں نے جواب میں کہا، ہم عربوں میں دستور نہیں کہ ایک خدا بن کر بیٹھے اور دوسرے اس کے سامنے غلامی اور بندگی کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً بیڑیہ صدی پیشتر سے ایران میں جس قسم کا سیاسی انحطاط شروع ہو گیا تھا وہ روز بروز بڑھتا ہی گیا، اس سے بھڑی واضح ہوتا ہے کہ فارس کے روحانی آتش کدہ میں اب زندگی کی کوئی چمک داری باقی نہیں رہ گئی تھی، اسی لئے جب اسلام کا نور طلوع ہوا تو اس کے شیعہ کے لئے کوئی دوسرا پردہ بیچ میں نہ ہوا، ہر جان ملک جن کا مسیحی تھ جب عساکر اسلامی لنگی زبان سے قزاقان عرب کا لقب دلاتا ہے، فتح فارس کے متعلق حسب ذیل رزے دیتے ہیں۔

"یاد جبر دثالث کا ہر حکومت اس لئے یاد گار ہے کہ اسی زمانہ میں فارس کی قدیم شمشادہ کی کا تختہ برہنہ تن سو سا غوار لہا کے ایک دستہ نے الٹ دیا کہ اسی تحقیر آمیز لقب کے ساتھ عرب قبائل کے یہ معرود ہمسائے ان کا ذکر کرتے تھے اس انقلاب عظیم کی علت کوئی معمولی سبب نہیں ہو سکتا، مسلمان افاری مورخین کچھ تو اپنے سبب وطن اور کچھ اہم پرستی کی بنا پر اس واقعہ کو ایک معجزہ عظیم خیال کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے محمد کی صداقت کو ظاہر کر دیا لیکن جو لوگ دنیاوی حیثیت سے اس واقعہ پر غور کرتے ہیں انہیں فوراً نظر آ جاتا ہے کہ فارس کی ایسی سلطنت جو عیش پرستی کے ہمتوں لاغر و نحیف ہو چکی ہو جس میں اندرونی مناقشات کے باعث بد نظمی پھیلی ہوئی ہوں جو بیرونی محاربات سے بے خبر نہ ہوں اور جو اپنی کمزوری اور ناتوانی سے قعر زوال کی جانب خمیدہ پشت ہو اس کے لئے ہر چوش قزاقان عرب کی مدافعت کرنا سخت دشوار تھا۔"

مگر سوال یہ ہے کہ پاک نژاد ساسانیوں کی خستگی و ناتوانی، لغات و کمزوری قزاقان عرب ہی کی ترقی کی کیوں تیسری بنی؟ کیا نئے عربوں کے پاس اس سے زیادہ سامان جنگ اور سپاہی تھے جو عراق و ایران کے آخری آخری معرکوں میں بھی ایرانی عربوں کے مقابل میں لاتے رہے، واقعہ یہ ہے کہ زرتشت کی آگ میں اب گرمی نہیں باقی رہی تھی، نور و ظلمت، خیر و شر، نیکی و بدی کے فلسفہ نے ایرانی کی ہر قسم کی عملی طاقت فنا کر دی تھی، یزدان اور اہرمن کی دو عملی حکومت نے روحانی امن و امان کی سلطنت برباد کر دی تھی، بیسیوں چھوٹے بڑے فلسفیانہ مذہبی فرقے پیدا ہو گئے تھے جن میں سب سے اہم مانوی فرقہ تھا جو عیسائیت اور مجوسیت کا محض مرکب تھا، آفریں مزدک فرقہ کی ہیمنہ تعلیم نے ایران کی اخلاقی روح کو اور بھی موت کے قریب کر دیا، نوشیروان نے تلوار کی نوک سے اس فتنہ کو دبا دیا اور اس کے صلہ میں بادشاہ عادل و دادگر کا خطاب بھی پایا، تاہم ایران کی روحانی زندگی ان خون کے چھینٹوں کے بعد بھی اسی طرح تشراب ہی جس طرح پہلے تھی اور منظر تھی کہ دنیا کے خشک صحرائے عرب سے چشمہ ابل کر ادھر آئے تو وہ اپنی پیاس بجھائے۔

تاریخ الفرس ثعالی ص ۲۲۳ مورخوں کا تاریخ عالم ص ۸۲ ص ۸۴ عزا اخبار الفرس ثعالی ص ۱۵۰ پیرس،



عیسائی روم

عیسائی روم

آغاز اسلام کے وقت جس قدر ایران کی جسمانی و روحانی شنشائی کے اوراق منتشر و پراگندہ تھے، روم کی قبلے سلطنت اس سے کچھ کم گرم خوردہ نہ تھی، حالانکہ یہ وہی رومۃ الکبریٰ ہے جو یونان کے زوال کے بعد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت بھی جاتی تھی اور جس کے ایک تاجدار جو یسینرز کا نام ہمیشہ کے لئے تعمیر کی صورت میں بادشاہ و شنشاد کا مراد بن گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی سلطنت میں معجوت ہو کر دنیا کو امن و سلامتی کا پیام سنا کر رخصت ہوئے، ان کے رفع و صعود کے بعد ہی ان کے شاگردوں میں فرقہ آرائیاں شروع ہوئیں، بالآخر پال نے جو ایک نو عیسائی یہودی تھا اس طرح عیسائیوں پر غلبہ پایا کہ اس کے مہات کی خاک میں اصلی عیسویت ہمیشہ کے لئے دفن ہو گئی اور باپ بیٹے اور روح القدس کا مشرکانہ عقیدہ اس میں داخل ہو گیا اور تولاہ جس کا کوئی نقطہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مٹا نہیں سکتے تھے، وہ ان کی روحانی شاگردی کے مدعی رہا، ان کے مانعوں ہمیشہ کے لئے لعنت قرار پائی۔ ۳۲۵ء میں رومی سلطنت کے مشرقی و مغربی دو حصے ہو گئے، مشرقی حصہ کے تاجدار قسطنطین اعظم نے عیسائی مذہب اختیار کیا اور رفتہ رفتہ پوری رومی حکومت میں یہ مذہب پھیل گیا مگر درحقیقت اس مشرقی تاجدار روم کے اس قبول مذہب کا جبرہ اخلاص و صداقت سے زیادہ سیاست اور سلطنت کی مصلحت پر مبنی تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اب باپ بیٹے اور روح القدس کی تسلیشی الوہیت میں ہر نیلک جو فتح ہوتا اس کا دین کسی نہ کسی نام اور رسم سے اس مذہب میں شامل ہو جاتا، تخت سلطنت کے غیر متوقع حصول نے مذہبی خاک روں میں یہ حوصلہ پیدا کر دیا کہ کلیساؤں نے مذہبی شنشائی کا خواب دیکھنا شروع کر دیا، اس کے لئے سوتانہ کی وہ لڑائیاں کھڑی کی گئیں کہ شاہانہ سایہ میں مجیدہ کہ کونسلوں نے خدا کے دین کا خاکہ تیار کیا، اتحاد اور اجتماع کی ہر نئی کوشش نئی مذہبی تفسیر ہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی اور ایک عیسوی مذہب ایک صدی کے اندر اندر بیسیوں فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔

۳۲۴ء میں قسطنطین کی وفات پر مذہبی خانہ جنگی کے ساتھ ساتھ رومیوں کی سیاسی خانہ جنگیوں کی زیر نفاست آگ بھی زور شور سے شعلہ زن ہوئی، ایمان سلطنت میں مختلف گروہ بنیادیں ہو گئیں اور باہمی لفاق اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا، بالآخر سلطنت روم مختلف صوبوں میں منقسم ہو کر مختلف دعویداران حکومت کے حصے میں آئی، ناقابل فرمانروائی کی کمزوری دیکھ کر ایک طرف گوتمہ وڈال وغیرہ بعض وحشی قوموں نے حملے شروع کئے اور دوسری طرف خود در افتادہ صوبوں کی رعایا بغاوت پر آمادہ ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں سلطنت روم کا مغربی بازو جو برطانیہ اور فرانس وغیرہ پر خستل تھا بالکل کٹ گیا اور خود روم کا دار الحکومت کنستانتینول کے حملوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس وقت یعنی پانچویں صدی کے بیچ میں لوگوں کو صاف نظر آ رہا تھا کہ ان کے مورث اعلیٰ نے جو بارہ گروں کو خواب میں دیکھا تھا اور جس کی بناء پر اس زمانے کے کامنوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ یہ سلطنت بارہ صدیوں تک قائم رہے گی، اب اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت آ گیا، مورخ گبن اس زمانہ کی تصویر ان لفظوں میں کھینچتا ہے۔

”اس پیشین گوئی نے جس پر اس قوم نے اپنے عروج و اقبال کے زمانہ میں کبھی اعتناء بھی نہ کی تھی، اب بارہ صدیوں کے خاتمہ پر جب کہ ہر طرف سے ذلت اور بد قسمتی کا سامنا تھا اہل روم کو یا اس آمیزہ جذبات سے پر کر دیا لیکن ان کے زوال کی علامتیں گڑگوں کے خواب سے زیادہ واضح دکھایاں موجود تھیں، رومن حکومت مخالفوں کی نظروں میں روز بروز زیادہ کمزور اور خود اپنی رعایا کی نظر میں خالما نہ اور ناقابل برداشت ہوتی جاتی تھی، کفایت شعاری جتنی زیادہ مزوری ہوتی

جاتی تھی، اسی نسبت سے اس کی جانب سے بے اعتنائی برپا ہوتی جاتی تھی اور جس نسبت سے رعایا کے مصائب روز افزوں  
تھے اسی نسبت سے ٹیکس میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

امراء نے اپنے مصارف کا بار بھی عام رعایا پر ڈالنا شروع کیا، جس کے باعث وہ اپنی قلیل آمدنی سے بھی محروم ہو گئی، محصول کی عدم ادائیگی کی صورت میں رعایا پر اس قدر جبر کیا جاتا تھا کہ اس کے دل میں حکومت کی طرف سے نفرت و عداوت پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ وہی رومن قوم جو کبھی اپنے اس لقب پر فخر کرتی تھی اب اپنے کو اس قوم کی طرف منسوب کرتے شرمانے لگی اور رومن حکومت پر ہر وحشی سے وحشی سلطنت کی محکومیت کو ترجیح دینے لگی، امراء و وزراء اور سلاطین خود اپنی ناقابل اعتدالیوں سے رعایا کو اپنا دشمن بناتے اور جب بغاوت ہوتی تو فوج کشی کرتے اور ناکام رہتے، ارمین اندرونی جنگوں سے ملک کی یہ فورت پہنچ گئی تھی کہ گین کے الفاظ میں۔  
”اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی وحشی مخالفین فنا بھی ہو جاتے تو ان کی مجموعی معدومیت بھی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال و بربادی سے نہیں بچا سکتی تھی۔“

”اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی وحشی مخالفین فنا بھی ہو جاتے تو ان کی مجموعی معدومیت بھی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال و بربادی سے نہیں بچا سکتی تھی۔“

پانچویں صدی کے خاتمہ پر مغربی حصہ کے نکل جانے کے بعد مشرقی صوبوں تک یعنی ڈیوب سے لے کر دجلہ و نیل تک کی سرزمین روم کے ماتحت رہ گئی تھی، لیکن اس کی حالت بھی روز بروز نازک سے نازک تر ہوتی جاتی تھی، مورخین کا بیان ہے کہ رومن فوج کی مجموعی تعداد جو ایک زمانہ میں ۶۴۵۰۰۰ تھی، اب شاہ جیٹینین کے زمانہ (یعنی ۳۵۲ء) میں گھٹ کر ایک چوتھائی سے بھی کم یعنی ۱۵۰۰۰ رہ گئی تھی اور وہ بھی نہایت متفرق و ابتر حالت میں، رعایا کی جیبیں خالی تھیں، فوج کی تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں اور امرا و اعیان سلطنت اپنے ذاتی مصارف کے لئے ہر طرح کے جعل و فریب، رشوت ستانی اور لوٹ مار کو جائزہ کہتے تھے فوج میں یوں تو بہت سے سپاہیوں کے نام لکھے ہوتے تھے لیکن میدان جنگ میں جانے کے وقت بہت تھوڑے سے لوگ تیار ہوتے، فوجی افسرین جنگ کے بجائے اپنا وقت باہمی حسد و رقابت میں صرف کرتے اور ہر افسر کی یہ کوشش رہتی کہ دوسرے افسر کی بدنامی و ذلت سے فائدہ اٹھا کر خود ترقی و منصب حاصل کرتے۔

اندرونی بد نظمیوں پر مستزاد یہ تھا کہ بیرونی فہم اہل روم کو ایک دم کے لئے چینی سے بیٹھے نہیں دیتے تھے۔ روم و فارس کے درمیان مدت سے لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا، پھر لومبارڈوس، گوٹس، وینڈالس وغیرہ کے چم چلے روم کی رومی قوت کو اور بھی یا مال کر رہے تھے۔

کی رہی تھی فوت کو اور بھی پامال کر رہے تھے۔

العزم چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو چار سال بعد روم بقول گلبن کے اپنے زوال کے پست ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا اور گلبن کی زبان میں اس کی مثال بعینہ اس عظیم الشان درخت کی ہو گئی تھی جس کے سایہ میں ایک وقت تمام اقوام عالم آباد تھیں، مگر اس پر ایسی خزاں آئی کہ برگ و بار کے ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہو گئی تھیں اور اب خالی تناخشک ہو رہا تھا، خود پایہ تخت کے اندر رفیعہ کے گھس آنے کا ایسا خوف تمام آبادی پر چھایا ہوا تھا کہ تقریباً کل کاروبار بند ہو گئے تھے، وہ بازار اور تماشا گاہیں جہاں دن رات چل چل رہی تھیں اب دیران اور سنسک پڑی تھیں، عیش پرستی کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے تابل کے بجائے تجرد کی زندگی زیادہ پسند کرتے تھے تاکہ زیادہ آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنے خضوانی جذبات کی تسفی کر سکیں۔



۱۲۲

ملک کی عام سیاسی و اخلاقی حالت سے قطع نظر کر کے جب ہم مذہبی پہلو پر نظر کرتے ہیں تو اس سے بھی زیادہ دلچسپ تصویر نظر آتی ہے، بہت پرست رہایا کو چھوڑ کر جو ستاروں، دیوتاؤں اور بتوں کی پوجا میں بدستور مصروف تھی اور لوگ جنہوں نے عیسائیت قبول بھی کر لی تھی وہ بھی باپ، بیٹا، روح القدس اور مریم کی خدائی کے معتقد تھے، حضرت عیسیٰ اور مریم و روح القدس کی شخصیت اور مرتبہ کی تعین نے عیسویوں فریقے پیدا کر دیئے تھے، جن میں زبانی مناظروں سے گزر کر جنگ و جدل کی نوبت آگئی تھی، یہاں تک کہ سلاطین میں خود عیسائیوں کے دو گروہوں کے درمیان ایک عظیم الشان مذہبی جنگ چھڑی جس میں ۶۵۰۰۰ عیسائیوں کو خارج البلد ہونا پڑا۔ اس جنگ عظیم کے علاوہ ہر وقت ہر فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا اور بار بار چھوٹی چھوٹی باتوں پر کشت و خون کی نوبت آ جاتی، پادریوں نے اپنے منصب مذہبی کو حصول جاہ کا ایک ذریعہ قرار دے لیا تھا، اس بنا پر محض حب جاہ کی خاطر وہ ہر طرح کی ناجائز کوششوں میں مصروف رہتے، ان پادریوں کے ایک استغفار اعظم سینٹ سرل نے جو جو سنائیاں کی ہیں ان کی تفصیل کے لئے ایک پوری کتاب درکار ہے، ایک مرتبہ اس نے اپنے مریدوں کو ہمراہ لے کر غیر مسلح یہودیوں پر دھاوا کیا، اور ان سب کو جلاوطن کر دیا، ان کا مال و اسباب سرل کے مریدوں کے ہاتھ لگا اور ان کے معاذ زمین کے برابر کر دیتے گئے، سرل کا حریف ارٹس نامی پادری تھا، ایک روز جب ارٹس راستہ سے گزر رہا تھا تو ۵۰۰ راہبوں کی جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اور اپنی سنگ باری سے اس کو خون میں نہلا دیا، سرل کی ایک خاتون دوست بلیشیائی تھی، ایک روز وہ اپنی درگاہ سے واپس آرہی تھی کہ راہبوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے اس پر حملہ کر دیا، گاڑی سے اتار کر برہنہ کی گئی اور اس حالت میں تمام شہروں کی سڑکوں پر گھسیٹے ہوئے اس کلیسا میں لائے جہاں مسیح کو پادری بیٹر کے گرز سے اس کا خاتمہ کر دیا گیا، قتل کے بعد اس کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا، نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور آلائش جہنم کو آگ میں ڈال دیا گیا، یہ واقعات ایسے ہیں جی کے ذکر سے آج قلم لرزتا ہے مگر عیسائی مذہب کے علمبرداروں کا سب سے روشن کارنامہ ہے۔

یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی جہاں رومیوں کے زیر سایہ عیسوی مذہب پھیلا ہوا تھا، یعقوبی، نسطوری اور دوسرے رتے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے، وہ دور دراز صوبوں اور ملکوں میں اپنی اپنی پناہ ڈھونڈتے تھے نہایت کی کونسل کے بعد آریوس اور اس کے حریفوں میں جو محرکہ آریاں ہوتیں انہوں نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ شہزادہ امن کا مذہب ان جنگجوؤں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہونے سے بچ نہیں سکتا۔

مسٹر مارٹن جو پیغمبر اسلام کو نوزاد باللہ بہت بڑا مبارک قرار دیتے ہیں، اپنی تاریخ ہندوستان میں عنعنات ایک موقع پر تحریر کرتے ہیں۔  
 "اس نازک موقع پر یعنی عمور اسلام کے وقت، ان بے باکانہ بدعات کے درمیان جو چرچ کو جنس کر رہے تھے اور اختلافات  
 کے اس غیر منقطع سلسلہ کے درمیان جو چرچ میں ایک اچھل ڈالے ہوتے تھے اگرچہ مشرق میں اصلی مسیحیت کی شعلہ نظر  
 آتی تھی لیکن بہت ہی محرم، روم کے قیصر صلا کی قوت کچھ تو اندرونی نزاعوں اور کچھ بیرونی حملوں کے باعث اپنی بنیاد سے  
 لکڑ کر خرفنا کی طرف تیز رفتاری کے ساتھ جا رہی تھی، یہودیہ صبری کے ساتھ گلیلی کے اس حقیر شخص کے مذہب پر  
 نظر کر رہے تھے جس کے دین کو اب شاہ قسطنطین کے مسیحی ہو جانے کے بعد پوری شان و شوکت اور شاہی عظمت

۱۲۳  
ماصل ہو گئی تھی، اور ہر اس تحریک کی مدد کے لئے تیار تھے جو ایسے قابلِ نفرت مذہب کا خاتمہ کرنا چاہے، اہلِ فارس  
منایتِ غیظہ و غضب کے ساتھ ان پر جوش و نثار و ادافعِ مندِ میسائیوں کو دیکھ رہے تھے، جنہوں نے ان کے معبود  
آتشِ شمس کی بے حرمتی کی تھی اور شرک کی ساری دنیا اپنے پر باد شدہ معبودوں اور ڈھتے ہوئے معبودوں پر  
ہاتھ کر رہی تھی، ان کے انتقام کے لئے آمادہ اور مستعد تھی۔  
پارس صاحبِ واقعات کی نقشہ کشی میں خواہ کتنا ہی مدد کی رنگ بھری لیکن نفسِ طاقت کی صحت انکو شاید ہم سے بھی زیادہ

مارس صاحب واقعات کی نقشہ کشی میں خواہ کتنا ہی مدد کی رنگ بھریں لیکن نفس واقعات کی صحت انکوشاید ہم سے بھی زیادہ

مسلم ۵۰

بہر حال مؤرخین کا بیان ہے کہ تیسری صدی سے لے کر ساتویں صدی تک مسیحیت کی جو حالت رہی ہے وہ اس کیلئے باعثِ ننگ ہے۔ مشرک اور سوام نے مذہب کی جگہ لے لی تھی اصل رومی بت پرستانہ عقیدوں نے مسیحی مذہب کا روپ بھر لیا تھا حضرت مسیحؑ کے ناسوتی اور لاہوتی دو عنصروں کی کلید مصر کو قابو میں لانے کے لئے کی گئی، جس سے حضرت مسیحؑ کے وہی ایک ہے۔ ہر ایک تعلیم ہمیشہ کے لئے ان کے مذہب سے ہٹ گئی، ضعیف الاعتقادی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ ایک قبر پرستی عام ہو گئی تھی اور ہر بڑے پادری سے اس کی وفات کے بعد دعا مانگی جاتی تھی، ملک شام میں جو بڑے پادری اور بطریق تھے، ان کے عقائد ان کو بھدے کرتے تھے، مسیح و مریم، روح القدس اور حواریین اور مسیحیت کے دیگر اساطین کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش اس کثرت سے ہونے لگی کہ اس کی نظیر ملہ بعد کے رومن کیتھولک فرقہ کی بت پرستی میں بھی نہیں ملتی۔

یہ صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

یل صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

”گر جا کے پادریوں (CLERG) نے مذہب کے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن و محبت اور نیکی کو مفقود کر دیا تھا۔ اصل مذہب کو معمول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال کرا تمیل پر جھگڑتے تھے، اسی ہمیک زمانہ میں اکثر وہاں جہر رومی چرچ کے لئے باعث تنگ ہیں، مذہبی صورت میں قائم کئے گئے، خصوصاً ولیوں اور مجسوں کی پرستش نہایت بے شرعی سے ہونے لگی، انیس کاؤنسل کے بعد مشرقی چرچ بغداد کے مناظرات میں مشغول ہو گیا اور ایہیں سلیس دستور میں او یونیکس کے جھگڑوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، انصاف طانیہ فرخت کیا جاتا تھا اور ہر طرح کی برعنوانیاں ہوتی تھیں۔ مغربی چرچ میں ڈنیں اور اریسی نس نے لیشپ کی جگہ حاصل کرنے کے لئے قتل تک نوبت پہنچادی اور آخر ڈنیں کی فتح ہوئی، اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ سیسی نیس (sicinius) کے گرجا میں ایک روز میں ۱۳۰۰ آدمی قتل کئے ہوئے پائے گئے اور کوئی حیرت نہیں کہ یہ لوگ ان جگہوں کے اس قدر غواہاں ہوتے تھے اس لئے اس ذریعہ سے ان کو گرجا نہما تھنے ملتے تھے، اپنی گاڑیوں پر نہایت ترک و اعتسام سے نکلتے تھے اور ان کے دسترغرای پر بادشاہوں سے زیادہ شان و شوکت ہوتی تھی، ان مناقشات کا سبب زیادہ تر شہنشاہ ہوا کرتے تھے، جیشیں کے وقت میں حالت اور زیادہ خراب ہو گئی، اس کے نزدیک اپنے عقیدہ کے مخالفوں کو مار ڈالنا کوئی جرم نہ تھا۔

بادشاہوں اور پادریوں میں عقائد اور اخلاق کی جو خوبیاں پھیلی ہوئی تھیں اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی حالت بھی قبل ہوگئی ان کا مقصد صرف روپیہ پیدا کرنا نہ تھا بلکہ خواہ کچھ ذرا کم سے کم اور اس روپیہ کو وہ نفاست اور عیاشی میں اڑاتے تھے۔



عقائد کے خلاف کے علاوہ روم و فارس کی سلطنتیں بھی کمزور ہو گئی تھیں، شہنشاہ قسطنطین کے بعد روم کی سلطنت روز بروز کمزور ہوتی گئی، عام طور سے اس کے یانشین بزدل اور ظالم کے لئے مشہور تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک ملک کا مغربی حصہ گلا تھ "لوگوں نے رونڈ ڈالا تھا یونانیوں کی پیش پسندی اور اخلاقی خرابیوں نے انکی قوت کو زائل کر دیا تھا" رومیوں نے عیسوی مذہب کو جس صورت میں قبول کیا تھا اس کی تصویر ڈریسپر کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔  
 "دونوں (عیسائیت اور بت پرستی) کی باہمی کشمکش کا یہ نتیجہ ہوا کہ دونوں کے اصول شیعہ و شکر ہو گئے اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا جس میں بت پرستی و عیسائیت دونوں کی شانیں پہلو پہلو گر تھیں، جوں جوں زمانہ گزرا گیا وہ مذہبی عقائد جن کی تفصیل فرطین نے بیان کی ہے متغیر ہو کر ایک عام پسند نگر پایہ اخلاق سے گرسے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے۔ ان عقائد میں قدیم یونانی اصنام پرستی کا عنصر مخلوط ہو گیا، عقیدہ ثلیث قدیم مصری روایات کے سانچے میں ڈھال لیا گیا، مریم ہزار کو خدا کی ماں کا لقب دیا گیا۔"

اسی زمانہ میں ایک گروہ مریخی کے نام سے پیدا ہوا جو حضرت مریم کو بھی شریک الوہیت کر کے بجائے اقا نیم تلاش کے اقا نیم اربعہ کا اعتقاد رکھتا تھا جس کی تردید قرآن پاک نے سورۃ آل عمران میں فرمائی ہے اسی کے ساتھ اور بت سے معتقدات رومی بت پرستوں سے لے کر عیسائیت میں داخل کئے گئے اور نام بدل بدل کر رومی بت پرستوں کے دیوتاؤں کے رسوم مقدس عیسائی کلیساؤں میں ملے پائے گئے اور ان مسائل میں بھی مختلف فرقوں کے اندر اختلافات باہمی نہایت شد و مد سے پیدا ہوئے یہاں تک کہ ان مذہبی مناقشات کے تصفیہ کے لئے حکومت کو بار بار دست اندازی کرنا پڑتی تھی، رفتہ رفتہ رشوت ستانی کا بازار گرم ہو گیا، اور یہ حالت ہو گئی کہ جو شخص کسی بڑے دنیاوی عہدہ دار کے پاس جتنا رسوخ و تقرب حاصل کر سکتا اسی نسبت سے اس کو بڑی دینی خدمت مل جاتی تھی۔

یہ تو مسیحی دنیا کے مشرقی حصہ کا حال تھا مغربی حصہ کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی، یہاں رومن امپائر کی ماتحتی، مذہبی مناصب کے لئے کشت و خون ایک عام و معمولی واقعہ تھا، یہاں تک کہ بعض دفعہ مقتولین کی تعداد کسی سخت خونریز جنگ مقتولوں کے مساوی پہنچ جاتی، چنانچہ ایک مرتبہ جب ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ کے لئے دو پادریوں کے درمیان مقابلہ ہوا تو صرف بادل میں ۱۳ آدمی کام آئے۔ اس سنا کا جذبہ وجد کا باعث صرف یہ تھا کہ اس زمانہ کے مذہبی عہدے اکتساب زر حصول مآثر اور کسب جاہ کے بہت بڑے ذرائع تھے، چنانچہ جتنی نفیس غذائیں پادریوں کے دسترخوان پر رہتی تھیں اتنی بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی تھیں۔

سلاطین اور مذہب کے عالمین کے اخلاق کا پرتو عام رعایا اور پیروؤں پر لازمی طور پر چلتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ بد اخلاقی اسراف اور ہوس پرستی، مسیحی دنیا کی آب و ہوا میں سرایت کر گئی، لوگ ہر طرح کے نابالغ وسائل سے روپیہ کماتے اور کمال بیدردی کے ساتھ اسے مسرفانہ لہو و لعب اور عیاشیوں میں اڑا ڈالتے۔

یہ بڑوں نے اور ان کے بعد درجہ بدرجہ مذہبی عہدہ داروں نے اپنی اپنی جگہ پر شہنشاہانہ جگہ خدائی کے اختیارات اپنے ہاتھ لے کر مذہب و مآثر، ڈریس پر ۶۲، ایضاً ص ۶۱، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳



(۱) برہمن کو کسی حالت میں خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو، سزائے موت نہیں دی جاسکتی۔  
(۲) کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا کوئی جرم نہیں۔

(۳) کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا میں کچھ جرمانہ کافی تھا۔

(۴) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے تو اس کی سزا موت ہے۔

(۵) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے تو اس کے ہوصافہ قطع کر ڈالنا چاہیے اگر اسے گالی نہ

تو اس کی زبان کاٹ ڈالنی چاہیے اور اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالنا چاہیے۔

(۶) راجاؤں کے محل میں بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی اور رانیوں کی حالت بیمار میں جامعہ عصمت آمار ڈالتی تھیں۔

(۷) شاہراہوں پر آوارہ گرد جرائم پیشہ افراد کا مجمع لگا رہتا تھا۔

(۸) خدا کی تلاش آبادیوں اور بازاروں میں کرنے کے بجائے جنگلوں اور پہاڑوں میں کی جاتی تھی، جہم کو سخت

سے سخت ایذا اور تکلیف ان کی بہترین عبادت تھی۔

(۹) اوٹام اور خیالات فاسدہ، مجبوتوں، پلیدیوں اور سینکڑوں قسم کے ظنون و اوٹام ان کا مذہب تھا اور آسمان سے لے

کر زمین تک ہر چیز ان کا خدا تھی، اور ہر ایک کے سامنے سوسجود ہونا ان کا دھرم تھا، بتوں، دیوتاؤں، دیویوں کا شمار انہوں

کیاں سے باہر تھا اور ان کے افسانوں کا گیت ان کا ترانہ حمد تھا، ظہور اسلام کے بعد بھی جو عرب سیاح یہاں آتے رہے انہوں

نے پشاکر کرنے والے جوگیوں کے وہ دھناک حالات دیکھے ہیں جن کو پڑھ کر ان کی حالت پر رحم و افسوس آتا ہے اور اسی طرح

وہ عرب سیاح جو سندھ اور دکن کے شہروں اور ساحلوں سے گزرے ہیں، انہوں نے معبدوں میں پجاری عورتوں اور دیوتاؤں

کی جواخلاقی کیفیتیں لکھی ہیں، وہ عدد درجہ شرمناک ہیں اور اس سے زیادہ شرمناک یہ ہے کہ یہ سب خدا کی خوشنودی اور

مذہبی عقیدہ کی رو سے انجام دیا جاتا تھا۔

عورتیں جو دھڑوں میں باری جاتی تھیں، ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے تھے، وہ بیوہ ہو کر زندگی کی ہر لذت سے محروم

لئے قانوناً محروم کر دی جاتی تھیں، اور اسی لئے شوہر کے مرنے پر بعض عورتیں زندہ در آتش ہونا پسند کرتی تھیں، لڑائی میں

شکست کے خوف کی صورت میں ان کو خود ان کے باپ بھائی اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالتے تھے، یہاں کے بعض فرقوں میں عورتیں

مرد کو اور مرد عورتوں کو شکار کر کے ان کی پوجا کرتے تھے، اور مذہبی تہواروں میں شراب پی پی کر ایسے برست ہوتے تھے کہ

پھر انہیں مال، مہن، بیٹی اور اپنی پرانی کی تیز باقی نہیں رہتی تھی اور اس کو وہ نیکی کا کام سمجھتے تھے، خودروں کے نام سے

ایک پوری قوم کی قوم ایسی غلامی میں مبتلا تھی کہ تعلیم و تربیت، تہذیب و اخلاق اور دین و ایمان ہر چیز سے محروم رہنا اس کا فرض

تھا، دیر کی آواز بھی اس کے کان میں پڑ جاتے تو اس میں سیرسچلا کر ڈال دینے کا حکم تھا۔

راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی، قانون کی بنیاد مساوات انسانی پر نہیں بلکہ ذاتوں پر تھی،

عورتیں فروخت کی جاتی تھیں۔

لے آری دت کی ہندوستان قدیم ص ۳۳۲-۳۳۳ صفحہ ۲۶۹ دیکھو اور زیر سیرانی کا سفر نامہ ص ۱۱۵-۱۱۶ پیرس و آٹا رالہ و قزوینی ص ۱۱۵

۱۱۵-۱۱۶ دھرم و سماجیات کے قصہ کا آغاز پڑھو یہاں پر کاش سولہا لکھ ۱۱۵-۱۱۶ دھرم و سماجیات کے قصہ کا آغاز پڑھو یہاں پر کاش سولہا لکھ ۱۱۵-۱۱۶

۱۱۵-۱۱۶ دھرم و سماجیات کے قصہ کا آغاز پڑھو یہاں پر کاش سولہا لکھ ۱۱۵-۱۱۶ دھرم و سماجیات کے قصہ کا آغاز پڑھو یہاں پر کاش سولہا لکھ ۱۱۵-۱۱۶

۱۱۵-۱۱۶ دھرم و سماجیات کے قصہ کا آغاز پڑھو یہاں پر کاش سولہا لکھ ۱۱۵-۱۱۶ دھرم و سماجیات کے قصہ کا آغاز پڑھو یہاں پر کاش سولہا لکھ ۱۱۵-۱۱۶

۱۱۵-۱۱۶ دھرم و سماجیات کے قصہ کا آغاز پڑھو یہاں پر کاش سولہا لکھ ۱۱۵-۱۱۶ دھرم و سماجیات کے قصہ کا آغاز پڑھو یہاں پر کاش سولہا لکھ ۱۱۵-۱۱۶

اس مختصر خاکہ سے معلوم ہوگا کہ بد اسلام سے ایک صدی پیشتر سے دیوتاؤں کی یہ جنم بھومی بھی شیدانوں کے اس

جال میں گرفتار تھی جس کے شکار فارس و روم ہو رہے تھے۔

دنیا کی آبادی اور اصلاح کی سب سے زیادہ امید اس قوم سے ہو سکتی ہے جو سام کی اولاد میں سب سے پہلے وحی الہی کی آمد

میں محمد بنی، اسی لئے قرآن نے ان سے کہا وَلَا تَكُونُوا اَوَّلًا كَافِرًا (بقرہ ۵۰) اور سب سے پہلے قرآنی پیغام الہی کے منکر بنو گے

یہ قوم سخت جان ہونے کے ساتھ سنگدل بھی ثابت ہوئی، اس نے پتھروں کے سیلوں کو چھٹے اور ان کی چھاتیوں سے بیٹھے پانی کا دوا

بہتے دیکھا اور پیا، مگر پھر بھی اس کے سینہ کا دل پتھر ہی رہا، قرآن نے اپنے زمانہ میں اس کو طعن دیا۔

فَلَيْ كَالهٖ جَارِحَةً اَوْ اَمْسَدَتْ فُسُوۡحًا (بقرہ ۹۰) ان کے دل پتھروں کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھ کر سخت ہیں۔

اس نے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کو تکلیفیں دیں بلکہ ان کو قتل تک کر ڈالا، حضرت موسیٰ اور ان کے بعد کو

پنیران میں ایسا دیا جس نے ان کی سنگدلی کا ماتم نہ کیا ہو اور ان کی سرکشی پر ان کے حق میں بردعاز کی ہو چنانچہ قرآن مجید نے کہا۔

لَعْنُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنْۢ بَنِيۡ اِسْرٰٓئِیۡلَ عَلٰی (اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور مریم

لِسَانِ دَاوۡد وَحٰیۡسٰی اِبْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا (کے بیٹے عیسیٰ کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لئے کہ انہوں

دَکَاوُۡا لِعٰتِدُوۡنَ کَاوُۡا لَا یَتَنٰۤہَوْنَ عَنْۢ کُنۡکُبِ (نے نافرمانی کی اور صر سے آگے بڑھتے تھے اور ایک دوسرے

فَعَلُوۡا لِبَیۡسٍ مَّا کَاوُۡا یَفْعَلُوۡنَ۔ کو اس برائی سے جو وہ کرتے تھے، منع نہیں کرتے) ان کا

کام کتنا بُرا ہے۔ (ماثرہ - ۱۱)

حضرت داؤد نے زبور میں کئی دفعہ بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی کا ماتم اپنے سورد و گداز کی لے میں کیا ہے زبور ۸۱ میں ہے۔

اے میرے گروہ، میری تعلیم پر کان رکھ، میرے مذہک باتیں کان دھ کر سنو تاکہ آنے والی پشت سے وہ فرزند جو پیدا ہوا

سیکھیں اور وہ خدا پر توکل کریں اور خدا کے کاموں کو بھلا نہ دیں بلکہ اس کے حکموں کا تحفظ کریں اور اپنے باپ داداؤں کی

طرح ایک شریر اور سرکش نسل نہ ہوں نہ ایسی نسل کہ جس نے اپنا دل مستعد نہ کیا اور ان کے جی خلو سے نہ گئے رہے باوجود

سب کے، پھر انہوں نے گناہ کئے اور اس کے عجائب قدرتوں کے سبب اعتقاد نہ کیا، لیکن انہوں نے اپنے مزے سے اس کے

(خدا کے) ساتھ ریا کاری کی اور اپنی زبانوں سے اس سے جھوٹ بولے اور وہ اس کے ہمد میں وفادار نہ رہے کیونکہ ان کے

دل ان کے ساتھ قائم نہ رہے کتنی بار انہوں نے بیابان میں اس (خدا) سے بغاوت کی اور وہ دیرانہ میں اسے بیزار کیا، پس پھر

بھی انہوں نے خدا تعالیٰ کو آزمایا اور اسے بیزار کیا اور اس کی شہادتوں کو حفظ نہ کیا بلکہ برگشتہ ہوئے اور اپنے باپ

داداؤں کے مانند یوغالی کی، وہ ٹیڑھی کمان کے مانند ایک طرف چلے گئے۔

زبور ۸۱ میں ہے۔

اے میرے لوگو! سنو کہ میں تم پر گواہی دوں گا، اے اسرائیل اگر تو میری سنے گا تو عرس درمیان کوئی دوسرا معبود نہ ہو تو

کسی اجنبی معبود کو بھوکھا نہ کرنا، خداوند تبارک و تعالیٰ ہوں جو تجھے مصر کی زمیں سے باہر لایا، اپنا منہ کھول کر اسے بھر دوں گا، پھر میرے لوگو!

نے میری آرزو پر کان نہ دھرا اور اسرائیل نے مجھے نہ چاہا، تب میں نے ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا؟

ہمت سے بنی اسرائیل جو حضرت داؤد سے باغی ہو کر لڑنے پر آمادہ تھے، حضرت داؤد نے ان کے متعلق یہ دعا کی کہ۔

ہمت سے بنی اسرائیل جو حضرت داؤد سے باغی ہو کر لڑنے پر آمادہ تھے، حضرت داؤد نے ان کے متعلق یہ دعا کی کہ۔

ہمت سے بنی اسرائیل جو حضرت داؤد سے باغی ہو کر لڑنے پر آمادہ تھے، حضرت داؤد نے ان کے متعلق یہ دعا کی کہ۔



تو وہ خدا نہیں جو شرارت سے خوش ہو، شریر تیرے ساتھ رہ نہیں سکتا، جو شیخی بازی تیری آنکھوں کے سامنے کھڑے نہیں رہ سکتے تو سب بدکرداروں سے عداوت رکھتا ہے تو ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں، ان کو بدکردار سے گاناں غلوغلو اپنی صداقت میں میرا میرا ہو میرے دشمنوں کے سبب سے میرے سامنے اپنی راہ کو سیدھا کر، ان کے باطن میں سرسرا کر کھڑا ہے، اے خدا تو انہیں ملزم جان ایسا ہو کہ وہ اپنی مشورتوں سے آپ ہی گرجائیں، ان کو ان کے گناہوں کی کثرت کے سبب نکال پھینک کہ انہوں نے تجھ سے سرکشی کی ہے۔ (زبور ۵)

حضرت عیسیٰ نے بھی انجیل میں بنی اسرائیل کو لعنت کی اور فرمایا۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھیری قبروں کے مانند ہو جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں پھر بھتیر مردوں کی ڈیلوں اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہیں، اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راست باز دکھائی دینے پر باطن میں ریاکار اور شرارت سے بھرے ہو۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کیونکہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راست بازوں کی گوریں سنوارتے ہو، کتے ہو کہ اپنے باپ دادوں کے دنوں میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے، اسی طرح تم اپنے اپر گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو، بس اپنے باپ دادوں کا پیانا بھرو، اے سانپو، اے سانپوں کے پچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے؟ (متی ۲۳-۲۴-۲۵)

بعینہ یہی الزام قرآن نے بھی ان کو دیا ہے۔

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِخَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا  
وَكَانُوا يُحِبُّونَ دُونَ (بقرہ ۷۰)  
قُلْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُنَّ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ  
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (بقرہ ۷۱)

آل عمران میں اس سے بھی بڑھ کر ہر حق کے داعی اور غیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا ان پر بجا الزام ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَيَقْتُلُونَ  
النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ  
بِالْعَدْلِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔

(آل عمران ۳۰)

سورہ بقرہ اور آل عمران میں یہودیوں کے ایک ایک عیب کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین و ملت کا قوام کتنا بگڑ گیا تھا، ان کی مذہبی سنگدلی اور تعصب کا سب سے دردناک سانحہ وہ ہے جو اسلام سے ۶۰۵۰ برس پہلے یمن میں پیش آیا کہ یہودیوں حیرلوں نے نجران کے عیسائیوں کو گڑھوں میں آگ جلا کر ان میں جہنمک دیا اور وہ کمارے بیٹھے اس حسرت ناک منظر کا تماشا دیکھتے رہے، چنانچہ قرآن مجید نے اس پر دردناک داستان کو ان لفظوں میں انھیں

۱۱۱۱۱۱

قَتَلَ أَصْحَابُ الْأَخْذِ ذَٰلِكَ رِذَاةُ الْوَقْدِ إِذْ  
هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ  
بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ وَمَا لَكُمْ مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ  
يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَظِيمِ الْحَمِيدِ (بقرہ ۱۰)

جزیات کو چھوڑ کر کلی طریقہ سے ان میں حسب ذیل نقائص تھے۔

۱۔ ان کو اپنے محبوب خدا اور خاص خدا کے گناہوں پر بے انتہا غور تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ہم کچھ کریں ہمیں قیامت میں مواخذہ نہ ہوگا۔  
نَحْنُ أَنْبِئُوكُم بِاللَّهِ وَاجْتَابُوا (مائدہ ۳۰)  
وَقَالُوا لَنْ نَمُوتَ أَلَا يَا مَعْزُودُ (بقرہ ۹۰)

وہ سمجھتے تھے کہ جنت کی نعمتیں صرف انہی کے لئے خاص ہیں، قرآن نے کہا۔  
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران ۳۱)  
مِنْ دُونِ النَّاسِ فَمَتَّوْا أَلَمْ تَرَ أَنَّ كُنُوزَهُمْ فِي الْأَرْضِ مَكْنُونَةٌ لَهُمْ (بقرہ ۳۵)

وہ سمجھتے تھے کہ نبوت اور رسالت صرف ان کے گھر کی چیز ہے کسی دوسرے کا اس میں حق نہیں، قرآن نے ان کے جواب میں کہا۔  
ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (مائدہ ۱۱)

جو ان میں پڑھے لکھے عالم تھے وہ خدا کے احکام کو اپنے منشا اور دولت مندوں کی خوشنودی کے لئے اپنی باطل تاویل سے ادا کرتے رہتے تھے اور اپنی تصنیفات اور اجتہادات کو کتاب الہی کا درجہ دیتے تھے۔  
يُخْرِفُونَ أَلْفَاظًا مِنْ بَعْدِ مَا أُضِعِّدَ (مائدہ ۶۰)  
فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ أَلْكَتِبَ بِأَيْدِيهِمْ شُحُوذٌ  
يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْرُوَ بِهِ ثَمَنًا  
قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ  
لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ (بقرہ ۹۰)

جو ان میں ان پڑھ اور جاہل تھے وہ اپنے سنے سناے قصوں پر ایمان رکھتے تھے۔  
وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانًا  
وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (بقرہ ۹۰)

احکام الہی میں سے جو آسان اور ضرورت کے مطابق حکم ہوتا اس کو قبول کرتے اور دوسرے حکموں کو پس پشت ڈالتے۔  
مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّهِ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ (مائدہ ۶۵)  
اللَّهُ وَرَأَىٰ ظُهُورَهُمْ كَالْظُهُورِ لِيُخْلَعُونَ (بقرہ ۱۱)  
أَفَلَمْ يَأْتِ كُورُوسُورٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ  
أَنْفُسُكُمْ فَسَبَّحُوا لِلَّهِ فَمِثْلًا كَذَّبْتُمْ

خو اہلش کے موافق نہ ہو، تم نے عذر کیا تو کچھ نہ حاصل کیا اور



فَرِيقًا تَعْتَلُونَ (البقره - ۱۱)

کچھ کو مار ڈالتے ہو۔

ایک دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لاپکے تھے اور یہود نے بھی آپ کی ملکی سرداری کو ایک گونہ قبول کر لیا تھا تو ایک زنا کا مقدمہ آپ کی عدالت میں لاتے، آپ نے پوچھا کہ تم اسے مذہب میں اس جرم کی سزا کیا ہے، بولے ہم مجرم کو کوڑے مارتے ہیں اور اس کی تشہیر کرتے ہیں، آپ نے ان سے توراۃ طلب فرمائی جب وہ لاتے اور اس جرم کے متعلقہ حکم کی آیتوں کو پڑھ کر سنانے لگے تو بیچ سے سنگ ساری کا حکم چھپا دیا، مگر ایک نو مسلم یہودی عالم نے اس حکم کو پڑھ کر بتا دیا، آپ نے فرمایا خدا و خدا میں پہلا شخص ہوں گا جو تیرے مردہ حکم کو زندہ کرے گا (صحیح بخاری و مسلم کتاب الحدود و العباد و الذوا ب رجم الیسودی میں)۔

آپس میں قتل و خونریزی کا بازار ان میں گرم تھا، ایک طاقت ور قبیلہ دوسرے کمزور قبیلہ کو گھر سے بلے گھر کر دیتا تھا اور  
پھر کوئی اگر فائدہ جو مانا تو فائدہ دے کر اس کو گھر لے بھی لیتے تھے، قرآن نے دیکھا۔

[illegible]

۲۔ دوسری چیز مال و دولت کی حرص و طمع تھی، اس کی وجہ سے ان میں ہر قسم کا لالچ اور اخلاقی کمزوری پیدا ہو گئی تھی کسی بڑے کام کی خاطر اپنی راحت و آرام اور جسم و جان کو قربان نہیں کر سکتے تھے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْزَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ وَمِنَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا يَوْمَذِ الْحُكْمِ لِيُوْذَىٰ أَحَدُهُمْ لَوْ يُحْمَرُ  
الْفَسَنَةُ (بقرہ - ۸۱)

ان کو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کا لالچی پاؤ گے مشرکوں  
سے بھی زیادہ، ان میں ایک ایک چاہتا ہے کہ اس کو  
ہزار برس کی زندگی ملے۔

عربوں کے ساتھ ان کے یسین دین کے تجارتی تعلقات قائم تھے، مگر وہ سخت نادہندہ تھے اور سمجھتے تھے کہ عربوں کے ساتھ جس قدر سختی اور بددیانتی کا برتاؤ کیا جائے وہ مذہباً منع نہیں، قرآن نے اس معاملہ میں عیسائی اہل کتاب کی تعریف کے بعد اسرائیلی اہل کتاب کی نسبت فرمایا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَامَنَهُ بِدِيَارِ لَا يُؤَدُّ اِلَيْكَ  
اِلَّا مَا دُمَّتْ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكْ هَٰذَا نَهْوُ  
قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي اِلٰهٍ مَّبِيتَيْنِ سَبِيلٌ وَلَيَقُولُنَّ  
عَلَى اللّٰهِ الْكُذِبُ وَهُمْ لَا يُخْلَعُونَ

(ال عمران - ۱۸)

توراة میں اپنے بھائی کے علاوہ اجنبی سے سود لینے کی اجازت کا مطلب وہ یہ لیتے تھے کہ یہود، یہود سے نہیں اور اہل

۱۳۱  
عرب جو یہود دہتے ان سے بھاری بھاری شرح سود وصول کرنا جانتے رکھتے تھے اور تعجب پر تعجب یہ تھا کہ ان کے علماء ان کو اس سے باز نہیں رکھتے تھے اس حرام غری اور ان کے علماء کی اس خاموشی پر ان کو قرآن نے بار بار ٹھوکا۔

اور ای میں سے بہتوں کو تو دیکھے گا کہ وہ گناہ اور ظلم کرنے میں  
ایک دوسرے سے بڑھ جاتے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے  
کرتوت کہتے بڑے ہیں، ان کے درویش اور عالم گناہ کی بات  
بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں باز رکھتے، ان کے کام  
درحقیقت کہتے غراب ہیں۔

سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثُونَ لِلسُّحْتِ (مائدہ ۶۰)  
 وَأَخَذُوا صُورَ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ  
 أَمْوَالُ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء ۱۲۲)

جھوٹ کو سننے والے اور حرام کو کھانے والے ہیں۔  
 اور ان کے سود لینے کے سبب ہمارا سود اس سے روکے گئے تھے اور  
 لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھا جانے کی وجہ سے۔

اسی لئے وہ تورات کی آیتوں میں تحریف اور ان کے معنوں میں تاویل کر کے ایسے فقہی حیلے تراشتے تھے کہ ان سے ہر حکم کو اپنے مطلب کے مطابق بنا لیتے تھے، خدا نے فرمایا۔

ہم نے توراۃ آماری جس میں ہدایت اور روشنی ہے اسی کے مطابق نبی جو تابع رہتے یہودیوں کا فیصلہ کرتے تھے ان کے درویش و عالم بھی خدا کی کتاب کے جن حصوں کو انھوں نے بجا رکھا تھا ان میں سے فیصلہ کرتے۔

اس کے بعد اس کے احکام کے اجرا اور خاص کر قصاص کا ذکر کیا اور فرمایا۔  
وَمَنْ لَّعْنِيْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ  
الْكٰفِرُوْنَ (مائدہ - ۷)

ان میں مشرکانہ بت پرستی کے بھی بعض اثرات پیدا ہو گئے، وہ جبت اور طاغوت کی پرستش میں مبتلا تھے، قرآن الہ کو خطاب کر کے کہتا ہے۔

اے کتاب والو! ہم نے جو آراء و تہاوی کتاب کی تصدیق کرتا ہے  
اس پر ایمان لاؤ، بے شک خدا شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس  
کے سوا جس کو پا ہے معاف کر دے۔

اَلَّذِي تَرَىٰ اِلَى الدِّينِ اَوْ تَوَاصِيْبًا مِّنَ الْكُتُبِ يُؤْمِنُوْنَ  
 بِالْغَيْبِ وَالْعَظِيْمِ وَيَقُولُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَؤُلَاءِ  
 اَهْلُ دِيْنٍ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سُبْحٰنَہٗ (نام - ۸)

کیا تو نے ان کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ بتوں  
 اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کافر مسلمانوں  
 سے زیادہ صحیح راستہ پر ہیں۔

انہی اوصاف پر ان کا ایمان تھا، تنوید، گندہ، جادو اور عملیات پر فریفتہ تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ حضرت سلیمان کی تعلیم ہے



البرہ ۱۲، البیداء مع غیر مدینہ میں بہت سے عامل تھے جو کنگیسوں اور بالوں میں منتر پڑھ کے چھوٹے تھے۔  
عرب سے باہر یہودی، یونانیوں اور رومیوں کی حکومتوں میں یورپ، افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں اور شہروں میں اس طرح پراگندہ اور منتشر تھے کہ عرب سے باہر دنیا کی قوموں میں ان کا کوئی شمار نہ تھا۔ عرب کے اندر جو یہود زمانہ دراز سے آباد تھے ان کا بڑا شغل زراعت اور تجارت تھا۔ سودی کاروبار کرتے تھے، غریب عربوں کو اپنے گراں شرح سود اور قرضوں کے بارے میں اس طرح دباتے تھے کہ ان کی حالت ان کے سامنے غلاموں کی سی تھی، اس سلسلہ میں صرف ایک واقعہ کا ذکر پوری حالت کے اندازہ کے لئے کافی ہوگا۔

محمد بن مسلم انصاری اور ان کے رفقاء جو مدینہ کے یہودی سردار کعب بن اشرف کے قتل پر مامور ہوئے تھے وہ اس سے ملنے اور بات چیت کرنے گئے، انہوں نے اس سے کہا: اے کعب! اس شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو صدقہ وصول کر کے ہم کو وق کر ڈالا۔ اب میں تم سے کچھ قرض لینے آیا ہوں، اس نے کہا خدا کی قسم مجھے معلوم تھا کہ تم اس سے آخر ہزار جو باؤ گے، انہوں نے کہا کہ میں نے اس کی پیروی اختیار کی ہے لیکن میں اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا، انتظار ہے کہ معاملہ کی صورت کس رخ پر چلتی ہے۔ میں تم سے کچھ قرض لینے آیا ہوں، اس نے کہا مگر تم کفالت میں کیا چیز رہیں رکھو گے، انہوں نے کہا تم بناؤ کیا چاہتے ہو، اس نے کہا اپنی بیویوں کو رکھو، انہوں نے جواب دیا ہم اپنی بیویاں کیسے گرہ رکھ سکتے ہیں کہ تمام عرب میں تمہارے حسن کا جواب نہیں۔ بولا اچھا تو اپنے لڑکوں کو گرہ رکھو، کہا ہم اپنے لڑکوں کو کیسے گرہ رکھیں، ان کی کوئی بے عزتی نہ کرے یہ ہمارے لئے بڑی شرم کی بات ہے، اہل اپنے ہتھیار گرور کر رکھ سکتے ہیں۔

اس سوال و جواب سے اندازہ ہو گا کہ یہودی اخلاقی حالت کتنی پست اور ذلیل ہو چکی تھی کوئی غیر عورت اگر ان کے بازار کی طرف جانکتی تو اس کی عزت بکلی مشکل ہو جاتی، کسی بچہ کو معمول سے زیور کے لالچ میں موقع پاتے تو بیدردی سے قتل کر کے زیور اتار لیتے، علماء اور مشوایان دین کی وہی کیفیت تھی، جس کا نام اس وقت سے چھ سو برس پیشتر حضرت عیسیٰ نے کیا تھا، نفسی مشنگافیوں اور ظاہری دینداری کے سوا روح و اخلاق کا جوہر ان سے کھو گیا تھا، اسلام جو ابراہیم صلیف کے ترانہ توحید اور طور کی صدائے غیبی کی آواز بازگشت تھا، وہ ان کے نزدیک عرب کے بت پرستوں کے جاہلانہ مذہب سے زیادہ بُرا تھا کہتے تھے کہ ان مسلمانوں سے یہ مشرک زیادہ راہ راست پر ہیں، یہ اسلام کی اس مصالح مند دعوت۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَحَالُوا إِلَى كَلِمَةٍ مَسْوُومَةٍ بَيْنَنَا  
وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ  
شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا  
مِّن دُونِ اللَّهِ (آل عمران - ۱۰)

میں بھی عداوت اور دشمنی ہی کی جھلک دکھاتی دیتی تھی، اس لئے مدینہ میں اسلام کی صلح کی ہر کوشش کو وہ ٹھکراتے تھے کیونکہ روحانی عظمت کے مقابلے میں اس دعوت کے قبول میں ان کو اپنی قومی و مالی و تجارتی عظمت کی بربادی نظر آتی تھی۔

عیسائیوں کی نقل میں وہ بھی عریض و طویل کو خدا کا بیٹا کہتے تھے وَقَالَتِ الْيَهُودُ حُزَيْنٌ إِنَّ اللَّهَ لَرَبُّهُنَّ

لے صحیح بخاری جلد دوم کتاب الطب باب السحر ص ۸۵۷ صحیح بخاری جلد دوم فتن کتب ابن اسحاق ص ۵۷۹ تہ دیکھو کتب سیرت میں غزوہ

بنی نضیر کے اسباب تہ صحیح بخاری جلد دوم باب من اقاد بجر ص ۱۱۹ تہ نساء ص ۸۰

سیرت النبی جلد چہارم  
شعوت کے غرور میں وہ کہتے تھے يٰۤاَللّٰهُمَّ مَغْلُوْلَةٌ (۱۰) خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں: قرآن کی دعوت کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم پر اس دعوت کا اثر نہیں ہو سکتا کہ ہمارے دل نامغنون ہیں۔ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ (البرہ - ۱۱) ان فقرہوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اب دنیا میں نیابت الہی کے منصب کے قابل نہیں رہے تھے۔

عرب کے باہر یہودیوں کی پراگندہ ٹولیاں مختلف سلطنتوں کے سایہ میں پناہ گزین تھیں، ان کا مذہبی مرکز ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، سیاسی اہمیت وہ مدت ہوئی کہ کھو چکے تھے، ان کے مذہبی فرقوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی جن میں باہمی عداوت قائم تھی اور اس وقت سے چھ سو برس پہلے کی طرح بنی اسرائیل اب پھر ایک نبی عظیم کی بعثت کا جیسا کہ انتظار کر رہے تھے (البرہ - ۱۱) خود عرب میں یہود اس وقت اس نبی کے جلد پیدا ہونے کی شامت کا اپنی مجلسوں میں تذکرہ کرتے رہتے تھے جس کی پیشین گوئیوں سے تورات کے صحیفے بھرے تھے اور ان ہی سے سن سن کر شرب کے اوس و فز و سق ایک نبی کی آمد کی پیشین گوئی سے باخبر تھے۔  
دنیا کی ان مختلف قوموں کے حالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد ضرورت ہے کہ اس قوم کے حالات پر ایک تفصیلی نظر ڈال جائے، جس کے وطن کے افق سے نبوت کی صبح سعادت طلوع ہونے والی تھی۔

✽



## ظہور اسلام کے وقت عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت

یمن میں جب وہ مشہور سیلاب آیا، جس کی بلندی سطح زمین سے ایک سو بیس فٹ تھی تو اس کا پائے تخت مآرب اور اس کے اضلاع دفعہ برباد ہو گئے۔ یہ دوسری صدی عیسوی کا واقعہ ہے، قرآن مجید نے اسی سیلاب کو بیل عرم کہا ہے اس سیلاب کا ایک یہ نتیجہ ہوا کہ آٹھ بڑے بڑے خاندان جلاوطن ہو کر ادھر ادھر نکل گئے جن سے نظام سلطنت میں ضعف آگیا، چھٹی صدی عیسوی میں یہاں کے فرمانروا ذونواس سے جو مذہب یہودی تھا رعایا نے بغاوت کی اور شاہ حبش سے اعانت چاہی اس نے مشہور میں ایک فوج بھیجی جس نے ذونواس کو معزول کر دیا اور اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، سلطنت میں قبیلہ حمیر کے ایک باوصل شخص ذویزن نے فارس کی مدد سے اپنا ملک واپس لیا، لیکن چند روز کے بعد وہ قتل کر دیا گیا، اور یمن شاہنشہ ہی فارس کا ایک معمولی صوبہ رہ گیا۔

جو قبیلے یمن سے نکلے ان میں سے ایک نے دوسری صدی عیسوی میں حیرہ میں جہاں اب کوہ آباد ہے ایک سلطنت قائم کی لیکن وہ فارس کے زیر اثر اور مذہبی خیالات میں محسوس سے متاثر تھی، دوسرا قبیلہ شام میں جا کر آباد ہوا جو عسائی خاندان کہلاتا ہے چونکہ یہ خاندان رومیوں کے زیر اثر تھا اس لئے رفتہ رفتہ عیسائی ہو گیا، اور اسلام کے زمانہ تک عیسائی رہا۔

غرض عرب کے اصلی تمدن پر بیرونی اثر جو کچھ پڑا تھا وہ مجوسیت یا نصرانیت کا تھا یہودی معتقدات اور خیالات کا اثر بھی بہت کچھ تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کا ایک بڑا حصہ یعنی وادی القریٰ اور خیبر و فدک تمام تر یہودی آبادیاں تھیں اور خود مدینہ میں یہودی ہی صاحب اقتدار اور صاحب حکومت تھے، باقی تمام ملک میں مشرکانہ رسوم جاری اور جلاوطن مذہب پھیلے تھے، لوگ بتوں، پتھروں، درختوں، ستاروں، فرشتوں اور جنوں کی پرستش کرتے تھے۔

فدا کا اقتدار | تاہم اس میں شبہ نہیں کہ عرب زمانہ دراز سے ایک خدا سے بڑے پر اعتقاد رکھتے تھے، آج کل عرب کے جو قدم کتابت دستیاب ہوئے ہیں اس پر اللہ کا لفظ خدا کے معنی میں لکھا ہوا ہے البتہ اس کا اٹا اللہ نہیں بلکہ جملہ ہے عرب شمال کے عرب جو نباتی کہلاتے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ اللہ کا لفظ بھی شامل ہوتا تھا مثلاً دیا القی، عبد اللہ بنی، خود قرآن مجید میں خدا کا لفظ نسبت کرتا ہے۔

وَلَكِنَّ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۲۳)

اور جو ۱۱ سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے تم کو خدا کا شکر ہے۔

اس بند کے اندام کی تاریخ کی تعین مشکل ہے اور اس لئے اس کی تعین میں کئی نظریے ہیں، ایک اس کو دوسری صدی عیسوی کا واقعہ بتاتا ہے تو دوسرا پانچویں صدی عیسوی کا اصلیت معلوم ہوتی ہے کہ اس بند کے مختلف حصے مختلف زمانوں میں منہدم ہوتے رہے اور نئے رہے، آخری دفعہ پانچویں صدی عیسوی میں بالکل برباد ہو گیا (سیلمان)

لے اکثر علماء انہی کا بیان ہے کہ یہ قبائل یمن سے آئے تھے لیکن میں نے اس القرآن میں جہاں اس سے اختلاف کی ہے (سیلمان) تھے مذہب و اخلاق کی انسانی شکل پیدا ہوئی اور اس میں ۴۶۴ ہجری پر دوسرا نذر لکھا۔

یہ اصل میں حضرت ابراہیم کی تعلیم تھی لیکن رفتہ رفتہ شرک کا اعتقاد پیدا ہوا، یعنی یہ کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہیں گو اللہ ان سب میں بڑا ہے، یہ اعتقاد اس قدر راسخ ہو گیا کہ معبودوں کے انکار سے اسی قدر رنج ہوتا تھا جس قدر خود خدا کے انکار سے ہو سکتا تھا بلکہ چونکہ ان کے نزدیک دنیا کا روبرو اور روزمرہ کی ضرورتیں ان ہی چھوٹے چھوٹے خداؤں سے انجام پاتی تھیں اور کام اکثر ان ہی خداؤں سے پڑتا تھا، اس لئے اللہ کا خیال کچھ یوں ہی سارہ گیا تھا، ان ہی خداؤں کی پرستش کرتے تھے، ان ہی پر قربانی چڑھاتے تھے، ان ہی سے حاجتیں مانگتے تھے، اللہ تو زمین و آسمان بنکر بے کار سا ہو چکا تھا جو کچھ کرتے تھے یہی خدایان اصغر کرتے تھے یہی سبب تھا کہ کوئی شخص اللہ کا خالی نام لیتا تھا تو لوگ بہت کبیدہ ہوتے تھے۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَخُذَ حُثْمُهُ كُفُّوا قُلُوبَهُمْ  
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا  
ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ

اور جب خالی اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو یہ لوگ جو کہ قیامت کے معتقد نہیں ہیں، انکے معمول چڑھتے ہیں لیکن جب خدا کے سوا اوروں (معبودوں) کا بھی ذکر کیا جائے تو دفعہ ۵ کھل جاتے ہیں۔ (سورہ زمر - ۵)

اور سمجھتے تھے کہ ان چھوٹے خداؤں کی نذر دنیا و قربانی سے خدا خوش ہوگا اور وہ اس کے دربار میں سفارش کرے گی چنانچہ کہتے تھے مَا نَعْبُدُ هُمْ أَوْ لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (زمر - ۱) اور ہم ان بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں ملائکہ کی الوہیت | شرک کے علاوہ خدا سے اعظم کی نسبت، ماننے تھے کہ اس کے بال بچے بھی ہیں، چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْمَعُونَ أَلْمَلِكَةَ  
نَسِيئَةً أَلَا تُحْشَرُ الْكَافِرُونَ وَالْكَافِرُونَ  
إِذَا قَسَمْتَ ضَيْغِي (نجم - ۱)

جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں، تمہارے توروں کے ہوں اور خدا کے لڑکیاں یہ تو کچھ اچھی تقسیم نہیں۔

اس لئے جس طرح بعض یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو خدائی کا مستحق سمجھتے تھے وہ فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھ کر ان کی الوہیت کے بھی قائل تھے۔

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الصَّلَاطَةَ وَالْبَيْتِينَ  
أَرْبَابًا (آل عمران - ۸)

اور نہ خدا تم کو اس کا حکم دیتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہراؤ۔

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُبِينٌ  
أَمْ أَتَّخَذُ مَا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَكَو بِالْبَنِينَ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبُدُ الرَّحْمَنِ أَمَا ثَلَا أَشْهَدُ مَا خَلَقْتَهُمْ  
بَسْتَكْتَبُ شَهَادَتَهُمْ وَيُسْئَلُونَ وَقَالُوا لَا شَاءَ الرَّحْمَنِ مَا عِبَدُ نَحْنُ

اور ان مشرکوں نے خدا کے جہوں میں سے خدا کا ایک حصہ بنایا، بے شک انسان کھانا فرما ہے، کیا خدا جو پیدا کرتا ہے وہ اپنے لئے لڑکیاں لے اور تم کو لڑکے دے کر عزت دے اور ان مشرکوں نے فرشتوں کو جو رحمت والے خدا کے بندے ہیں، لڑکیاں قرار دیا، کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کی گواہی کہیں اور باز پرس کی جلتے گی اور کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ (زلزلہ - ۲۱)



ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ یہ فرشتے خدا کے ہاں اپنے پرستاروں کے سفارشی بنیں گے، خدا نے اس کی تردید میں کہا  
وَكُومِنْ مَلَائِكَةٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ  
اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش خدا کی  
اجازت کے بغیر کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجَافًا (صفت-۵)  
اور مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتہ داری بنائی۔  
اسی لئے وہ جنات کو خدا کی فدائی میں شریک کرتے تھے۔  
وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا  
انہوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا اور وہ خدا کی مخلوق میں  
لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ الْغَيْرِ عَلَيْهِمُ الرِّغَامُ (۱۲)  
اور بن جانے خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھر میں۔

بہت پرستی | جن خداؤں کو یہ لوگ مانتے تھے، ان کے بت بنائے تھے اور جا بجا عظیم الشان بتکمرے قائم ہو گئے تھے یہ رواج اس قدر عام ہو گیا تھا کہ جہاں کوئی خوبصورت پتھر مل گیا، اٹھالیا اور اس کی پرستش شروع کر دی اس سے زیادہ خوبصورت مل گیا تو اس کو مینیک دیا اور اس کی پرستش کرنے لگے، جہاں کوئی پتھر نہ ملتا تھا، خاک کا ایک تودہ بنالیا، ایک بکری لے بھیج مسلم کتاب التفسیر لسان العرب لفظ منکۃ لہ کتاب الاضام ہشام الکلبی مطبوعہ مصر ص ۳۴۔

اس بت پرستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کا نام عمرو بن لُئی تھا اور جو قبیلہ جرم کو شکست دے کر کعبہ کا متولی بن گیا تھا، ایک دفعہ بقاء گیا، وہاں لوگوں کو بت پرست دیکھ کر بت پرستی کی طرف مائل ہوا اور وہیں سے ایک بت لاکر کعبہ میں نصب کیا، چونکہ اس کا اثر تمام عرب پر تھا، اس لئے تمام عرب نے بت پرستی قبول کر لی اور گھر گھر بت خانے بن گئے، ان میں پہل سب سے بڑا تھا، اس سے اتر کر منات، لات اور عزیٰ تھے۔

لات قبیلہ ثقیف کا مجبور تھا جو مقام طائف میں نصب تھا۔ اہل طائف اس کو کعبہ کے برابر تسلیم کرتے تھے۔  
عربی ایک درخت تھا۔ اس کے پاس ایک بُت تھا، یہ قبیلہ غطفان کا بت تھا لیکن قریش بھی اس کی منایت عزت کرتے  
تھے اور اس کی زیارت کو جاتے تھے، قریش جب کعبہ کا طواف کرتے تھے تو یہ پٹھتے تھے:

وَاللَّاتُ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاٰخِرٰی اِنَّھُنَّ  
الْغَوٰثِقُ الْعُلٰی وَاِنْ سَاَعَتْھُنَّ لَبَاسًا

لات، عربی اور میسرمانہ یہ برہمنہ ہیں اور ان کی  
سجائش کی خدا کے ہاں امید ہے۔

جاہلیت میں جن چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی وہ مختلف قسم کی تھیں، اصنام و اوثان، انصاب اور حیوت، اصنام و اوثان جن کا واحد صنم اور وثن ہے یہ انسانی شکل و صورت کے بت تھے اگر وہ لکڑی کے ہوتے تو بغیم کہلاتے اور اگر زنگ اور مسالہ سے بنے تو ان کو دیر کہتے اور انصاب اور نصب بن گھرے پتھر ہوتے تھے جن کو کھڑا کر کے ان پر چڑھادے چڑھاتے اور جانور ذبح کرتے تھے، حیوت جس کا واحد بیت ہے چند گھر تھے جیسے رضا، رزام، قلیس وغیرہ جن میں بت پرستاء رسوم ادا کئے جاتے تھے، جن بتوں کے ارد گرد چکر لگاتے تھے ان کو دوار کہتے تھے اور ان پر جو قربانی کی جاتی تھی اس کو عتیر کہتے تھے، پتھروں کا ڈھیر لگا کر اس کے حاروں طرف چکر لگاتے تھے اس ڈھیر کو رجمہ کہتے تھے، جاہلی شاعر کہتا ہے۔



کما طاف بالرجمة المسترجمة۔ جیسے پتروں کے ڈھیر کا طواف کرنے والا طواف کرتے۔

جن بتوں کی پرستش کی جاتی تھی، ان کی کوئی انتہاء تھی۔

قبیلہ نبیلہ کا اک بُت جدا تھا۔

خاص خانہ کعبہ اور اس کے اطراف میں تین سو ساٹھ بُت تھے، ان میں سے قرآن پاک میں بھی کے نام بتاتے گئے ہیں وہ یہ ہیں: لات، عزی، مناة، یغوث، یعوق، نسر، ود، سواح، بعل، یکن جالبیت کے پرانے معنوں اور لغت نویسوں نے جالبیت کے شخصی ناموں اور شعر کے اشعار سے نام ذکر کئے ہیں، ہشام کلی کی کتاب الامام میں جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے اور جو اب مصر میں چھپ بھی گئی ہے تقریباً تیس بتوں کے نام ہیں، علامہ ذکی پاشا جنہوں نے کلی کی اس کتاب کو ۱۳۲۲ھ میں تحشیہ اور تکرار کے بعد شائع کیا ہے، اب تک میں چھپا لیس نام اور بڑھ جائے ہیں، میں اور مجاز میں آثار قدیمہ کے محققوں نے عہد جاہلیت کے جو کتبے پڑھے ہیں، ان میں المنہ، عشتار، نمر، تینان وغیرہ بہت سے اور ناموں کا پتہ لگایا ہے، میں نے ارضی القرآن کی دوسری جلد میں جو ۱۳۲۶ھ میں چھپی ہے، ان معلومات کو یکجا کر دیا ہے۔

ذیل میں ہم ان بتوں کی فہرست درج کرتے ہیں جن کے نام اب تک معلوم ہو چکے ہیں۔

بتوں کے نام	قبیلوں کے نام جو ان کو خاص طور سے پوجتے تھے۔
لات۔	لقیف۔
عزی۔	قریش و بنو شیبان بن جابر۔
مناة۔	اس و خزرج اور عام عرب۔
یغوث۔	بنو مدح و اہل جریش۔
یعوق۔	بنو ہمدان و اہل خیوان۔
نسر۔	حُمیر۔
ود۔	بنو کلب۔
سواح۔	بنو لیمیان۔
اساف۔	بُت، جس پر حج میں قربانی ہوتی تھی۔
نامر۔	بُت، جس پر حج میں قربانی ہوتی تھی۔
اقیسر۔	قضاء و لخم و ہذام و عامر و غطفان۔
باجر۔	ازد و طی و قضاعہ۔
ذوالخلصہ۔	بنو امیر، نضیم، بجالہ، ازد و السراة۔
سُفنا۔ یارضی۔	بنو ربیعہ کا بُت خانہ۔
رُہام۔	حُمیر کا بُت خانہ۔

ان الفاظ کے لئے دیکھو لسان العرب ج ۱ ص ۱۰۰ بحاری باب فتح مکہ

سبحہ۔

ند۔

سُخیر۔

ذوالشری۔

حاتم۔

عمانس ریا، عیانس۔

قلس۔

ذوالکفین۔

مناف۔

نہم۔

بیلی۔

بعل۔

بعیوب۔

اشمل۔

اوال۔

بس۔

بعیم۔

بلج۔

جبر۔

جُزیش یا جُبریش۔

جلسد۔

ہمار۔

دار۔

دوار۔

ذوالرجل۔

شارق۔

شمس۔

صد۔

عاد کا بُت۔

بنی لکھان بن لکھان۔

عنزہ۔

بنو عارض۔

ازد السراة۔

خولان۔

طی۔

بنو دوس۔

قریش۔

مزنیہ۔

قریش۔

قبائل بنی عدنان۔

حدیلہ (بنی طی)۔

بنو عبد الاشمل۔

بکر و تغلب۔

غطفان کا بُت خانہ۔

ایک لکڑی کا بُت۔

ایک بُت۔

ایک بُت جس کی طرف عبد جبریش کی نسبت ہے۔

ایک بُت کا نام۔

ہوازن کا معبود۔

ہو عبد الدار۔

ایک بُت کا نام۔

حجاز کا ایک بُت۔

ایک بُت کا نام جس کی طرف عبد الشارق کی نسبت ہے۔

بنو عبد شمس۔

عاد کا بُت۔

عاد کا بُت۔

عاد کا بُت۔

عاد کا بُت۔

عاد کا بُت۔



ممودا۔	علاء کابٹ۔
ضمار۔	عباس بن مرداس سلمی کا قبیلہ۔
ضیزن۔	منذر ابن۔
جععب۔	قضاہ۔
عوض۔	بکر بن وائل۔
عوف۔	ایک بُت کا نام۔
غضب۔	اس پر جانور ذبح کئے جاتے تھے۔
فراض۔	سعد العشیرہ۔
کثریٰ۔	جبریں و نام۔
کعبہ۔	ایک بُت کا نام۔
مخرق۔	بکر بن وائل۔
مزان۔	عبدالمدان۔
مرحب۔	سخر موت۔
منصب۔	ایک بُت کا نام۔
ہبار۔	عاد۔
ذات الودع۔	ایک بُت کا نام۔
یایل۔	عبد یایل۔

**ستارہ پرستی** عرب میں ستارہ پرستوں کا بھی ایک گروہ تھا، مختلف قبیلے مختلف ستاروں کی پوجا کرتے تھے، ان میں سب سے اہم سورج اور چاند تھے، اسی لئے قرآن پاک نے خصوصیت کے ساتھ کہا۔

لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (ہم سمجھو) سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو۔

یمن میں سبکی قوم سورج ہی کو دیسی مانتی تھی ذیل ۱۲ یمن کے بادشاہ شمر لہر عرش نے سورج دیسی کا مندر بنوایا تھا

سورج اور چاند کے بعد ستاروں میں شمری کی بڑی قدر و منزلت تھی، اسی لئے قرآن پاک نے کہا۔

وَإِنَّهُ هُوَ رَبُّ السَّجُورِ (ہم سمجھو) اور وہی خدا شمری کا مالک ہے۔

صاعدی المتوفی ۱۱۱۱ھ نے اپنی کتاب طبقات الامم میں عرب کے حسب ذیل قبیلوں کو مختلف ستاروں کا پرستار بتایا ہے

قبیلہ حمیر سورج کو پوجتا تھا، کنانہ چاند کو، تمیم برآن کو، لخم اور عذام شمری کو، طلی سبل کو، قیس شمر العور کو اور اسد عطار دکن کو۔

**جن اور شیاطین اور مجہوت پلٹیت** جن اور شیطان کی نسبت عرب کے عجیب عجیب افتقاد تھے وہ جن، شیطان اور

مجہوت پلٹیت سب کو ایک ہی جنس سمجھتے تھے، گو اختلاف صورت اور اشغال

لے تاریخ الملوک الارمن حمزہ اصغاری ص ۱۱۱۱۔ لے طبقات الامم قاضی صاعدی ص ۳۳ بیروت۔

کی وجہ سے ان کے الگ الگ نام پڑ گئے تھے جو اجنبی جنگلوں اور میدانوں میں رہتے تھے اور مسافروں کو اپنی صورت میں یا لباس بدل بدل کر دھوکا دیتے تھے، ان کا نام غول تھا، یہ مذکر بھی ہوتے تھے اور مؤنث بھی۔

جید بن ایوب الغیری۔

وغول قسوتہ ذکر و انتی کات علیہما  
قطع البجاد۔ اور بیابان کے دو غول، مرد بھی اور عورت بھی، گویا کہ ان دونوں پر کمل کے ٹکڑے پڑے ہیں۔

مؤنث کو سحلا کہتے تھے۔

ازل و سحلا و غول بقضیۃ اذال اللیل  
واری الجن فیہ ارنق۔ میں چھلتا ہوں اور پڑیل اور غول بیابان میں جب رات پردہ پوش ہوتی تھی تو اس میں آواز دیتے تھے۔

عمرو بن یزید یزید کا ایک ممتاز شخص تھا اس نے سحلا سے نکاح بھی کیا تھا اور اس سے اولاد بھی ہوتی تھی، ماجز کہتا ہے۔  
یا قاتل اللہ بنی السہام۔ خدا سحلا کے فرزندوں کو مارے۔

بلقیس ملکہ یمن ران کے زعم میں، سحلا ہی کے پیٹ سے تھی۔

یہ اکثر گھاتے بجاتے تھے اور اہل عرب ان کے غمغول سے محفوظ ہوتے تھے۔

کہ حبیب دونک من بہما مظلمۃ اقیہ  
اذا ما مغنے جندہ سمرا۔ کتنی آخری گھپ راتوں میں! میں نے صومرا کو قطع کیا، جب وہاں کے جنات کا مغنی افسانہ گوئی کر رہا تھا۔

یہ صحرائی برودوں کی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے، بارشوں میں جب بدواگ ہلا کر بیٹھے تھے تو یہ بھی آگ تاپنے کو آجاتے تھے لیکن جب ان کو کھانے پر بلاتے تھے تو وہ عذر کرتے تھے کہ ہم آدمیوں کی غذا نہیں کھا سکتے۔

اتواناری فقلت محنون انت کفعلوا  
الجن قلت عمووا ظلا ما دعوت الی الطعام  
فقال منہوا زعیو نحسدا لانس  
الطعاما۔ وہ لوگ رات کو میرے پاس آتے تو میں نے کہا تم کون ہو، انھوں نے کہا ہم جن ہیں، میں نے کہا اس تاریکی میں خوش ہو، میں نے ان کو کھانے کے لئے بلایا تو ان میں سے ایک سردار نے کہا ہم انسانوں کے کھانے پر حسد کرتے ہیں۔

یہ زیادہ تر جہاں آباد تھے ان موضوعوں کے نام بدی، بقار اور عبقر تھے۔

۱۴ جن البدی و واسیا قد امہا۔ بدی کے جن، جن کے قدم جے تھے۔

۱۴ تحت السنور جنة البقار۔ زربوں کے نیچے بقار کے جوت تھے۔

۱۴ علیہن فتیان کجنتہ عبقر۔ اور ان پر شسوار جوانی عبقر کے جوت معلوم ہوتے تھے۔

ان کے اقام حسب ذیل تھے۔

جواد میوں کے ساتھ لیل کر رہتے تھے، ان کو عامر کہتے تھے۔

جوبیوں کو ستاتے تھے، ان کا نام روج تھا۔

جو زیادہ شریک تھے ان کو شیطان کہتے تھے۔



اس درجے سے بڑھ کر جو شریر ہوتا تھا اس کو حضرت کہتے تھے۔  
 یہ اکثر بچوں اور جوانوں کو اٹھالے جلتے تھے، حضرت علیؓ کے ایک بھائی طالب تھے، یہاں کو اٹھالے گئے اور چہرے کا  
 پتہ نہ لگا، مگر وہ صریحی جوہر کا بادشاہ تھا اس کو بھی اٹھالے گئے لیکن کئی برس کے بعد جبریمبرش کو لا کر دے گئے۔  
 اسی طرح غزوہ کا قہر ہے جس کو بھی اٹھالے گئے، مدت کے بعد وہ آپس آیا تو عجیب عجیب باتیں بیان کرتا تھا۔  
 ان اجڑے یا شیاطین سے جی لوگوں کے تعلقات زیادہ بڑھ گئے تھے ان میں سے تائب شتر اور ابوالبلاد طہوی  
 زیادہ مشہور ہیں، طہوی نے ایک دفعہ ایک بھوت کو مار ڈالا تھا اس کے واقعات ایک نظم میں لکھے ہیں۔

لَقِيتَ الْغُولَ تَسْرِعُ فِي ظُلُمِهِ  
 فَنَصَدَّتْ وَاسْتَحْيَتْ لَهَا بَعْضُ حَامِ  
 خَيْرٌ مَوْثِقُ بَعَافٍ  
 فَقَدْ سَرَّاتُهَا وَالْبَرْدُ مِنْهَا فُخْرُتْ  
 لِلْيَدِينِ وَاللَّجَوَاتِ

میں غول بھاگتا ہے ظلمت میں چلتے ہیں،  
 کو اس نے روکا اور میں یہ کہہ کر  
 اس کی طرف بڑھا۔  
 تو اس نے اس کے سر کو اس کی زرد ہڈی کو کاٹ ڈالا اور وہ دو  
 دونوں اٹھوں اور سینہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

ان ہی اجڑے اور شیاطین کا زور توڑنے کے لئے قرآن نے قیامت کے اس سوال و جواب کا انداز اختیار کیا کہ ان کے دوست  
 انسان وہاں بھی ان کی دوستی کا دم بھرتے جائیں گے اس سے اندازہ ہو گا کہ جاہل عربوں پر ان کا کس قدر تسلط تھا  
 يُعْطَرُ الْجَنَّةَ قَدْ اسْتَكْبَرُوا مِنْ اَوْلِيَاءِ  
 وَقَالَ اَوْلِيَاؤُهُمْ مِّنَ الْاَوْلِيَاءِ رَبَّنَا اسْتَمْتَحَمْ  
 بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَرَعَا لَنَا

کمانت ایک سخت جاتی جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی ہر جگہ ایک یا کئی کاہن ہوتے تھے جو آئندہ واقعات کی پیشین گوئی  
 کرتے اور آسمانی خبریں بتاتے تھے، ان کا حرب کا اعتماد اور خود کا ہنوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایک جن رہتا ہے  
 وہی ان کو القا کرتا ہے وہ اپنی شکل و صورت بناتے تھے کہ پہچان لے جاتے تھے چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس سے ایک  
 آدمی گزرا، انہوں نے قیافہ سے پہچان لیا کہ وہ کاہن ہے اس کو جا کر پوچھا کہ تیرے جن نے تجھ سے سب سے عجیب تر بات کیا بیان کی  
 اس نے کہا میں ایک روز بازار میں پھر رہا تھا کہ میرا چچا گھبرا ہوا آیا اور کہا۔

الو توالی الجی وابلہ مسہا و مسہا من بعد  
 انکاسہا و لحو قہا بالقلوس واحد مسہا۔  
 کیا تم جی کو سوسہ لگی، ان کا نام میری اور ان کے کاروبار کا تیری  
 نہیں دیکھتے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے، میں ایک روز زمانہ جاہلیت میں جنوں کے پاس سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ  
 ایک آدمی نے ایک گوسالہ کر ذبح کیا، اس کے بعد ایک شخص زور سے چلایا۔

یا جلیم امر بنجیم رجل فصیم ليقول لا اله الا الله  
 اے جلیم، کامیاب امر! ایک فصیح شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔

نہ شاق ترمذی باہر مکرلہ یہ تمام تفصیل کتاب الحيوان جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۰ جو ششم مطبع سعادت مصر لکھا ہے کتاب البیان والتبيين للباحث جلد اول ص ۱۳ مطبع مطبع علیہ مصر  
 کتاب مذکور از ص ۱۴۸ صفحہ ۱۰۰ جو ششم مطبع سعادت مصر لکھا ہے کتاب البیان والتبيين للباحث جلد اول ص ۱۳ مطبع مطبع علیہ مصر

۱۴۲  
 اس کے چند ہی دنوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، مجمع بخاری (تفسیر سورۃ الضحیٰ) میں روایت ہے  
 کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ طویل ہو گئے اور دو تین دن رات میں عبادت کے لئے نہیں اٹھے اس پر ایک صحت  
 رہا المولسب کی زوجہ تھی، نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

انی ارجوان لیكون شیطانك قد تکلک۔  
 میرا خیال ہے کہ تیرے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا۔  
 یہ وہی خیال تھا، چونکہ کفار آپ کو کاہن خیال کرتے تھے اس لئے ان کا خیال تھا کہ آپ کے خاتمہ کوئی جی یا شیطان  
 رہتا ہے، قرآن پاک نے اسی کی تردید اس آیت میں کی ہے۔

هَلْ اَنْتَ لَمْ تَكُنْ مِّنْ مَّنْ تَنْزِلُ الشَّيْطَانُ ذَنْبًا لَّيْلٍ  
 كُلِّ اَفَّاكٍ اَشْهَرُ يُلْقُونَ السَّمَّ وَ الْكُتْمُ كَذِبُ لَوْ اَنَّكَ  
 یہ کاہن تمام مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ بھی کرتے ہیں اور اس بنا پر تمام ملک پر ان کا اثر چھایا ہوا تھا ان میں سے  
 حازمی، تنق، سطح، عزلی بہت مشہور تھے، جاحظ نے ان کے کاہنہ فخرے کتاب البیان میں نقل کئے ہیں۔

والا من والسماء والعقاب والصقعا  
 واقعہ میدان میں واقع ہوا کہ بزرگ بزرگ ہر شے پر غالب آگئی ہو  
 للمعبد والمنام۔  
 قسم ہے زمین اور آسمان کی اور عقاب اور آفتاب کی، ایک  
 واقعہ میدان میں واقع ہوا کہ بزرگ بزرگ ہر شے پر غالب آگئی ہو

یہ کاہن جو خبریں بتاتے یا ملتے کرتے وہ بڑے کلف کے مفتی اور مسجع فخرے ہوتے اس لئے جب ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 دہلی کے سامنے ایک ساقط العمل بچہ کا مقدمہ پیش ہوا اور آپ نے اس کی دیت کا نہ مل کر تو ایک شخص نے عرب کے دستور کے مطابق اعتراض کیا  
 ارایت من لا مشرب ولا اکل ولا صا ح فاستهل  
 خود فرمایا کہ جس بچہ نے نہ کھا یا نہ پی یا نہ چوسا نہ رو یا کیا  
 الیس دمه بطل۔  
 اس کا خون معاف نہ ہو گا

آپ نے فرمایا یہ کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے (مجمع مسلم در البیہ) مجمع بخاری باب الکمانہ) یہ کاہن بت خانوں میں جتے  
 تھے اور کسی خاص بت کے پیاری ہوتے تھے، جب لوگ ان سے غیب کی باتیں پوچھتے یا خود آئندہ کے متعلق پیشین گوئی کرنے لگتے تو ایک  
 خاص کیفیت پسند اور طاری کرتے، مرد بھی کاہن ہوتے تھے اور بعض عورتیں بھی ہوتی تھیں جو کاہنہ کہلاتی تھیں، یہ مصیبتوں اور بلاؤں  
 کے دور کرنے کے لئے بت پرستانہ علاج اور میرہاتے تھے، یہ اپنی کمانت کی اجرت میں بڑی بڑی رقمیں اور خزانے وصول کرتے تھے  
 اسلام کے بعد ان میں جو مسلمان ہو گئے تھے وہ ہلا نیر اپنے خدع و فریب کا اعتراف کرتے تھے، ان کو خذرنیاز اور اجرت کی جو رقم یا  
 تحفہ ملتا اس کا نام ملوان الکابل تھا یعنی کاہن کا منہ میٹھا کرنے کے لئے تحفہ، اسلام نے اگر اس کو روک دیا۔

غرض ان کاہنوں نے عوام فریبی کا بڑا جال پھیلا رکھا تھا اور یہ ان ہی کا اثر تھا کہ ملک کا ملک سینکڑوں قسم کی دہم پرستیوں  
 میں مبتلا ہو گیا تھا۔

شعرا کی نسبت بھی عرب کا یہ خیال تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے اور وہی اس کو اشعار القا کرتا ہے  
 چنانچہ نخل شاعر کی شیطانہ عروک جیٹی تھی اور مثنوی جو عرب کا مشہور شاعر تھا اس کے شیطان کا نام مکمل تھا، اعرشی خود کہتا ہے۔

مجمع بخاری ص ۱۴۸ صفحہ ۱۰۰ جو ششم مطبع سعادت مصر لکھا ہے کتاب البیان والتبيين للباحث جلد اول ص ۱۳ مطبع مطبع علیہ مصر



دعوت خلیفہ مسجلہ و دعوالہ بجهنم  
 ۱۴۲۲  
 میں نے اپنے دوست مسجل کو پکارا اور انھوں نے اس کے لئے جہنم  
 کو پکارا اور یہ کہینہ باطن کے لئے بلایا جاتا ہے جو کہ میرے حق دوست  
 نے میری جان اس پر لڑا ہوا شاموں کے وقت سب سے بڑے خوش  
 مارنے والا اور سخت پتھر ڈالنے والے کو دیا۔  
 العشیات مرجعہ۔

جو اصل درجہ کا شاعر ہوتا تھا اس کا شیطان یا جن ذکر ہوتا تھا، اب الہم کتا ہے۔  
 افی کل شاعر من البشر شیطانہ انشی و شیطان ذکر  
 شغفان اور شیعبان، روایت شیطانی تھے جو شاعری سکھاتے تھے، ایک شاعر کو اس پر فخر تھا کہ اس کا معلم ای  
 شیعبان کی اولاد سے ہے۔

ولی صاحب من جف الشیطان فطونا  
 میرا ساتھی شیعبان کی اولاد ہے، تو کبھی میں شعر کہتا ہوں  
 قول و طوراً حولا۔

اوام پرستی  
 سانپ کو قتل نہیں کرتے تھے یہ اعتقاد تھا کہ سانپ مارا جائے تو اس کا جوڑا کر بولتا ہے، یہ اعتقاد تھا کہ مرنے  
 کے بعد روح ایک پرندہ بن کر اڑتی رہتی ہے اس کو امر کہتے تھے، یہ اعتقاد تھا کہ بیٹ میں ایک سانپ رہتا ہے جو  
 بھوک کے وقت کتا ہے، جو کام کرنا چاہتے تھے پہلے شگون لے لیتے تھے مثلاً اس وقت کوئی پرندہ داسنی جانب سے اڑا تو مبارک  
 سمجھتے تھے اور بائیں جانب سے اڑا تو اس وقت اس کام سے باز رہتے تھے، بھری کے جب بچہ پیدا ہوتا تو اگر نر ہوتا تو بچہ پر  
 چڑھا دیتے، اونٹنی جب دس بچے جن لیتی اس کو چھوڑ دیتے، وہ سانپ کی طرح چھوٹی پھرتی۔

کسی شخص کے پاس جب اونٹوں کی تعداد بڑھ کر کتبہ بن جاتی تو ایک اونٹ کی ایک آنکھ چھوڑ دیتے کہ نظر نہ لگ جائے جب  
 کبھی قتل پڑتا تو بھیر بادنب کی دم میں گھاس چھونس بانڈ کر آگ لگا دیتے اور کہتے کہ اس سے پانی برے گا، سفر میں جاتے تو کسی  
 درخت میں ڈور وغیرہ بانڈ کر گرہ لگا دیتے، واپس آکر دیکھتے اگر گرہ کھل گئی ہے تو کہتے کہ ان کی بیوی نے جہاڑی کی، سفر میں راستہ  
 بھول جاتے تو بکھرے الٹ کر بھی لیتے اور کہتے کہ اس سے راستہ مل جائے گا، یہ خیال تھا کہ جو شخص لات و عزی کو گالی دیتا ہے اس  
 کو برسرِ بام بھڑام ہوتا ہے۔ انھوں میں پتیل کی آنکھ ٹپپتی پھرتی تھی اور کہتے تھے کہ اس سے ضعف جاتا رہتا ہے۔  
 اس قسم کے سینکڑوں اوام پھیلے ہوئے تھے جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

یہ تو ان کے مذہبی حالات و خیالات تھے ان کی اخلاقی کیفیت بھی ایسی ہی پست تھی، ان کے اخلاقی معائب میں سب  
 سے نمایاں چیز ان کی جنگجوئی تھی جس نے ان کو حد درجہ غور و خوار، سنگدل اور سفاک بنا دیا تھا۔

جنگجوئی  
 ازلاذرا کی بات پر لڑنا اور ایک دوسرے کا سر کاٹ لینا، ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی، ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ  
 سے اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرِ پیکار تھا، ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزوں کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ  
 لے اٹھنے کے دیوانہ طور پر دیا کرتا تھا، ۱۵۰ میں صرف پتلا شاعر ہے اور اس کا بھی دوسرا شعر اس طرح ہے جہنم جہنم جہنم جہنم  
 المعذموتہ البراد و مطبوعہ مجتبیٰ مطبعہ ۲ ص ۳۶۶ کہ یہ باتیں بلوغ العرب اور اطوار العرب وغیرہ کتابوں میں مذکور ہیں مگر مسند  
 واری میں ۱۵۰ ص ۱، ہر ص ۱۵۰، البتہ التام باب حب۔

۱۴۵  
 میں پرورش پاتا تھا اور جوان ہو کر اس مقدس فرض کو انجام دیتا تھا اور اس طرح ایک ایک لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم  
 رہتا تھا، ان ہی لڑائیوں کو مؤرخین اور اہل ادب ایام العرب کہتے ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، میدانی فیض پوری  
 المتوفی ۱۵۱۸ء نے کتاب الامثال میں ان میں سے ۱۳۲ لڑائیوں کے نام بتانے کے بعد یہ لکھا ہے۔  
 هذا الفن لا يقتصلا الا حصلا فاقصرت علی  
 یہ فن شمار کا استقصاء نہیں کر سکتا اس لئے جو کچھ میں نے بیان  
 ما ذکوت (جلد ۲ ص ۳۹۱ خبر مصر)  
 کیا ہے اسی پر میں نے قناعت کی۔

یہ تمام لڑائیاں وہ ہیں جو اسلام سے چالیس پچاس برس پیشتر سے اسلام تک ہوئیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور  
 لڑائی جس و فریان کی ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں قبیلوں کے دو گھوڑے داجس اور غبرا کا باہمی مقابلہ تھا، ان میں  
 سے ایک فریق نے گھوڑے دوڑ کے قواعد کی خلاف ورزی کی اور لڑائی ہو پڑی یہ لڑائی ان دونوں قبیلوں میں پورے چالیس برس  
 تک قائم رہی، دوسری مشہور لڑائی حرب لبوس ہے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ لبوس نامی ایک قبیلہ کی عورت کی اونٹنی کلیب بن  
 وائل کے چراگاہ میں جا پڑی، کلیب نے اپنے تیر سے اس کے تھن کو زخمی کیا، اس بات نے قبیلہ میں آگ لگا دی، کلیب جان  
 سے مارا گیا اور بکر و غلبہ میں خونریز جنگ ہوئی، عکاذا کے میلہ میں سلیم اور غطفان کے سرداروں میں کچھ مناقشہ ہوا چند  
 روز کے بعد موقع پا کر ایک قتل کر دیا گیا، اس کے انتقام میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، بکر و تہیم میں ایک چراگاہ کے معاملہ میں خونریز  
 لڑائی ہوئی، اوس و خزرج مدینہ کے دونوں قبیلوں میں جو مولک لڑائیاں ہوتی رہیں، ان میں سب سے مشہور یوم بعاث ہے  
 جس میں دونوں قبیلوں کے اکثر سردار کام آئے، اس لڑائی کا خاتمہ انصار مدینہ کی بیعت پر ہوا، قریش کی مشہور لڑائیوں  
 کا نام ایام فجار ہے، ایک مشہور لڑائی کا نام ذی قار ہے۔

الغرض معمولی سے اشتعال سے قتل تک نوبت پہنچتی تھی، قتل سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور لڑائیوں کا ایک غیر منقطع  
 سلسلہ قائم ہو جاتا تھا، ان میں لڑنا اور مرجانا اور مارنا جاہلیت کا شرف اور قبیلہ کی آن بکھی جاتی تھی اور اس خون آشامی کا ذوق  
 ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، ان لڑائیوں میں سفاکی، بے رحمی اور قتل و غارت کی بدترین مثالیں پیش آتی رہتی تھیں۔

شراب خوری  
 شراب جو ہر قسم کے فسق و فجور اور منہاں اور بدکاری کا سرچشمہ ہے، عربوں میں اس کا اس قدر رواج تھا کہ  
 ہر گھر ایک میکہ بن گیا تھا، اس کا نہ پینا اس قدر نامانوس بات تھی کہ جن چند آدمیوں نے اسلام سے پہلے اس  
 کے پینے سے پرہیز کیا تھا ان کے نام یاد رکھے گئے، میں، دوست و احباب کسی گھر میں جمع ہوتے، شراب کا دور چلتا، ساتھ ہی جو اٹھتے  
 اس میں اونٹوں کی جارحیت ہوتی جو جیتا و جیتے ہوتے اونٹوں کو اسی وقت ذبح کر کے کھلا دیتا، کبھی نشہ میں سرشار ہو کر خود  
 صاحب خانہ اٹھ کھڑا ہوتا اور اپنے اونٹوں کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کر دیتا، لوگ گوشت بھونتے، کباب لگاتے اور کھاتے کھلاتے اور  
 اپنی اس بے جا فیاضی پر فخر کرتے رہے، سامنے فاحشہ مغنیہ عورتیں گاتی، بکاتیں اور وہ اسی خموری کے عالم میں بے شرمی کی  
 باتیں کرتے، جاہلیت کا مشہور شاعر طرفة کتا ہے۔

فان تبغضنی فحلقتہ القوم تملقنی  
 وان تقصصنی فاحوانیت تقصطہ  
 پس اگر تو مجھے لوگوں کے عالم میں ڈھونڈے تو پائے گا  
 اور اگر شراب خانوں میں مجھے شکار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے  
 لہذا ان لڑائیوں کے مفصل حالات کے لئے دیکھو عقد العزیز ابن عبد ربہ جلد ۲ اور امثال میدانی لفظ "یوم"



متی تاتمت اصبحك كاسا رويته وان كنت عنها غائبا فاعف واكرم  
 جب بھی تو میرے پاس آئے میں تجھے شراب کا پیالہ پلاؤں گا، اور اگر تو اس سے بے نیاز ہو گیا تو جا اور بے نیازی کر۔  
 ندامای بضر كالنجور وقينة متروحا الينا بين بر دو مجد  
 میری محفل شراب کے ہم نشین تاروں کی طرح گورے چہرے ہیں اور ایک مغنیر ہے جو شام کو ہمارے پاس یعنی چاند اور حضرت انی کے کپڑوں میں آتی ہے۔  
 رحيب قطاب الجيب منها رفيقة بجس الندامى بضة المتجرد  
 اس کے گریبان کا شگاف بڑا ہے، شرابی رفیقوں کی دست درازی سے مانوس اور اس کے بدن کے برہنہ حصے لطیف ہیں۔  
 اذا نحن قلنا اسمعينا انيوت لنا اعلى رسلها مطروقة لعل تشدد  
 جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں سناؤ تو آہستہ آہستہ نزاکت کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔  
 وما زال تشرب الخمر ولذق وبسعي والفاق طريف ومتلدى  
 اور میری شراب نوشی اور لذت اندوزی اور اپنی حاصل کردہ اور موردی دولت کو خرچ کرنا میرا شمار ہے۔  
 ولولا ثلث هن من لذة الفتى وجدك لولا حفل متى تار عودي  
 اور اگر تین باتیں نہ ہوتیں جو ایک شریف کا لطف ذوق ہیں تو تیری قسم میں اپنی موت کی پرواہ نہ کرتا۔  
 فنهن مسبق العادلات بشرية كميت متى ما نعمل بالماء من مبدى  
 ان میں سے ایک تو نصیحت کرنے والیوں کی بابت کا خیال کئے بغیر سرخ و سیاہ رنگ کا پیالہ لینا جس میں پانی پلانے سے جوش آئے۔  
 ولتقصير يوم الدجن والدجن معجب بهيكتة تحت الخباء المعتمد  
 اور دوسری بات گنگو رکھنے کے دن کو اور وہ کیسا پر لطف دن ہوتا ہے کسی مغنیر کے نیچے حسین معشوقہ سے لطف اندوزی میں چھوٹا کرتا ہے۔  
 كرمير يوقى نفسه في حياهم ستعلمون متناظرا ايتنا الصدق  
 میں وہ فیماں ہوں جو اپنی زندگی میں اپنے آپ کو شراب پلانے کے بعد معلوم ہوگا کہ ہم میں پیاسا کون ہے۔  
 وبرك هجور قد اثار غافتي بود بها امشي بعضب محبوم  
 اور کتنے بیٹھے ہوئے سوسے اونٹ تھے کہ میرے خوف نے ان کے انگوں کو بھر دیا، جب میں تلوار لے کر چلا۔  
 فصرت كهات ذات خيف جللة عقيلة شيخ كالربيل يلتدم  
 تو ایک موٹی اونٹنی جو ایک بڑے کی جوتھ کی طرح جھگڑا کرتی تھی، قیمتی چیز تھی، سامنے آگئی۔  
 وقال الا ما ذا قرون لشارب شديد علينا بعينهم متحمدا  
 اور جب میں نے تلوار سے کوئین کاٹ کر اونٹنی کو گرادیا تو اس بڑے نے کہا کہ اس بدست کو دیکھو جو جان بوجھ کر ہم پر ظلم کر رہا ہے۔  
 فظل الا ماء يمتلئ خوارها ويسعى علينا بالسذيف المسراهد  
 تو نوٹ دیا اونٹنی کے بچہ کو جو اس کے پیٹ سے نکلتا تھا، بھرتے لگیں اور چربی دار کو بان کا گوشت لے کر ہمارے پاس دوڑا جانے لگا۔  
 لبير بن ربيع جو عرب کا مشہور شاعر اور سب سے معلقہ کی محفل کا چوتھا ممبر ہے کہتا ہے۔

بل انت لا تدريين كم من ليلة طلق لذيب ليوها وندامها  
 .... بلکہ تو نہیں جانتی کہ کتنی کھلی ہوئی راتیں جن کی دلچسپی اور ہم نوشی پر لطف تھی۔  
 قد بت سامرها وعناية تاجر واقيت اذ رفعت وعزامها  
 میں ان کا قصہ گو تھا اور شراب نوشی کی منزل میں آتا جاتا رہا جب مجھ پر لطف ہوا اور اس کی شراب گراں ہو گئی۔  
 اغلى السباء بكل ادكن عاقبة او جونة قدحت ونفض ختامها  
 میں اس کی قیمت کو اور گراں کر دیتا تھا، پرانی خاک رنگ کی مشک یا غم کو خرید کر جو پیالوں میں بھری جاتی اور اس کی مٹ توڑی جاتی۔  
 وصباح صافية وجذب كرمينة بموت شرتا تاله ابهامها  
 اور کتنی صبح کی صاف شراب اور مغنیہ کا عود کو کھینچ کر اپنے انگوٹھے سے دبانا۔  
 بادرت حاجتها الدجاج لبسحرة لا عل منها حين هب نيامها  
 میں نے شراب کی ضرورت مرغ بھر کی آواز سے پہلے پوری کی تاکہ میں اس کے سونے والوں کے جاگنے سے پہلے دہراؤں۔  
 تغلب ان قبليلوں میں تھا، جنھوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا لیکن اس مذہب نے بھی عربوں کو اس بُری عادت سے باز نہیں رکھا تھا بلکہ شراب کی درآمد زیادہ تر انہی عیسائیوں کے ملک شام سے ہوتی تھی، تغلب کا سب سے بڑا شاعر اپنے فخر میں کہتا ہے۔  
 اله همتي بصحنك فاصبحنا ولا قبقي خمور الوند رينا  
 اہ اپنا پیالہ لے کر اٹھ جا اور مجھے صبح کی شراب پلا اور اندریں دشمنی گانوں، کی کوئی شراب چھوٹے نہ پائے۔  
 مشعشة كارت الحضر فيها اذا ما الما خالطها سخينا  
 پانی میں ملی ہوئی گویا اس میں کسم کے بھول پڑے ہیں، جب گرم پانی اس میں ملاؤ۔  
 تجور بذي اللبان عن هوا اذا ما ذاقها حتى يلبينا  
 غرض منہ کو اس کی غرض بھلا دے، اگر اس کو چمک لے یہاں تک کہ اس کو دم کر دے۔  
 فدمي اللحر الشحيح اذا اموت عليه لعله فيها مهيئا  
 تنگ دل بخیل پر بھی اگر اس کا ایک دور گزار دیا جائے تو وہ اپنی دولت کو لٹا دے۔  
 صبنيت الكاس عن امر عمرو وكان الكاس مجراها اليمين  
 اے عمرو کی ماں! تو لے ہم سے پیالہ بٹالیا حالانکہ پیالہ کا دور داہنی طرف تھا۔  
 وما شر المشلالة امر عمرو بصاحبك الذي لا تصبحنا  
 حالانکہ تیرا وہ ہم نشین جس کو تو نہیں پلاتی تین میں سب سے بدتر نہیں۔  
 كاس قد شربت به حبك واخرى في دمشق وقاصرينا  
 اور کتنے پیالے بعلبک میں پیئے اور کتنے دمشق اور قاصریں میں۔  
 ان اشعار سے اندازہ ہوگا کہ جاہلیت میں شراب نوشی کا کیا عالم تھا، شراب فروشوں کی دوکانیں کسی ممتاز مقام پر ہمیشہ کھلی رہتی تھیں اور نشان کے لئے وہاں مجنڈا لڑا کرتا تھا جس کو غایہ کہتے تھے اور دیکھو اوپر لبید کا دوسرا شعر، انتہا



یہ ہے کہ تجارت کا لفظ شراب نوشی مترادف بن گیا تھا، ایک جاہلی شاعر عمرو بن قیسہ کہتا ہے۔  
 اذ اسحب الریط والمروط الى ادفى تجارى وانفض اللهم  
 یاد ہے وہ دن جب میں اپنی چادر گھسیٹا ہوا قریب ترین شراب خانہ میں جاتا تھا اور اپنے گیسوؤں کو جھاڑتا تھا۔  
 بدر میں قریش کے دولت مند رؤسا مارے گئے تھے، ان کے مرثیے میں قریش کا ایک شاعر خاص طور سے  
 ان کی بزم شراب اور مجلس رقص و سرود کی بربادی کا ماتم کرتا ہے۔

وماذا بالقلب قلب بدر من القينات والشر الكرام  
 بدر کے گڑھے میں جس میں مقتولین کی لاشیں ڈالی گئی تھیں، بچنے والیوں اور فیاض شریوں کا ماتم ہے۔  
 شراب کے رواج عام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عربی زبان میں شراب کے ڈھاتی سونام میں اور علامہ عبد الرحمن  
 فیروز آبادی نے خاص ان ناموں پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، تمام گھروں میں شراب کی مجلسیں قائم ہوتی تھیں، گھر کی عورتیں اور  
 چھوٹے بچے ساقی بنتے تھے، یہ شعر اوپر گزر چکا ہے جس میں شاعر اپنی بیوی سے کہتا ہے۔

صبیت الكاس عنا ام عمرو  
 وکات الكاس مجرا الیمینا  
 اے ام عمرو! تو نے شراب کا پیالہ ہم سے ہٹا لیا  
 حالانکہ پیالہ کی گردش داہنی طرف سے تھی۔  
 حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے میں اپنے باپ (عباس) کی زبان سے کم سنی میں یہ سنا کرتا تھا۔  
 اسقنا کأساً دهاقاً شراب کا ایک لبریز پیالہ ہم کو پلا۔

صحیح بخاری کتاب الاشرار میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب شراب حرام ہوئی ہے تو اس وقت ایک مجلس قائم تھی جس میں  
 حضرت ابو دجاہؓ، ابو طلحہؓ، سمیل بن جہادؓ، شریکؓ تھے اور میں جو کہ سب سے کم سن تھا ساقی گری کی خدمت انجام دے رہا تھا۔  
 شراب کس بے تکلفی سے پی جاتی تھی کس درجہ کے لوگ پیتے تھے کس قسم کے افعال اس حالت میں سرزد ہوتے تھے، اس کا  
 اندازہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہوگا جو حرمت شراب سے قبل کا واقعہ ہے۔

غزوہ بدر میں حضرت علیؓ کو مال غنیمت میں سے ایک اونٹنی ملی تھی، جس میں سے ایک اونٹنی اور اونٹنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے عطا فرمائی، حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے ہو چکا تھا اور وہ دعوت ولیمہ کی تیاری کر رہے تھے، الادہ تھا کہ جنگ میں  
 جا کر اذخر (ایک گاس کا نام ہے) لائیں اور زر گروں کے ہاتھ فروخت کریں، اس الادہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی اونٹنیوں کے  
 کونان کسی نے کاٹ لئے ہیں اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا ہے لوگوں سے پوچھا یہ کس کا کام ہے؟ معلوم ہوا کہ پاس ہی ایک گھر  
 میں حضرت حمزہؓ چند انصاریوں کے ساتھ شراب پی رہے تھے ایک مغنیہ نے گاتے گاتے یہ مصرع گایا۔

الایاحمزللشرف السواء  
 اے حمزہ! موٹی اونٹنیوں کے لئے۔  
 حضرت حمزہؓ تلوار لے کر اٹھے اور اونٹنیوں کے پیٹ چاک کر کے ان کے کلیجے نکال لئے، حضرت علیؓ نے جاکر آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی اور یہ ماجرا بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اوڑھی اور حضرت علیؓ اور زبیرؓ کو لے کر حضرت حمزہؓ  
 کے پاس گئے، حضرت حمزہؓ بخمور تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا تم سب میرے باپ کے غلام ہو  
 لے صحیح بخاری باب الحجۃ ببلد مدینہ ۵۵۸ لے ایضاً باب ایام الجاہلیہ جلد اول ص ۵۶۱ لے صحیح بخاری کتاب العزوات غزوہ بدر ص ۵۷۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ حالت دیکھ کر چلے آئے۔  
 حضرت حمزہؓ نے سلسلہ میں شہادت پائی ہے، اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوتی تھی۔  
 شراب کی حرمت جس تدریج سے نازل ہوتی ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ تمام ملک کس طرح اس میں مبتلا تھا کس  
 طرح وہ مقبول عام ہو چکی تھی کہ اس کی حرمت کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا اور کتنا سے اور شائے سے گزر کر جب  
 تک صاف صاف ممانعت نہیں کر دی گئی، لوگ سمجھ نہیں سکے۔

ابوداؤد کتاب الاشرار میں روایت ہے کہ جب شراب کی ممانعت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا: اے خدا!  
 شراب کے بارہ میں ہم کو صاف صاف بتادے۔ ان کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

اللہو بین لنا فی الخمس بیانا شفاء  
 اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت اتری۔  
 لوگ تم سے شراب اور قمار بازی کی نسبت سوال کرتے ہیں تو کہہ دو کہ  
 ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ سے بھی ہیں  
 لیکن فائدہ سے گناہ بڑھ کر ہے۔

اس آیت کے اترنے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے پلاتے رہے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؓ  
 اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ وغیرہ کی دعوت کی، شراب کا دور چل رہا تھا کہ مغرب کا نماز کا وقت آگیا، ایک صاحب نے  
 امامت کی مگر نشہ کے، نماز میں یا ایہا الکافرون کے سورہ کو کچھ کچھ پڑھ گئے اس پر یہ آیت اتری۔  
 لو تقربوا للصلوات وانشؤ سکاری حتی  
 تلعنوا ما تقولون  
 نشہ کی حالت میں نماز پڑھو یہاں تک کہ تم جو کہو اس کو  
 سمجھ بھی سکو۔

لے شراب کی حرمت کی یہ پہلی محدث حضرت عمرؓ (تذکرہ تفسیر امہ ابو داؤد کتاب الاشرار، احمر ابو ہریرہؓ مسند احمد ص ۲۴۱) اور حضرت علیؓ (ابوداؤد کتاب الاشرار) سے  
 مروی ہے یہ بات کہ وہ کون جہانی تھے جنہوں نے نشہ کی حالت میں غلط ملامت پڑھ دی تھی، روایات سے صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتی، ایک روایت میں حضرت  
 علیؓ کا نام ہے اور دوسری میں عبدالرحمنؓ بن عوفؓ کا نام اور تیسری میں کوئی صاحب مذکور ہے، حضرت ام سلمہؓ نے سیرۃ جبریلؑ احکام ذکر حرمت شراب میں ابو داؤد  
 کتاب الاشرار کے حوالے سے حضرت علیؓ کا نام لکھ دیا تھا مگر مزید تحقیق سے یہ نسبت مشکوک معلوم ہوتی ہے، اس خاص روایت کا مرکزی راوی عطاء بن السائبؓ  
 الی عبدالرحمنؓ ہے، ابو عبدالرحمنؓ علیؓ سے روایت کرتا ہے، اس سے یہ روایت مختلف طریقوں سے آتی ہے اور ہر ایک میں شراب پینے والوں  
 حالت نشہ میں نماز پڑھنے والے کے نام کا اختلاف ہے، چنانچہ ہر روایت کے اصل الفاظ ہیں۔

ابو جعفر الرازی نے عطاء بن سائب سے عطاء نے ابو عبدالرحمنؓ علیؓ سے  
 ابو عبدالرحمنؓ علیؓ نے حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں  
 نے فرمایا کہ عبدالرحمنؓ بن عوفؓ نے ہمارے لئے کھانا تیار کر دیا اور ہم کو  
 دعو کیا اور شراب پلائی جب ہم شراب کے نشہ میں چور ہو گئے اور نماز  
 ارعن ابی جعفر الرازی عن عطاء بن السائب  
 عن ابی عبدالرحمن السلی عن علی بن ابی طالب  
 قال صنع لنا عبدالرحمن بن عوف طعاما فدعانا  
 وسقانا من الخمر فاصدنا لخمصنا وحضرت



اس کے بعد جب نماز کا وقت آتا تو منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز میں شامل نہ ہونے پائے۔  
لیکن چونکہ اب بھی مخالفت کا کوئی عام حکم نہ تھا اس لئے نماز کے علاوہ اور اوقات میں لوگ پیتے پلاتے رہتے تھے حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **الصلوة مقدمی فترات قل یا ایہا الکافرؤن لا تعبدوا ما تعبدون** ومنع تعبد ما تعبدون  
پڑھی اس پر فضائے آیت آمنا ان یتھیا الذین امنوا لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى  
و انتم سكارى ریعہ مسلمانوں! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔  
(ترمذی تفسیرنا)

۱۔ سفیان نے عطاء بن سائب سے عطاء نے محمد بن عوف بن سلمی سے ابو عبد الرحمن  
سلمی، حضرت علی علیہ السلام سے یہ روایت کی ہے کہ انصار کے ایک شخص  
نے ان کو ابو عبد الرحمن بن عوف کو مہو کیا اور تحريم شراب سے پہلے  
ان دونوں کو شراب پلائی، پھر علی نے نماز مغرب کی امامت کی  
اور قل یا ایہا الکافرؤن پڑھی لیکن اس میں گڑبگڑ کر دیا اس پر  
آیت اتری لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى حتی  
تعلموا ما تقولون۔ نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ یا تک  
کہ جو کچھ کہتے ہو اس کو جان لو۔

(ابوداؤد کتاب الاشرار)

وہ روایتیں جن میں عبد الرحمن بن عوف کا نام ہے۔

۲۔ سفیان بن عطاء بن سائب عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ  
قال دعا نارا رجل من انصار قبل ان  
تحرم الخمر فتقدم عبد الرحمن ابن عوف  
وصلی بھو المغرب فقرأ قل یا ایہا الکافرؤن  
فالتبس علیہ فنزلت لا تقربوا الصلوة وانتم  
سكارى (مسند رک حاکم کتاب الاشرار)

۳۔ سفیان بن عطاء بن سائب عن ابی عبد الرحمن  
عن علی رضی اللہ عنہ انہ کان هو وعبد الرحمن  
ورجل آخر یشربون الخمر فصلی بھو  
عبد الرحمن بن عوف فقرأ قل یا ایہا  
الکافرؤن پڑھی جس میں خلط ملط کر دیا اس پر یہ آیت

عمر نے پیر دعا کی، اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض انصار نے حضرت سعد وقاص کی دعوت کی اس میں شراب کا دور بھی چلا یہی کمر  
پرستی میں کئے گئے کہ مہاجر انصار سے بہتر میں اس پر بات پڑھی اور مار پیٹ تک نوبت پہنچی، اس پر حکم آیا صحیح مسلم وغیرہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **الصلوة مقدمی فترات قل یا ایہا الکافرؤن لا تعبدوا ما تعبدون** ومنع تعبد ما تعبدون  
پڑھی اس پر فضائے آیت آمنا ان یتھیا الذین امنوا لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى  
و انتم سكارى ریعہ مسلمانوں! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔  
(ترمذی تفسیرنا)

۵۔ خالد بن عبد اللہ عن عطاء بن سائب عن ابی عبد الرحمن  
ابی عبد الرحمن ان عبد الرحمن صنع طعاما  
فدعا ناسا من اصحاب النبی صلوا فلم یصلوا علی بن ابی طالب  
رضی اللہ عنہ فقرأ قل یا ایہا الکافرؤن ولا تعبدوا ما تعبدون  
ومن عبدون ما عبدون فنزلت لا تقربوا الصلوة الا بھ  
وتمت رک حاکم کتاب الاشرار

وہ روایت جس میں نام کی تعیین نہیں۔

۶۔ سفیان بن عطاء بن سائب عن ابی عبد الرحمن  
عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا نارا رجل  
من انصار قبل تحريم الخمر فخصم صلوة  
المغرب فتقدم رجل فقرأ قل یا ایہا الکافرؤن  
فالتبس علیہ فنزلت لا تقربوا الصلوة الا بھ  
(مسند رک حاکم تفسیرنا)

ان چھ روایتوں میں مختلف قسم کے اختلافات ہیں۔

(۱) پہلی اور پانچویں روایت میں ہے کہ داعی عبد الرحمن بن عوف تھے، دوسری، تیسری اور چھٹی میں ہے کہ داعی کوئی انصاری تھے، چوتھی  
میں دعوت کے بغیر مجلس شراب کا ذکر ہے۔

اس پہلی اور دوسری میں ہے کہ امام حضرت علی تھے، جنہوں نے نشہ میں کچھ کا کچھ پڑھ دیا، تیسری، چوتھی اور پانچویں میں ہے کہ امام  
بن عوف تھے اور چھٹی میں حضرت علی سے روایت ہے کہ کوئی آدمی امام تھا۔

(۲) اور روایتوں میں ہے کہ وہ اس دعوت کی مجلس میں شراب پیتی تھی، چھٹی میں شراب کا مطلق ذکر نہیں ہے بلکہ وہ شخص جو امام بنا تھا وہی شاید  
کیس سے پی کر آیا ہو کہ دعوت شراب سے پہلے چنا کوئی شرعی جرم نہیں، امام حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پنا جو بچپن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
صحبت و تربیت میں پلی کر چکا ہوئے قیاس کے خلاف ہے، خصوصاً اس آیت کے بعد قل فیہما آیتان کیونکہ اگر دے کہ شراب اور جوتے میں  
بڑا گناہ ہے، حضرت علی کا پنا اللہ ہی زیادہ واقعہ کی صورت میں شک پیدا کرتا ہے، پھر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس روایت میں مختلف قسم کے  
ایسے اختلافات ہیں جو ناقابلِ تعبیر ہیں، ان اختلافات کا راز اس وقت کھل جاتا ہے جب ان کے راویوں پر نظر ڈالا جاتا ہے سب سے پہلا راوی  
ابو عبد الرحمن سلمی جس کا نام عبد اللہ بن حبیب ہے، وہ پہلے حضرت علی کا طرفدار عامی دشمن تھا، بعد کے عثمانی (خو میہ) کا طرف دار، ابو عبد الرحمن سلمی کا مخالف ہو  
گیا، پھر اس کا یہ دعویٰ کہ اس نے حضرت علی سے سب سے پہلے، محمد بن مسلم نہیں، بخاری نے اس کو مانا ہے لیکن ابی ہانی عاتق نے اس سے انکار کیا ہے، روایت



اے ایمان والو! بے شک شراب، جوار، بت اور پالنے ناپاک اور شیطان کے کام میں، تو ان سے بچو تاکہ ظالم نہ بنو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا الْخُمُورَ وَالْمَيْسِرَ وَأَلْهَاتِنَا  
وَالزُّلُمَ رَجُسْنَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا  
لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ (مائده ۱۱)

(بقیہ پیشینہ) دوسرے راوی علماء میں ساجد کا مافوق طرب ہو گیا تھا اس لئے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا، گو سفیان کی اس سے روایتیں حافظہ کی غرابی سے پہلے کی بھی ہوتی تھیں مگر اوپر کی روایتوں میں بھی وہی ناقابل تطبیق اختلاف موجود ہے، ان وجوہ سے یہ یقین ہوتا ہے کہ مختلف فیہ جزئیات غیر مسلم ہیں اور واقعہ کی اصل صورت وہی ہے جو صحیح روایت میں ہے کہ مجلس محض دعوت کی تھی جس میں حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ موجود تھے کہ نماز کا وقت آگیا اور ایک صاحب جو غمور تھے، نماز چھلانے لگے ہو گئے اور آیتیں غلط پڑھ دیں، چونکہ اس واقعہ کے راوی حضرت علیؓ تھے اور وہ دعوت میں شریک تھے اس لئے یا تو ابو عبد الرحمن سلمی عثمانی نے فرقہ داری کے جذبہ میں یا عطا نے ذرا سی بھول میں واقعہ کی نسبت ادھر سے ادھر کر دی۔

اس آخری چھٹی روایت کی تائید حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہوتی ہے جس کی سند پورے سلسلہ سے الگ اور مستقل ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال حرمت الخمر ثلاث مرات  
قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ وهو  
یشربون الخمر ویاکلون المیسر فأنزل رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم عنہما فانزل اللہ علی نبیہ  
صلی اللہ علیہ وسلم یسلونک عن الخمر والمیسر  
فیہما اتعکبیر وما فیہم للناس وإنشہما اکبر  
من تعہیہما الا یہ فقال الناس ما حرم علینا انما قال  
فیہما اتعکبیر وما فیہم للناس ما حرم علینا انما قال  
کان یوم من الایام صلی رجل من المهاجرین  
امصحابہ فی المغرب خلط فی قراتہ فانزل اللہ  
فیہما ایۃ اغلظ من ذلک یا ایہا الذین آمنوا  
لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى  
تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَكَانَ النَّاسُ یُشْرِبُونَ  
حَتَّى یَأْتِیَ أَحَدُهُمُ الصَّلَاةُ وَهُوَ غَلُوطٌ ثُمَّ  
انزلت آیۃ اغلظ من ذلک یا ایہا الذین  
آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَأَلْهَاتُنَا  
وَالزُّلُمُ رَجُسْنَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا  
لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ فأنزلوا استہینا دینا رسد احمد جلد ۱

اس کے بعد شراب قطعاً حرام ہو گئی، حرمت شراب کی یہ آخری آیت جس وقت اتری ہے حضرت ابو عبیدہؓ امین اور ابی بن کعبؓ جو سید القراء تھے، ابو طلحہؓ کے گھر میں کھانے تھے اور شراب کا دور چل رہا تھا، ساقی گری کی خدمت حضرت انسؓ سے متعلق تھی، چنانچہ صحیح بخاری کتاب الاشرار میں خود حضرت انسؓ سے زبانی روایت ہے۔

كنت استنق ابا حلیدہ و ابا طلحۃ و ابی بن کعب  
میں ابو عبیدہ اور ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو شراب پلا رہا تھا کہ  
ایک شخص نے آکر کہا کہ شراب حرام ہو گئی۔

حافظ ابی ہریرہؓ نے اس حدیث کی شرح میں صحیح مسلم اور دیگر حدیث کی کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس جلسہ میں گیارہ بزرگ شریک تھے جن میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی شریک تھے، اس موقع پر علیؓ کا یہ بات ہے کہ اگرچہ یہ دعویٰ کی عادت تھی، اور اس وقت بھی سب غار میں مجرم رہے تھے، تاہم جوں ہی یہ آواز آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی ممانعت کر دی کسی نے پوچھ گچھ تک نہ کی اور دفعہ جام و سبوتور ڈالے، یہ صرف ابو طلحہؓ کے گھر کا حال نہ تھا بلکہ تمام مدینہ کے اگلی کوچوں میں شراب کی دھیاں بڑھ گئیں، بخاری باب المظالم میں ہے۔

فجرت فی مسک المذینۃ۔  
مدینہ کی گلیوں میں شراب بہتی پھرتی تھی۔

ان نذیروں کی روانی سے اندازہ ہو گا کہ عرب میں شراب نوشی کی کثرت کا کیا عالم تھا۔

**قمار بازی** | شراب خوردگی کے ساتھ ساتھ ان میں قمار بازی کا بھی عام رواج ہو گیا تھا، عرب کے مال و دولت کا تمام سرمایہ ان نوٹوں کے چند گلوں تک محدود تھا اس لئے جوار بھی انہی کے ذریعہ سے کھیلا جاتا تھا، چنانچہ ایک جاہلی شاعر اپنے حریف سے کہتا ہے۔

أَعْيَرْتَنَا لِبَانِهَا وَلِحَوْمِهَا وَذَلِكَ عَارًا يَا مَن رَّبِّطَ ظَاهِرَ  
کیا تو ہم پر عیب لگاتا ہے کہ ہم اونٹ کا دودھ اور گوشت کھاتے ہیں اے ایہ ربط ہم پر یہ عیب نہیں لگ سکتا۔  
نَعَابِي بِهَا أَكْفَاءُنَا وَنَهَيْنَهَا وَنَشْرَبُ فِي أَثْمَانِهَا وَنَقَامِرُ  
ہم ان کو اپنے ہمسروں کو بطور علیہ کے دیتے ہیں اور ان کو ہماری میں صرف کرتے ہیں اور ان کی قیمت سے شراب پیتے اور جوار کھیلتے ہیں۔

دبقیہ پیشینہ) اس میں حضرت علیؓ کا کہیں ذکر بھی نہیں، حضرت علیؓ جیسے قرآن کے صاحب فہم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ پہلی آیت کے اشارے سے شراب کی حرمت کو نہ سمجھ سکے تھے، قبول کے قابل نہیں، محدثین میں حاکم نے مستدرک میں چھٹی روایت کو لکھ کر بیان کیا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت علیؓ کا نام شامل کرنا غلطی کی کارستانی ہے جس کی تردید اس روایت سے ہو جاتی ہے جس کو خود علیؓ روایت فرماتے ہیں، حاکم کہتے ہیں۔

وفي هذا الحديث فائدة كشيده وحی ان الحذر ج  
تفسیر هذا السکو وهذا القراءۃ الی امیر المؤمنین  
علی بن ابی طالب دون خیرہ وقد بول اللہ منها فانه  
راوی هذا الحديث (مستدرک تفسیر) ج ۲ ص ۳۷۷

در حقیقت واقعہ کے صرف راوی تھے لیکن عثمانی اور خارجی راوی نے خود حضرت علیؓ کو صاحب واقعہ بنایا۔

لہٰذا بخاری جلد ۱۱، مسند مصر طبع اول ص ۳۱ بخاری روایت ابی عامر۔







بولاماتا تھا، کامیاب ڈاکو اپنے کارناموں کو نغمہ کہتے تھے اور فخریہ پڑھتے تھے، ایک قبیلہ کا شاعر مارت نامی ڈاکو کے سگات نکل جانے پر کہتا ہے۔

يا لهف زيا بة للحارث الصابح فالعاصو فالأشب

اے زیا بہ! افسوس مارت کے لئے جو صبح کو ڈاکو ڈالنے والا، پھر لٹنے والا، پھر ہلاکت واپس جانے والا ہے۔

جج کے تین مہینوں میں البتہ وہ اس پیشہ سے باز رہتے تھے، لیکن اس سے زیادہ مدت پر وہ مہربانی نہیں کرتے تھے اور چونکہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت اور مویشی پر موقع پا کر اسی طرح تصرف کرتا تھا اس لئے وہ اس کو عیب نہیں بلکہ بہادری کا کام سمجھتے تھے اور اس طرح ملک میں مسلسل قتل و غارت اور لوٹ مار کا طریقہ جاری تھا۔

ڈاکو کے علاوہ اقتصادی حالات کی مجبوری سے بدوؤں میں چوری کا رواج بھی تھا، مختلف قبیلوں کے ایسے بہادر جو قبیلہ میں کوئی نمایاں حیثیت نہیں رکھتے تھے وہ خصوصیت کے ساتھ اس پیشہ کو اختیار کرتے تھے اور تنہا بڑے بڑے خطرناک موقعوں پر جا کر اس کام کو انجام دیتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے، ان میں سے سلیم بن السکد اور تابطہ شتر شہرت عام رکھتے تھے، تابطہ شتر کا ایک قطعہ حاسہ میں ہے جس میں اپنی چوری اور حیلہ گری کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے۔

قریش میں تجارت کے سبب سے دولت بھی تھی اور خود غنا کعبہ میں تھوں اور نذرانوں کا خزانہ جمع رہتا تھا، اس لئے ان میں چوری کے مواقع بھی زیادہ تھے، چنانچہ کبھی نے متعدد ممتاز قریشیوں کے نام بتائے ہیں، جنہوں نے اس خزانہ سے سونے کا ہرن چرائیا تھا، بلکہ اس کے لئے خاص طور سے ابولب کا نام لیا جاتا ہے۔

عام بدو عربوں میں یہ بڑی جتنی عام ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مردوں اور عورتوں سے جو اسلام قبول کرنے آتے تھے، دوسری باتوں کے ساتھ یہ معاہدہ بھی لیتے تھے کہ آئندہ وہ چوری نہ کریں گے، بلکہ خود قرآن پاک نے آپ کو اس کا معاہدہ لینے کا حکم دیا تھا۔

چوری کرنے کے عجیب عجیب طریقے ایجاد کر لیتے تھے، ایک شخص نے اپنی پٹری کے کنارے ایک ٹیڑھا لونا (مچھ) لگا کر محتاج کے زمانہ میں آنا اور جب ماحیوں کو غافل پاتا تو اس لوہے کے سہارے سے ان کے اسباب کو کھینچ لیتا۔

جس طرح عرب میں طے کے ڈاکو لوٹ مار میں مشہور تھے، اسی طرح بعض قبائل چوری میں شہرت عام رکھتے تھے چنانچہ اسلام غنا مزین اور جنبہ کے قبیلے تمام عرب میں اس بنا پر بدنام تھے کہ وہ خاص طور پر ماحیوں کے ملل و اسباب کی چوری کیا کرتے تھے۔

چونکہ یہ چوری عربوں کی اقتصادی کمزوری کا نتیجہ تھی اس لئے اس کے لئے غیر دیباگانہ کی شخصیں نہ تھیں، بلکہ اس کا اثر عروہ اقباب، اہم سیاح دوست و آشنا، غنا و غرض سب پر پڑتا تھا، چنانچہ مزین میں بشر، بھیر، بشر بن آدمی تھے جن کو بنی امیہ کی کہا

جاتا تھا، ان میں بشر منافق تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہہ کر دوسروں کی طرف منسوب کر دیتا تھا، یہ لوگ نہایت تنگدست اور فاقہ مست تھے، انہوں نے رفاغی نامی ایک شخص کے بالا غامہ سے جس میں ہتھیار و تلوار اور زہ وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھی نقب لگا کر چوری کی، آپ نے رفاغہ کے ہتھیار واپس دلانے، لیکن رفاغہ نے ان کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا اور بشر

نے فتح البدری جلد ۱۲ ص ۷۷، کتاب المحدثین و بنی قریظہ ص ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵



ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت بالاطلاق زنا کو جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن چھپ چھپ کر کہنے کو جائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ کھلم کھلا کرنا تو کینہ پر ہے لیکن چھپ کر کرنے میں مضائقہ نہیں۔ فاحشہ عورتیں گھروں کے سامنے جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں اور صاحب اللایات کہلاتی تھیں ان کی عداوت اصلی اور طالی داد کے برابر سمجھی جاتی تھی، اسلام سے پہلے ایسی عورتیں خود کو مغل میں نہیں، ان میں سے ایک کا نام حنا تھا شہر مدینہ منورہ میں تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ میں حنا سے نکاح کر لوں، اس پر یہ آیت اتری۔

وَالزَّانِيَةُ الزَّانِيَةُ الْوَذَانِ أَوْ مُشْرِكَةٌ (دور) اور زانیہ عورت سے نانی یا مشرک ہی نکاح کرتے ہیں۔  
بڑے بڑے رزماء گھر کی لونڈیوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ برکاری کے ذریعہ سے جا کر کچھ کمالاتیں اور ان کی نذر کریں، عبداللہ بن ابی مرثدہ کا ریس تھا اور اس درجہ کا شخص تھا کہ ہجرت سے پہلے تمام انصار نے تاج بنوایا تھا کہ اس کو یاد شاہ بنا کر پسائیں گے چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ منقول ہے، عبداللہ بن ابی کی دو لونڈیاں تھیں، ایک کا نام میلہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا، ان دونوں کو زنا کاری کرنے پر مجبور کرتا تھا، اس پر قرآن مجید کی آیت اتری۔  
وَلَا تُكْرِهُوا فَتِيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ (دور) اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔

موجودہ طریقہ کے علاوہ نکاح کی اور چند قسمیں جاری تھیں، جو حقیقت میں برکاری ہی کی قسمیں تھیں، مثلاً ایک یہ کہ کوئی شجاع اور بہادر ہوتا تو اپنی عورت کو اس کے پاس بھیج دیتے کہ اس سے ہم بستر ہوا، بچہ پیدا ہوتا تھا تو سمجھتے تھے کہ اس میں بھی وہی اوصاف آجائیں گے جس کا یہ نظریہ ہے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ چند آدمی جن کی تعداد ایک وقت میں دس سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، کسی عورت کے پاس جاتے اور وہ اس سے ہم صحبت ہوتے، جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنمی تو سب کو بلوا بھیجتی اور کبھی ایک سے کہتی کہ یہ بچہ تمہارا ہے اس کو قبول کرنا پڑتا اور پھر وہ اس کا جیسا بھجاتا۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ فاحشہ عورتیں جو سر بازار جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں ان کے لڑکا پیدا ہوتا تو قیافہ شناس کو بلوا بھیجتیں وہ صورت شکل دیکھ کر بتاتا کہ فلاں شخص کا نظریہ ہے عورت اس کو بلا کر کہتی کہ یہ تمہارا بچہ ہے، صحیح بخاری کتاب النکاح میں یہ بیویوں کے طریقہ تفصیل سے مذکور ہیں۔

ایک اور قسم عارضی نکاح کی جاری تھی اور وہ یہ تھی کہ کسی عورت سے مدت معینہ کے لئے نکاح کر لیتے تھے، اس مدت کے گزرنے کے بعد اس کی اجرت دے کر اس کو الگ کر دیتے تھے اس کو متعہ کہتے تھے، اسلام نے شروع میں اس کو منورہ چند سے باقی رکھا، پھر ہمیشہ کے لئے اس کو حرام کر دیا۔

بے شرعی و بے حیائی | شرم و حیا کا وجود نہ تھا، حج کعبہ میں ہزاروں لاکھوں آدمی جمع ہوتے لیکن (قریش کے سوا باقی سب) اور زائد ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے، عورتیں جب ننگی ہو کر طواف کرتیں تو لوگوں سے کہتیں کہ کوئی ہم کو اتنا کھڑا دیکھا کہ ستر عورت ہو جاتا، پھر یہ شعر پڑھتیں۔

۱۔ طبری آیت محضت خیر مسافرت ج ۵ ص ۱۱۳ مصرعہ صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۲ ص ۲۶۹

۲۔ ابو داؤد کتاب النکاح، صحیح مسلم باب التفسیر

اليوم يبدؤ بعضه ركله آج بن کا کچھ حصہ کھلے گا یا سارا جو کھلا ہے اس سے ملد  
فما بدا منه فلا أحله اٹھانے کی میں اجازت نہیں دیتی۔  
صحیح مسلم باب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے۔  
نہاتے وقت اوٹ نہیں کھتے تھے، کھلے میدان میں بے ستر ہو کر نہاتے تھے۔  
پاخانہ پیشاب کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے، جلسوں میں بیٹھے تو بیویوں سے ہم صحبتی کے تمام واقعات بیان کرتے سو تیلی ماؤں پر درشتہ قبضہ کر کے ان کو بیوی بناتے۔

عورتوں پر ظلم | عورتوں کی حالت نہایت خراب تھی، مورث کے متروک میں سے ان کو کچھ نہیں ملتا تھا، عرب کا قول تھا کہ میراث عورتوں پر ظلم اس کا حق ہے جو تلوار پر کھڑا ہو سکتا ہے، اسی بنا پر چھوٹے بچے بھی وراثت سے محروم رہتے تھے۔  
لڑائیوں میں مفتوحہ قبیلہ کی عورتیں عین میدان جنگ میں فاتحین کے تصرف میں آ جاتیں اگر صلح ہو جاتی اور عورتیں واپس دے دی جاتیں تو باوجود اس کے کہ سب کے ناموس برباد ہو چکے ہوتے، بدستور گھروں میں لے لی جاتیں اور یہ کوئی عیب نہیں خیال کیا جاتا تھا، فاتحین اس تصرف پر فخر کرتے اور اس کو اشعار میں غابر کرتے، بنو ضبتر نے جب بنو عامر پر فتح پائی تو ان کی حمد و ثناء کو عین میدان جنگ میں رسوا کیا، فرزدق نے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فظلت و ظلت یو کبوت حبیبیہا تو لوگ عورتوں پر متصرف ہو گئے اور کوئی اگر پردہ بیچ میں  
ولیس لہم الا عوالیہا مستور تھا تو وہ صرف نیزے تھے۔  
قبیلہ قیس اور بنو دارم میں جو معرکہ ہوا وہ رحمان کے نام سے مشہور ہے اس کی نسبت جریر کہتا ہے۔

نکحت لسانہم بغیر مہور۔ ان کی عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کیا۔  
مرومعد یکر، عرب کے مشہور بہادر اور شاعر تھے ان کی بہن ریکانہ کی عصمت اسی طرح جب برباد ہوئی تو عمر و نے کہا۔  
امین ریحانۃ الداعی السمع لیسود قف  
کیا ریحانہ کی طرف سے کوئی پکارنے والا سننے والا ہے جس نے گالے  
واصحابی صبور اذ لم تستطع امرا فدعہ وجاودا بے خواب رکھا ہے لیکن میرے اعجاب سوتے ہیں اگر تم کی گونہ کر کو  
ال ما تستطیع۔ تو اس کو چھوڑ کر وہ کر دجو کر سکے ہو۔

طلاق کے لئے کوئی مدت اور مدت نہ تھی، یعنی جب تک شوہر چاہے، عورت نہ شوہر کے پاس رہ سکتی تھی، نہ کسی اور سے شادی کر سکتی تھی۔

نکاح کی کوئی حد نہ تھی، غیلان بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے تو ان کی دس بیویاں تھیں، وہ بے اسدہ نے اسلام قبول کیا تو آٹھ بیویاں ان کے عقد نکاح میں تھیں۔

دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرتے، باپ مرجاتا تو اس کی کل بیویاں رجبز حقیقی ماں کے، تصرف میں آتیں اور اس کی جائز بیویاں بھی جاتی تھیں۔

۳۔ نسائی باب الاستسار عند الفضل تہ ابو داؤد کتاب الطہارۃ تہ ابو داؤد کتاب النکاح باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکرہ من



ایام کے زمانہ میں عورتوں کو الگ کر دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے۔

عورت جب بیوہ ہو جاتی تو گھر سے باہر ایک منایت تنگ کو ٹھہری رہنے کو اور غراب سے غلاب کپڑے پہننے کو دیتے جاتے خوشبو وغیرہ قسم کی کوئی چیز استعمال نہ کر سکتی، اس حالت کے ساتھ جب پورا سال گزر جاتا تو ایک بکری یا گدہ لالتے اس سے وہ اپنے جسم کو مس کرتی پھر کوٹھڑی سے باہر نکلتی اور اس کے ہاتھ میں مینگنی دی جاتی، وہ مینگنی کو چھیک دیتی اس وقت سوگ سے نکل آتی اور قہری حالت قائم ہوتی۔ عورت کا جو منہ مقرر ہوتا وہ باپ کو ملتا، عورت کو اس سے سروکار نہ ہوتا، غرض مجبوری حیثیت سے عورت بدترین مخلوق اور ہر قسم کے جبر و تعدی کا تختہ گاہ و مشق متقی رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ جس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی، اس کو سخت رنج ہوتا اور مشرم کے مارے لوگوں میں پھپھتا پھرتا۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ أَيَسْكُلُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ (سورہ نمل۔ ۷)

اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے اور غصہ کے گھونٹ پی کر دے جاتا ہے اس خوشخبری کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ اس کو قبول کسے یا زندہ زین میں دفن کر دے۔

ابو حمزہ ایک رئیس تھا، اس کے لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے گھر میں رہنا چھوڑ دیا اس پر اس کی بیوی یہ اشعار پڑھ کر بکری کو لوریاں دیتی تھی۔

مَا لَئِنْ حَمَزَتْ لَا يَأْتِينَا  
يَبِيتُ فِي بَيْتِ الْقَتْلِ تَلِينَا  
غَضَبَاتِ الْأَمَلِ الْبَنِينَا  
تَا اللَّهُ مَا ذَاكَ بَايَدِنَا  
وَنَحْنُ كَالزَّرْعِ لَزَارِعِينَا

تنبت ما قد زرعونا فينا  
رفتہ رفتہ دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی، لڑکی پیدا ہوئی تو اس کو میدان میں لے جا کر گڑھا کھودتے اور زندہ گاڑ دیتے اس کو عربی میں داد کہتے ہیں۔

ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر ظاہر کیا تھا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کیں۔

عورت کو وراثت کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، ان کا قانون تھا کہ وراثت کا حق اسی کو ہے جو تلوار چلائے، عورت بیوہ ہونے کے بھرپور شہر کے داروں کی ملک بھی جاتی تھی، وہ اگر آکر بیوہ پر چادر ڈال دیتا تو وہ اس کی جائزہ غول بن جاتی تھی۔

لے ابوداؤد کتاب النکاح باب اضرار المتوفی عنہا و جہاں تفسیر ابن جریر و ابن کثیر سورۃ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ تفسیر ابو سعید اللہ فی الادب و کلام اللہ کو مثلی حط از منتہین تفسیر و لا تعطلوہن۔

حرام و حلال کی کوئی تمیز نہ تھی، ہر چیز اور ہر جانور کھا سکتے تھے، کھاتے تھے، حشرات الارض عام وحشت و جہالت خدا متی، پھپھکی تک کھا جاتے تھے، خون کو جھالیتے اور قاشیں تراش تراش کر کھاتے، مردہ کھانا عام بات تھی، چمڑے کو آگ میں بھون کر کھاتے، زندہ جانور کا گوشت کا ٹکڑا کھا لیتے تھے، گردن مروڑ کی ڈنڈے سے مار کر درندوں کا مارا ہوا سب کھاتے تھے، گدھے کا گوشت بھی کھاتے تھے۔

عرب کا مشہور جاہلی شاعر احمش میمون جس نے آغاز اسلام کا زمانہ پایا ہے اور اہل عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اس کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے اس میں وہ اسلام کی تائید میں اہل عرب کو جن باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے وہ یہ ہیں۔

وَايَاكَ وَالْمَيْتَاتِ لَا تَأْكُلْنَهَا  
مرداروں سے پرہیز کر اور ان کو نہ کھا  
وَذَا النِّصْبِ الْمَصُونِ لَا تَنْسُكُهُ  
وَلَا تَعْبُدُ إِلَّا وَثَانِ وَاللَّهِ فَاعْبُدَا  
اور نہ بھوکے کتے ہوتے بتوں پر قربانی کر  
وَلَا السَّائِلِ الْمَحْرُومِ لَا تَقْرُكُهُ  
اور محروم بھیک مانگنے والے کو کسی اور انجام کیلئے مت چھوڑ  
وَلَا تَسْخُونِ مَنْ بَاسَ ذِي ضَرَارَةٍ  
اور نہ کسی مصیبت زدہ مفلس سے ٹھٹھا کر  
وَلَا تَقْرُبِ جَارِقَاتِ السَّرْحَا  
اور نہ اپنی ہمسایہ خاتون سے بدکاری کر  
وَلَا تَأْخُذْنَ سَهْمًا حَذَّ التَّفْعُصِدَا  
اور نہ تیز تیر سے جانور کو فصد دے کر مار کر کھا  
وَلَا تَقْبُدُ إِلَّا وَثَانِ وَاللَّهِ فَاعْبُدَا  
اور نہ بتوں کی پوجا کر، بلکہ اللہ کی عبادت کر  
لِعَاقِبَةِ وَلَا إِلَّا سَبِيحَ الْعَقِيدَا  
اور نہ زنجیر میں بندے ہوئے قیدی کو  
وَلَا تَحْسِبَنَّ الْمَرْءَ لِيَوْمٍ مَّا مَحْلُدَا  
اور نہ کبھی یہ سمجھ کر آدمی بھیڑ رہنے والا ہے  
عَلَيْكَ حَرَامٌ فَانْكُحْنِ أَوْ نَابِتَا  
وہ تجھ پر حرام ہے تو یا نکاح کر اور یا کنزادہ جا

\*



## عربوں کی خصوصیات

### خیر الائم بننے کی اہلیت

لیکن ان تمام مناسبات اور برائیوں کے باوجود اہل عرب میں کچھ ایسی خصوصیات بھی تھیں، جو دنیا کی تمام قوموں میں ان ہی کے ساتھ مخصوص تھیں اور ان کی ان ہی فطری اور طبعی خصوصیات و اقیانوسات کا اثر تھا کہ خلاق فطرت نے ان کو اپنی نبوت و رسالت اور تعلیم و شریعت کا اہل بھلا اور ان کو اپنے اس خلعت خاص سے سرفراز کیا۔

**صحیح نسب** ان خصوصیات میں سب سے پہلی چیز ان کی صحیح النسب ہے، شمالی عرب کے تمام قبیلے حضرت ابراہیم کی اولاد اور ان کی نسل سے تھے اور یہ بات ایسی مشہور و متواتر روایتوں سے ثابت تھی کہ کسی نے ان کی تردید کی ہمت نہیں کی تو روات نے حضرت ابراہیم کی جن اولادوں کے نام بتائے ہیں ان میں سے ایک ایک کا نام سرخ عرب کی پرانی آبادیوں میں ملتا ہے چنانچہ یورپ میں سفر کرنے والے مسافر نے ۱۸۴۳ء میں عرب کا جو تاریخی حوالہ لکھا ہے، اس میں پوری دلیل اور تفصیل اور شہادتوں کے ساتھ ان آبادیوں کا پتہ لگایا ہے اور ان کی جگہیں متعین کی ہیں، قدیم یہودی مؤرخ یوسفوس نے بھی یہی لکھا ہے اور آجکل ایک یہودی ڈاکٹر اسرائیل ولفسون نے تاریخ الیہودی بلاد العرب ایک کتاب لکھی ہے، اس میں بھی اس نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے اور اس کی صحت پر دلیلیں پیش کی ہیں، اور بعض حال کے مناظر عیسائیوں کے علاوہ اس واقعہ کے تواریخ میں کسی نے شک نہیں کیا ہے اور غالباً اسی لئے سینٹ پال نے اپنے خطوط میں عرب کی باجہرہ کی تشریح استعمال کی تھی اور قرآن پاک نے اہل عرب اور قریش کو خطاب کر کے صاف کہا ہے۔

تمارے باپ ابراہیم کا مذہب۔

مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ اَنۡبَاۡءِہٖ (رح)

حضرت ابراہیم تک نام بنام سلسلہ نسب کے پہنچنے میں پشتوں کی کمی بیشی یا ناموں کا گھٹنا بڑھنا ممکن ہے مگر مجموعی حیثیت سے یہ دعویٰ کہ یہ حضرت ابراہیم کی اولاد تھے کسی حیثیت سے مشکوک نہیں ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ خارجی قرآن پر بھی نظر کر لی جائے کہ وہی تمدن اور طرز معاشرت جو تورات میں حضرت ابراہیم اور ان کے اہل و عیال کا نظر آتا ہے، اسلام کے عہد تک بلکہ آج تک وہ اسی طرح عربوں میں قائم و باقی ہے، وہی خیمے ہیں، وہی صحرائیں ہیں، وہی مویشی ہیں، وہی بدویانہ زندگی ہے وہی رسم و رواج ہیں، جن کو اسلام نے آکر اور زیادہ نکھار دیا، وہی بیت اللہ، حج و قربانی کی عادتیں ہیں، اور یہ ایسا کھلا قرینہ ہے جو آج بھی یورپ کے محققوں کی نگاہوں کے سامنے ہے، مشہور جرمن محقق فولڈیک لکھتا ہے

”اور نیز عربوں میں قدیم سامی کی کڑی اپنے خالص رنگ میں باقی سمجھا جاتا ہے اور ان کی زبان اصل زبان کے بہت قریب ہے۔“

لے قرآن مجید ۱۷۲ء جلد اول ص ۲۵۰ تاریخ الیہودی بلاد العرب لاسرائیل ولفسون مطبوعہ مطبعہ الامتداد مصر صفحہ ۷۵، ۷۶۔

سے سینٹ جان گیتوں کے نام باب ۲۵۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم مضمون ”السومامیہ“ میں نے ارض القرآن جلد اول ص ۱۷۰ سے

ص ۱۶۶ تک اس پر مدلل بحث کی ہے اور ملتان یورپ کے حوالے بھی کر دیئے ہیں۔

اہل عرب کو اپنے حسب و نسب کی حفاظت کا جو خیال و لحاظ تھا اس کے ذکر سے عرب کی تاریخیں معمور ہیں، چنانچہ نسب پر فخر کرنا ان کی شاعری کا اور نثری مناظر ان کی تقریر کا سب سے بڑا موضوع تھا، اپنے باپ داداؤں کے مسلسل ناموں کو یاد رکھنا ان کا غائی فریضہ سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ انسانوں سے ہٹ کر جانوروں دگھڑوں و حکم کے نسب نامے وہ محفوظ رکھتے تھے، قبائل کے ایسی تعلقات کو یاد رکھنے والے خاص خاص لوگ ہر قبیلہ میں موجود رہتے تھے اور یہی سبب ہے کہ آج بھی ان کے اکابر اور مشاہیر کا سلسلہ نسب آپ کو معلوم ہو سکتا ہے اور اس پر بہت سی اہم کتابیں لکھی گئی ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جو دنیا میں صرف اہل عرب کے ساتھ مخصوص ہے، یہود اور بنی اسرائیل بھی گو حضرت ابراہیم ہی کی نسل سے تھے مگر وہ بھی اس خصوصیت میں ان کی برابر نہیں کر سکتے کہ دوسری قوموں کے اختلاط اور میل جول اور کسی خاص وطن کے نہ ہونے کے سبب سے ان کی اکثر غائی خصوصیتیں صحت گئیں۔ نسب بھاتے خود کوئی فخر کی چیز نہیں، اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کے مقابلہ میں بیسی فخر کا ہمیشہ کئے لئے فخر کر دیا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی ہر اہلیت کے لئے جو دعا کی تھی اور ان کو جس بیت اللہ کی پاسبانی سپرد کی تھی اور ان میں ایک نبی کی بعثت کی جو دعائیں تھیں اور خدا نے ان کی نسل کو دینی اور دنیاوی برکات کے عطا کرنے کا ان سے جو عہد کیا تھا ان سب کے پورا ہونے اور ان کے حقیقی مصداق بننے کے لئے نسل ابراہیم کی صحیح النسب کی ضرورت تھی اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرف کے ساتھ مخصوص کیا۔

**کسی پہلے مذہب میں داخل نہ تھے** اسی طرح ان کو ان تمام اثرات سے محفوظ رکھا جو قوموں کے عادات اور استعدادات کو بدل دیتے ہیں مثلاً وہ باوجود اس کے کہ ہر چار طرف سے مختلف بڑے بڑے

مذہبوں سے ٹکراتے تھے مگر کوئی مذہب ان کو فتح نہیں کر سکا تھا، مجموعیت خلیج فارس سے لے کر یمن تک حکمران تھی، یہودیت یمن اور حجاز کی تجارت گاہوں پر قابض تھی، عیسائیت اپنی فوج و لشکر اور راہبوں اور قیسوں کے دل بادل کے ساتھ یمن سے لے کر شام کے حد و تک پھیلی تھی اور بعض افراد اور بعض قبیلوں کو وہ برائے نام عیسائی بنا بھی چکی تھی، مگر پورا عرب بدستور اپنی خالص حالت پر باقی تھا، عرب میں جو نیک طبع اور دیندار لوگ ہوتے تھے وہ مجوسی یا یہودی یا عیسائی ہونے کے بجائے اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے اور اسی لئے اپنے مذہب کا نام دین حنیفی رکھتے تھے، یہ سب اسی لئے ہو رہا تھا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین ابراہیمی کی دعوت و تجدید کا راستہ کھلا رہے۔

**محکوم نہ تھے** عرب کا ملک تخلیق عالم کے آغاز سے اسلام تک ہر غیر قوم کی حکومت سے ہمیشہ آزاد رہا، شمالی عرب نے کبھی کسی قوم کی غلامی نہیں کی، بابل کے بخت نصر نے بنی اسرائیل کو زیر و زبر کر دیا مگر عرب کی طرف آنکھ نہ اٹھا سکا یونانیوں اور رومیوں نے مصر سے لے کر عراق کی سرحد تک صدیوں تک حکومت کی مگر خاص عرب کے اندر قدم نہ رکھ سکے، سکندر نے

اور اس کے بعد رومی سپہ سالاروں نے جب ادھر نظر اٹھائی تو فطرت نے ہمیشہ ان کو شکست دی، عرب کا ملک دنیا کی دو عظیم اشاعت

حکومتوں یعنی ایران و روم کی سرحد پر واقع تھا مگر وہ دونوں اپنی عرصہ و آذ کا ہاتھ اس کی طرف بڑھانے سے قاصر رہیں، گستاخ

عیسائی حبشیوں نے یمن فتح کرنے کے بعد اقبیوں کے رہنے کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کی مگر قدرت الہی نے ان کو تباہ کر دیا یہ

تمام اہتمام و انتظار اس لئے تھا کہ کوئی دوسری جابرانہ قوت ان کے دل و دماغ کی استعداد کو برباد نہ کر سکے، ان کی آزادی کی روح جبر

اور ان کی فاطمہ طاقت برتنور قائم رہے تاکہ یہ مخفی خزانہ خدا کے آخری مذہب کی حکومت کے قیام و بقا میں کار آمد ہو۔



کتابی فاسد تعلیم سے نا آشنا تھے جس طرح وہ خارجی اثرات سے پاک تھے اسی طرح صحیفہ فطرت کے سوا ہر قسم کے کتابی علم سے وہ نا آشنا تھے یعنی اس ذریعہ سے بھی وہ دوسری قوموں کے دماغی اثرات سے محفوظ تھے اور علم کی باہلانہ اور کج بختانہ ذہنیت سے پاک تھے، وہ اُمّی تھے تاکہ ایک اُمّی معلم کی رہائی تعلیم کے قبول کرنے کے لئے ہر طرح تیار رہیں۔

وہ زمین کے وسط میں آباد تھے عرب کا ملک پرانی دنیا کے وسط میں واقع ہے، ایک طرف ایشیا، دوسری طرف افریقہ اور تیسری طرف یورپ کا راستہ اس سے قریب ہے، پھر بحری جائے وقوع نے اس کو جزائر اور دروازوں سے قریب کر دیا تھا، اس لئے عرب سے نکل کر وہ ایک طرف عراق ہو کر ایران، ترکستان، خراسان، سیستان، کابل، ہندوستان تک پہنچ گئے اور دوسری طرف شام ہو کر مصر، افریقہ، الجزائر، تیونس، مراکش اور اسپین تک جا پہنچے اور بحری راستوں سے ایک طرف تمام جزائر افریقہ، حبشہ، زنجبار، پھر ادھر جزائر ہند، جاوا، سامٹرا اور چین تک ان کا گزر ہوا اور دوسری طرف سائپرس، کریٹ اور سسلی تک ان کا پرچم لہرایا یہ تمام مواقع اس لئے جیتے تاکہ عرب کا جائے وقوع اس دولت کے لئے مناسب مرکز تھا، فرض کرو کہ اگر اس دعوت کی جگہ ہندوستان یا چین ہوتا تو اسپین اور سسلی تک پہنچنے کے لئے کتنا عرصہ درکار ہوتا، پھر یہ کہ اس وقت تک دنیا میں دو مشرقی اور مغربی طاقتوں کے زیر فرمان تھے، ان دونوں کے زور کو برابر طور سے اور یک ساتھ توڑنے کے لئے عرب کے سوا دنیا میں کوئی جگہ موزوں نہ تھی، جہاں سے دونوں پر ایک ساتھ حملہ کرنا اور دنیا کو ان کے خون آشام بیخوں سے نجات دینا باسانی ممکن ہوا۔

بعض اخلاقی خوبیاں ان کے علاوہ اہل عرب کو خیر لام بننے اور عالم کے لئے شاہد بننے اور صلح ہونے کے لئے کچھ اور اخلاقی خوبیوں کی بھی ضرورت تھی اور وہ ان میں جبرجہ اتم موجود تھیں، ان خوبیوں کے بغیر وہ اسلام کی عظیم الشان تحریک کے علمبردار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ وہ دنیا کی رہنمائی کا فرض انجام دے سکتے تھے۔

شجاع و بہادر تھے وہ حد سے زیادہ شجاع و بہادر تھے، وہ خطرات سے بے خوف تھے، وہ لڑائی کو کھیل سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے، یہی سبب ہے کہ وہ تمام دنیا کی قوموں اور سلطنتوں کے مقابلہ میں تنہا کھڑے ہوئے اور کسریٰ و قیصر کو انہوں نے ایک ساتھ چیلنج دیا اور اس تحریک کے پھیلائے میں تھوڑی سی تھوڑی غیر مسلح جمعیوں سے ہزاروں اور لاکھوں کی فوج کا بے خطر مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔

پر جوش تھے ساتھ ہی وہ پرجوش بھی تھے، اس لئے جس دھور و درخیز کو لے کر اٹھے اس کو پوری کوشش، عزم اور جوش کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا، ان کے عزم اور جوش کو نہ پہاڑ روک سکا اور نہ سمندر اس سے ٹکرا سکا، ہر جگہ وہ توحید کا علم لئے بھجور بردشت و جبل میں پھیل گئے اور اپنے عزم راسخ سے ارکان عالم کو متزلزل کر دیا۔ ان کی جسمانی شجاعت و بہادری کے ساتھ ان کا دل شجاع اور بہادر تھا، جو بات ان کے دل میں ہوتی تھی وہی ان کی زبان پر ہوتی تھی، اہل مدینہ میں جو نفاق کا عنصر پیدا ہو گیا تھا وہ یہود کے اثر کا نتیجہ تھا، ورنہ قریش اور عام اہل عرب میں یہ بات نہ تھی، یا تو وہ کھلے دشمن تھے یا کھلے دوست، اپنے نزدیک وہ جس کو حق سمجھتے تھے، اس کے ظاہر کرنے میں ان کو کسی کا باک نہیں ہوتا تھا۔

عقل و دانش والے تھے باوجود اس کے کہ وہ علوانا ظاہری نوشت و خواند سے عاری تھے مگر فطرت کے عطیہ عقل و دانش سے وہ کافی طور پر بہرہ مند تھے، حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی رضی اللہ عنہ، طلحہ، زبیر

خالد، ابو عبیدہ بن الجراح وغیرہ سینکڑوں ہزاروں صحابہ نے علم و مذہب، اخلاق اور سیاست میں نکتہ بینیاں کیں وہ خود ان کی عقل و دانش کی گواہ ہیں، روم و ایران کی تمدن قوموں سے جس طرح انہوں نے معاطہ، مراسلہ اور نامہ و پیام کیا اور علم و سیاست کے الجھے سے الجھے ہوئے مسئلہ کو جس طرح سلجھایا وہ خود اسی نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے، ان کے شعراء کے کلام، ان کے مقررین کی تقریریں، ان کے فصحاء کے مقولے سنیے تو ان کی فطری صلاحیت کا اندازہ ہو گا کہ ظاہری تعلیم کے بغیر کوئی لعل و گوہر وہ اپنے منہ سے اُگل سکتے۔

ذہن اور حافظہ کے تیز تھے فطرت کا قاعدہ ہے کہ اگر اس کے بعض قوی بیکار ہیں تو ان کی قوت دوسرے زیر عمل قوی کو وہ قتل کر دیتی ہے اور جس عضو سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اس کی قوت کو وہ ترقی دیتی رہتی ہے، اسی اصول کے موافق ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند سے محروم ہونے کے سبب سے جہاں عرب کے بعض قوی بیکار ہو رہے تھے وہ ان کو اپنی یادداشت کے لئے تحریری اوراق اور سفینوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنے دل و دماغ پر بھروسہ کرنے کی عادت تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کا ذہن اور حافظہ بہت قوی تھا، یہی سبب ہے کہ ان کے شعراء اپنے بڑے بڑے قصیدوں کو زبانی پڑھتے تھے اور جو کچھ کہتے تھے اس کو بزبان یاد رکھتے تھے اور ان کی اسی قوت کا یہ فیض تھا کہ ان میں کا بڑا طبقہ تحریر کے بغیر قرآن پاک کی بڑی بڑی سورتوں کو یاد رکھتا تھا اور بہتیرے ایسے تھے جو پورے قرآن کو یاد رکھتے تھے اور یہ ان کی تقلید ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں ایسے ہزاروں مسلمان پاتے جاتے ہیں جو پورے قرآن کے حافظ ہوتے ہیں اور اہل عرب کی اسی خصوصیت کا منظر یہ بھی تھا کہ احادیث و سیر اور واقعات کا بڑا سرمایہ تحریر کے علاوہ زبانی ایک دوسرے کو پوری ذمہ داری اور حفاظت کے ساتھ منتقل ہوتا رہا اور سینکڑوں صحابہ ایسے تھے جو ہزاروں لاکھوں احادیث کو ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ کی پابندی کے ساتھ یاد رکھتے تھے، اہل عرب کی ان خصوصیات نے اسلام کی حفاظت اور اشاعت کا نہایت اہم فرض انجام دیا۔

فیاض تھے اہل عرب کی ایک خاص امتیازی صفت ان کی فیاضی تھی، مہمان نوازی ان کی سب سے بڑی خصوصیت تھی، ہمسایوں اور پناہ گزینوں کی امداد میں وہ اپنی جان تک لڑا دیتے تھے، اپنی شہرت اور ناموری کے لئے اونٹوں کو ذبح کر کے کھلا دینا، سوتے میں جیتی ہوئی دولت کو احباب کے جلسہ دعوت میں اڑا دینا اور اس پر فخر کرنا ان کی قومی صفت تھی اور یہی اوصاف ان کی شاعرانہ طبع میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں، اسلام نے ان کی اسی صفت کو تھوڑی سی اصلاح کے بعد خدا کی راہ میں خیرات و صدقات زکوٰۃ سے بدل دیا اور اسلام کی مشکل کشائی میں اس نے سب سے زیادہ مدد دی۔

مساوات پسند تھے چونکہ وہ کبھی کسی دوسری قوم کے محکوم نہیں ہوتے تھے اور نہ کسی ایک مطلق العنان بادشاہ کے تابع فرمان بنے تھے، اس لئے ان کی خودداری کا جذبہ بیدار تھا، وہ غلام بننا نہیں جانتے تھے وہ اپنے کو ذلیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور وہ بڑے سے بڑے شخص کے سامنے برابری کے ساتھ بیٹھا کا نہ بیٹھ کر باتیں کرتے تھے عرب میں بیسیوں لڑائیاں صرف اسی خودداری کی حفاظت میں پیش آتی تھیں جس کا ایک منظر سبھہ معلقہ کے آخری قصیدہ میں نظر آتا ہے، اہل عرب کے اس جذبہ نے حق گوئی، مساوات اور جمہوریت پسندی وغیرہ اسلامی تعلیمات پھیلانے میں بڑی مدد دی۔



**عملی تھے** اہل عرب کے فطری اخلاق و کردار کی آخری دفعہ یہ ہے کہ وہ بطبعاً عملی اور عملیت پسند تھے اور اہل ایران اور اہل ہند کی طرح محض تخیل پسند خیال آرا اور نظریہ باز نہ تھے وہ مجسم عمل تھے اور عملیت کو پسند کرتے تھے وہ چون و چرا اور کیسے کیونکر کی فلسفیانہ الجھنوں سے پاک تھے وہ دنیا کے کاروباری آدمیوں اور سپاہیوں کی طرح چند اچھی باتوں کو قبول کر کے ان پر فوراً عامل بن جاتے تھے یہی سبب ہے کہ عجیبانہ نکتہ آفرینی اور بال کی کمال نکال کر اس کی الجھنوں کے سلجھانے میں وہ کبھی گرفتار نہیں ہوئے، وہ ہر حق عمل اور صرف عمل تھے، اسی بنا پر شارع علیہ السلام نے ان کے سامنے عملی مذہب کو پیش کر کے ان کو سرتاپا عملی بنادیا اور جو کچھ وہ تعلیم لائے تھے اس کا مجسم پیکر بن کر چند سال میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا، دوردور سے بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے اور شک و حجت اور مناظرہ و قیل و قیل کے بغیر فرائض و اخلاق کی عملی تعلیم حاصل کر کے اپنے قبیلہ میں واپس چلے جاتے تھے اور باخراہی عملی دعوت سے اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان بنا لیتے تھے وہ اگر گھر اور محل و دکان کی بحث میں نہیں پڑتے تھے وہ تعلیم کو دیکھتے تھے اور سنتے تھے وہ اچھی معلوم ہوتی تو اس کو قبول کرتے اور اس پر عمل کر کے دینی و دنیاوی فوائد اور نتائج کے حصول کا یقین کرتے تھے اور اسی غیر متزلزل یقین اور ایمان کے بھروسہ پر وہ مشکل سے مشکل اور خطرناک سے خطرناک کام کو گزرتے تھے، اہل عرب کی اسی خصوصیت نے اسلام کی سادگی کو برقرار اور عجیبی فلسفیت و نظریت سے اس کو پاک و مبرا رکھا اور ساتھ ہی چند سال کے اندر اندر مغرب و مشرق، شمال و جنوب میں اسلام کا پھیرا آسمان پر اڑنے لگا۔

**ان اوصاف کی مصلحت** اہل عرب کے ان تمام فطری و طبعی اوصاف و اخلاق کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین کی اشاعت اور حفاظت کے لئے جس قوم کا انتخاب کیا تھا وہ انزل سے اس کے لئے منتخب ہو چکی تھی، باوجود ان کی ہر قسم کی گمراہیوں کے یہ چند اچھے اوصاف اس لئے ان میں ودیعت کئے گئے تھے تاکہ جب خدا کی بادشاہی کا دن آئے تو ان کی فطری استعداد کا یہ سرمایہ اس کی امداد و اعانت کے لئے خزانہ غیب کا کام دے، یہی وہ سرمایہ تھا جو اس وقت نہ ہندو مجسم میں تھا نہ روم و فرنگ میں، نہ ترک میں تھا نہ زنگ میں تھا، وہ عرب اور صرف عرب میں تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری نبوت کے لئے اسی قوم کو برگزیدہ کر کے یہ امانت اس کے سپرد کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد میں اسمعیل کو پسند کیا اور اسمعیل کی اولاد میں بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے محمد کو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں عبدالمطلب کے بیٹے عبد اللہ کا بیٹا ہوں، اللہ نے تمام لوگوں کو پیدا کیا تو مجھے اس نے ان سب سے سب سے بہتر نسل میں رکھا، ان کو دو حصوں میں دیا، ہم میں تقسیم کیا تو مجھے اس حصہ میں دیا یعنی عرب میں، بنایا جو سب سے بہتر تھا، اس حصے کو بھی قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے اس قبیلہ میں پیدا کیا جو سب سے بہتر تھا، پھر اس قبیلہ کو گھرانوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھرانے میں پیدا کیا، پھر اس گھرانے کو افراد پر تقسیم کیا تو مجھے اس گھرانے کا سب سے بہتر فرد بنایا۔

\*

لے یہ دونوں حدیثیں ترمذی باب المناقب میں ہیں ۱۲۔

## صبح سعادت

دنیا اور عرب کی سرزمین اسی خلعت میں تھی کہ صبح سعادت نمودار ہوتی اور خورشید نبوت کے طلوع کا غلغلہ برپا ہوا، شب کافور ہوتی اور تھوڑی دیر میں ذرہ ذرہ سورج کی کرنوں سے پر نور ہو گیا، یہ ظاہر ہے کہ سورج کو دنیا کو روشن کرنے کا تھا، لہذا وہ نکلا عرب ہی کے افق سے تھا، اس لئے ضروری تھا کہ اس کے نور سے پہلے اسی ملک کی سرزمین روشن ہو۔

**ایک قوم کا انتخاب** سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کو خدا نے تمام عالم کی اصلاح کے لئے بھیجا تھا اور اس بنا پر ایک ایسی شریعت کامل عطا کی جو نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کے لئے ابد تک کافی ہے، لیکن کوئی شریعت کوئی قانون، کوئی دستور العمل اس وقت تک مفید اور کارآمد نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ ایسا گروہ موجود نہ ہو جو اس شریعت کی عملی تصویر ہو اور جس کی ہر بات ہر ادا، ہر جنبش عملی خطیر بن کر گرد و پیش کو اپنا ہم زبان اور اپنا ہم عمل بنالے۔ اس بنا پر خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم مقصد ایک خاص قوم کو تربیت دے کر اصلاح عالم کے لئے تیار کرنا تھا، دنیا کی اور قومیں باری باری اس منصب پر ممتاز ہو چکی تھیں، ایک زمانہ تھا جب بنی اسرائیل جیسی قوم جو آج تمام دنیا میں غار و ذلیل ہے، اُنہی فضلت کھو علی العالمین، ہم نے تم کو تمام دنیا کی قوموں پر فضیلت دی، آج تم چکی تھی، لیکن اوپر تفصیل کے چکا کر اب تمام قوموں کا مادہ مفقود ہو چکا تھا، ایران میں ہزار برس تک ناز و نعمت میں چل کر ترقی کی روح فنا کر چکا تھا، رومیوں کے تمام قولے عمل بوسیدہ ہو چکے تھے، ہندوؤں کا دل و دماغ وہم پرست ہو کر رہ گیا تھا، صرف ایک عرب تھا جو بنی زمین کی طرح مادہ اتے نشوونما سے لبریز تھا اور ایک لوح سادہ کی طرح ہر قسم کی نقش آزمائیوں کے قابل تھا، مشیت ایزدی نے اسی کو تیار کیا اور چند روز میں وہی عرب جو سرتاپا جاہل، سرتاپا وحشت اور سرتاپا درندہ بن چکا تھا، کُنْتُ خَيْرُ امَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَكُنْتُمْ اَوَّلَ الْمُشْكِرِ کا منظر بن گیا۔

ان لوگوں کا طبع و جمال اور خط و قال یہ تھا۔

الَّذِينَ اِنْ مَكَانَهُمْ فِي اَرْضٍ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآَتَاوْا  
لے شاہ ولی اللہ صاحب مکتبے بین کہ جو پیغمبر تمام عالم کے لئے مبعوث ہوتا ہے وہ علاوہ ان اصول کے جو اہل مذہب میں ہیں چند اور نئے اصول اختیار کرتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے۔

یہ دعوتی الی السنۃ الراشدۃ دین کیسے ہو ویصلہ شانہو  
کہ ہمہ پھر ان کو اپنا دست و بازو بناتا ہے اور ان کو دنیا میں پھیلا  
دیتا ہے اور ان کے ذریعہ سے مجاہد کرتا ہے جیسا کہ خدا نے کامیاب  
الناس۔ محمد بن ابی بکر ص ۱۲۳ مطبوعات مہند۔  
امت ہو جو دنیا کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔  
تم بہترین قوم ہو جو ان لوگوں کے لئے اپنا دھرم سے باہر ہو گئی، جو انکیوں کا حکم دیتی اور برائیوں سے روکتی ہے۔



اصلاح و ہدایت کی مشکلات | ہر قوم کی اصلاح و ہدایت میں اول سخت اور متعدد مشکلات پیش آتی ہیں لیکن ان کی نوعیت ایک دوسرے زائدہ نہیں ہوتی، لیکن عرب کی اصلاح میں ہر نوع، ہر حیثیت

ہر جہت کی گونا گوں اور لاعلاج مشکلات تھیں اور ایسی تھیں جن میں سے ایک کا حل کرنا بھی قدرتِ انسانی سے بالاتر تھا۔ بنو اسرائیل ایک مدت سے مصر میں قبطیوں کی غلامی کر رہے تھے اور قبطیوں کے جوہر و ظلم کا طوفان ان کے سر سے گزر چکا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ احسان عظیم کیا کہ فرعون کے پنجہ ستم سے ان کو چھڑا کر مصر سے نکال لائے، لیکن غلامی میں رہتے رہتے ان کی طبیعت میں اس قدر ذلت پسندی آگئی تھی کہ جب ان سے کہا گیا کہ آگے کنعان کی زمین ہے، اس کو لڑ کر لے لو اور اسی پر نعمتِ سلطنت جلاؤ تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے صاف کہہ دیا کہ تم اور تمہارا خدادادوںوں جا کر لڑو، ہم تو یہاں سے آگے قدم نہیں بڑھاتے یہ ایک امتدادِ معاشرت کا اثر تھا جو مرتے مرتے ان لوگوں کی طبیعتوں سے نہیں گیا اور جب تک یہ نسل پوری اپنی مصیبت سے مرکزِ مشرق میں نہیں ہو گئی، بنو اسرائیل کو کنعان کی زمین میں قدم رکھنا نصیب نہ ہوا۔

یہ صرف ایک مشکل کی مثال تھی، اب عرب کی مشکلات کا اندازہ کرو۔

**جمالت** | عرب کی قوم اُمی محض تھی، الوہیت، رسالت، کتاب، معاد، عبادت ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے ان کے کان آشنا ہوں، اسلام کا ہر لفظ جو ان کے کان میں پڑتا تھا، ان کو ایک تعجب انگیز اور بالکل بیگانہ آواز معلوم ہوتی تھی، قرآن مجید نے ان کی اس جاہلانہ حیرت و استعجاب کو متعدد آیتوں میں ذکر کیا ہے۔

قرآن حکیم کی قسم، تو بے شبہ پیغمبروں میں سے ہے، راہِ راست پر ہے  
یہ قرآن رحمت والے غالبِ فدا کے پاس سے اترا ہے تاکہ تو اس  
قوم کو آگاہ کرے جس کے اسلاف کو آگاہ نہیں کیا گیا اور اس لئے  
وہ غفلت میں پڑے ہیں۔

یہ نبوت کے شرف سے محروم قوم ایک آسمانی مذہب کے تمام خصائص سے محض بیگانہ تھی

اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان میں ایک پیغمبر ہو کر ان کے پاس آیا  
کاہلوں نے کہا یہ درویش گو جادوگر ہے، اس نے اتنے خداؤں کو  
ایک خدا بنا دیا یہ عجیب بات ہے، ان کے پیچھے اٹھ کھڑے ہوتے  
کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جتے رہو، اس میں اس پیغمبر کی  
کوئی غرض ہے، ہم نے سنا تو سابق مذہب میں یہ نہیں سنا یہ سب  
گھڑی ہوئی بات ہے۔

بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک ان کے پاس پیغمبر بن کر آیا، کافروں نے کیا یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔

متعلق یہ سمجھتے تھے کہ انسان تو اس کے سزاوار نہیں، اس منصب پر تو فرشتوں کو ممتاز ہونا چاہیئے تھا۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يُزُجُّونَ لِقَاءَهُمْ قَالُوا لَا تَنْزِلُ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ (فرقان ۱۳۰)

اور جو ایک دن پہلے سامنے آنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ فرشتے  
پسینہ نہ گرہیں کیوں نہ آتا رہے گئے۔

اِنْ جَاءَهُمْ الرَّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ  
 وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ قَالُوْا لَوْ  
 شَاءَ رَبِّنَا لَا نُنْزِلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِذَا بَعَاثُ  
 ۱۲- (فصلت)

پیغمبر جبریل کے پاس سامنے سے اور پیچھے سے آتے ہیں کہ ایک خدا  
 کے سوا کسی اور کو نہ پوجو تو وہ کہتے ہیں کہ خدا اگر کسی کو پیغمبر بنا کر  
 بھیجتا چاہتا تو وہ فرشتوں کو اتارتا، ہم تو تمہاری باتوں کا انکار  
 ہی کریں گے۔

وَمَا مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ اَنْ يُّؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمْ الْهُدٰى اِلَّا اَنْ كَانُوْا اَبْعَثَ اللّٰهُ بُشْرًا رَّسُوْلًا قُلْ لَوْ كَانْ فِي الْاَرْضِ مِنْ مَّالِكٍ لَّيَمْسُوْنَ فِي الْاَرْضِ مُطْعِمٰتَيْنِ لَنَزَلْنَا عَلٰيْهُنَّ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل - ۱)

نبی کا تخیل اگر ان کے ذہن میں گہبی آتا تھا تو بشریت سے ماوراء صورت میں، یعنی یہ کہ وہ انسانی ضروریات سے منتر ہو اس کے پیچھے خدا اور فرشتوں کا پیرا ہو، آسمان اور زمین کے خزانے اس کے دست قدرت میں ہوں۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ  
 يَنْبُوعًا مَاءً أَوْ تَكُونَ لَكَ جَبَّةٌ مِمَّنْ تَنْحِيلُ و  
 عَنِيبُ فَتَفْجُرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ  
 تَسْقُطَ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ  
 تَأْتِيَنَا بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا أَوْ يَكُونُ لَكَ  
 آيَةٌ مِّنْ رَبِّكَ فَتَأْتِيَ فِي الْفَجْرِ فَأَرْسَلْنَا  
 نُوحًا بِآيَاتِنَا وَأَنذَرْنَا قَوْمَكَ يَوْمَ السُّبْحِ

انہوں نے کہا کہ ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہیں دے گے جب تک  
 زمیں سے ہمارے لئے تو چشمہ نہ بہا دے یا تیری ملکیت میں کھجوروں  
 اور انگوٹوں کا کوئی باغ نہ جو جس میں نہریں جاری کر دی ہوں یا ہیرا  
 کہ تو نے کہا ہے ہم پر بادل کا کوئی ٹکڑا اگرا دے یا آہا اور فرشتوں کو  
 پرانا کر دے آئے یا تیرے پاس کوئی سونے کا گھر نہ ہو یا تو آسمان  
 پر نہ جڑھ جاتے۔

انہوں نے کہا یہ عجیب پیغمبر ہے یہ کوکھاتا چتا ہے، باز مملکتیں  
چلتا پھرتا ہے، اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتر اجراس کے ساتھ مل  
کر لوگوں کو ڈرانایا اس کے پاس کوئی خزانہ کیوں نہیں ڈال دیا گیا  
یا اس کے لئے خاص کوئی باغ کیوں نہ ہوا، جس سے یہ کھاتا۔

پیشبر کے لئے ان کے خیال میں یہ بھی ضروری بات تھی کہ وہ بڑا دولت مند ہو، اس کے بصر میں ملوی بڑی جاوید ہو،  
 کے ہرے بھرے باغ اور سونے چاندی کے خزانے اس کے پاس ہوں، چنانچہ گزشتہ آیت میں کفار کے اس خیال کی طرف بھی  
 اشارہ ہے اسی لئے مکر اور طائف کے جوڑ و ساد دولت مند تھے وہ اس منصب کے سب سے زیادہ مستحق سمجھے جاتے تھے۔  
 وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ  
 الْقُرْآنِ مَتَدِينٍ عَظِيمٍ (زخرف: ۳۰)  
 وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکر یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر  
 کیوں نہیں اترا۔



کسی کتاب کے نازل ہونے کے معنی ان کے خیال میں یہ تھے کہ آسمان سے کاغذوں میں ایک لکھی لکھائی ترشہ ترشائی  
جلد بندی ہوئی ایک کتاب سب کے سامنے مجمع میں اتر آئے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً (فرقان-۳)

کافروں نے کہا اس پر قرآن یکجا رکھی کیوں نہیں اترتا۔

وَلَوْ تَوَصَّيْتُمْ لَوْ قَبِلْتُ حَتَّى تَنْزِلَ  
عَلَيْنَا كِتَابًا لَقَرُّوْهُ

(بنی اسرائیل - ۱۰)

اور (کافروں نے کہا) ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے کے بھی اس  
وقت تک قائل نہیں ہوں گے جب تک ہم پر کوئی ایسی کتاب نہ آ  
لائے جس کو ہم کر پڑھنے لگیں۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ  
بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا  
سِحْرٌ قَبِيلٍ (الغلام ۱۰)

اور اگر کاغذوں میں لکھی ہوئی کتاب ہم آسمان سے تم پر  
آمارے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی سکتے تو کافر بھی  
کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

غرض ایک آسمانی مذہب کی کیفیت سے بالکل بے خبر تھے، الوہیت اور صفات الہی کے اسرارِ نبوت کے خصائص، نزولِ کتاب کی حقیقت، ہر چیز ان کے لئے حیرت و استعجاب کا سرمایہ تھی۔

اَفَلَوْيَدَّبَرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَاءَهُمْ مَا لَوْ يَاتِ  
 اَبَاؤَهُمْ اَوْ وَلَدِيْنَ اَمْ لَمْ يَخِرُّوْا رَسُوْلَهُمْ  
 فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُوْنَ (مؤمنون - ۴۷)

کیا انہوں نے بات پر غور نہیں کیا یا ان کے پاس وہ تعلیم آتی ہے  
 جو ان کے اسلاف کے پاس نہیں آتی یا انہوں نے اپنے رسول کو  
 نہیں پہچانا تو اس کے منکر ہیں۔

اس بند پر عرب کے مشرکین اور کفار کو ایک مدت تک صدائے نبوت سے گوش آشنا ہونے کی حاجت تھی اور اس میں کمی بری صرف ہو گئے۔ لیکن وہ لوگ جو اس صدائے مانوس نہ تھے، ان تک آواز پہنچنے کی دیر تھی کہ وہ سر تا پا البیک تھے، حصہ اول میں گزرا چکا ہے کہ الباقی اسلام منو ما وہی لوگ تھے جو اہل کتاب یا خنساء کے آغوش پروردہ تھے۔ اشخاص کے علاوہ قبائل کا بھی یہی حال تھا مشرکین کا ہم الباقی کا جواب خندہ تحقیر سے دیتے تھے اور رموز نبوت کے دانا چشم پر ہم اور دلی پُر کیف ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا نُتِي لَهُمْ  
 يَخْرُونَ لَهُ ذَقَانٍ مُجَدًّا وَيَقُولُونَ سُبْحَنَ  
 رَبِّنَا إِنَّ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا وَيَخْرُونَ  
 لَهُ ذَقَانٍ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا۔  
 (بنی اسرائیل - ۱۲)

جن کو ان سے پہلے علم دیا گیا ہے (یہود و نصاریٰ) جب ان کو قرآن  
 کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو منہ کے بل وہ مجھ سے میں گر پڑتے ہیں اور  
 کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار، ہم سے ایک پیغمبر آخر الزمان کے  
 بھیجنے کا، جو وعدہ کیا تھا وہ ضرور پورا ہوا، رو کر وہ منہ کے بل گر پڑتے  
 ہیں اور بیان کے خشوع کو اور بڑھاتا ہے۔

وَلَمَّا قَرَّبَهُمْ مُّوَدَّةَ لَّدَيْنِ الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِيْنَ  
قَالُوْا اِنَّا لَنَصَارٰى ط ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِيْنَ  
وَرُهْبٰنًا وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوا  
مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَوَلٰى اَعْيُنُهُمْ تَفْنِيْضٌ مِّنْ

۱۷۱  
الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا  
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ (مائدہ - ۱۱)

اور کہتے ہیں کہ خدایا ہم ایمان لائے، ہم کو بھی شہادت دیجیے  
فالوں میں لکھ لے۔

ہرینہ کے یہود جو اسلام سے سیاسی اور دینی کینہ اور تعصب رکھتے تھے اور اس بنا پر اسلام کے مقابل میں زبان سے اپنی کور باطنی کا اظہار وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، وہ ہمیں چشم دل کو بنیش حق سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ يُعْرِضُونَ كَمَا يُعْرِضُونَ  
أَبْنَاءَهُمْ وَإِنْ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَنْتَكْفُرَ الْحَقَّ  
وَهُمْ يَعْلَمُونَ (البقرة: ۱۷۴)

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا  
مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ لِيَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ  
كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ

قرآن مجید کی شہادتوں سے قطع نظر کر کے اگر واقعات پر غور کیا جائے تب بھی یہ حقیقت منکشف ہو جاتی گی، مجدد

دعوتِ حق سننے کے ساتھ جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو لبیک کہا ان کے حالات پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لئے صرف اثر پذیر دل اور ذوقِ آشنا نگاہ کا جرمیاں ہے۔ حضرت سعید بن زیدؓ، عثمان بن مظعونؓ، مسیب رومیؓ، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ وغیرہ جو سابقین اسلام ہیں، اسی قسم کے لوگ تھے، ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن دائل وغیرہ قریش کے مشرکین و کفار خدا کا کلام تیرہ برس تک متصل سنتے رہے، لیکن ان کے دل کی سنگینی میں کوئی فرق نہ آیا، ورقہ، حکم کا قریش عیسائی صرف ایک بار قرآن سنا ہے اور ناموسِ اکبر کی آواز پہچان لیتا ہے، محمد کے مشرک ترین برس تک آپ کے چہرہ پر نور کو دیکھتے رہے لیکن نور الہی کو نہ پہچان سکے اور عبداللہ بن سلامؓ یہودی عالم نے صرف ایک دفعہ جہاں پر انوار کو دیکھا اور کہا اسٹے کر یہ حق کی تجلی ہے، دروستے قریش ہر روز اپنی آنکھوں سے نزولِ وحی کا تماشا دیکھتے ہیں اور جنبش نہیں کرتے اور نجاشی حکومت کی مسند پر اور ہر قتلِ شمشاد ہی کے تخت پر بیٹھ کر فائزانہ کلام اللہ کی چند آیتیں سنتے ہیں اور ٹرپ جاتے ہیں، قریش کے گھریلو خود اترتی ہے اور وہ اس کو ٹھکرا دیتے ہیں، لیکن مدینہ سے بنی اسرائیل کے پڑوسی جو ان کی زبان سے آفری نبی کی بشارت سن چکے تھے اتفاقاً مکہ آتے ہیں اور اس دولتِ ابدی کو پس منظر اٹھالے جاتے ہیں، طائف کے سنگدل جاہل، نبی پر پتھر برساتے ہیں اور اس کی ہنسی مٹاتے ہیں اور حجاز کے عیسائی عالم مناظرہ کی غرض سے مدینہ آتے ہیں لیکن چہرہ پر پیغمبری کی معصومیت دیکھ کر دہل جاتے ہیں اور صلح کا ہر یہ پیش کرتے ہیں۔

قریش اور مجاز کے راز نبوت کے نامحرم دعوتِ حق کا جواب ایسے برس تک تیغ و سان سے دیتے ہیں، لیکن نیز، ہاجر  
 یمن، عمان اور بحرین کے بڑے بڑے اور عظیم الشان قبائل جو یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے اثر سے ان رموز سے کسی قدر آگاہ ہو  
 چکے تھے وہ آوازِ حق پہنچنے کے ساتھ دفعۃً مسلمان تھے۔



**آبائی دین و رسوم کی پابندی** | ہر نبی مخریک کو غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اس کے قبول کرنے میں جو چیز سب سے پہلے

پاؤں میں اس سے بھاری کوئی زنجیر نہیں، دوست و آشنا کا چھوٹنا، مال باپ سے علیحدگی، آل و اولاد سے کنارہ کشی، مال و دولت سے دست برداری، جماعت کی مخالفت، قوم سے انقطاع، وطن سے دوری ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کو ہر انسان انسانی سے برداشت کر سکے، ملکی رسم و رواج کی دیرینہ محبت اور آبائی کیش و آئین کی موردی الفت، حق و باطل کی تمیز اور نیک و بد کی پہچان کی حس مشاوری ہے، عام دنیا کی فطری حالت کے علاوہ، عرب کی قوم، قدامت پسندی اور قدیم حالت پر لقا۔ و استحکام میں خاص شہرت رکھتی ہے، دنیا کماں سے کماں پر لٹی چلی گئی، پرانی نسل کی بدویہ خصوصیتیں جو ہم توراۃ میں پڑھتے ہیں، وہ تمام سامی قوموں سے مٹ گئیں، مگر عرب میں اس وقت بھی نمایاں تھیں اور آج بھی نظر کے سامنے ہیں، دین ابراہیم کے چند اصول حج، عترة اور قربانی وغیرہ ہزاروں برس کے بعد بھی عرب میں مٹا کر باقی رہ گئے تھے اور ان سے نہیں چھوٹے تھے، ان کے شعرو شاعری اور فخر و مبالغہات کا سب سے پر جوش مضمون آباد و اجداد اور نام و نسب پر فخر و غرور تھا جس کو چھوڑنا ان کے نزدیک اپنی پرانی عزت و عظمت کی دیوار کو خود گرا دینا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں دین حق کی منادی شروع کی تو اس کی شدید مخالفت جس بنا پر سب سے زیادہ کی گئی وہی دین آبائی کے ترک کا مسئلہ تھا اور یہی دین ہر ایک کے بطلان کی سب سے مستحکم دلیل ان کے پاس تھی، چنانچہ قرآن مجید نے بار بار

ان کے اس قول کو دہرایا ہے اور اس کی نفی کو ظاہر کیا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا آتَيْنَا عَلَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءُنَا أَوْ لَوْ كُنَّا

أَبَاءَهُمْ لَآتَيْنَا عَلَيْهِ شَيْئًا وَلَا يَتَذَكَّرُونَ (البقرہ-۲۱)

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِثْلَ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتَرَفِّعُهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ قَالَ أُولُو حُجَّتِكَ لَأَهْدَىٰ مِنْهَا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ لَوْ كُنَّا أَوْ إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ

(زمرہ-۲۳)

فَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو آمارا ہے اس کی پیروی کرو، کہتے ہیں نہیں، بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادوں کو ہم نے پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا ان کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ماہر است پرہوں (تب بھی)

بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک روش پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل کر رہنا چاہیں گے اور اسی طرح ہم نے اپنے پیغمبر سے پہلے کسی آبادی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا لیکن اس کے دولتمندوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک روش پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم کے پیروی کو اسے پیغمبر کیا اگرچہ میں اس روش سے جس پر تم نے اپنے بزرگوں کو پایا زیادہ سیدھا راستہ لے کر تمہارے پاس کیوں نہ آؤں (تب بھی تم انہیں کی پیروی کر دے گے) انہوں نے کہا ہم تو جو دے کر بھیجے گئے ہیں، اس کا انکار ہی کرتے رہیں گے۔

اور جب وہ کوئی بے مغزی کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی پر پایا اور اللہ نے ہم کو اسی کا حکم دیا ہے کہ دوسرے پیغمبر اللہ تو بے شرمی کی بات کا کبھی حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ پر وہ تہمت بازنہ

ہو جو تم نہیں جانتے۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو آمارا ہے اس کے پاس رسول کے پاس آؤ تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس پر پایا ہے وہی ہم کو کافی ہے، کیا ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور سیدھے راستہ پر چلنا (تب بھی وہ انہی کی پیروی کریں گے)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو علم و ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارہ میں سمجھ کر کہتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو آمارا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، کیا اگرچہ ان کو شیطان دوزخ کے جذبہ ہی کی طرف کیوں نہ پکڑے (تو وہ اسی کی پیروی کریں گے)

کفار کے یہ سوال و جواب خود ظاہر کرتے ہیں کہ ان کو اپنے آبائی رسوم کا چھوڑنا کس درجہ محال نظر آتا تھا آپ نے بشت کے تین برس بعد جب بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کی عدالت میں آپ پر سب سے بڑا جرم یہی قائم کیا گیا کہ یہ ناخانی دیوتاؤں کی تحقیر بزرگوں کی توہین اور آبائی رسم و رواج کی مذمت کرتے ہیں، مکہ میں جب آپ نے علی الاعلان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور بت سے نیک لوگوں نے دعوت پر لبیک کہا، تو قریش کے بڑے بڑے رئیسوں نے ابوطالب کے پاس جا کر آپ کے خلاف جو الزامات قائم کئے وہ یہ تھے، اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں کو جڑا کتا ہے، ہمارے مذہب کی توہین کرتا ہے ہم کو بیوقوف اور نادان کہتا ہے اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتا ہے تو یا تو تم اس کو روکو یا ہم کو اور اس کو چھوڑ دو کہ باہم سمجھ لیں۔

یہ ان کی عدالت کا پہلا مطالبہ تھا، ابوطالب نے ان کو سمجھا بھکا کر واپس کیا، تو کچھ دنوں کے بعد پھر انہوں نے اپنا مطالبہ ان الفاظ میں پیش کیا، اے ابوطالب! تم نے اپنے بھتیجے کو اب تک منع نہیں کیا، اب خدا کی قسم ہم اپنے بزرگوں کی برائی اپنی نعلانی اور اپنے دیوتاؤں کی سوجھ بوجھ سن سکے تو یا تو اس کو بازار کھو اور یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ، اس اعلان جنگ سے کام نہ چلا تو وہ تیسری دفعہ ابوطالب کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں، اے ابوطالب! ولید کا بیٹا عمارہ کیسا غرور و جبران ہے تم اس کو مٹنی بنا لو، اپنے بھتیجے کو قتل کے لئے ہمارے سوا کدو کر دو کہ اس نے تمہارے بزرگوں کے دین و مذہب کی مخالفت کی ہے، تمہاری قوا کی جماعت کو پرگندہ کر دیا ہے اور ان کو بیوقوف اور نادان کہتا ہے، سب سے آخری دفعہ قریش کے رئیسوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر گفتگو کی اور کہا اے محمد! تمہارے سوا کسی قوم میں ایسا آدمی نہیں آیا جو اپنی قوم پر وہ مصیبت لایا ہو، جو تم لائے ہو تم نے باپ دادوں کو جڑا کتا، ہمارے مذہب کی تحقیر کی، دیوتاؤں کو گالی دی، ہم کو بیوقوف اور نادان بنایا اور جماعت میں تفرقہ ڈالا، غرض کوئی برائی نہ تھی جو تم نے ہمارے ساتھ نہیں کی۔

ان الزامات کی فہرست کی ایک ایک دفعہ پڑھو، معلوم ہوگا کہ آبائی دین، موردی رسم و رواج اور خاندانی دیوتاؤں کی خدائی سے آزاد ہونا، ان پر کتنا بار تھا، اور وہ اس جرم کو کتنا سنگین سمجھتے تھے، موسم حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے لیے تمام واقعات اجماع اسحاق اور سیرت کی تمام کتابوں میں تفصیل مذکور ہیں۔



صرف یہ لکھا جاتا تھا، تو بڑی دہی ہے جو ہم کو ہمارے پاس پہنچا رہی ہے۔  
ابوطالب مجنوں نے ہر مرقع پر اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی اور وہ آپ کو اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے  
وہ بھی آپ کی دعوت حق کو اپنے دین آبائی کے مقابلہ میں پذیرائی کے قابل نہ سمجھے، جیسے نے بار بار کہا، چچا جان! اکثر شہادت ایک  
دفعہ پڑھ لیجئے کہ قیامت میں آپ کی شفاعت کی ایک سند مجھے ہاتھ آجائے۔ ابوطالب نے جواب دیا، جان چہرہ سب کچھ تم پر تیار  
لیکن بزرگوں کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس وقت جب ابوطالب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور نزع کی حالت  
تھی، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ چچا جان! اب تو لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے کہ میں خدا کے مال آپ کے ایمان کی شہادت  
دعویٰ باجوہل اور عبداللہ بن امیہ نے جو ان کے پاس بیٹھے تھے کہا، ابوطالب کیا تم (اپنے باپ) عبدالمطلب کے دین سے ہم جاؤ گے  
آپ بار بار لا الہ الا اللہ پڑھنے کی درخواست کرتے تھے اور یہ دونوں ان کو وہی عبدالمطلب کے دین سے علیحدگی پر شرم دلاتے تھے  
بالآخر ابوطالب نے یہی کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں اور لا الہ الا اللہ نہیں کہا، یہ صحیح بخاری کی روایت ہے جسے صحیح مسلم میں  
اس کے بعد ہے کہ ابوطالب نے کہا کہ جیسے جو فقرہ تم کہتے ہو، میں کہہ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ ابوطالب  
موت سے ڈر گیا۔ ابی اسحاق میں ہے کہ انہوں نے آہستہ آہستہ وہ فقرہ کہہ دیا۔ بہر حال اس واقعہ سے جو دکھانا ہے وہ یہ ہے  
کہ اس حالت میں بھی مخالفین کے پاس اسلام سے باز رکھنے کے لئے اس سے زیادہ پُر زور اور پُر اثر دلیل نہ تھی کہ ابوطالب کیا  
آبائی مذہب کو چھوڑ دو گے؟ اس سے معلوم ہو گا کہ اسلام کی اشاعت کے راستہ میں یہ نیکل کتنا بڑا پتھر تھا۔

اِنْ لَقَوْلُ اِلَّا اَعْتَرَاكَ بَعْضُ الْيَهُتِنَا  
 ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہ کہیں گے کہ ہمارے کسی دیوتا نے  
 بنوئے (دہرہ) تم کو بنا ہے۔

ابتدا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کے خلاف وعظ کنا شروع کیا تو اکثر لوگوں نے (نہو دیا) پائل محمد یا جاہلیت کے زمانہ کے بعض کافر جناب ہمدردی کی راہ سے مجاز مچوٹ کس نے اُٹھے، ضام بن ثعلبہ ایک صحابی تھے، وہ مسلمان ہو کر اپنے قبیلہ میں جب واپس گئے اور لات و عربی کی مذمت شروع کی تو تمام قبیلہ خوف سے کانپ گیا کہ ضام! ان کو براہ کسو، دیکھو کہیں تم نے مسترد کا حکم ج اس ۱۵ کتاب ایمان کہ کتاب الجنائز باب قال المشرک من الموت لا الہ الا اللہ اشرکے صحیح مسلم کتاب الایمان باب و تھے ابی ہشام وفات الداعی تھے ابی کثیر، زعمری، ابی حبان، بغوی وغیرہ تمام مفسرین نے کہا ہے دیکھو تفسیر آیہ مَا اَنْتَ بِمَنْعَةٍ رَبِّکَ بِمَنْعَتِیْ وَیَزِیْدُ مَا یَصَاحِبُہُ مِنْ جَنَّةٍ رَحْمَہُ صحیح مسلم ابی حنیف الصلوٰۃ والصلیۃ

نہ اس فرض کو انجام دیا، پوجاریوں نے کوئی مزاحمت نہ کی، وہ سمجھتے تھے کہ ان دیوتاؤں کو کون توڑ سکتا ہے، جو اس گستاخی کا ارادہ کرے گا وہ خود تباہ و برباد ہو جائے گا۔

كان الرجل ليقدم المدينة فان ولدت  
 امرأته غلاما ونجحت خيله قال هذا دين  
 صالح وان لو قلد امرأته ولو تسبم خيله  
 قال هذا دين مسوءر

باہر کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ آتا تھا اس کی یہ حالت تھی کہ  
 اگر اس کی بیوی لڑکا جنمتی اور اس کی گھوڑی بچہ دیتی تو وہ کہتا کہ یہ  
 نہایت عمدہ مذہب ہے لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہتا کہ یہ نہایت  
 برا مذہب ہے۔

ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ آئے اور اتفاق سے ایک عرصہ تک کسی مسلمان گھرانے میں کوئی لڑکا نہ پیدا ہوا تو دیکھیں اس واقعہ

کو اپنی بد دعاؤں کا نتیجہ سمجھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، آخر چھ مہینے کے بعد عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو مسلمان بے انتہا مسرور ہوئے۔ سو موافقی یہ کہ اول اول جو لوگ مدینہ میں آئے تھے، ان کو وہاں کی آب و ہوا اس نہیں آتی تھی، ابتدائے ہجرت میں جب حضرت ابو بکرؓ و حضرت بلالؓ آئے تو سخت بیمار ہو گئے۔ حضرت طفیل بن عمروؓ نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو ان کو بھی مدینہ کی آب و ہوا موافق ہوئی، اگرچہ مخلصین اور ارباب فہم پر اس قسم کی عارضی ناگوار یوں کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا، تاہم عام لوگ جن کی دہم پرستی فطرت ثانیہ پر گہری تھی، وہ اس قسم کے اتفاقی واقعات سے بے مدد متاثر ہوتے تھے، چنانچہ جب عکلم مدینہ کے چند لوگوں نے مدینہ

---

لے مسند دارمی کتاب الصلوٰۃ ۱۷۱ اسد الغابہ ترجمہ حضرت زبیرؓ و سیرۃ ابی ہشام ذکر مستضعفین ص ۱۷۱ اسد الغابہ ذکر طفیل بن عمروؓ و ذکر ابن سعد و طبری ذکر اصنام ۱۷۱ تفسیر سورہ حج مہدثانی ص ۶۹۲ تہ صحیح بخاری تفسیر سورہ حج ۱۷۱ مسند رک عالم ۳۶ و احادیث ذکر عبداللہ بن زبیر ۱۷۱ صحیح بخاری کتاب البر ص ۱۷۱ باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینہ ۱۷۱ صحیح مسلم کتاب الایمان ۱۷۱



میں آکر اسلام قبول کیا اور آب و ہوا کی موافقت کے سبب سے بیمار ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل آب و ہوا کی غرض سے ان کو اونٹوں کی چراگاہ میں بھیج دیا، تو گو وہ صحیح ہو گئے تاہم مرتد ہو گئے، اسی طرح ایک بدو نے آکر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، لیکن سورۃ اتفاق سے دوسرے دن بخار میں مبتلا ہوا تو اپنی بیعت توڑنی چاہی، آپ نے تین بار من فرمایا لیکن اس نے اصرار سے آخر بیعت طے کر دی۔ اور فرمایا:

المدينة كالكيو قنفي خبثها وتنصم  
مدینہ آگ کی بھیٹی ہے جو میل کو الگ کر دیتا ہے اور حقیقی  
طلبہا۔ جو ہر کو خالص کر دیتا ہے

ان ہی اسباب کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے متعلق یہ دعا فرمائی۔

اللهم حبب اليك المدينة كحبها مكة او  
اشد اللهم وصحبها وبارك لنا في  
مدنها واماها وافلح ماها فاجعلها بالحب جنة  
خداوند اے اللہ! اس سے زیادہ ہمارے لئے مدینہ کو محبوب  
بنادے، اس کو امراہن سے بھیج کر دے، اس کے پائے میں برکت  
دے اور اس کے بزرگوار محض میں منتقل کر دے۔

**قبائل کی خانہ جنگیاں** اسلام کی اشاعت کا ایک بڑا مانع عرب کی باہمی خانہ جنگیاں تھیں جو عرب کے خصائص قومی کا  
ایسے ستر اور ثابت الاساس انتہائی جذبات پیدا ہو گئے تھے جن کا ملنا قریباً محال تھا، ان ہی لڑائیوں نے شمار (انتقام خون) کی کم  
پیدا کر دی تھی جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، یہ رسم ایسی سخت اور شدید لاشعری تھی کہ ایک شخص کے خون کے لئے قبیلہ کا قبیلہ مٹ  
جاتا تھا، ہزاروں برس کے خون قومی غرض کی طرح باقی چلے آتے تھے جو درج رجسٹر ہوتے رہتے تھے اور بچہ بچہ کی زبان پر  
ہوتے تھے جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ ہوش سنبھالنے کے وقت سب سے پہلے شمار کا لفظ سنتا تھا یعنی فاندان میں فلاں شخص قتل  
کیا گیا ہے اور اس کے خون کا انتقام اب تک باقی ہے، اس لئے بچہ بچہ کا نصب العین ابتدائے زندگی سے یہی شمار ہوتا تھا۔  
اس بنا پر ایک شخص یا ایک فاندان جس غلوں اور عقیدت مندی کے ساتھ اسلام کی طرف بھگتا تھا، اسی زور اور قوت  
کے ساتھ دوسرا فرق اسلام کی مخالفت اور اس سے سرکشی پر آمادہ ہو جاتا تھا، مکہ میں اسلام کی مخالفت کا صرف یہی راز تھا کہ  
خدا نے نبوت کے لئے ہاشم کا گھرانہ چن لیا تھا، بنی امیہ کی مخالفت اس کے لئے لامحالہ ہونی تھی۔

مدینہ میں اوس و خزرج دو قبیلے تھے، اسلام سے پہلے دونوں لڑ لڑ کر تھک گئے تھے، اسلام کی آواز آئی تو گوردونوں نے  
ایک ساتھ لبیک کہا، تاہم قبیلہ اوس کا ایک ایک فرد اگر بہترین افلاہن و جوش تھا تو خزرج میں بھی بیسیوں منافق تھے، انتہایہ  
ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہجرت سے پہلے دونوں قبیلوں کی ناز کی امامت کے لئے باہر سے ایک قیسرے قبیلہ کا آدمی بلوایا گیا تھا  
کہ فلاں کے سامنے بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے کھڑے ہونے سے مار تھا۔

خزاع اور بنو بکر باہم شدید دشمن تھے، اہل ان میں باہم پرانی عداوت چلی آتی تھی، مدینہ آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو  
صلح کا پیام اور اسلام کی دعوت دی، خزاہ نے اسلام کی دعوت قبول کی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے۔

لے صحیح بخاری کتاب الحدیث ۱۸۵۳ کتاب الفضاہ حبیبہ و باب انتقام السنۃ ۳ صحیح بخاری مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
الحیزۃ ۱۸۵۳ کتاب الحدیث ۱۸۵۳ کتاب الفضاہ حبیبہ و باب انتقام السنۃ ۳ صحیح بخاری مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

خوب غور کرو، انصار اسلام لا کر بہترین نیکو کاری اور پاکیزہ نفسی کے پیکر بن گئے، لیکن شمار کے جذبات کس طرح آسانی سے دفع  
مشتعل ہو جاتے تھے ایک موقع پر ایک یہودی نے جنگ بغاٹ کا تذکرہ چھیڑ دیا تو انصار کے دونوں قبیلوں اوس و خزرج کی  
تلاواریں میان سے نکل آئیں اور بڑی شکل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوش کو فرو کیا۔

حضرت عائشہ کے واقعہ انک میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر اس کی شکایت کی اور حضرت سعد بن معاذ  
نے کہا یا رسول اللہ! اگر وہ (تمہارے قبیلہ کا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں اور اگر ہمارے بھائی خزرج کے قبیلہ کا ہے  
تو آپ حکم دیں میں بجالاؤں گا، اس پر سعد بن عبادہ جو قبیلہ خزرج کے رئیس تھے دفعۃً کھڑے ہو گئے اور کہا۔

كذبت لعمر الله لا تقتله ولا تقدر على قتله ولو كان  
من رططك ما احببت ان يقتل۔  
خدا کی قسم تو جھوٹ کہتا ہے تو اس کو قتل نہ کرے گا نہ کر سکتا ہے اور وہ  
شخص اگر تیرے قبیلہ کا ہوتا تو تو اس کا قتل کیا جانا پسند نہ کرتا۔

اس پر اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ جنگ چھیڑ جاتے، چنانچہ صحیح  
بخاری حدیث انک میں ہے۔

فشار الحیان الاوس والخزرج حتى  
ان يقتلوا، ورسول الله قال  
على المنبر۔  
پس دونوں قبیلے اوس اور خزرج مشتعل ہو گئے یہاں تک  
کہ دونوں کشت و خون پر آمادہ ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم اس وقت منبر پر کھڑے تھے۔

ایک بار معلم بن خاتمہ لیشی نے عہد اسلام میں قبیلہ اشجع کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ  
پیش ہوا، قبائل کے تعلقات کی بنا پر عینہ نے مقتول اور اقرع بن عابس نے قاتل کی طرف سے وکالت کی، بات بڑھی اور سخت شوش و شغب  
ہوا تو آپ نے عینہ سے فرمایا، اوتیت کیوں نہیں قبول کر لیتے؟ اس نے کہا خدا کی قسم اس وقت تک دیت نہ قبول کروں گا جب تک  
اس کی بیویوں کو اس قدر نہ ستالوں، جس قدر اس نے ہاری بیویوں کو ستایا ہے، اس پر اور شور و غل ہوا، آپ نے پھر یہی الفاظ فرمائے  
اور عینہ نے دہی پہلا جواب دیا، چوبیہ یہ اسلام کا اجتہادی زمانہ تھا اور قتل کا یہ پہلا مقدمہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں  
پیش ہوا تھا، اس لئے قبیلہ نبولیش کے ایک شخص نے جو مسلح کھڑا تھا، کہہ کر ابتدائے اسلام میں اس واقعہ کی مثال بکری کے اس ربوہ  
کی سی ہے کہ اس کے پیٹے حصہ کو تیر مارا گیا تو بدک کر بھاگ گیا، یعنی اگر قاتل کے موافق فیصلہ کیا گیا تو لوگ بھیجیں گے کہ اسلام قصاص کو دیت  
سے بدل دینا چاہتا ہے اور چونکہ دلوں میں اب تک انتقام کے جذبات تازہ ہیں اور لوگ دیت لینا پسند نہیں کرتے، اس لئے ان کو  
اسلام کے قبول کرنے میں تاہل ہوگا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سفر میں تھے اس لئے دیت میں ۵۰ اونٹ اسی وقت دیتے  
اور مدینہ پہنچ کر ۵۰ اونٹ کا وعدہ فرمایا۔

اہل عرب میں یہ جذبہ اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ گو آپ نے فتح مکہ میں امن عام کی منادی کر دی اور تلاواروں کے میان  
میں کر لینے کا حکم دے دیا، تاہم انتقام کا جوش اب تک تازہ تھا۔

قبیلہ نذیل کا ایک شخص اسلام لانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا تھا، اس نے زمانہ جاہلیت میں  
لے اصحاب ۱۸۵۳ مطبوعہ مصر ص ۱۸۸ معجم صغیر طبرانی میں بھی ایک اور اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے، معجم عبداللہ لے صحیح بخاری کتاب الحدیث

باب حدیث انک لکھ الہود و زید جلد ۲ ص ۱۵۵ کتاب الحدیث



قبیلہ خزاعہ کا کوئی جرم کیا تھا اور وہ لوگ انتقام کے لئے اس کو دھونڈ رہے تھے، سورۃ اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا اور ان لوگوں نے اس کو فوراً قتل کر دیا کہ اگر بارگاہ نبوت میں پہنچ گیا، تو پھر اس کا موقع ہاتھ نہ آئے گا، آپ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سخت برہم ہوئے، ان لوگوں نے حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ سے سفارش کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ تھے۔

”خدا نے مکہ کو دار الحرام بنایا ہے، آدمیوں نے نہیں بنایا ہے، خدا نے کل چند گھنٹوں کے لئے اس کو میرے لئے حلال کر دیا تھا لیکن آج اس کی قدیم حرمت دوبارہ لوٹ آئی ہے اور خدا کے سب سے زیادہ نافرمان بندے میں آدمی ہیں ایک وہ جس نے حدود حرم میں کسی کو قتل کیا، دوسرا وہ جس نے اپنے قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو مار ڈالا، تیسرا وہ جس نے زمانہ جاہلیت کا انتقام لیا، تم نے جس شخص کو قتل کر ڈالا ہے میں اس کی دیت دوں گا۔“

چنانچہ آپ نے اس کی دیت ادا فرمائی۔  
بنو ثعلبہ کے ایک آدمی نے جاہلیت میں اس و خمر رجز کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا، بنو ثعلبہ اسلام لا کر جب مدینہ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ایک انصاری بے اعتبار چلا اٹھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سارے مجرم ہیں ان سے قصاص دلو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا: لا یجنی والد علی ولد لک یعنی مڑ کے کے جرم کا بدلہ باپ سے نہیں لیا جائے گا۔ ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مار کا جذبہ کس طرح رگ رگ میں سرایت کر گیا تھا، اور اس جذبہ کا مستقل ہو جانا کس قدر آسان ہوتا تھا۔

خانہ جنگیوں پر ختم نہیں، یوں بھی تمام قبائل رقیب و حریف مقابل تھے، دو مختلف قبیلوں کے آدمیوں میں کسی ذاتی معاملہ پر بھی نزاع ہو جاتی تھی اور ان میں کوئی اپنے قبیلہ کا نام بکاڑتا تھا تو قومی جنگ کا سامان ہو جاتا تھا، ایک دفعہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مار دیا، انصاری نے یا لہ انصار انصار کی دہائی، پکا لہ، مہاجر نے بھی یا لہمہا جہین (مہاجرین کی دہائی) کا نعرہ مارا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ آپ نے نکلی کہ فرمایا کہ یہ کیا جہالت کی پکار ہے۔  
ما بال دعویٰ الجاہلیۃ۔  
یہ کیا جہالت کا دعویٰ ہے۔

لوگوں کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا سخت دشمن ہے، اس لئے جب تک وہ اپنا انتقام نہ لے لیتے ان کو اسلام لانے میں تامل ہوتا تھا، عمرو بن اقیس ایک صاحب تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام سے متاثر ہو کر اس کے قبول کرنے کے لئے ہر طرح آمادہ تھے لیکن ایک عائق تھا جو اس راہ میں مائل تھا یعنی ثار وہ جانتے تھے کہ اسلام لا کر اس خاندانی فرض ادا کرنے کی ان کو اجازت نہیں مل سکتی، ابن مندہ نے ان کے حال میں لکھا ہے۔

وکان لہ ثار فی الجاہلیۃ وکرہ ان یتسلل  
ان کا انتقام زمانہ جاہلیت میں باقو رہ گیا تھا جب تک وہ نہ لے  
حق یاخذہ۔  
لیں انہوں نے مسلمان ہونا پسند نہ کیا۔

اسی طرح حضرت عمرو بن مالکؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لا کر بچے قبیلہ میں واپس گئے اور اسلام کی دعوت دی تو قبیلہ والوں نے کہا، بنو عقیل پر ہمارا ناروا انتقام باقی ہے وہ لے لیں تو اسلام لائیں، چنانچہ انہوں نے اسی لئے مسند امام احمد میں مبدیہ ۳۸ ص ۲۷۰ دارقطنی ۳۸ ص ۲۷۰ صحیح بخاری ۱۷ ص ۲۹۹ ذکر من دعوت جاہلیۃ اسد الغابہ ص ۸۵ ج ۲۔

وقت بنو عقیل پر جو مسلمان ہو چکے تھے، حملہ کیا اور اس فرض سے سبکدوش ہوئے۔

### سیاسی مشکلات

جمالت، وحشت، پابندی رسوم، آبائی اثر وغیرہ وغیرہ ان میں سے ایک چیز بھی مانع اصلاح نہ ہوتی، تاہم سیاسی اسباب ایسے تھے کہ قریش یا دیگر قبائل عرب کبھی اسلام کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے، مکہ میں دو خاندان برابر کے رقیب تھے، امیہ اور ہاشم۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت سے پہلے امیہ کا پلہ ترجیح علانیہ گراں ہو چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اظہار کیا تو سب سے پہلے امیہ کے خاندان نے سرکشی کی اور فتح مکہ تک یہی خاندان تھا جو تمام لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں کا علمبردار تھا، بنو امیہ کے بعد اور دوسرے جو خاندان بھی تھے اور جو حرم کے مناصب وہ گاندہ (رفادہ وغیرہ) کے ممتاز حصہ دار تھے، ان میں سے ہر ایک دیکھ رہا تھا کہ اس جدید انقلاب میں ان فائدہ و اقتدار کا بالکل خاتمہ ہے، البوہل سے جب ایک شخص نے کٹا محمدؐ کی دعوت اسلام کی نسبت تمہاری کیا دانتے ہے تو اس نے صاف کہا کہ میں کیا کہوں محمدؐ کے خاندان نے عزت و شرف میں برتری کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں دعوتیں کھلائیں، اس کے جواب میں ہم نے اسی شان کی دعوتیں کھلائیں، انہوں نے خون بہا دیتے ہم نے بھی بہا دیئے، انہوں نے زرباشیاں کیں، ہم نے بھی کیں، ہم دونوں دوش بدوش ہو چکے تھے کہ دفعہ ان کی طرف سے یہ دعویٰ پیش ہوا کہ ہمارے خاندان میں نبوت اور آسمان سے وحی بھی آگئی، اب ہم کہاں تک برداشت کریں خدا کی قسم ہم کبھی محمدؐ پر ایمان نہیں لاسکتے، یہی ابوہل جب انصار کے ہاتھوں قتل ہوا تو اس نے مرتے وقت حسرت سے کہا کاش مجھ کو کاشت کاروں کے سوا کسی اور قوم نے قتل کیا ہوتا۔

خوب غور سے دیکھو، بدر، احد، حمرہ، الاسد، احزاب وغیرہ تمام لڑائیوں میں یہی اموی عنصر تھا جو کام کر رہا تھا، قریش کے قبیلہ سے باہر جو بڑے بڑے قبیلے تھے، مثل غطفان اور اسد وغیرہ وہ یا اہل مکہ کے خاندان کی کوئی شاخ تھی یا قریش کے حلیف و ہم صدر تھے، خیبر میں یہود تھے جو قوم کے لحاظ سے قریش سے الگ تھے، لیکن عرب تجارتی حیثیت سے تمام تر ان ہی یہودیوں کے زیر بار تھے انہی سے قریش دام لیتے تھے، انہی کے ہاں ماں و متاع رہن رکھتے تھے، خیبر اور غطفان ایک مدت دراز سے باہم حلیف تھے، اس طرح مکہ سے لے کر خیبر اور نجد تک تمام عرب ایک سلسلہ اتحاد میں مربوط تھا۔

کعبہ تمام عرب میں قبلہ گاہ اعظم تھا، ہر سال تمام ملک حج کرنے کے لئے آتا تھا اور آستانہ کعبہ پر سر جھکا کر آتما تھا، کعبہ کے باؤ معمولی پتھر سے نہ تھے بلکہ غیر و خورگاہ، اینخ و پیراجاہ و حشم غرض ریاست و مہارت کے تمام سوسامان رکھتے تھے اس لئے تمام عرب میں ان کی شنشا ہی قائم تھی یہی بات ہے کہ جب تک مکہ فتح نہیں ہوا، اسلام کو چین نصیب نہ ہو سکا، لیکن اسلام کی مخالفت صرف قریش کی متابعت تک محدود نہ تھی، بلکہ بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام سے خاص قریش کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا، براہ راست وہی تمام روستائے قبائل کو پہنچتا تھا عرب کا ملکی نظام یہ تھا کہ تمام ملک میں قبائل پھیلے ہوئے تھے اور ہر قبیلہ کا ایک رئیس اعظم ہوتا تھا جو تمام قبیلہ پر مکران ہوتا تھا اور مال غنیمت سے جو حصہ وصول کرتا تھا جس کو مہربان کہتے تھے، اس کے علاوہ غنائم میں سے جو عورت یا اور کوئی عمدہ چیز اس کو پہنچتی تھی، اس کو چھانٹ لیتا تھا، اس کا نام صغی تھا، یہ گویا چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں، جو تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں، یہ ریاست خاندانی اصول پر چلتی تھی، باپ کے مرنے کے بعد بیٹا رئیس منتخب ہوتا تھا، قبیلہ کے تمام معاملات، ذاتی نزاعیں، قصاص یا خون بہا کے فیصلے سب رئیس کے ہاتھ میں فیصلے ہوتے تھے، یہ رؤسا عام قوم سے بہت سے حقوق میں ممتاز ہوتے تھے۔

لہذا یہی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالکؓ نے ابن ہشام حدیث ص ۸۸ مبدیہ معرطین اولیٰ تلحیح بخاری واقعہ بدر مکہ طبری واقعہ خیبر۔



قبائل میں یہی امتیاز مراتب تھا کہ جو قبائل زیادہ شریف مانے جاتے تھے ان میں سے ایک آدمی کو اگر کوئی دوسرا قبیلہ قتل کر دیتا تھا تو اس کا خون دوسرے قبیلہ کے دو خون کے برابر سمجھا جاتا تھا اور اس لئے ایک کے بدلے میں دو قتل کرتے تھے یا پتلیاں اور فرق مراتب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جب غزوہ بدر میں قریش کی فوج میں سے عقبہ و شیبہ میدان میں آئے اور مبارز طلب ہوئے اور انصار ان کے مقابلہ کو نکلے تو عقبہ نے اس بنا پر ان کے مقابلہ سے انکار کر دیا کہ انصار اور قریش کا جوڑ نہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب بنی الاہم غاندان غسان کا اخیر فرمانروا اسلام لایا اور مکہ میں آیا، ایک دن طواف میں اس کی چادر کسی شخص کے پاؤں کے نیچے آگئی، جب نے اس کے گال پر پتھر دے مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جب نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی، حضرت عمرؓ نے واقعہ سن کر اس کا کیا قصور ہے، تم نے جو کیا، اس کی جزا پاتی، جب نے کہا میرا یہ رتبہ ہے کہ کوئی مجھ پر ہاتھ اٹھا تو قتل کر دیا جاتا، حضرت عمرؓ نے ہمارے مال زمانہ جاہلیت میں یہی قاعدہ تھا لیکن اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، جب نے کہا جو مذہب شرفاً کو ذلیل کر دیتا ہے میں اس سے باز آتا ہوں، یہ کہہ کر پوری سے روم چلا گیا اور عیسائی ہو گیا۔

عرب کا ہر رئیس قبیلہ در حقیقت جلد تھا، اور اسلام قبول کرنے کے وقت اس کو یہی منظر نظر آتا تھا، اسلام ان تمام واقعات اور خصوصیات کو مٹاتا تھا، اس کے دربار میں شاہ و گدا، رئیس و عامی، شریف و حقیر کا ایک درجہ تھا، اس لئے عرب میں تمام روستا قبائل کو صاف نظر آتا تھا کہ اسلام کا پھیلنا، ان کے ہر قسم کے فخر و امتیاز کا مٹ جانا تھا۔

عرب میں ایک دوسری حریف طاقت یہودیوں کی تھی جو حجاز سے لے کر شام کے دروازوں تک پھیلے تھے ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے مضبوط تلے تھے، فن جنگ سے واقف تھے، سامان و اسلحہ وافر رکھتے تھے، دولت کی مبتات تھی، باغوں اور زمینوں پر ان کا قبضہ تھا، عرب کے تمام مادی ذرائع معاش کے وہ تنہا اجارہ دار تھے، پھر اسلام آیا تو اس طرح کہ اس نے یہودیوں کی ایک ایک برائی کو پشت از ہام کیا اور ان کے مذہبی وقار کے کھوکھلے پن کو علی الاعلان ظاہر کیا، اس لئے انہیں صاف نظر آتا تھا کہ یہ نئی طاقت ملک میں جڑ پکڑ کر ان کو بیخ و بن مٹا دے گی، چنانچہ قریش بنی نضیر، بنی قینقاع اور یثرب، خیبر، فدک، تیماء، وادی القرظی وغیرہ کے یہودی زمیندار، سوداگر، مہاجرین اور قلعہ نشین دل سے چاہتے تھے کہ اس قوت کو کسی طرح ابھرنے نہ دیں اور آخر لڑائی پیش آئی اور بنی نضیر کے مقابلہ میں انہوں نے اہل شرک کا ساتھ دے کر خندق و عصباب و غطفان کے محاصرے کے پیش کئے۔ عرب کے مختلف قبیلوں اور سرحدی مہجوروں پر ایران اور روم کی سلطنتیں فرمانروائی کرتی تھیں، عراق، یمن اور بحرین پر ایران کی حکومت تھی اور حجاز کے شامی سرحد پر قبیلہ کا قبضہ تھا، عرب کے مختلف ہمسایہ قبیلے انہی دو میں سے کسی ایک سلطنت کی حفاظت کا دم بھرتے تھے اور یہ دونوں سلطنتیں اس بیچ کے سرحدی ملک کی ایک ایک حرکت اور جنبش پر نظر رکھتی تھیں، اس لئے اس ملک میں ایک اتنی بڑی عظیم الشان تحریک کا قوت پکڑنا ان کو کسی طرح پسند نہیں آ سکتا تھا، اسی لئے عرب میں اسلام کی قوت کا ان کو جب احساس ہوا تو انہوں نے اس کی دار و گیر کرنی چاہی، کسریٰ ایران نے یمن کے اپنے ایرانی گورنر کو لکھا کہ اس نئے مدعی کو پکڑ کر ہمارے سامنے حاضر کرو اور قیصر نے تو حکم کھلا حملہ کی تیاری ہی کر دی تھی جس کے باعث تبوک کی فوج کشی ہوئی اور آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کو ان دونوں ہمسایہ طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

ذریعہ معاش اسلام لانے کا ایک بڑا مانع یہ تھا کہ عرب کا ذریعہ معاش عموماً قافلوں پر حملہ آوری اور سلب اموال اور رہزنی تھا اور ہر جمہور مالی قالی سے نفل کر آتے ہیں کہ عرب کا ذریعہ معاش غارت گری تھا اور حج کے چار مہینوں میں جنگ و غارت

سے بازار بننے میں ان کے ذرائع معاش مسدود ہو جاتے تھے، اس ضرورت سے وہ حج کے مہینوں کو اول بدل کر لیا کرتے تھے اندرونی عرب تمام دشت و صحرا اور بالکل ویرانہ ہے، زراعت یا تجارت کی کوئی صورت نہیں، باوجود اس کے لاکھوں نفوس آباد ہیں، اس لئے ان کو غارت گری کرنی پڑی اور امتداد زمانہ سے یہ عادت ان میں راسخ ہو گئی تھی، رفتہ رفتہ شعلی، رہزنی اور سرقت تمام ملک میں پھیل گیا تھا، یہاں تک کہ بڑے بڑے نامور شعراء چور اور راہزن ہوتے تھے۔

اکثر بڑے بڑے جتھے اس لئے قائم ہوتے تھے کہ بنجارے جو ملک میں پھر کر غلہ کی تجارت کرتے تھے ان کو لوٹ لیا کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دومتہ الجندل پر جو سریر بھیجا تھا اسی کے انسداد کی غرض سے بھیجا تھا، دومتہ الجندل مدینہ منورہ سے پندرہ منزل کے فاصلہ پر ہے، تاہم یہ لوگ اس قدر فاصلہ سے خود مدینہ پر چھا پہنچا کہ ان کے تبریر کر رہے تھے کہ آپ کو خبر ہو گئی اور حفظہ بالقدم کے لئے خود وہاں تک گئے اور چند روز قیام کر کے ان اطراف کا بندوبست کیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اسلام لانے سے پہلے چند شخصوں کو قتل کر کے ان کا مال چھین لیا تھا چنانچہ جب اسلام لاتے اور اس واقعہ کا اظہار کر کے لوٹ کا مال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا۔  
املا وسلا صفا قبل و اما المال فلست منه فی اسلام تو میں نے قبول کیا لیکن مال سے مجھ کو کسی قسم کا شئی رنج نہ ہوگی کتاب الشریعہ ذکر صلح حدیبیہ واسطہ نہیں۔

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے، حدیثوں میں جو یہ وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بیعت اسلام کے وقت جن باتوں کا اقرار لیتے تھے ان میں ایک یہ بھی ہوتا تھا کہ جو پوری نہ کریں گے، اس کی سی وجہ تھی کہ ان جرائم کا رد و اج تھا ورنہ آج اگر مشرق و مغرب سے بیعت کے وقت یہ اقرار لیا جاتے تو لوگوں کو تعجب ہو گا کہ یہ بیعت لینے کی کیا چیز ہے۔ اسلام قبول کرنے کے ساتھ ان تمام جرائم سے توبہ کرنا ہوتا تھا، اس لئے عربوں کو اسلام قبول کرنے کے وقت یہ نظر آتا تھا کہ وہ تمام ذرائع معاش سے مجبور ہو جاتے ہیں یعنی وہ قافلوں پر حملہ نہیں کر سکتے، کہیں ڈاک نہیں ڈال سکتے، کسی کا مال نہیں چھین سکتے، توبہ ان کے لئے کیا باقی رہ جاتا ہے۔

قریش خود رہزن اور غارت گرد تھے، وہ شہر کی مہم زنگی بسر کرتے تھے، تاہم دیگر اسباب کے ساتھ ان کے اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ قبول اسلام کا اثر ان کے وسائل معاش پر بھی پڑ سکتا تھا، قریش کا ذریعہ معاش صرف ان تجارتی تعلقات تک محدود تھا جو انہوں نے باضابطہ طور پر دوسرے قبائل اور ملک سے قائم کر رکھے تھے اور یہ تمام قبائل اور ملک مذہبی حیثیت سے اسلام کے دشمن اور حریف مقابل تھے، اس بنا پر قریش کو خوف تھا کہ اگر وہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جائیں گے تو دفعہ یہ تمام تجارتی تعلقات منقطع ہو جائیں گے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ اب الیمحی لمن بدل دین المسیح (۱۲۸ جلد ۲) میں امام شافعی کی روایت سے لکھتے ہیں۔

قال الشافعی کانت قریش تنساب الشام انتیاباً کثیراً وکان کثیر من معاشہا منہ وفاق العراق فیقال لعماد دخلت فی الاسلام ذکرت للنبی صلعم خوفاً من انقطاع معاشہا بالتجارۃ من الشام والعراق اذا فارقت الکفر نام شافعی کا بیان ہے کہ قریش شام میں اکثر تجارتی حیثیت سے آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی معاش کا قلعہ زیادہ تر اسی سے تھا اور اس غرض سے وہ عراق میں بھی آتے جاتے تھے، تو کہا جاتا ہے کہ جب قریش کے لوگ اسلام لاتے تو آنحضرتؐ سے ان ذرائع معاش کے منقطع ہوجانے کا خوف نہ ہو گیا اور شام و عراق کے بادشاہوں کی اس مخالفت کا ذکر کیا



ورد خلعت فی الہ اسلام وخلاف ملکہ الشام  
والعراق لاهل الاسلام فقال النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم اذ هلك کسری بعد فلولو بیت  
بار من العراق کسری یثبت له امر بعد و قال  
اذا هلك قیصر فلا قیصر بعد فلم یکن بار من  
الشام قیصر فاجابہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قالوا۔

جواب ان کے بیان کے موافق دیا ہے۔

**سرفروشک** اس موقع پر ایک غلطی کا ذکر کرنا ضرور ہے جو عام طور پر یورپ میں پھیلی ہوئی ہے، اہل مغرب کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی وجہ زیادہ تر یہ ہوئی کہ اس میں عرب کی ہر قسم کی خواہش ملتے نفسانی کے پورا کرنے کا سامان موجود تھا عرب جنگ و جہل اور لوٹ مار کے شائق تھے، اسلام نے انہی چیزوں کو جہاد و غنیمت کی صورت میں بدل دیا، عرب سخت نفس پرست تھے، اسلام نے پارچوں اور لہجہ و لوندیوں کی اجازت دے دی، اہل عرب زراعت و زندگی سے بالکل آشنا نہ تھے اسلام نے بھی رہبانیت کی تحقیر کی، اب کیا چیز تھی جو اہل عرب کو اسلام سے روک سکتی تھی۔

لیکن یہ خیال تمام تر غلط ہے، جہاد اور تعداد و اذان اور سرکاری کی بحث کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گی یہاں اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ جہاد یا تعداد و اذان جو کچھ بھی تھا قدیم آزادی سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا، جہاد صرف کافروں سے جانتا تھا، فرض کرو ایک قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تو اس پر کوئی شخص ہتھیار نہیں اٹھا سکتا تھا اور اس کے مال و متاع سے تعرض نہیں کر سکتا تھا، لیکن قدیم رسم کے لحاظ سے اتحاد مذہب کوئی روک نہ تھی، تمام قبائل بت پرستی میں مستعد تھے لیکن ہمیشہ ایک دوسرے کو لوتے رہتے تھے، جہاد کے لئے اور بہت سی پابندیاں تھیں جو پہلے بالکل نہ تھیں، جہاد میں صرف پاس پاس کے قبائل شریک ہوتے تھے، دور دور کے قبائل اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے، جہاد میں جو لوندیاں گرفتار ہوتی تھیں ان سے اس وقت تمغہ جاز ہوتا تھا جب ایک مہینہ کی مدت گزر جاتے یا اگر عالم ہے تو بچہ پیدا ہو چکے، لیکن اسلام سے پہلے فتح کے ساتھ ہی عورتوں کو تصرف میں لے آتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے، پہلے نکاح کے لئے تعداد کی کوئی قید نہ تھی، ایک ساتھ آٹھ آٹھ دس دس شادیاں کرتے تھے، اب پار کی قید ہو گئی اور وہ بھی اس سخت شرط کے ساتھ کہ سب میں عدل و مساوات رہے، اس لئے یہ کہنا کہ اسلام عرب کے مرغوبات کو قائم رکھتا تھا، تمام تر غلط ہے، برخلاف اس کے عرب کی ایک ایک چیز روایات قدیم جہالت، عادات رسوم، نفس پرستی، سرور اسلام کے قبول کرنے میں مانع تھی۔

ہر قوم پر جو چیز سب سے زیادہ سختی کے ساتھ حکمران ہوتی ہے وہ قدیم عادات اور رسوم اور خیالات ہیں، آج یورپ علوم و فنون اور آزادی خیال میں اس حد تک ترقی کر گیا ہے لیکن بیودہ تعجب انگیز رکھیں پہلے قائم تھیں، اب بھی قائم ہیں، یا تو نمود کی وجہ سے ان کی برائیاں سرے سے نظری نہیں آتیں یا آتی ہیں تو عادت کی حکومت کے مقابلہ میں آزادی خیال اور علوم و فنون سب عاجز ہو کر رہ جاتے ہیں۔

عرب میں جس قدر رکھیں قومی عادتیں تھیں اور جوان کی ہستی کی عناصر ہی گئی تھیں اسلام ایک ایک کا دشمن تھا، اشار یعنی انتقام خون، عرب کے جذبات کا سب سے بڑا منظر تھا، اسلام نے اس کو بالکل مٹا دیا، خاندانی فخر و مہابت ان کی قومی زندگی

کی روح تھی جو فنا کر دی گئی، ابوسفیان رئیس العرب کو ہلاک کر دیا، جو حبشی غلام تھے، کے ساتھ بیٹھا پڑا، یا تو قریش کو انصار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے بھی عار تھا یا اب قریش کی لڑکیاں غلاموں (ذید و سالم وغیرہ) کے گھروں میں آگئیں، عکاظہ وغیرہ کے میلے جہاں عرب سال کے سال جمع ہو کر اپنے مفاخر کی داستانیں سناتے تھے سب سرد پڑ گئے۔ اسلام ایک طرف تو عرب کے تمام مفاخر کو خاک میں ملاتا تھا، دوسری طرف خود اس میں ہوائے نفس اور تفریح طبع کا کوئی سامان نہ تھا، اسلام قبول کرنے کے ساتھ پانچ وقت کی نماز لگے کا مار بن جاتی تھی، جو آزاد مزاجوں پر سخت گراں تھی۔

وَأَنَّهُمَا لَكَبِيرَتَا (لَا عَلَى الْخَاشِعِينَ) (البقرہ-۵) اور وہ (نماز) خاشعی کے سوا اوروں پر یقیناً گراں ہے۔

روزہ یعنی تیس دن تک متصل کھانا پینا چھوڑ دینا کوئی آسان کام نہ تھا، زکوٰۃ ایسا سخت ٹیکس تھا کہ محض اس کے ادا نہ کرنے پر حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں عام بغاوت ہو گئی، صرف حج ایک ایسا فرض تھا جو بنظائر زندہ دلی کا سامان رکھتا تھا، لیکن اب حج وہ جاہلیت کا حج نہیں رہا تھا، طواف عریاں کی اجازت نہیں رہی تھی، بڑی دلچسپی کی چیز بت تھے، وہ ایک ایک کر کے حرم سے نکال دیئے گئے، مقام منی میں خاندانی واقعات کی رجز خوانی کا جو طریقہ چلا آتا تھا، بند کر دیا گیا، یہ فرائض اور ادا کر کا حال تھا، اسی کے ساتھ محرمات اور نواہی کی وہ عالمگیری تھی کہ ان کے حاملانہ خیال کے مطابق زندگی، زندگی نہیں بلکہ زندان بن گئی تھی، زنا حرام، شراب حرام، قمار حرام، سونا چاندی حرام، اٹلس و حریر حرام، جنگ و عود حرام، تصویر حرام، مہر زندہ دلی اور لطف زندگی کے لئے باقی کیا رہ جاتا ہے۔

خوب غور سے دیکھو، تمام دیگر مذاہب نے عبادتوں میں بھی دلچسپی کا سامان رکھا ہے، عیسائیوں کی نماز کا گراں ادا کی باقی ہے، پارسیوں میں زمر زمر ہوتا ہے، ہندو بھی عبادت کے وقت بھجمن گاتے ہیں اور سامنے دل فریب بت ہوتے ہیں لیکن اسلام میں بنظائر دل ویزی اور دلخیزی کی ایک چیز بھی نہیں۔

مذکورہ بالا واقعات کی بناء پر یورپ کا یہ اعتراض کس قدر غلط اور تمام تر بے سرو پا ہے کہ اسلام اس لئے پھیلا کہ وہ نفس پرستی کی ترغیب دلاتا اور اس کے سامان مہیا کرتا تھا۔ پھر کیا تھا؟ اس کا جواب آگے آتا ہے۔

\*



تبلیغ نبوی

اور اس کے اصول اور اس کی کامیابی کے اسباب

تمام گزشتہ مواعظ، عوامی مشکلات اور دشواریوں کی دیواریں آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے ٹوٹتی گئیں، اسلام پھیلا اور اس طرح پھیلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کو چھوڑا تو تمام عرب میں ایک بھیبت پرست نہ تھا، اس لئے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ مئی لغین کے نزدیک تو اس کا جواب صرف تلوار ہے، لیکن کارلائل کے بقول نہتے اور یکہ و تنہا اسلام کے ہاتھ میں یہ تلوار کس تلوار کے زور سے آئی؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تلوار صرف اسلام کی تبلیغی دعوت تھی، اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، اسلام کی اس طاقت کی تشریح کر دینا مناسب ہے۔

فریضہ تبلیغ

**فریضۂ تبلیغ** تبلیغ کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں اس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں اور ان کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں، قرآن پاک میں تبلیغ کے ہم معنی چند اور الفاظ بھی ہیں جن میں سے ایک لفظ اُنداز ہے جس کے معنی ہشیار اور آگاہ کرنے کے ہیں دوسرا لفظ دعوت ہے جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں اور تیسرا لفظ تذکیر ہے جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں، بعثت نبوی کے وقت دنیا میں دو قسم کے مذہب تھے، دو ایسے جو تبلیغی تھے یعنی عیسائ اور بدعت، باقی زیادہ تر ایسے ہی تھے جو تبلیغی نہیں، جیسے یہودیت، مجوسیت، ہندویت، جودو تبلیغی سمجھے جاتے تھے، ان کی نسبت یہ فیصلہ مشکوک ہے کہ آیا یہ تبلیغ ان کے اصل مذہب کا حکم تھا یا بعد کے پیروؤں کا عمل ہے؟ کیونکہ ان کے مذہبی صحیفوں میں اس تعیم دعوت کی کھلی ہوتی جراتیں اور ان کے بانیوں کی زندگی میں اس کی عملی مثالیں منہیں ملتی، تمام مذاہب میں صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا اور اس کے متعلق اپنے صحیفہ میں کھلے احکام دیئے اور اس کے داعی و عامل علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اس کی عملی مثالیں پیش کیں۔

جن مذہبوں نے تبلیغ کو اپنا اصول نہیں ٹھہرایا ان کے ایسا کرنے کی اصلی وجہیں دو ہیں، ایک یہ کہ ان کے نزدیک اس حق کے قبول کرنے کی عزت کا استحقاق پیدائش سے حاصل ہوتا ہے، کوشش سے نہیں، دوسرا سبب یہ ہے کہ جو حق ان کے پاس ہے وہ ان کے نزدیک اتنا پاک و مقدس ہے کہ ان کی خاص پاک و محترم نسل و قوم کے دوسری تمام قومیں جو ناپاک و نجس و کمتر ہیں ان تک اپنے پاک مذہب کو لے جانا خود اس مذہب کی پاکی کو صدمہ پہنچانا ہے یہی سبب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دفعہ جب ایک کنعانی (متی ۱۵) یا یونانی (مرقس ۷)، عورت نے ان سے برکت چاہی تو فرمایا، میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا (متی ۱۵-۲۵) پھر فرمایا، مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی (بنی اسرائیل کا مذہب) کتوں (غیر اسرائیلی قوموں) کو پھینک دیں (۲۶) پھر فرمایا، غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے

کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ پہلے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو (متی ۱۰-۹) ہم  
 ارشاد فرمایا: وہ چیز جو پاک ہے کتوں کو مت دو، اور اپنے موقی سوروں کے آگے نہ بھیجیو (متی ۱۰-۶)

ہندوؤں نے اپنے مذہب کو تمام قوموں سے جو تہیہ کیا کر رکھا اس کا بھی یہی سبب تھا کہ وہ اپنا پاک دھرم ملجھوں اور  
 اچھوتوں کو سکھا کر اس کو ناپاک نہیں کرنا چاہتے تھے، یہودیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ نامنحوتوں اس نعمت کے اہل نہیں۔

تبلیغ کی اہمیت

تبلیغ کی اہمیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تمام قوموں کو برابر ہی اور مساوات کی ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا اور خدا کے پیغام کی منادی کا سب کو یکساں مستحق قرار دیا، اس لئے اپنی تبلیغ کے لئے قریش و غیر قریش، حجاز و یمن، عرب و عجم، ہند و روم کی تخصیص نہیں فرمائی، بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان اور ہر گوشہ میں صدائے الہی کا پہنچانا فرض قرار دیا، ابتدائی وحی میں انجانوں کو ہشیار اور بے خبروں کو آگاہ کرنا سب سے پہلا حکم تھا یَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ (مشرا) اے چادر پوش! اٹھ کھڑا ہو اور ہشیار و آگاہ کر۔ پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ (جو تیری طرف اتار گیا) اس کو اور وہ تک پہنچا دے وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (شورٹی) لوگوں کو دعوت دے اور مضبوط قائم رہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا۔ فَذَكِّرْ إِنْ نَفَسْتَ الذِّكْرَى (اعلیٰ) لوگوں کو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ مند ہو وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (ذاریات: ۳۰) اور نصیحت کر کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مِنْ نَحْفٍ وَعَيْنِدَاقِ (قرآن سے سمجھاؤ اس کو جو میری دھمکی سے ڈرتا ہو) اور ان کے علاوہ بیسیوں آیتوں میں اس فرض کی اہمیت ظاہر کی گئی، حضرت علیؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق کو قبول کر لینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔

اس سے زیادہ یہ کہ اسلام نے اپنے ہر پیرو پر خیر کی دعوت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور توامی بالحق یعنی باہم ایک دوسرے کو سچائی کی نصیحت کرنا، ضروری قرار دیا ہے اور مسلمانوں کا یہ فرض بتایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تاریکی سے نکالنے کی جدوجہد کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کے خطرات سے بچے پرواہ ہو کہ پیغام الہی لوگوں تک پہنچائے، اور اگر ایسا نہ کیا تو رسالت کا فرض انجام نہیں دیا۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ  
وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ  
يُغْضِبُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ - ۱۰)

اس کی وسعت

اس کی وسعت | اس کے بعد اس فریضہ تبلیغ کی وسعت کی بحث ہے، پیغام الہی سچائی کا ایک بستا چتر ہے جو آہستہ آہستہ اس قدر قی رفتار سے پہلے اپنی قریب کی زمین کو، پھر آگے کو، پھر اس سے آگے کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم اسی تدریج کے ساتھ ہوا، سب سے پہلے خاص اپنے گھر اور خاندان کے لوگوں کو سمجھانے کا حکم ہوا۔

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (شعراء - ۱۱)

اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل خاندان کو آگاہ و ہشیار کر۔

۱۱۔ صبحِ مسلم اب طبرہ۔



اس کے بعد یہ دائرہ بڑھ کر شہر مکہ اور اس کے اطراف کی آبادیوں تک پہنچا ہے۔  
لَتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ تاکہ تو مکہ اور جو اس کے آس پاس (کے بدوی) ہیں ان کو (شوری - ۱) آگاہ و ہوشیار کرے۔

اب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور ہر زندہ روح یعنی مجر بوجہ احساس و عقل وغیرہ حقیقی زندگی کی علامتیں جس میں موجود ہوں اس کی مخاطب ہوتی ہے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ لِّيُنذِرَ مَنْ كَانَتْ حَيَاتًا (یس - ۵) یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت انصاف صاف خدا کا کلام ہے تاکہ وہ ان کو ہشیار کرے جو زندہ ہے۔

پھر جس حد تک بھی وہ آواز پہنچ جائے سب سے اس کا خطاب ہے۔  
لَتُنذِرَ كُؤُوبَهُ وَمَنْ يَلْبَخْ۔ تاکہ میں تمہیں آگاہ و ہشیار کروں اور ان کو جن تک میری یہ آگاہ و ہشیار کرنے والی آواز پہنچے۔ (الغلام - ۲)

پھر تمام انسانوں تک اس کی وسعت ہوتی ہے۔  
هَذَا بَلَدٌ لِّلنَّاسِ (ابراہیم - ۱۰) یہ قرآن تمام انسانوں کے لئے پیغام ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوا۔  
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ لِيُنذِرَ أَوْ يَذَّيْبَهُ (سبا - ۳) اور ہم نے تم کو انسانوں کے لئے خوشخبری سنا۔ نہ والا اور ہشیار کرنے والا بنا کر بھیجا۔

آپ کو حکم ہوا کہ تمام انسانوں کو خطاب کر کے یہ اعلان فرمادیں۔  
قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اعراف - ۲۰) اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں۔

اس سے زیادہ یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی دعوت و تبلیغ کے دائرہ میں داخل ہے، فرمایا۔  
تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا الَّذِي أَنه مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (فرقان - ۱) برکت والا ہے وہ خدا جس نے حق اور باطل میں امتیاز بتا دیا کتاب اپنے بند (محمد) پر نازل کی تاکہ وہ دنیا جہان کے لئے ہشیار و آگاہ کر دے والا ہو، وہ خدا جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمیں کی سلطنت ہے۔

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس تبلیغ و دعوت کی وسعت اور اس میں کامیابی کی خوشخبری عین اس وقت دی گئی تھی جب مسلمانوں کے دلوں میں ایک قسم کی مایوسی چھائی ہوئی تھی، چنانچہ آیت ذیل نازل ہوئی۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ (ص - ۵) یہ قرآن تو دنیا کے لئے نصیحت ہے، اور تم ایک زمانہ کے بعد اس کی خبر جانو گے۔

انہی اور بانیان مذاہب کے عملی نمونوں اور مثالوں کی تلاش اور جستجو کو تو یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جائے گی کہ اسلام کے سوا اور نہ مذہب تبلیغی سمجھے جاتے ہیں، وہ حقیقت میں تبلیغی نہیں، خود بودہ نے ہندوؤں کے علاوہ کسی کو اپنی نجات کا راستہ نہیں بتایا

اور اس کا حکم دیا، حضرت عیسیٰ نے اسرائیل کے علاوہ کسی دوسری قوم کو نہ اپنا دغلا سنایا اور نہ ان کو اپنا مخاطب بنایا اور نہ ان میں سے کسی کو اپنا شاگرد کیا کسی دوسری قوم میں اپنی زندگی میں اپنا دغلا اور مبلغ بھیجا حالانکہ فلسطین میں رومیوں اور یونانیوں کی بڑی جماعت موجود تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رہ کر مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو بیدار و ہشیار کیا، حج کے موسم میں عرب کے ایک ایک قبیلہ کے پاس جا کر حق کا پیغام پہنچایا اور اسی زمانہ میں یمن اور حبشہ تک آپ کی آواز پہنچ گئی اور لوگ تلاش حق کے لئے آپ کے پاس آئے، مدینہ منورہ آئے تو قریش کو برسوں تک، دوسرے قبیلوں تک اسلام کے پہنچنے میں سدا رہے رہے، پھر بھی مبلغ اور داعی بیچ بچھ کر قبیلوں تک آواز پہنچائی گئی اور بالآخر قریش کے خلاف اس لئے تلوار اٹھائی گئی کہ اسلام کو تبلیغ کی پڑا من آزادی ملے، چھ برس کے جنگ و جدل کے بعد مدینہ میں قریش نے اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا اور تبلیغ کی آزادی عطا کی، قرآن نے اسلام کی اس روحانی فتح کو فتح مبین قرار دیا اور اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا نازل ہوئی، اس کے بعد ہی عرب اور ہند عرب میں اسلام کے داعی، قاصد اور مبلغ بھیجے گئے اور دنیا کے امراء اور سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے گئے اور عربوں کے علاوہ یمن، ایران، حبش اور روم کے حاکمین اسلام لائے اور فیضان حق سے سیراب ہوئے، مشرقین عرب، یهود، عیسائی اور پارسی سب نے آپ کے زمانہ ہی میں آپ کے نور سے روشنی حاصل کی۔

لیکن نفس تبلیغ کی فرصت و اہمیت سے بھی زیادہ اہم چیز تبلیغ کے اصول ہیں۔

تبلیغ کے اصول یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو کسی سچائی کے قبول کی دعوت دینی چاہیے، دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا، وہ مذہب بھی جو تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ نہیں کر سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لئے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے لیکن صحیفہ محمدی نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروؤں کو یہ بتایا ہے کہ پیغام الہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبول حق کی دعوت کس طرح دی جائے۔

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نمل - ۱۶) اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو داناتی اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ کے بلا اور ان سے مناظرہ خوش آئند طریق سے کر۔

تبلیغ و دعوت کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھائے گئے، عقل و حکمت، موعظہ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن۔ مسلمان ملگو نے بیان کیا ہے کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تینوں اصول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لاتے جاتے ہیں یعنی ایک تو برائیاں جن میں یقینی مقدمات کے ذریعہ سے دعویٰ کے ثبوت پر دلیلین لائی جاتی ہیں، دوسرے خطابیات جن میں مؤثر اور دلپذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے اور تیسرے جدلیات جن میں مقبول عام اقوال اور فریقین کے مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے، قرآن پاک نے پہلے طریقہ کو حکمت، دوسرے کو موعظہ حسنہ اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہیں جن سے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔

غیر یہ تو فلسفیانہ نکتہ آفرینی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی بات پیش کر کے اس کے قبول کی دعوت دیتے ہیں تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں، یا تو اس بات کے ثبوت اور تائید میں کچھ دل نشین دلیلین پیش کرتے ہیں یا اس کو مفصلانہ نصیحت کرتے ہیں اور مؤثر انداز سے اس کو نیک و بد اور نیش و فراز سے آگاہ کرتے ہیں یا یہ کرتے ہیں کہ اس کی دلیلوں نے صیح مسلم باب صلح الحدیبیہ۔



کو مناسب طریقہ سے رو کر کے اس کی غلطی کو اس پر واضح کرتے ہیں، پہلے طریقہ کا نام حکمت دوسرے کا نام موعظہ حسنہ اور تیسرے کا نام جہال بطریق احسن ہے، تبلیغ و دعوت کے یہی تین طریقے اسلام نے بتائے ہیں۔

**قول لیلین** ایسا انداز لال ہو، یا وعظ و نصیحت ہو یا جہال و مناظرہ ہو، ضرورت یہ ہے کہ داعی نرمی اور خیر خواہی سے باتیں کرے کہ سختی اور شدت کا طریق دوسرے کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور کسی ہی اچھی اور سچی بات ہو لیکن اس قسم کے جذبات اس کے قبول کی استعداد اس سے سلب کر لینے اور سننے والے میں اپنی غلطی پر منہ زور ہٹ پیدا کر دیتے ہیں جس سے دعوت کا فائدہ اور نصیحت کا اثر باطل ہو جاتا ہے، اسی لئے قرآن پاک نے اپنے پیغمبروں کو اپنے مخالف سے مخالف دشمن سے بھی نرمی ہی سے باتیں کرنے کی تاکید کی ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے کی ہدایت ہوتی ہے تو ساتھ ساتھ یہ ارشاد بھی ہوتا ہے۔

اذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی فَقَوْلْ لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا  
اِنَّكَ لَیْسَ لَكَ اَنْ تَنْصَحَ فِرْعَوْنَ شَیْئًا  
تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے سرکشی کی ہے تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا فلاح سے ڈرے۔

دعوت و تبلیغ میں رفق و نرمی اور لطف و تحمل کی اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی کہ نہ کوئی داعی اور واعظ پیغمبروں سے بہتر ہو سکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی مجرم ہو سکتا ہے، پھر ایسے مجرم کے سامنے اس لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی تعلیم جب پیغمبروں کو ہوتی ہے تو امام داعیوں، مبلغوں اور واعظوں کو عام مخالفوں، مجرموں اور سرکشوں کے ساتھ درجہ رفق و ملاطفت سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔

**اعراض اور قول بلین** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقوں کے بارہ میں جو آپ کی نافرمانی کے جرم کے مرتکب ہوئے تھے، یہ حکم ہوتا ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عَصِمْ وَّ قُلْ لِّهٖمْ فِتْنَةٌ  
اَلْیُسْبِیْہُمْ قَوْلًا بَلِیْغًا (نساء-۹)

اس تعلیم میں تین ہدایتیں ہیں، اول یہ کہ دعوت و تبلیغ میں مخالفت کی بدسلوکی، بدتمیزی اور درشتی سے درگزر اور ان کو برداشت کرنا چاہیے، دوسرے یہ کہ ان کو نصیحت کرنا اور سمجھانا چاہیے اور تیسرے یہ کہ گفتگو کا وہ موثر طرز و انداز اختیار کرنا چاہیے جو دل میں گھر کرے۔

**تیسرے تفسیر** ان ہی ربانی ہدایتوں کی تعمیل میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰؓ یا شعیبؓ کو یمن میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے متعین فرمایا تو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی فِتْنًا وَلَا تَحْتَرَا وَلَا تَنْتَفِرَا۔ دین الہی کو آسانی کے پیش کرنا سخت بنا کر نہیں، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا، یہ وہ تبلیغی اصول ہیں جو ایک داعی و مبلغ کی کامیابی کی جان ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے اور صحابہ نے عام مسلمانوں کے سامنے اسی اصول کے مطابق دین الہی کو پیش کیا اور کامیابی حاصل کی، دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیش کرنا اور اس کو سخت درشت اور مشکل نہ بنانا ہی اس کے قبول عام کی راہ ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے لطف و شفقت، رحم و کرم اور مہربانیت کی دلنوا صدقوں سے

لے صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۸

دلوں کو پرامید اور مسرور بنانا، اس سے بہتر ہے کہ بات بات پر خدا کی تمنا کی وجہی اور مہبت و جلال کا ذکر کر کے دلوں کو خوف زدہ اور مایوس بنایا جائے۔

**تبلیغ کا ایک اور اصول** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمایا کہ کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ ایک دفعہ اس کی گردن پر نہ ڈالا جائے بلکہ رفتہ رفتہ وہ اس کے سامنے پیش کئے جائیں پہلے توحید اور رسالت کو پیش کرنا چاہیے، اس کے بعد عبادات کو، عبادات میں بھی اہم، پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے، عبادات میں سب سے اہم نماز ہے پھر زکوٰۃ ہے، پھر دوسرے فقرات ہیں، حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجے وقت آپ نے فرمایا تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے، تو ان کو پہلے اس کی دعوت دینا کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اور محمدؐ اس کا رسول ہے، جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہیں اور جب وہ یہ بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دے دیا جائے، جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو صدقہ میں جن چن کر ان کے بڑھیا مال کو زلینا اور ان مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا، کما اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

**تالیف قلب** تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں اسلام نے ایک اور طریقہ بھی پیش کیا ہے جس کو تالیف قلب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبٌ بَّهٖمُ (توبہ-۱۸۰) اس کے لفظی معنی ہیں دلوں کو ملانا اور اس سے مقصود اس شخص کے

ساتھ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو، لطف و محبت، اسرار و امانت اور غنچاری و ہمدردی کرنا ہے، کیونکہ انسان طبعا شریعتانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے اور یہ ممنونیت عناد اور ضد کے خیالات کو دور کر کے قبول حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو اپنے اس اعجاز سے اسلام کا حلقہ بگوش بایا تھا چنانچہ مکہ کے بعض رئیس اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسین کی فطرت کا سارا مال ان ہی میں تقسیم کر دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ پھر حق کے خلاف ان کی گدازیں نہ اٹھ سکیں، صفوانؓ جو اسلام کے سخت مخالف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت بغض رکھتے تھے، وہ یہ کہتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا، جتنا دیا، اور مجھے ان سے سخت بغض تھا، لیکن آپ کے ان احسانات نے مجھے الیامتاثر کیا کہ اب میری نگاہ میں ان سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہے، ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا کہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے ریڑھیں مجھ کو عنایت کیجئے، آپ نے اس کو وہ سب دے دیے، یہ فیاضی دیکھ کر ایسا اس پر اثر پڑا کہ اس نے اپنے پورے قبیلے سے جا کر کہا، مہاشیو! اسلام قبول کرو، محمدؐ اتنا دیتے ہیں کہ ان کو اپنے فقر و افلاس کا ڈر ہی نہیں رہتا۔

ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا وہ بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور جا کر اس کے سر ہانے بیٹھے، پھر فرمایا کہ لڑکے اسلام قبول کر لے، اس نے مستغفرانہ نگاہ سے باپ کی طرف دیکھا، اس نے کہا ابو القاسم! آپ کی کفایت کی بات مان لے، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اسٹھے تو زبان مبارک پر یہ فقرہ تھا کہ اس خدا کی حمد جس نے اس کو دوزخ سے بچا لیا۔

**دعوت عقل** اسلام نے تبلیغ و دعوت کے جو اصول بتائے ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ایک استدلالی اور عقلی مذہب ہو کہ بغیر اس کے حکمت و دانشمندی، وعظ و نصیحت اور جہال و مناظرہ کی بنیاد قائم نہیں رہ سکتی، اس بنا پر

لے صحیح بخاری باب نہ کو جلد دوم ص ۱۶۳ لے صحیح مسلم باب جوہر ص ۲۷ ص ۲۹۰ لے صحیح بخاری کتاب الجنائز۔



۱۹۰  
مذہب عالم کی تاریخ میں نبوت محمدیہ سب سے پہلی ربانی آواز ہے جس نے عالمکمانہ قانون (توراة) یا صرف لغظوں کے لٹپچھڑے  
لا بھیل، یا لاجاذوں کے احکام اور بے بجائے عقل انسانی کو مخی طبع کیا، غور و فکر کی دعوت دی، فہم و تدبر کا مطالبہ کیا، اس نے  
انہی ہر تعلیم کے ساتھ اپنی تعلیم کی خوبی و مصلحت و حکمت خود ظاہر کی اور بار بار معنی لغظوں کو آیات الہی میں غور و فکر کی ہدایت کی، فرمایا۔  
قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مَعِينٌ عِلْمٌ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُونَ  
اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُونَ قُلْ فَلِلّٰهِ  
الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (انعام-۱۱۸)

نیز ارشاد ہوا۔  
لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيِيَ مَنْ حَيَّ  
عَنْ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ (انفال-۵۰)  
خلفت شعار کافروں کی نسبت فرمایا۔  
وَكَايِن مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ  
عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ (يوسف-۱۱۲)

غور و فکر کرنے والے اہل ایمان کی تعریف میں فرمایا۔  
اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ  
الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَآيَةً لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ  
يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ  
وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ رَبَّنَا  
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا رَّالْعَمَلِ (۱۲)

اس سے زیادہ عقلی اور عقلی استدلال کی دعوت اور کیا ہوگی مگر مبراہل یہ خارجی استدلال تھا، اندرونی استدلال کی بھی  
اس نے دعوت دی، فرمایا۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَبْصُرُوْنَ (ذاریات)  
صحیفہ محمدی کی نسبت ہر جگہ یہ الفاظ فرماتے۔  
تَبْصُرُوْا وَ ذِكْرٰی لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ (ذی-۱)  
هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ (مائدہ-۲)  
اَفَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (نساء-۱۱)  
اَفَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْلَامٌ (محمد-۳)  
وَالْقُرْاٰنُ اِلٰهٌ حَكِيْمٌ (یونس-۱)

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

نہ صرف اسی مدد بلکہ خدا کا وجود و توحید و رسالت، قیامت، جزا و سزا، عبادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اخلاق  
وغیرہ ہر تعلیم کی تعلیم کرتے وقت اس نے اس کی صداقت کی عقلی دلیلیں پیش کی ہیں اور ہر مسئلہ کی مصلحتیں اور حکمتیں  
عقلی الاعلان ظاہر کی ہیں، آئندہ صفحوں میں ہر قدم پر اس کی دلیلیں آپ کو ملیں گی۔

مذہب میرا بردستی نہیں

یہ وہ حقیقت ہے جس کی صدا آج ہر در و دیوار سے آتی ہے لیکن شاید لوگوں کو معلوم نہیں کہ  
دنیا میں اس حقیقت کا اعلان سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک  
سے ہوا اور پھر ہے کہ جو مذہب اپنی اشاعت کے لئے صرف دعوت و تبلیغ کا راستہ رکھتا ہو، جس نے اس کے اصول بتاتے  
ہوں جس سے عقل و بصیرت اور فہم و تدبر کے ہر معاملہ میں لوگوں سے مطالبہ کیا ہو، ہر قدم پر عقلی استعداد اور مصلحت و حکمت  
کا اظہار کرے ہو وہ کیونکر جبر و اکراہ اور زور و زبردستی کے طریقہ کو اختیار کر سکتا تھا، اسلام نے نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناجائز کیا  
بلکہ اس کا ناسخ بنایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں، اسلام میں مذہب کا اولین جزو ایمان ہے، ایمان یقین کا نام ہے اور دنیا کی کوئی طاقت  
کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی بزدور پیدا نہیں کر سکتی بلکہ تیز سے تیز تو اس کی نوک بھی کسی لوح دل پر یقین کا کوئی حرف نقش نہیں کر سکتی فلما  
لَا اَكُوْا فِي الدُّنْيَا قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ-۳۲) دین میں کوئی زبردستی نہیں، گمراہی سے الگ ہو چکی۔

یہ وہ عظیم الشان حقیقت ہے جس کی تلقین انسانوں کو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوتی، دوسری جگہ فرمایا۔  
وَقَالِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ  
وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (مکہ-۳۴)

ایمان اور کفران دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہیں ہے عقل و بصیرت والے اسے خود قبول کریں گے اور  
فہم اس سے محروم رہیں گے اس لئے بار بار یہ واضح کیا گیا کہ رسول کا کام لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچانا دینا ہے، زبردستی منوانا نہیں ہے۔  
اِنَّا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنِ۔ ہمارے رسول پر تو یہی فرض ہے کہ وہ صاف صاف ہمارا پیغام  
پہنچا دے۔ (مائتہ-۱۲)

اُنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قریش کے اعرام و مخا لغت سے صدر و جھگیں تھے، انکین دی گئی۔

اِنَّ عَلَيْنَكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (شوری-۱)  
اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ وَلَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ۔  
اے پیغمبر! تو صرف افسوس کرنے والا ہے، تو ان پر در و دروغنا  
کر نہیں بھیجیگا۔ (مائتہ-۱)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا  
اِنْ عَلَيْنَكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (شوری-۵)

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول کی شان کو اس نے بہت بلند سمجھا ہے، فرمایا۔  
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَهٰ مَنَّ مِّنْ فِى السَّمَاءِ  
كُلُّهُمْ جَمْعًا وَاَفَاَنْتَ تُكَلِّمُ النَّاسَ حَتّٰی  
اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ لوگوں کو زبردستی مومن بنا دے، تو زمین  
سے سب لوگ ایمان لے آتے تو کیا اے پیغمبر تو لوگوں کو زبردستی



کے گاہک وہ ایمان لے آئیں۔

يَكُونُوا مَوَّعِينَ (یونس - ۱۰)

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لئے لڑنا جائز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجبوراً لڑنا پڑا اس سے مخالفوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائی صرف اس لئے تھی کہ اسلام کو تلوار کے زور سے لوگوں میں پھیلایا جائے، حالانکہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں کوئی واقعہ ایسا ہے جس میں کسی کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو، بلکہ اگر ہے تو یہ ہے۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ  
حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ  
بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ (توبہ - ۱۰)

اور اگر (لڑائی میں) کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دے، یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سن لے، پھر اس کو وہاں پہنچا دے جہاں وہ بے خوف ہو، کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔

یہ نہیں کہا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جاتے، اس کو پناہ نہ دو بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دے کہ اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے اور اس کو کلام الہی سنایا جائے تاکہ اس کو غور و فکر کرنے کا موقع ملے، ظاہر ہے کہ جو مشرک اس طرح مسلمان ہوگا، اس کے تبدیل مذہب کا محرک تلوار کے بجائے کوئی اور چیز (پیام حق) ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاد کی مشروعیت، مظلوموں کی حمایت، جلاوطنوں کے حق دلانے، جج کا راستہ کھولنے اور حقیقت کی آزادی حاصل کرنے کے لئے ہوتی تھی، یہاں کہ اس کا مفصل بیان کتاب میں کہیں آئے گا، قرآن کی اس آیت میں۔

وَتَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَوْ تَكُونُ فِتْنَةً وَيَكُوفُ  
الَّذِينَ كَلَّمَهُ اللَّهُ (انفال - ۵)

اور ان کافروں سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے، اور دین الہی کا کلمہ لے لے ہو جائے۔

”فتنہ“ سے مراد عقیدہ اور مذہب کی آزادی نہ ہونا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خانہ جنگیوں میں شریک نہ تھے، ایک شخص نے ان سے کہا کہ خدا نے فتنہ کے مٹانے کے لئے لڑنے کا حکم نہیں دیا اور اوپر کی آیت پیش کی، انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ فرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کر چکے، جب مسلمان کہتے تھے تو انسان اپنے دین کے سبب سے فتنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا اس کو لوگ یا مار ڈالتے تھے یا قید کر لیتے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو پھر فتنہ باقی نہ رہا۔

**میدان جنگ میں تبلیغ** | واقعاتوں نے ایک اور مسئلہ کی بھی غلط تعبیر کی ہے، اسلام کی امن پسندی نے یہ قانون بنایا ہے کہ اگر کسی مخالف قوم سے لڑائی آپسے تو میدان جنگ میں پہنچ کر بھی صلح و اشتی کا خیال دور نہ کیا جائے بلکہ تلوار کے فیصلے سے پہلے دو باتیں ان کے سامنے پیش کرنی چاہئیں، اول یہ کہ تم کلمہ شہادت چڑھ کر مسلمان ہو جاؤ اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بن جاؤ، اگر ایسا کرو تو تم دین، حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے، اگر منظور نہ ہو تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو، اس حالت میں ہماری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر ہوگی، اگر وہ ان دو میں سے کوئی بات قبول کر لیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں، اسلام کی تاریخ میں ایسے کتنے منظر ہیں کہ کسی دشمن سے دشمن قوم نے اسلام یا محض اطاعت قبول کر لی ہے، اور غور و غریب کی دگ گئی ہے اور لڑائی کا میدان محبت و اشتی کی بزم بن گئی ہے۔

یہ قانون جو سر تا پا امن پسندی، سلامت طلبی اور غور و غریب سے پہنچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے، اس کو مخالفوں نے اس لئے صحیح بخاری جلد دوم تفسیر انفال ص ۶۰۔

صورت میں پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی فوج کو متعین کرتے تو سردار کو یہ ہدایت فرماتے۔

”جب تو مشرکوں میں سے کسی دشمن قوم سے مقابل ہو تو اس کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دے، ان میں سے جو بات بھی وہ مان لے اس کو قبول کر لے اور اس پر حملہ کرنے سے رُک جا، اس کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کر لے تو پھر اس سے رُک جا، اس کے بعد اس سے خواہش کر کہ وہ مسلمانوں کے ملک میں آ جاوے تو اس کا وہی حق ہوگا جو مسلمانوں کا ہے، اگر وہ نہ مانے تو اس کی حالت بدو مسلمانوں کی سی ہوگی، قانون اس پر مسلمانوں کا جاری ہوگا لیکن غنیمت اور فتنی میں اس کا حصہ نہ ہوگا، جب تک وہ جہاد میں شرکت نہ کرے، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو جزیرہ دے کر ذمی بننے کو کہہ، اگر وہ اس کو مان لے تو اس سے بھی رُک جاؤ، اگر وہ اس کو بھی نہ مانے تو پھر خدا کی مدد مانگ اور لڑائی شروع کر دے۔“

یہ وہ اصول جنگ تھے جس سے غور و غریب کی روک تھام مقصود تھی، ذہن کہ کسی کو مجبور کر کے زور و شمشیر مسلمان بنا لینا، صحابہ کرام کے زمانہ میں ایرانیوں سے جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے تین روز تک میدان جنگ میں تلوار نہیں اٹھائی، حضرت سلمان فارسی تین روز تک ان کو کھاتے رہے اور کہتے رہے کہ میں تمہاری قوم سے ہوں لیکن دیکھتے ہو کہ عرب میرے زیر فرمان ہیں، اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو تم کو بھی وہی حقوق ملیں گے جو ہمارے ہیں اور اگر تم اپنے ہی مذہب پر رہنا چاہو تو جزیرہ دے کر رہ سکتے ہو، لیکن محکوم ہو کر رہو گے، اس سے معلوم ہوا کہ جنگ میں دشمن کو بھی تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اس کے سامنے دوسری راہیں بھی کھلی تھیں۔

ثامر بن اثال قبیلہ بنی حنیفہ میں سے تھے اور یمامہ کے رئیس تھے، یہ وہ قبیلہ ہے جو آخر تک سرکش رہا اور اسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانہ میں میلہ پیدا ہوا تھا، ثامر اتفاق سے مسلمانوں کے ایک لشکر کے اٹھ میں گرفتار ہو گئے اور مدینہ لاکر مسجد نبویؐ کے کعبے میں باندھ دیئے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے تو پوچھا کہ ثامر تمہاری کیا رائے ہے جواب دیا محمدؐ میری رائے یہی ہے، اگر مجھے قتل کر دو گے تو ایک خون دل لے کر قتل کر دو گے، اور اگر احسان کر دو گے تو ایک شکر گزار ہر احسان ہوگا، اور اگر زندقہ ہو تو مانگو جو مانگو گے دیا جائے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا، پھر اسی طرح دوسرے دن سوال و جواب ہوا پھر تیسرے دن ہوا، تیسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثامر کو چھوڑ دو، لوگوں نے کھول دیا، وہ رسی سے کھل کر آزاد ہو چکے تھے، مگر سچائی کی زنجیر ان کے پاؤں میں پڑ گئی، مسجد نبویؐ کے قریب ایک غلستان میں جا کر غل کیا اور پھر مسجد میں آکر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے، کیا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کا اس سے بہتر موقع مل سکتا تھا، بدر کے قیدی گرفتار ہو کر آئے لیکن ان سے یہ نہیں کہا گیا کہ تلوار یا اسلام، اسی طرح جنگ کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رہا، قرآن پاک نے جنگ کے قیدیوں کے متعلق کہا فَاِمَّا مَعًا بَعْدًا وَاِمَّا فِدًا وَاَوْ رَدُّهُمُوْا لَئِنْ اَمْسَوْا عَنْ يَدِ الْوَحْيِ لَمُؤْمِنُوْنَ (انفال - ۷۰) اور ان کا کام رہتے ہیں، بالآخر شمشیر خدا اعلیٰ مرتضیٰ کو حکم ہوتا ہے کہ فوج لے کر جاتیں، وہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ کیا میں ان سے لڑوں یہاں تک کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں، فرمایا آہستگی سے روانہ ہو، یہاں تک کہ ان کے میدان میں پہنچ جاؤ، پھر ان کو اسلام کی طرف بلاؤ، اور اس میں ان کا جو حق ہوگا، وہ ان کو بتاؤ، خدا کی قسم اگر ایک شخص کو بھی خدا نے ہمیں مسلم کتاب الجہاد والسیرۃ جامع ترمذی الجواب السیرۃ صحیح بخاری و سنن ترمذی و ابوالعباس میر۔



مقارے ذریعہ سے ہدایت دے دے تو اس سے بہتر ہے کہ تمہاری ملکیت میں مسخ اونٹ ہوں لیکن خیر کے یہود نے اسلام کا مذہب قبول نہیں کیا بلکہ اسلام کی حکومت قبول کر لی، اور مصالحت ہو کر تلوار نیام میں کر لی گئی۔

اسی طرح ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر ہتھیار اٹھانا جائز نہیں، بلکہ کفر کا موجب ہے، کفار کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل معلوم تھا، اکثر لڑائیوں میں جب مشرک حملہ آور اپنی کمزوری محسوس کرتا تھا اور اپنی جان بچانے کے لئے کلمہ توحید پڑھ دیتا تھا اور ایک پھرے ہوتے مسلمان کو مجبوراً اپنے غصہ کو ضبط کر کے ہاتھ روک لینا پڑتا تھا۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر لڑائی میں میرا حریف اپنی تلوار سے میرا ہاتھ اڑا دے اور جب میرے حملہ کی باری آئے تو خیرت کی اور پھر کر کے، میں مسلمان ہوتا ہوں، تو اسے خدا کے رسول میں کیا کروں، اس کو قتل کر دوں، فرمایا نہیں، اس کا قتل جائز نہیں، عرض کی یا رسول اللہ! میرا ہاتھ اس نے کاٹ دیا، پھر بھی اس کا قتل جائز نہیں کہ اگر تم نے اب اس کو قتل کیا تو وہ وہ ہو گیا، جو تم اس کے قتل سے پہلے تھے اور تم وہ ہو جاؤ گے جو وہ اس اقرار توحید سے پہلے تھا۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ آپ کے بڑے چھینے خادم تھے، وہ ایک فوجی دستہ کے سپہ سالار بنا کر ایک لڑائی میں بھیجے گئے جب گھمسان کارن پڑا تو ایک کافران کی زد میں آیا، انہوں نے حملہ کا قصد کیا تو وہ لا الہ الا اللہ بکا رٹھا، ایک انصاری جو پہلے اس پر جھپٹے تھے وہ تو رک گئے مگر اسلام نے اس کافر کے اس کلمہ پڑھنے کو اس کی جان بچانے کے قریب پر عمل کر کے کچھ خیال نہ کیا اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر معلوم ہوئی تو اسامہؓ سے سخت آزر دہ ہوئے، اسامہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس نے صرف تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا، فرمایا اور کتنا بلیغ فقرہ فرمایا، اے اسامہ! تم نے کیا اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا، پھر برابر فرماتے رہے اے اسامہ! تم قیامت میں اس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے، اسامہ کہتے ہیں کہ مجھ کو اتنی ندامت تھی کہ میں نے دل میں آرزو کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔

دیکھو کہ واقعہ کی تصویر کتنی الشدی گئی ہے، واقعہ تو یہ تھا کہ اپنی حملہ آور لڑائی کے گھمسان میں بعض کفار و مشرکین جن کو یہ معلوم تھا کہ کسی کلمہ کو مسلمان اپنے مذہب کے حکم کے بموجب قتل نہیں کرتے، جب وہ مسلمانوں کی زد میں پڑتے تھے تو اپنی جان بچانے کے لئے فوراً کلمہ شہادہ پڑھ دیتے تھے اور بیان اس صورت میں کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کفار کو تلوار کی نوک سے کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا، کیا یہ صداقت ہے؟

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور اعلان ہے جس کو اکثر غلط معنی میں پیش کیا گیا ہے، آپ نے فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑائی کروں جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کریں اور جب وہ اقرار کریں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے بچا لیا اور ان کی نیت کی پرستش خدا کا کام ہے، اس حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ مسلمان سے لڑنا تو جائز نہیں لیکن کسی غیر مسلم قوم سے بھی لڑنا اسی وقت جائز ہے جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرے اور جب اس نے یہ کر لیا تو پھر اس سے بھی لڑنا رفا نہیں خواہ وہ حملہ کے ڈر سے لا الہ الا اللہ کہے یا سچے دل سے اس نے یہ اقرار کیا ہو اس کی تحقیق کہ کس نیت سے اس نے کلمہ پڑھا، انسان کافر من نہیں، خدا کا ہے، بالکل ایک مصالحتانہ اعلان ہے لیکن لوگ اس کو اس معنی میں پیش کرتے ہیں کہ گویا اسلام کا حکم یہ تھا کہ مسلمان دیوانہ و انتھارے پھرتے اور جس کو پاتے اس کو ڈرا دھمکا کر کہتے کہ کلمہ پڑھو، ورنہ سر قلم کر دیں گے، غور کرو، اگر یہ حکم ہوتا تو قیدی اقرار توحید کئے بغیر اس آسانی سے چھوڑے جاتے، اور ماری ہوتی

لے بیچ بخاری غزوہ خیبر، صحیح مسلم کتاب الایمان ص ۵۲، ۱۱۱ مصر۔

قوموں سے اسلام نہیں، صرف چند درہم کا جزیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جاتا، اور کیا مسلمانوں کو یہ اجازت ملتی کہ۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الأنفال - ۱۸)

بلکہ اس کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں ان سے صلح نہ کرنا اور نیزہ کیا مسلمانوں کو یہ حکم ہو سکتا تھا کہ

وَإِنْ أَحَدُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجْرُكَ حَتَّىٰ

يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَا مَنَّهُ ذَلِكَ

بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ (توبہ - ۱)

بلکہ یہ ہوتا کہ پناہ ملنے اور کلام الہی سننے کے بعد وہ مسلمان نہ ہو تو اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچانے کے بجائے اس کو قتل کر کے

جہنم میں پہنچا دو، مگر ایسا نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی امن پسندی اور رواداری کے مفہوم کو کس طرح الٹ پلٹ کر بیان کیا جاتا

ہے، حالانکہ اسلام نے ان مشرکوں سے بھی جو ہمارے کسی دوست مشرک قبیلہ کے دوست ہوں اور ہم سے صلح و آشتی کے ساتھ

رہنا چاہتے ہوں، لڑنے کو منع کیا ہے۔

فَإِنْ احْتَرَزُوا لَكُمْ فَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ عَلَيْهِمْ بَغْيٌ وَلَا تَكُونُوا عَلَيْهِمْ سَبِيلًا (نساء - ۱۲)

تو اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں، پھر لڑیں اور تمہارے سامنے صلح کی

طرح ڈالیں تو اللہ نے تم کو ان پر حملہ کرنے کی راہ نہیں دی۔

یعنی پھر ان پر تلوار اٹھانا درست نہیں، حالانکہ اگر اسلام کی مذہبی جنگجوئی کے وہی معنی ہوتے کہ یا تلوار یا اسلام، تو کیا اس

امن پسندی، اس صلح جوئی اور اس ترک جنگ کی صورت ممکن ہو سکتی تھی۔

غلط فہمی پھیلانے کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے لئے جو جماعتیں ملک میں بھیجی جاتی

تھیں وہ مسلح ہوتی تھیں، لیکن حقیقت یہ بتا دی جاتی ہے کہ یہ عرب کا واقعہ ہے، جہاں کوئی منظم اور

باضابطہ حکومت نہ تھی، جس پر تمام رعایا کی حفاظت کی ذمہ داری ہو، ایک ایک وادی میں ایک ایک قبیلہ اپنی اپنی الگ ریاست

قائم کرتے ہوئے تھا اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسر پیکار تھا، راستوں پر رہزنوں اور ڈاکوؤں کا قبضہ تھا، جن سے اکاؤنٹ کا

آدمی کا صحیح و سالم بچنا ناممکن تھا، اسی لئے جب کہیں کوئی تبلیغی مہم بھیجی جاتی تھی تو بدامنی کے ملک میں رہنے والوں کے عام

دستور کے مطابق وہ اپنی ممکن حفاظت کے لئے مسلح جاتی تھیں، اور اس بات کی دلیل کہ اس مسلح جماعت کا تبلیغ و دعوت کے سوا

کوئی مقصد نہ تھا، اس سے ظاہر ہے کہ ان کی تعداد تھوڑی ہوتی تھی جو فوجی حملہ کے لئے کافی نہیں ہو سکتی تھی۔

غزوہ بدر کے بعد جب قریش کا زور ٹوٹ گیا اور ملک میں اسلام بھی ایک قوت شمار ہونے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے بعض بعض قبیلوں کی درخواست پر مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو تبلیغ و تعلیم کے لئے ادھر ادھر بھیجا تب بھی وہ اکثر راستہ میں

جان سے ماری گئیں، واقعہ جریح میں ستر داعیوں کا مارا جانا، واقعہ بیرونہ میں چھیادس داعی مسلمانوں کا قتل ہونا، سریرہ ابن ابی

العوja میں پچاس مسلمانوں کی شہادت، واقعہ ذات اطلاق میں چودہ داعی مسلمانوں کا تیروں سے مارا جانا، عروہ بن مسعود ثقفی

کاتیروں سے چھد جانا، اس دعویٰ کی شہادت ہے۔

تبلیغ و دعوت کی تنظیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے بغض نفیس اس فرعون کو انجام دیتے

رہے، ایک ایک کے پاس جاتے اور حق کا پیغام سناتے، شہر سے نکل کر مکہ کے آس پاس جلتے اور



آنے جانے والوں کو بشارت سناتے، مکہ سے نکل کر طائف گئے اور وہاں بھی اپنا فرض ادا کیا یہ بھی خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے اپنے آخری دین کا مرکز مکہ معزز کو قرار دیا، جو عرب کا مرکزی شہر تھا اور حج کے موسم میں تمام قبیلے خود یہاں آتے تھے، آپ سالہا سال حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور خدا کی دعوت پیش کرتے، اسی سالانہ تبلیغ سے اسلام کو وہ جماعت ملتی آتی جس کا نام انصار ہے۔

الغرض ان تبلیغی سرگرمیوں سے مکہ میں سینکڑوں آدمی مسلمان ہو چکے تھے، مگر قریش کے ظلم سے وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے وہ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے، اس سفر کی مصلحت بھی عجیب و غریب تھی ان معلوم مسلمانوں کی ہجرت نے یہ موقع ہم پہنچا یا کہ وہ اس مسافرت میں جہاں جہاں سے گزرے اسلام کی آواز پہنچاتے گئے اور اس طرح یمن اور حبشہ دونوں ملکوں میں اسلام کی تحریک روشناس ہوئی۔

مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عام مسلمانوں میں سب سے پہلے مبلغ اور داعی حق حضرت ابوبکرؓ تھے، مکہ کے بہت سے معزز گھرانوں کے پرچوش نوجوان ان ہی کی تبلیغ سے اسلام کے علم کو بخش ہوئے، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابوبکرؓ ہی کی کوششوں سے دائرہ اسلام میں آئے، حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسلام کے دوسرے مبلغ حضرت مصعب بن عمیرؓ ہیں، جن کے مؤثر و عطا کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی حبشہ کے گھرانے کے گھرانے توجید کے پرستار ہو گئے تھے۔

حبشہ منورہ اگر اسلام نے امن و اطمینان کی سانس لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نو مسلموں کی تعلیم کے لئے جو اطراف ملک سے دارالاسلام میں آتے تھے، نیز ملک کے مختلف گوشوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ایک جماعت قائم کی جس کا نام عام طور سے اصحاب مکتہ (مکتبہ) مشورہ ہے، اس میں بعض اوقات سو سے زیادہ آدمی داخل رہے ہیں، یہ لوگ ملک میں اسلام کی دعوت کے لئے بھیجے جاتے اور خود نو مسلموں کو تعلیم دیتے، بیر معوذ میں ستر کے قریب جو داعی اور مبلغ ماہ میں بیدار قتل ہوتے تھے، وہ اسی جماعت کے ارکان تھے۔

ان کے علاوہ اکابر صحابہ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں، بادشاہوں، قوموں اور قبیلوں میں اسلام کی دعوت لے کر پہلے آغاؤں و سیر کی کتابوں میں ان کے نام متفرق طور سے ملتے ہیں، میں نے تھوڑی سی کوشش سے اس قسم کے پتہ تیس صحابیوں کے نام جمع کئے ہیں جنہوں نے از خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس فرض کو انجام دیا، ان کے نام یہ ہیں: بلوذر غفاری، اخیل بن عمرو دؤی، جعفر بن لیث، عمرو بن عبد اللہ سلمی، ضاد بن ثعلبہ، خالد بن ولید، علی بن ابی طالب، مجاہد بن ابی امیہ، زیاد بن لبید، خالد بن سعید، عری بن حاتم، علاء بن حضرمی، ابو موسیٰ اشجری، معاذ بن جبل، جریر بن عبد اللہ بن جلی، دحیہ بن کلبی، عمرو بن امیہ حضرمی، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن الحارث، دبر بن نخیس، عروہ بن مسعود ثقفی، عاتر بن شہر، منتقن بن جہان، ثامہ بن اثال، مصعب بن مسعود، اسفہ، ابو زید انصاری، عمر بن مرہ، عیاش بن ریح، مخزومی، وائل بن سقیع، عبد اللہ بن حذافہ، عاصم بن ابی بلتہ، سلیم بن عمرو بن عبسہ، شجاع بن وہب، اسدی، ان ہی مبلغوں اور داعیوں اور قاصدوں کی پکار تھی، جس نے یمن، ہیمامہ، بحرین، حجاز، نجد، غرض پورے عرب کو بیدار کر دیا اور عرب سے باہر ایران، شام، مصر، حبشہ ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچ گیا۔

سیرت کی دوسری جلد کے آغاز میں اشاعت اسلام کی تاریخ اور دعاۃ معلکین کی تعلیم و تربیت کا حال لکھا جا چکا ہے، سلسلہ بیان کے لئے یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ ان کو سب سے پہلے

قرآن پاک کی سورتیں یاد کرائی جاتی تھیں، لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کے ارشادات سننے کا موقع بھی ان کو ملتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تبلیغ کا درس اولین قرآن اور صرف قرآن تھا۔

**دعوت بالقرآن** قرآن پاک اسلام کے دعویٰ اور دلیل دونوں کا مجموعہ ہے اور وہی اس کے مذہب کا محیض ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مبلغ صحابہ بھی تبلیغ و دعوت میں صرف قرآن کی سورتیں پڑھ کر سناتے تھے اور جہاں ان کو اس کا موقع مل جاتا، وہاں اس کی تاثیر اپنا کام کر جاتی تھی، اور یہ فرض خود قرآن نے اپنا آپ قرار دیا تھا، اس کی تبلیغ کے لئے جہاں کی ضرورت تھی، مگر اس جہاد کا ہتھیار لوہے کی تلوار نہیں بلکہ قرآن کی تلوار تھی جس کی ضرب کی روک خود اور سپر سے بھی ممکن نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اسی تلوار سے جہاد کا حکم دیا، فرمایا۔

فَلَا تَطْعَمُ الْكُفْرَانُ وَلَا تَجَاهِدُ هَهُنَا وَلَا جِهَادًا تَوَاسِعُ بَغِيرَ مُنْكَرٍ وَلَا كَانُ مَا نَ اور اس قرآن سے ان کے ساتھ بڑے زور سے جہاد کرو۔ (فرقان ۵)

اس پیغام الہی کے زمین میں اترنے کی غرض یہ تھی کہ وہ خدا کے بھولے ہوئے بندوں کو ان کا عہد یاد دلانے، فرمایا۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَيْدِ (ق ۳۰) تو اپنے پیغمبر کو جو میری دھمکی سے ڈرتے ہیں قرآن کے ذریعہ یاد دلانا۔ قرآن رحمت عالم کا پیام عمومی ہے اور یہی اس کے نزول کی غرض و غایت ہے، فرمایا۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (فرقان ۱۰) برکت والا ہے وہ جس نے حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب اپنے بندوں پر اس لئے اتاری کہ تمام دنیا کو بیدار اور ہشیا کرے۔

یہی قرآن اسلام کی طاقت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی ہتھیار تھا جس کی کاٹ نے کبھی خطا نہ کی۔

**اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب** عرب میں صرف تین قومیں تھیں، جن کا اسلام لانا گویا تمام جزیرہ فائے عرب کا اسلام لانا تھا یعنی مشرکین، یہود اور نصاریٰ، مشرکین عرب کا مرکز فاء کعبہ تھا اور ان کے مذہبی پیشوا قریش تھے، یہود کا صدر مقام مدینہ اور خیبر تھا، نصاریٰ اور مجوس شام اور یمن کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے اس بنا پر ان کے قرب فاء کعبہ کے لحاظ سے اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب یہ تھی کہ قریش اور فاء کعبہ کو پہلے دعوت و توجید دی جاتی، پھر یہود کو ملکہ بگوش اسلام بنایا جاتا، اس کے بعد نصاریٰ اور مجوس کو دعوت دی جاتی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کے ساتھ اسلام کی اشاعت کی اور اسی بنا پر قرآن مجید کا طریق دعوت مختلف نظر آتا ہے، تمام مکی سورتوں کے خیاطہ کنار مکہ تھے، اسی لئے ان میں بت پرستی کی مذمت، توحید کی ترغیب، عجمائے قدرت کا بیان، عذاب الہی سے تحوین اور صنادید قریش کی مخالفت کے جواب کے سوا کچھ نہیں، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہود سے سابقہ پڑا اور اب قرآن مجید کا طرز خطاب بدل گیا، چنانچہ ابتدائی مکی سورتیں زیادہ تر یہود کی مذہبی تاریخ، ان کی تحریکات، ان کی اخلاقی کمزوریوں اور قصص بنی اسرائیل پر مشتمل ہیں، سب سے اخیر میں نصاریٰ کی باری آئی، اور فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کے وجود کے سلسلہ میں ہجران کے عیسائیوں کا وفد آیا، اسی زمانہ میں سورۃ آل عمران نازل ہوئی جس میں نصاریٰ کا ذکر ہے۔

مجوس عرب میں بہت کم تھے، بحرین اور یمن میں وہ خال خال پائے جاتے تھے، وہ بھی ایرانی النسل تھے، خالص عرب نہ تھے، اس سے قرآن مجید نے خاص طور پر کسی سورہ میں ان سے خطاب نہیں کیا ہے، البتہ ماہجہا مناسب موقعوں پر ان کا نام لیا ہے۔

سیرت کی دوسری جلد کے آغاز میں اشاعت اسلام کی تاریخ اور دعاۃ معلکین کی تعلیم و تربیت کا حال لکھا جا چکا ہے، سلسلہ بیان کے لئے یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ ان کو سب سے پہلے



اور ان کے عقائد کی تردید کی اور ان کو ثنویت یعنی دو خداؤں کی پرستش کے بجائے توحید کی دعوت دی ہے۔

**قبول اسلام کیلئے کیا چیز درکار تھی** اگرچہ یوزپ کا یہ عام دعویٰ ہے کہ عرب میں اسلام صرف تلوار کے زور سے پھیلا، لیکن ابتداء میں جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام قبول کیا، ان کے اوصاف پیش نظر کر لینے

کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لئے صرف اثر پذیر دل کا جو یاں تھا اور جب یہ آشیانہ مل جاتا تھا تو اس کے سامنے یہ طاقتور قدس اپنے پر ڈال دیتا تھا، چنانچہ ابتدائے بعثت میں جن اشخاص نے اسلام قبول کیا، وہ دہی تھے جو نیک طبع، ایماندار راستی پسند اور حق جوئے اور جوہوت کے اوصاف و خصال سے واقف تھے، گزشتہ آسمانی مذاہب سے کچھ نہ کچھ آگاہ تھے اور معاشرت اور تمدن سے بہرہ ور تھے، اشخاص کے علاوہ جن قبائل اور آبادیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں پیش قدمی کی وہ بھی وہی تھیں جن میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی تھیں، عرب کے دو مختلف حصوں جنوبی و شمالی میں سب سے زیادہ اسلام کو کامیابی عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن، عمان، بحرین، یامامہ میں ہوئی اور شمالی حصہ میں سے مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں ہوئی کیونکہ وہ تمدنی حیثیت سے دنیا کی دو ممتاز تمدن قوموں، ایرانیوں اور رومیوں سے متاثر تھے اور مذہبی حیثیت سے یہودیوں اور عیسائیوں سے ان کا میل جول اور خلا تھا، اہل مدینہ بھی یہودیوں کے تمدن و معاشرت، روایات اور رسم و رواج سے بہت کچھ متاثر تھے۔ اسلام کو عربوں سے جس قدر لڑائیاں پیش آئیں وہ سب نجد اور حجاز میں پیش آئیں، لیکن مسلمانوں کی کوئی جرأت و فوج یمن، یمن، عمان، یامامہ اور بحرین کو فتح کرنے کے لئے نہیں بھیجی گئی، انصار مدینہ نے خود مکہ میں آکر اسلام کو لبیک کہا، اطراف مدینہ کے قبائل میں غفار نے خود مکہ آکر قریش کی تلوار کی آگ میں کھڑے ہو کر لا الہ الا اللہ پڑھا، یمن سے دوس کے قبیلے کے آدمیوں نے خود مکہ معظمہ پہنچ کر ایمان کی دولت حاصل کی اور اس کے سردار نے اپنا قلم اسلام کی پناہ کے لئے پیش کیا، اشعر کا قبیلہ بھی اسی زمانہ میں غائبانہ مشرف باسلام ہوا، ہمدان کا قبیلہ حضرت علیؑ کی دعوت پر ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔

عمان کا بھی یہی حال ہوا، وہاں بھی اسلام نے حرف اپنی تبلیغی کوششوں کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا، ایک بار آپ نے عرب کے کسی قبیلے کے پاس ایک آدمی بھیجا، وہ لوگ اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور اس کو زور و کوب کیا، اس نے آکر آپ سے یہ واقعہ بیان کیا، تو آپ نے فرمایا کہ اگر اہل عمان ہوتے تو تم کو نہ گالیاں دیتے نہ مارتے (مسلم فضائل اہل عمان)

یامامہ کے رئیس ثمامہؓ قید ہو کر مدینہ آئے، یہاں آزاد کر دیئے گئے، مکہ مدینہ کی مسجد میں جو جلوہ انہوں نے دیکھا، اپنی فائز مادی آزادی کے بعد بھی اس کی نورانی زنجیر سے انہوں نے رہائی نہ پائی، خود بخود مسلمان ہو گئے اور اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کے داعی بن گئے، اور آخر خون کا ایک قطرہ گھرے بغیر اسلام نے وہاں اکثریت حاصل کر لی۔

دیہاتوں میں سب سے پہلے قریہ جواثی نے صدائے توحید پر لبیک کہا جو مصافات بحرین میں تھا، اسی قریہ جواثی کے باشندے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے چنانچہ مسجد نبوی کے بعد عرب کے دیہاتوں میں سب سے پہلا جہر اسی گاؤں میں پڑھا گیا بارگاہ نبوت میں عرب کے وفود اگرچہ فتح مکہ کے بعد حاضر ہوئے لیکن بحرین کے لوگوں نے اس میں تمام قبائل پر پیش قدمی کی، چنانچہ مشعرہ میں سب سے پہلا وفد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ قبیلہ عبید القیس کا تھا جو بحرین میں سکونت گزین تھا۔

اہل یمن کا شمار اگرچہ مہاجرین اولین میں نہیں کیا جاتا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا تو اسی وقت

لے مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۵ صحیح مسلم نے صحیح بخاری باب الحجۃ فی القری والمدن۔

حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ بھی یمن سے ۵۲ آدمیوں کو لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے روانہ ہو گئے، بحری سفر تھا، وہ لوگ کشتی میں سوار ہوئے تو باد مخالف کے بھونکوں نے ان کو جہنم میں پہنچا دیا جو مسلمانوں کا سب سے پہلا درالہجرت تھا، وہاں حضرت جعفرؓ نے ان کی طالب سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یمن میں اقامت کا حکم دیا ہے تم لوگوں کو بھی میں نے یہاں پہنچا ہے، چنانچہ وہ لوگ وہیں مقیم ہو گئے اور فتح خیبر کے زمانہ میں مہاجرین جہنم کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جہالت اور وحشت تھی اور اس کی اشاعت کی سب سے بڑی محرک چیز تمدن، معاشرت اور اخلاق کی بلندی اور کتب آسمانی اور دیگر مذاہب سے واقفیت تھی، خود قرآن مجید نے اس کو ظاہر کیا ہے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّلِغَاثِقَا وَاَحْذَرُ الْاَلَا یَعْلَمُوْا اَحْذَرُ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلٍ وَّاللّٰهُ عَلَیْہِمْ حٰكِمٌ (توبہ-۱۲)

دہاتی بدوی کفر اور لغاتی میں سب سے زیادہ سخت ہیں اور زیادہ اس کے اہل ہیں کہ وہ ان احکام کو نہ جانیں جو خدا نے اپنے رسول پر اتارے ہیں، اور اللہ جانتا اور حکمت والا ہے۔

اور بھی اسی قسم کی آیتیں ہیں جو لوگ بادیر سے آکر اسلام لائے تھے اور کچھ مسائل سیکھ کر واپس چلے جاتے تھے ان سے جو حجت ل جاتی تھی، اس کا نام بیعت اعرابی تھا جو کم درجہ سمجھی جاتی تھی، اس بناء پر بادیر میں الگ تھلگ رہنا صحابہ کے زمانہ میں معیوب سمجھا جاتا تھا، بلکہ بعض لوگ اس کو ارتداد کی علامت سمجھتے تھے۔

**اشاعت اسلام کے اسباب و فرائض** صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حق کو عربوں میں کس طرح پھیلا یا اہل آپ کو کیونکر کامیابی ہوئی تاہم اگر واقعات کی روشنی میں ایک ایک صحابی کے قبول اسلام کے اسباب کی تلاش کی جائے، تو حسب ذیل اسباب سامنے آئیں گے۔

۱) اسلام کے نشر و اشاعت کا سب سے مقدم اور اصلی سبب معجزہ قرآنی تھا، قرآن مجید جس موثر اور دل کپکا دینے والے طریقہ سے عقائد و معارف و اخلاق کی تلقین کرتا تھا، اس کے سامنے وہ تمام عواقب اور موانع کا ذکر اور پرہیز کا افا ہو جاتے تھے جو لوگ سرے سے خدا کے وجود کے منکر تھے، قرآن مجید ان کے سامنے عالم کی بوقلمونی، مظاہر قدرت کی بوجہی، کائنات کی غیرت، اجرام فلکی کی جلوہ گری اور عناصر کی نگرار آرائی سے اس طرح استدلال کرتا تھا۔

کَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَا تَا فَآخِیَا كُفُّوْا عَنْ قَوْلِ الْغُلٰكِ الْبَیِّنٰتِ تَجْعَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ حُرًّا یُنْفَعُ النَّاسَ وَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَآخِیَا یٰہِ الْاَرْضُ بَعْدَ مَوْتِہَا وَبَثَّ فِیْہَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَ تَصْرِیْفِ الرِّیَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنِ السَّمَآءِ

لے صحیح مسلم فضائل صحیح بخاری ابی طالب واسماء بنت عبید بن جراح مسلم کتاب الامارۃ اور سنن نسائی کتاب البیعة۔



دانشمندیوں کے لئے یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔

آسمان و زمین میں جو بھی ہے برضایا مجبوراً اسی کا احاطہ کرتا ہے اور اسی کی طرف ایک دن سب لوٹنا ہے جائیں گے۔

آسمان و زمین کی خلقت اور شب و روز کے الٹ پھیر میں ان ارباب عقل کے لئے سب سے بڑی نشانیاں ہیں جو اچھے، بیٹھے، ایٹھے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی خلقت پر غور کرتے ہیں کہ خدا تو نے یہ سیکار پیدا نہیں کیا۔

وہ وہ ہے جو تم کو خشکی اور دریا میں سفر کرتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور موافق ہوا کشتی والوں کے لئے جاری ہے اور لوگ خوش ہو رہے ہیں کہ درخت زور کا جھک رہا ہے اور ہر طرف سے موجیں آگئیں اور لوگوں کو یقین ہو چلا کہ اب وہ گھر گئے اس وقت وہ خدا کو فحس ہو کر پکارنے لگتے ہیں۔

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم اسے لئے تم ہی میں سے جوڑے بناتے کہ تم کو ان سے تسلی ہو اور تم میں ابھی محبت ہو ہمدردی پیدا کی اس بات میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور تمہاری زبانوں اور دلوں کا مختلف ہونا ہے اس بات میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور خدا کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا، خدا کے فضل (روزی) کو ڈھونڈنا ہے اس میں سے سننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

خدا یا ایک قوت اعظم کا اعتراف خود انسان کی فطرت ہے لیکن غفلت شعاری اور آبائی اثر اور دیگر اسباب سے فطرت کبھی کبھی مردہ اور بے حس ہو جاتی ہے، قرآن مجید اسی خطہ جس کو بیدار کرتا ہے۔

کیا خدا میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور کیسے تم خدا کا انکار کرتے ہو حالانکہ تمہیں جان تھے تو اس نے تم کو زندگی دی، پھر وہ تم کو موت دے گا، پھر وہ تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اس کی طرف لوٹنا ہے جاؤ گے۔

عرب میں مذکور تھے، زیادہ تر بلکہ تمام تر مشرکین تھے جو خدا کو اگرچہ ملتے تھے لیکن یہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور بھی خدا ہیں جو خدا کے شریک ہیں اور نظام عالم ان ہی کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے، انسان کی فطرت ہے کہ جس سے براہ راست اس کو کام پڑتا

وَالْأَرْضِ لَا يَبْتَ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (بقرہ - ۲۰)  
وَلَا أَسْأَلُكُمْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خُذُوا كُرْهًا  
وَالَّذِينَ يُرْجِعُونَ (ال عمران - ۹)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاحِدَةً مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ  
اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَن جُذُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ مَا خَلَقَتْ هَذَا بَاطِلًا وَالْعَرَّةَ  
هُوَ الَّذِي يَسِّرُ كُفْرًا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ  
فِي الْفُلِكِ وَجَرَّتِ بِكُمْ بَرْجٌ طَيْبَةٍ وَفَرِحُوا  
بَهَا جَاءَ ثَهَارٌ يُخْرِجُ عَصْفَ وَجَاءَ هُوَ الْمَوْجُ  
مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا  
اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (يونس - ۳۰)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا  
لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً  
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ وَمِنْ آيَاتِهِ  
خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ  
وَالْوَاكِفَاتِ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِلْعَالَمِينَ  
وَمِنْ آيَاتِهِ مَا مَكَّنَّا بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ  
وَابْتِغَاءً لِّكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً  
لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ

أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (ابراہیم)  
كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أََمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ  
ثُمَّ يَمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ  
تَرْجِعُونَ (بقرہ - ۳)

عرب میں مذکور تھے، زیادہ تر بلکہ تمام تر مشرکین تھے جو خدا کو اگرچہ ملتے تھے لیکن یہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور بھی خدا ہیں جو خدا کے شریک ہیں اور نظام عالم ان ہی کے ہاتھ سے انجام پاتا ہے، انسان کی فطرت ہے کہ جس سے براہ راست اس کو کام پڑتا

ہے اس کو زیادہ مانتا ہے، اسی سے زیادہ محبت کرتا ہے اسی کی زیادہ پرستش کرتا ہے، چونکہ مشرکین کا اعتقاد تھا کہ بلاول کی بارش، غلہ کی پیداوار، نباتات کی روئیدگی، سب جہرام فلکی یا اصنام کا کام ہے، اس لئے ان کو عہدیت کا جو کچھ تعلق تھا ان ہی مجسودوں سے تھا، وہ انہی کی عبادت کرتے تھے، ان ہی سے محبت رکھتے تھے، ان ہی پر نذر چڑھاتے تھے، ان ہی کے سامنے قربانیاں کرتے تھے، معبروں میں انہی کے نام کی بے پناہ تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کام اسی شرک اور اصنام پرستہ کو مٹانا تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اصل وجود باری کے متعلق بہت کم استدلال ہے، زیادہ تر شرک کا ابطال اور اس کی تعمیر اور تہجیب ہے۔

قرآن مجید طرح طرح سے نہایت مؤثر پیرالوں میں شرک کی لغویت کا اظہار کرتا تھا۔  
کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے بیچ میں نہریں بہائیں اور اس کے لئے پہاڑوں کی میخیں گاڑیں اور دونوں دیادوں میں لوٹ رکھا، کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، ہر واقعہ یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ جانتے نہیں کیا وہ جو پریشان خاطر لوگ کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتے ہیں اور جاکو مٹا دیتا ہے اور تم کو دنیا کا حکمران بناتا ہے، کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے تم بہت کم سوچتے ہو، کیا وہ جو تم کو خشکی اور تری کی اندر لولہ راستہ دکھاتا ہے اور وہ جو کہ اپنی رحمت (بارش) کے آگے ہواؤں کو بھیجتا ہے، کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے، مشرکین جو کہ خدا کا شریک کہتے ہیں، خدا ان سے برتر ہے، آیا کون ہے جو ان کو کافا کرتا ہے، پھر اس کو لوٹاتا ہے، اور وہ کون ہے جو تم کو آسمان و زمینی سے روزی دیتا ہے، کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے تو کہ دے کہ اگر کچھ ہو تو دلیل ملاؤ۔

کفار و مشرک عموماً قیامت کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مَن تَخْشَى اللَّهَ يَأْتَخِذْهُ رَحْمَةً (یعنی جب تم پریشان گل سرخیں تو اب کون ان کو جلتے گا، قرآن مجید ان سے خطاب کرتا تھا۔

الْعَرِيكَ لَطْفَةٌ مِّنْ مَّيْمَنِي يَمْنَى شَرَّ كَانَ عَلَقَةً  
فَخَلَقَ فَسَوَّى، فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ  
وَالْأُنْثَى أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقْدِرٍ عَلَيَّ أَنْ يَخْلُقَ مَا يَشَاءُ  
الْعَلَوَاتِ (قیامت - ۳)

غرض عقائد، عبادات، اخلاق، اعمال، ہر چیز کو قرآن اس مؤثر اور دل نشین طریقہ سے ادا کرتا تھا کہ دل میں گر کر جاتا تھا، اور رسم و عادات کا بند اس سیلاب کو کسی طرح روک نہیں سکتا تھا، اس پر بھی جو کچھ پر ثبات قدم رہے، وہ ذاتی اغراض کا اثر تھا، حقیقی تجدد اور انکار نہ تھا۔



فَاِنْ اَعْرَضْتُمْ عَنْكُمْ صَاعِقَةٌ تَمِثَلُ  
صَاعِقَةٌ عَابِدَةٌ تَعُوذُ بِكُمْ - فقلت - ۱۲

ولید بن مغیرہ (حضرت خالد کا باپ) جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے یہ آیتیں پڑھیں۔

ولید نے کہا پھر بڑھنا، آپ نے دوبارہ پڑھا، واپس گیا اور قریش سے جا کر کہا کہ یہ انسان کا کلام نہیں۔

اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ اَمْ  
 خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُوْنَ اَمْ عِنْدَہُمْ  
 خَزَاۓنٌ رَّبِّکَ اَمْ هُمُ الْمُصِیطُونَ (مور - ۳)

کیا یہ لوگ ان خود پیدا ہو گئے یا یہ خود خالق ہیں کیا آسمان اور زمین  
 کو ان ہی لوگوں نے پیدا کیا بلکہ (واقعہ یہ ہے کہ) ان میں ایمان نہیں کیا  
 ان کے پاس خدا کے فضل سے ان کی جیسی لوگ سربراہ کار ہیں۔

ہجرت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب طائف کا سفر کیا اور مشرکین کو اسلام کی دعوت دی تو اگرچہ ادھر سے اس کا جواب ڈھیلا اور سہمرا تھا تاہم خالد العدوانی نے جو طائف کے رہنے والے تھے، آپ کو

حضرت ابو بکر کو قیام مکہ کے زمانہ میں بعض مشرکین نے اپنی پناہ میں لے لیا تھا، اسی زمانہ میں انہوں نے ایک مسجد بنوائی تھی اور

عیش میں جب آپ کی بعثت کا چرچا ہوا تو میں شخص جو مذہباً عیسائی تھے تحقیق حال کے لئے مکہ میں آئے اور آپ کی

کی وقت اسلام لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے یہ لوگ اسٹھے تو ابو جہل نے ان سے مل کر کہا کہ تم سخت احمق ہو، تم

۱۔ ضروری ہو کہ امام خیال یہ ہے کہ اہل عرب جو قرآن مجید سن کر اسلام قبول کر لیتے تھے وہ صرف فصاحت و بلاغت کا

سے کہیں زیادہ معافی و مطالبہ میں ہے۔

۴۳۵ ہجری بمطابق ۱۰۴۲ م۔ ابن تیمیہ نے تفصیل کتاب اور ابن اسحاق کے حوالے سے کہا ہے کہ مستزید بن عقیل



قرآن کو قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایسا ہی معجز ہوتا ہے جیسا اب ہے، لیکن اس میں صرف تاریخی واقعات یا ایسی قسم کی اور کوئی بات ہوتی تو کیا یہی اثر پیدا ہو سکتا تھا قرآن مجید ایک طرف فصاحت و بلاغت کے بنا پر اعجاز کا کامیاب تھا، دوسری طرف جو مطالب اور مقاصد ادا کرتا تھا وہ اسلام ہی کے مقاصد اور مطالب تھے، وہ خدا کی عظمت و جلالت، احکام کی توحید و تذلّل، انسان کا مجر و تعبد، مسز و جزاء، بعث و نشر، جو ر و ظلم کی تفسیر، اخلاق حسنہ کی تحسین، ان مطالب کو اس طرح ادا کرتا تھا کہ خود بخود دلوں میں گھر کرتے جاتے تھے اور ان کو یہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ ان باتوں کو اس لئے مان رہے ہیں کہ مسلمان ہو چکے ہیں بلکہ یہ باتیں براہ راست ان کے دل میں اتر جاتی تھیں اور وہ مسلمان ہو جاتے تھے۔

**عوارض کا ازالہ** عرب کو جو چیزیں اسلام سے روکتی تھیں ان میں سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ان کے اہام اور اعتقادات باطل تھے، جو سیکڑوں ہزاروں برس سے چلے آتے تھے یا سیاسی و معاشی ضرورتیں تھیں، مہتمم الذکر باتوں کا قرآن مجید اور اعجاز نبوی نے استیصال کر دیا عرب میں جو لوگ صاحب فہم اور ذی اثر تھے اور سیاسی اسباب سے مجبور نہ تھے، یہ ناممکن تھا کہ قرآن سننے اور ان کے تمام عقائد اور اہام دفعہ فناء ہو جاتے، یہ ارباب اثر جب خود متاثر ہو جاتے تھے تو ان میں سے ایک ایک شخص کے اثر سے ہزاروں اشخاص مسلمان ہو جاتے تھے کیونکہ قبائل پرستی کی بنا پر قبیلہ کا ہر معزز زمین اپنے پورے قبیلے کے دل و دماغ کا مالک ہوتا تھا۔

البتہ جو لوگ سیاسی اسباب سے مطلقاً دعوت اسلام کی طرف متوجہ ہی ہونا نہیں چاہتے تھے، انہوں نے بار بار دار النبوۃ (مدینہ منورہ) پر چڑھ لیاں کیں، لیکن نصرت ایزدی نے ان کو اس قدر شکستیں دیں کہ بالآخر مجبور ہو کر بیٹھ گئے، ان میں سے کچھ فنا ہو گئے کچھ پار و پناہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے، جن میں سے اکثر رفتہ رفتہ بالآخر دل سے مسلمان بن گئے۔

قبائل کی ریاست سیاسی حیثیت سے گو اسلام کے مخالف تھی لیکن وجہ سے اسلام کو تائید بھی پہنچاتی تھی، اسلام کی جمہوریت میں قدر ریاست کی مخالفت تھی، اسی قدر عام جماعت کی حامی تھی، اسلام سے اگر ایک رئیس کی شان ریاست و خود سری کو نقصان پہنچتا تھا تو ہزاروں آدمیوں کو نظر آتا تھا کہ اسلام قبول کر لینے سے ہر شخص رئیس کا ہمسر ہو جاتا ہے، غرض اسلام اگر ایک رئیس کو ملتا تھا تو سیکڑوں کو رئیس بنا دیتا تھا۔

اس کے ساتھ رہنمائی کی ریاست بالکل زائل نہیں ہو جاتی تھی بلکہ اسلام قبول کرنے پر وہ اپنے قبیلہ کے رئیس باقی رہتے تھے صرف اتنا ہوتا تھا کہ ان کی بے قید مطلق العنانی قائم نہیں رہتی تھی اور اسلامی احکام کا پابند رہنا پڑتا تھا اس لئے اگر کوئی خود مختار بھی کرنا چاہتا تھا تو اس کو بھی یہ سودا گراں نہیں پڑتا تھا، مولفہ مقلوب کا گروہ اس کی ایک صریح تفسیر تھا۔

اب صرف معاشی ضرورت سہرا ہو سکتی تھی، انکی لوگوں کو نظر آتا تھا کہ جن حدود میں اسلام کی حکومت قائم ہو جاتی ہے وہاں امن و امان قائم ہونے کی وجہ سے تجارت اور دیگر ذریعہ معاش کثرت سے ترقی کر جاتے ہیں۔

۴۔ نبوت کے متعلق ان کو جو شکوک تھے، مشاہدہ اور تجربہ نے ان کا پردہ چاک کر دیا، بڑی سے بڑی انسانیت اور پاک سے پاک زندگی کا جو تخیل ایک انسان کے ذہن میں آ سکتا تھا محمد رسول اللہ کی زندگی اس سے بھی بدجہا بالاتر اور ارفع تھی، ان کو نظر آتا تھا کہ گو مدعی نبوت بظاہر عامۃ بشریت میں ہے لیکن اپنی معنوی زندگی، اپنے معجزانہ اخلاق، اپنے مافوق الفطرت علم و معرفت، اپنے ربانی کرموں کی بنا پر بشریت سے کوئی بالاتر مخلوق ہے، مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَوَيْدُ قُرْآنٍ مَجِيدٍ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق نبوت پر ایسی مقدس اور محصور زندگی سے استدلال کیا ہے۔  
فَقَدْ لَبِثْتُ فَيَكُنْ عَصْرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس-۲)  
زندگی بسر کی ہے، کیا تم نہیں سمجھتے۔  
اے قریش! نبوت سے پہلے بھی میں نے تم میں ایک مدت حد تک

زندگی کا یہی اعجاز تھا، جس سے ظہور نبوت سے پہلے ہی امین کا خطاب آپ نے حاصل کر لیا تھا، بیوی کے برابر انسان کے اصلی حالات و اخلاق کا واقف کار کوئی اور نہیں ہو سکتا، نبوت محمدی کا معتقد اولین دنیا میں کون تھا، ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد لیکن ان کی اس زہد اعتقادی کا راز کیا تھا، چالیس برس کے معجزانہ اخلاق اور فوق الفطرت اوصاف و حالات کا تجربہ، وہ خود پیغمبر کو خطاب کر کے نبوت کی تسکین ان الفاظ میں دیتی ہیں، محمد! خدا کبھی تمہیں رسوا نہ کرے گا، تم رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرتے ہو، ناداروں کی طرف سے قرض ادا کرتے ہو، محتاجوں کی خبر لیتے ہو، مہمانوں کے ساتھ بہ مدارات پیش آتے ہو، جو لوگ حقیقت میں مبتلائے آلام ہیں ان کی اعانت کرتے ہو۔

مُن چکے ہو کہ عرب میں آپ کی نبوت کا جب چرچا ہوا تو ابوذر غفاریؓ نے انہیں اپنے بھائی کو حقیقت مال کے لئے بھیجا انہوں نے واپس آ کر سکر نبوت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا، میں ایک ایسے شخص کو دیکھ کر آیا ہوں جو جہلانہ طور پر دیکھا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔

نبوت کے بعد قریش نے ذات نبوی کے ساتھ گورہات اور کینہ پروری کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا، تاہم کوئی ازنی اخلاقی غمرا بھی آپ کی طرف منسوب نہ کر سکے، اسلام کے سب سے اول اعلان دعوت کے موقع پر جب آپ نے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کے مجمع کو خطاب کیا اور پوچھا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک فوج گراں تم پر حملہ آور ہونے کو تیار ہے، تو کیا چ مانو گے؟ سب نے بیک آواز کہا، محمد! تیری بات آج تک ہم نے جھوٹ نہ پائی تھی، ابوسعیان جو ہجرت کے آٹھویں سال تک اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، مدینہ میں ہر قل قیصر روم کے دربار میں کفار قریش کی ایک جماعت کے ساتھ محمد رسول اللہ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق اپنی شہادتیں پیش کر رہے تھے، تاہم وہ ایک حرف بھی صداقت کے خلاف پیش نہ کر سکے، انہوں نے شہادت دی کہ محمد کبھی جھوٹ نہیں بولے، انہوں نے کبھی بدعہدی نہ کی، شرک سے روکتے ہیں، توحید کی تعلیم دیتے ہیں، عبادت، صدق، عفت، صلہ رحمی کی تائید کرتے ہیں، ہر قل ہر فقرہ پر کہتا جاتا تھا کہ نبوت کے یہی آثار و دلائل ہیں، یہ سب سے پہلادان تھا کہ ابوسعیان کے دل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا یقین کیا۔

کتاب کی دوسری جلد میں آپ کے تمام محاسن اخلاق، یعنی رفق، مہمطفیت، حسن معاشرت، جود و سخا، عدم تشدد و عنف، درگزر و فیروہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس پر مجموعی طور پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا اور یہ معجزہ تسخیر قلوب ہی کے لئے عطا ہوا تھا، قرآن مجید اس نکتہ کو خود بتاتا ہے۔

وَكُوْنْتُ قَطًّا عَلِيْلًا لِّلْقَلْبِ لَا اَنْفَضُوْا مِنْ اَوْفَرِ اَرْقَمِ دَرَسْتِ خَوْدِ سَخْتِ دِلْ بُوْتِ تَوَلُوْا لِمَا رَسُوْلُكَ (آل عمران-۷)  
پاس سے پل دیتے۔

میں صبح بخاری بر الوی نے صبح بخاری جلد اول ص ۴۹۹ فقرہ اسلامی ذر نے صبح بخاری تفسیر سورہ بقرہ و صبح مسلم کتاب و ابواب و انذار عَشِيْرَتُكَ اَوْ قُرْبَانِيْنَ ص صبح بخاری جلد اولی۔



آپ کی یہی معجزانہ کشش تھی جو لوگوں کو کھینچ کھینچ کر دائرہ اسلام میں داخل کرتی تھی اور کفار کے جاہلانہ شکوک و دوام کو دم میں شادیت تھی صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے بہت سی بکریاں مانگیں، آپ نے دے دیں، اس پر آپ کی فیاضی کا اس قدر اثر ہوا کہ اپنے قبیلے میں جا کر اس نے کہا: لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ مجھے اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو خود اپنے تنگ دست ہونے کا مطلب بخیر نہیں ہوتا ہے۔

فتح مکہ میں جب صفوان بن امیہ مجبوراً اسلام لایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تین سو اونٹ دے دیئے، خود صفوان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس قدر دیا کہ آپ پہلے میرے نزدیک مومن ترین غنق تھے لیکن اس فیاضی سے محبوب ترین شخص بن گئے۔ ہندہ خاندان نبوت کی قدیم ترین دشمنی تھی، جنگ اُحد میں قوت بازو سے اسلام حضرت حمزہؓ کے شکم کو اسی نے چاک کیا تھا اس نے ان کا بگڑ نکال کر حیا یا تھا جس کو نگل نہ سکی اور پھر اگل دیا تھا اور اسی نے بعض مشیدوں کے ناک کان کاٹ کر رکھے کا بار بنایا تھا وہ فتح مکہ میں جیسے بدل کر آپ کی خدمت میں اسلام لانے کے لئے حاضر ہوئی اور اب بھی گستاخی سے باز نہیں آئی، لیکن در بدر رات میں پہنچ کر آپ کے حسن خلق سے اس قدر متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی: یا رسول اللہ! سطح زمین پر آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھر مجھے مسنون نہ تھا لیکن آج آپ کے گھرانے سے زیادہ کوئی گھر ناجوہ نہیں ہے آپ نے یہ سن کر فرمایا خدا کی قسم ہمارا بھی یہی حال تھا۔

آپ پر ایک یہودی عالم کا قرآن آتا تھا اس نے تقاضا کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے اس نے کہا کہ میں تو لے ہی کے ٹلوں گا، آپ نے کہا کہ اب میں تمہارے ساتھ بیٹھتا ہوں، چنانچہ آپ گھر سے لے کر فجر کی نماز تک اس کے ساتھ بیٹھے رہے، صحابہ نے اس کی اس گستاخی پر ناراضی ظاہر کی اور خدمت اقدس میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں، لیکن مجھے خدا نے اس سے منع کیا ہے کہ میں کسی ذمی یا اور کسی شخص پر ظلم کروں۔ دن چڑھا تو یہودی نے کلمہ پڑھا اور کہا کہ میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے، میں نے یہ گستاخی اس لئے کی کہ توراۃ میں پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کروں؟

نماز میں آنال یمامہ کا ایک رئیس تھا جو اسلام کا مجرم تھا احمابہ کا ایک دستہ نجد کے اطراف میں بھیجا گیا تھا احسن اتفاق سے وہ راہ میں مل گیا، اگر قمار ہو کر مہینہ آیا اور مسجد نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے تو اس پر نظر پڑی، آپ نے دریافت کیا کہ تمام تمہارے ساتھ کیا رہتا دیکھا جاتے؟ اس نے کہا کہ اگر قتل کرنا چاہیں تو ایک غوثی مجرم کو آپ قتل کریں گے اور اگر غفور فرمائیں تو یہ احسان ایک احسان شناس کی گردن پر ہوگا، اگر مال کی خواہش ہے تو فرمائیے جو ارشاد ہوگا کھانا کیا جائے گا، یہ سن کر آپ اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر اسی قسم کا سوال وجواب ہوا، تیسرے دن پھر یہی گفتگو ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کے بند گڑھ کھول دیئے اور رہا کر دیا، اس پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ مسجد سے نکل کر ایک کھجور کی آڑ میں گیا اور وہاں غسل کیا، غسل کر کے مسجد میں آیا اور کلمہ توحید پڑھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوا، محمد! زمین پر آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چیز مجھ کو مہسوس نہ تھی، لیکن آج وہ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، مجھ کو آپ کے دین سے زیادہ کسی دین سے صداقت نہ تھی، لیکن وہ آج میرے لئے تمام مذاہب سے عزیز تر ہو گیا۔

صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۰ باب مسائل رسول شفاء قضا فقال لا۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۵ کتاب البیہرۃ فی الخلق والسخاۃ صحیح مسلم باب مذکور صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۵ باب فضیلتہ منہ منہ مشکوٰۃ ص ۲۰۱ کتاب الفضل فی المناقب صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۰۶ ہے مجھے آپ کے شہر سے زیادہ کسی شہر سے دینی نہ تھی لیکن وہ آج مجھ کو تمام شہروں سے زیادہ خوشنظر آتا ہے۔  
ایک بار آپ کسی سفر میں تھے اور پانی ساتھ نہ تھا، صحابہ نے پیاس کی شکایت کی، آپ نے ایک صحابی کے ساتھ حضرت علیؓ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا، راہ میں ایک عورت اونٹ پر پانی کی دو مشکیں بھری ہوئی لے جا رہی تھی، دونوں صاحب اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، آپ نے برتن منگوائے اور مشکوں کے منہ کھول دیئے، صحابہ نے باری باری سے پانی پینا شروع کر دیا، وہ کھڑی یہ تماشا دیکھتی رہی، فراغت کے بعد اس کے محنت کے صلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا آٹا اور ستوتھوڑا تھوڑا لوگوں سے جمع کر کے ایک کپڑے میں بندھوا کر اس کے اونٹ پر رکھوا دیا، وہ گھر پہنچی تو لوگوں نے تائید کا سبب پوچھا، اس نے کہا راہ میں مجھ کو دو آدمی ملے اور وہ مجھ کو اس شخص کے پاس لے گئے جس کو لوگ بد دین کہا کرتے ہیں، غرضی قم دہیا تو اس آسمان وزمین کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے یا وہ واقعی خدا کا رسول ہے۔

لیکن اسلام کا یہ اثر صرف اسی کی ذات تک محدود نہ رہا، بلکہ تربیت یافتگان نبوت کے پس باثر سے اس کے تمام قبیلے تک وسیع ہو گئے۔

نبی کے اختیار و شناخت کا ذریعہ صرف اس کا اخلاق ہی نہیں اس کی زبان کا ایک ایک حرف اس کی معصوم شکل و صورت اور اس کی ایک ایک ادا اعجاز اور سربا اعجاز ہوتی ہے۔

روئے و آواز پر پیغمبر معجزہ است (رومی)  
آپ کی صداقت سے لبریز تقریر کا ایک ایک حرف دل میں اتر جاتا تھا اور نبوت کا اصلی معیار سامع کے سامنے پیش ہو جاتا تھا۔

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام مدینہ میں غل پڑ گیا، حضرت عبداللہ بن سلام جو مدینہ کے مشہور یہودی عالم تھے اپنے غفلت میں کھجور توڑ رہے تھے آمد آمد کی خبر ان کے کان میں پہنچی تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ فرما رہے تھے انشوا السلام و اطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا الناس ینام قد خلوا الجنة بسلاۃم واپس گئے تو اس قدر متاثر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر حضرت ابوالیوب انصاریؓ کے مکان میں جو منی پہنچے، حضرت عبداللہ بن سلام بھی آئے اور کہا کہ میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں اور نیز یہ شہادت دیتا ہوں کہ آپ ایک حق مذہب لے کر آئے ہیں۔

مناذ ایک شخص تھے، جن کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں آپ کے دوستانہ تعلقات رہ چکے تھے، وہ جنون کا علاج کرتے تھے اتفاق سے وہ مکہ میں آئے تو کفار سے سنا کہ آپ (نور اللہ) مجنون ہو گئے ہیں، وہ آپ کے پاس آئے اور کہا: محمد! میں جنون کا علاج کرتا ہوں، اس کے جواب میں آپ نے ایک تفریر کی اور اس کو ان الفاظ سے شروع کیا۔

الحمد لله نحمدہ و نستعینہ منہ  
اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ہادی  
لہ و اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ  
تاریخ طبری ج ۱ ص ۵۰۵ کتاب البیہرۃ فی الخلق والسخاۃ صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۵۶ باب ہجرت نبی

صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۰۶ کتاب البیہرۃ فی الخلق والسخاۃ صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۵۶ باب ہجرت نبی  
صالح و صالحہ الی المیزان۔



ان پر ان فقریوں کا یہ اثر پڑا کہ وہ مکرر سننے کے مشتاق ہوئے، آپ نے تین بار ان کلمات کا اعادہ فرمایا، انہوں نے کہا میں نے کاش انہوں، جلد و گروں اور شاعروں کا کلام سنا ہے لیکن آپ کے اس کلام کی طرح موثر کلام کبھی نہیں سنا، وہ سمندر تک پہنچ جاتے گا، ہاتھ لائیے، میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔

حضرت علیمہ کے شوہر حارث یعنی آپ کے رضاعی باپ جب مکہ میں تشریف لائے تو قریش نے کہا کچھ سنا ہے، تمہارا بیٹا کتا ہے کہ لوگ مر کر پھر زندہ ہوں گے، انہوں نے آپ سے کہا، بیٹا یہ کیا کہتے ہو؟ آپ نے منایت زوردار لہجہ میں فرمایا، اے اگر وہ دلی آیا تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ جو کچھ میں کتا تھا پس تھا، ان پر اس کا یہ اثر پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے، اور یہ سائرس قدیر پابکار وہ کیا کرتے تھے کہ اگر میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت میں پہنچا کر ہی چھوڑے گا۔

انسان کا۔ حقیقت کا آئینہ ہے، آپ کی ایک ایک ادا صداقت اور محسوسیت کا پیکر تھی، آپ کی شکل نہایت پر مثال تھی، چہرہ پر نور تھا۔ دوقر اور پُر عجب تھی اور ان تمام چیزوں کا مجموعی اثر پیغمبرانہ اعجاز کے ساتھ دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا حضرت محمد ﷺ سلام نو مسلم یہودی عالم آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر اسی اثر سے متاثر ہوئے اور بے اختیار بول مٹھے تھے

وجہہ لیس بوجہ کذاب (ترجمہ ص ۲۰۹) مجھوٹے آدمی کا یہ چہرہ نہیں ہو سکتا۔

اور یہی کشش تھی جس کا انہماک حجۃ الوداع میں اعراب بادیہ کی زبان سے ان الفاظ میں ہوا تھا۔

هذا وجه مبارك (ابن داود) ج (جلد اول) ۱۴۸

بارگاہِ نبوت میں پہنچنے کے ساتھ ہی یہ اثر آنکھوں کی راہ سے دل میں پہنچ جاتا تھا، البتہ نام ایک شخص قریش کی طرف سے قاصد بن کر آپ کی خدمت میں آئے تھے، جو نبی چہرہ اقدس پر نظر پڑی وہ ہزار جان شیدا تھے، اسلام قبول کیا اور آپ کی فلامی کو فخر سمجھا۔

الام

1

محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم كتابه خير انعام

اس شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم جس عظیم الشان پیغام کو لے کر آئے تھے اور جس منتم بالشان کام کو انجام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن جن کے دل کے تینے رنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پُر اثر دعوت، اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف و شفاف ہوتے گئے اور عوائق، موانع، شہوات اور شکوک کی توہر تو ظلمتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹی چلی گئیں اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشاں اور تاباں ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت، ایک ابدی مذہب اور عملی جماعت، خدا پرستی، اخلاق، ایثار، تمرین، تقویٰ، ایمان داری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا اور گویا یہ حقیقت تھی، جس کی طرف آپ نے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع (حجۃ الوداع) میں اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ الزَّمانَ قَدِ امْتَدَّ رَکِیْہُ لَیْوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ  
ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اسی حالت پر آ گیا جس حالت پر اس دن تھا جس دن خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔

السموات والأرض (بخاری)

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت آپؐ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک مناسبت پر درودِ دعا کی تقریر کے آخر میں یہ الفاظ فرما دیے تھے:

قد ترکتو علی البیضاء لیلھا  
 کنھا رھا۔

میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اس کی رات بھی دن کے مانند ہے۔

کنہا رہا۔

اور آخری حصہ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ۔

ایوم اُکلت لکم دینا ہو وَاَصْمَعْتُ عَلَیْکُمْ وَنَجَّیْ (۱۵۷) آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنے نعمت تم پر ختم کر دی  
پروفیسر مارگولیتز جن کی تائید شہادت بہت کم مل سکتی ہے، لکھتے ہیں:

”محمدؐ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا، آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، آپ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا، آپ نے عرب کو ایک مشترک

۱۔ سنن ابن ماجہ ابواب سنت و بدعت و مستدرک حاکم جلد اول ص ۹۶ و مسند ابن فضال جلد ۴ ص ۱۲۶۔



مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور متعلق تھا۔  
ایک دور یورپ کے بیگانہ مستشرق کی نسبت جب علم عرب اور اسلام کے متعلق کھرب چند کتابوں سے مستعد ہے ہند  
ایک عرب عیسائی اہل قلم کو فیصلہ کار زیادہ حق حاصل ہے، بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے  
یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (دور مجاہد) نے لکھا،  
دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفے، ایک نئی  
شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا کر دی اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی  
لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود انہی اور ناخواندہ عقائد کو نہ محمد بن عبد اللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر، اس پیغمبر نے اپنی  
عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا، اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لئے اور اس سلطنت کے لئے جس کو اس نے  
قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دیے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام آیات موجود ہیں جن کی ضرورت  
ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہیں، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا تاکہ اقوام اسلامی میں  
اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم مشورے کر سکیں، اپنی امت پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم  
کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی، قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنادیا کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ  
ہو جائے، قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بنا پر  
برتری حاصل ہے، اس بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا، جس کا مقصد قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے، مسلمانوں نے ایک  
مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہہ کر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لئے  
آسان کر دیا، نامسلمانوں کے لئے اسلامی ملکوں میں عیش و آرام اور امن و اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر  
لے لی کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے، تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے  
خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں، اس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے، عورت کا مرتبہ  
بلند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلے کے قوانین بنائے، بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا، علم کی  
اشاعت اور تعلیم اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہی، اس نے حکمت کو ایک مومن کا کم شدہ مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی  
ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا۔  
انگلتان کے مشہور دانشور ہارڈن کارلائل نے اپنے ہیروز اینڈ ہیرور شپ میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہب کے  
بانیوں میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہر و قرار دے، انسانیکو پیڈیا  
برٹانیکا کا مضمون نگار محمد آپ کی نسبت لکھتا ہے۔

”قرآن سے اس شخص کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے جو تمام نبیوں اور مذہبوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔“  
الغرض دوست و دشمن سب کو اس کا اعتراف ہے کہ انبیاء میں یہی برگزیدہ ہستی ہے جس نے کم سے کم مدت میں اپنی اہست  
اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی تکمیل اس کی تعلیم اور  
نہ لائن آف محمد، گولیو تھو حلا، ۳۴ مین مینو میں آپ دس برس زمرہ رہے تھے کہ انسانیکو پیڈیا برٹانیکا طبع یا درہم مضمون قرآن، ج ۱۵ ص ۵۹۸۔

عمل سے نہ ہو گئی ہو، اور یہ اس لئے کہ تمام انبیاء میں خاتم نبوت مکمل دین اور آخری معلم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی  
اگر انسان کی عملی و اخلاقی و دینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی  
کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی، حالانکہ آپ نے فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، میں نبوت کی عمارت کی  
آخری اینٹ ہوں، صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کوتاہ بینوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہ کے عہد میں بھی تعجب ہوا تھا، بعض مشرکوں  
نے حضرت سلمان فارسی سے مذاق کیا کہ تمہارے پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی بھی کرم کو قضا تے حاجت  
کیونکر کرنی چاہیے، حضرت سلمانؓ نے کہا ہاں یہ سچ ہے، آپ نے ہم کو یہ علم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بنیں نہ اپنے  
دو اپنے ہاتھ سے طہارت کریں اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں، جن میں کوئی جڑی اور کوئی برتن ہو، نبوت محمدی کی تعلیمات کی  
یہ ہمہ گیری ہی اس کی تکمیل کی دلیل ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پست سے پست اور غیر متمدن اقوام سے لے کر بلند سے بلند  
اور متمدن سے متمدن قوموں تک کے لئے کیساں تعلیمات اور ہدایات رکھتی ہے، عرب کے بدویوں اور قریش کے رئیسوں دونوں  
کے لئے آپ کی بعثت مسمیٰ، اس لئے آپ کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایات ہیں، آج بھی چیرنے  
کر افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تنہا جاتا ہے اور ان کو متمدن اور مذہب بنانے کے لئے مذہب سے باہر  
کسی تعلیم کی اس کو ضرورت پیش نہیں آتی ہے، لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات کو چھوڑ کر کہ جن کا ماخذ انجیل ہے، عقائد  
پادریوں کی کونسلوں سے دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے عکمرانوں سے اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں اور  
متمدنوں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں، لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ نہیں، عقائد ہوں کہ عبادات اور  
رعائیں، اخلاق ہوں کہ آداب تمدن، خانگی معاملات ہوں یا ملین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ  
سب کا ماخذ محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔

آپ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، چار ابواب پر منقسم ہے اور ان ہی کے مجموعہ  
کا نام اسلام ہے۔

آپ نے بتایا ہے کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ  
اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہہ کر اس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے  
غلاموں کے ساتھ یا یوں کہہ کر اس کا ایک رُخ تو آسمان کی طرف ہے اور دوسرا زمین کی سمت، اس کو ایک لگاؤ تو عالم غیب سے ہے  
اور دوسرا عالم شہود سے، پہلے کے ساتھ اس کا تعلق ایک مربیان، آقا اور فرمانبردار غلام کا ہے اور دوسروں کے ساتھ اس کا تعلق  
برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اس کا تعلق اگر صرف ہمارے  
ذہنی قوی اور قلبی حالات سے ہے تو اس کا نام عقیدہ ہے، اور اگر ان قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و  
جائیداد سے بھی ہے تو اس کا نام عبادت ہے، باہم انسانوں اور انسانوں میں یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ و  
رابطہ ہے، اس کی حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہیں، اگر ان کی حیثیت محض قانون کی ہے تو اس کا نام معاملہ ہے اور ان کی



میتیت قانون کی منہیں، بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اس کا نام اخلاق ہے۔

قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے، اور دوسرے تیسرے اور چوتھے کی بجا آوری کا نام عمل صالح ہے اور ان ہی دونوں کے مجموعہ پر کامل نجات کا انحصار ہے، عمل صالح کی تین قسمیں ہیں، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل، بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانون الہی کی پابندی، اور ان کے ساتھ محبت، العفت اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ، اور گو اس لحاظ سے کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جس میں خدا کی خوشنودی اور رحمانندی مقصود ہو، اسلام عبادت کہتا ہے لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے وہ ان ہی چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق، ان ہی کی اصلاح، تعلیم اور تکمیل کے لئے آپ کی بعثت ہوئی اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ہیں۔

★

## عقائد

**عقائد کی حقیقت اور اہمیت** انسان کے تمام افعال، اعمال اور حرکات کا محور اس کے خیالات میں ہی اس کو بناتے اور بگاڑتے ہیں، یہ عام خیالات درحقیقت اس کے چند پختہ، غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں، ان ہی اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں، یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے اور ان کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے، ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرک، ہمارے خیالات اور جذبات ہیں، اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال میں ان ہی چیزوں کی تعبیر ہم "دل" کے لفظ سے کرتے ہیں، اسلام کے مقلد نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا۔

الوان فی الجسد مضخة اذا وصلت صلح  
الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله  
انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا۔  
الودھی القلب (صحیح بخاری کتاب الایمان)

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں، سب سے پہلے قلب سلیم (سلامت دل) جو ہر گنہ سے پاک رہ کر باطن نجات اور سلامت روی کے راستہ پر چلتا ہے، دوسرا اس کے مقابل قلب اشیم (گنہگار دل) یہ وہ ہے جو گنہ گروں کی راہ اختیار کرتا ہے اور تیسرا قلب فتنین (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بے راہ بھی ہوتا ہے تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہوتا ہے، غرض یہ سب نیزنگیاں اسی ایک بے رنگ ہستی کی ہیں جس کا نام دل ہے، ہمارے تمام اعمال کا محرک، ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے، اسی بجاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا۔

انما الاعمال بالنیات (صحیح بخاری آغاز کتاب)  
تمام کاموں کا مدار نیت پر ہے۔  
اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں ادا فرمایا۔

انما امری ما نويت فعمل کانت  
هجرة الى دنیا یصیبها والی امر آتھینکھما  
ہر شخص کے کام کا ثمرہ وہی ہے جس کی وہ نیت کرے تو جس کی ہجرت کی غرض دنیا کا حصول یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہے تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت

(صحیح بخاری آغاز کتاب)  
کی (یعنی اس سے اس کو ثواب حاصل نہ ہوگا)  
آج کل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو براہین ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لئے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے اور انسان کے دل اور ارادہ پر اگر کوئی تیز مکران ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے، اب صحیح اور صالح عمل کے لئے قرآن پاک کی آیت میں یہ ہے **فَاِنَّكَ اَشِدُّ قَلْبًا** (بقرہ - ۳۹)



ضروری ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مشکوک یقین اور غیر متزلزل عقیدہ بن جائیں اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں ہم اپنے تمام کام انجام دیں۔

جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصول موضوعہ اور اصول متعارفہ کے مانے بغیر بن سکتی ہے ثابت ہو سکتی ہے اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح و درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کے لئے بھی چند مبادی اور چند اصول موضوعہ ہم پہلے نہ تسلیم کر لیں۔

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کے لئے ہم کو رہنما نظر آتی ہے لیکن غور سے دیکھو کہ ہماری عقل بھی آزاد نہیں، وہ ہمارے دلی یقین، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اس لئے اس کا ہر بغیر عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی خیالات، ذہنی رجحانات اور اندرونی جذبات پر قابو نہیں پاسکتے، اگر پاسکتے ہیں تو اپنے صحیح دلی یقینات اور چند مضبوط دعاغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ اسی وجہ سے کہ قرآن پاک نے ایمان کا ذکر ہمیشہ عمل صالح کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے اور ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ ایمان کے عدم سے دل کے ارادہ اور خصوصاً اس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے جس پر حسن عمل کا دار و مدار ہے، عبداللہ بن جبرعلی نے کہا جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کئے تھے مگر بائیس ہجرت تک تھا، اس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! عبداللہ بن جبرعلی نے جاہلیت میں جو نیکی کے کام کئے تھے کیا ان کا ثواب اس کو ملے گا؟ فرمایا نہیں اسے عائشہؓ! کیونکہ کسی دن آ نے یہ نہیں کہا کہ بار اللہ! میرے گناہوں کو قیامت میں بخش دے۔

ہر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جس کی بہادری کی دھوم مٹی حاضر ہو کر کہا کہ اے محمدؐ! میں بھی تمہاری طرف سے لڑنے کے لئے چلنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے۔ فرمایا کیا تم اللہ عزوجل اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا واپس جاؤ کہ میں اہل شرک سے مدد کا خواستگار نہیں۔ دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ ان کی فوج میں شریک ہو جائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ہے۔ اس نے پھر نفی میں جواب دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا کہ میں کسی مشرک سے مدد نہ لوں گا۔ غالباً مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپؐ کی بے نیازی کی کیفیت نے اس کے دل پر اثر کیا، قیسری دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی اور آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم کو خدا اور رسول پر ایمان ہے، تو اس نے اثبات میں جواب دیا اور نور اسلام سے منور ہو کر لڑائی کی صف میں رہنے لگا۔

قرآن پاک نے ان لوگوں کے کارناموں کی مثال جو ایمان سے محروم ہیں، اس واقعہ سے دی ہے جس کو ہوا کے جھونکے اٹا اٹا کر فنا کر دیتے ہیں اور ان کا کوئی وجود نہیں رہتا، اسی طرح اس شخص کے کام بھی جو ایمان سے محروم ہے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَهْمًا لِّبُحْرٍ كَرِيمٍ  
اَشْدَدَتْ يَوْمًا فِيْ يُوفِرُ عَاصِفٌ وَلَا يَعْدِرُونَ مِمَّا  
جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروں کا انکار کیا ان کے کاموں کی مثال را کہ کی ہے

كَبُورًا عَلَى شَيْءٍ مَّا ذَلِكْ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ (سورہ ابراہیم ۳) فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہی سب سے بڑی گمراہی ہے۔

سورہ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب سے دی گئی ہے کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَهْمًا لَّهُمْ كَسْرًا بِأَبْقِيَعَةٍ  
يَحْسَبُهُ السَّطَّانُ مَأْوًى حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَأَمْرٌ  
اور جنہوں نے خدا کا انکار کیا ان کے کام اس سراب کی طرح ہیں جو میدان میں ہو، جس کو پاسبان پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو وہاں کسی چیز کا وجود اس کو نظر نہ آئے۔

اس کی ایک اور مثال ایسی سخت تاریکی سے دی گئی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی نہیں دیتا اور جس میں ہوش حواس اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود ان سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے۔

أَوْ كَظُلُمٍ فِي بَعْضِ لَيْلٍ يُغْشَى مُنْجٍ قَبْرٍ  
فَوْقَهُ مُوْجٌ قَبْرٍ فَوْقَهُ سَحَابٌ مَّظْلُمٌ  
یا ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں سخت اندھیرا ہو، اس کے اوپر موج اور موج پر پھر موج اور اس کے اوپر بادل گھرا ہو، اندھیرے میں ایک کے اوپر ایک کہ اس میں ہاتھ نکالے تو وہ بھی سو جھائی نہ دے، جو کو خدا نے نور نہ دیا اس کے لئے نور نہیں۔

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح تخیل پر قائم نہیں ہو سکتی، اسی لئے ریا، نمائش اور خود غرضی کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دی جا سکتی، وہ کام جو گویا ہر نیکی ہوں لیکن نیکی کرنے والے کا ان سے اصلی مقصد نام و نمود پیدا کرنا ہوتا ہے تو اخلاقی نقطہ نظر سے تمام دنیا ان کو بے وقت اور بیچ سمجھتی ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کیا اور فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْغُوا صَدَقَاتِكُمْ  
بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِينَ يُنْفِقُ مَالَهُ  
رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَابٍ عَلَيْهِ  
تَرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا  
لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ وَلِي  
يُفْلِدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (البقرہ ۲۶۰)

اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو احسان رکھ کر اور کہنے دے کر اس طرح نہ برباد کرو، جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور غرور و جھوٹ کی جزا دیتا ہے، اور قیامت پر جس میں نیکیوں کی جزا ملے گی، یقین نہیں کرتا پس اس کی خیرات کی مثال اس چٹان جیسی ہے جس پر کچھ مٹی پڑی ہو، ذرا اس پر پانی برسا اور مٹی دھل کر بچھر گیا، جس پر جو کچھ بویا جاسے گا وہ اُگے گا نہیں اور خدا کا فریاد کہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

غرض ایمان ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے وہ ہماری سیرابی کا اصلی سرچشمہ ہے جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں رہتی، کیونکہ وہ دیکھنے میں تو کام معلوم ہوتے ہیں مگر روحانی اثر و فائدہ سے خالی اور بے نتیجہ ہوتے ہیں، خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضا مندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہے، یہ نہ ہوتا ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جاتیں، وہ ہمارے دل کا نور ہے وہ نہ ہو تو پوری زندگی تیرہ و تاریک نظر آئے اور ہمارے تمام کام کو



کی بنیاد پر یا، نمائش، جاہ پسندی، خود غرضی اور شہرت طلبی وغیرہ کے دل جذبات و دلست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہ جاتے۔  
توراة میں بعض عقیدوں کا ذکر ہے مگر ایمان کی حقیقت اور اس کی اہمیت کی تعلیم سے وہ خالی ہے، انجیل میں ایمان کی منزلت پر زور دیا گیا ہے، مگر اخلاق کی پجائی، اعمال کی راستی اور دل کے اخلاص کے لئے نہیں بلکہ معجزوں اور کرامتوں کے ظاہر کرنے کے لئے اور خوارقِ عادت پر قدرت اور اعتبار پانے کے لئے، اس کے برخلاف فلسفہ یونان کے بہت سے پیروؤں اور ہندو کے بہت سے مذہبوں نے محض ذہنی جولانی، مراقبہ، تصور، دھیان اور علم کو انسان کی نجات کا ذریعہ قرار دیا اور اخلاقِ عمل سے کوئی تعرض نہیں کیا، عیسائیوں، زردشتیوں اور برہمنوں نے عقائد کو یہ وسعت دی اور ان کی ایسی تفصیل کی کہ وہ سرتیبا خیالی فلسفہ بن گئے، جس سے تصویریتِ عملیت پر غالب آگئی اور انسانوں کے قواعد عمل سرد ہو گئے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے علم و عمل، تصور اور فعل، عقلیت اور عملیت میں لزوم ثابت کیا، مگر اصلی زور انسان کی عملیت پر صرف کیا اور عقائد کے لئے ہی حصہ کا یقین و اقرار ضروری قرار دیا جو دل کی اصلاح کرے اور عمل کی بنیاد، اخلاق و عبادت کی اساس قرار پائے، عقائد کے فلسفیانہ الجھاؤ اور تصورات و نظریات کی تشریح و تفصیل کر کے عملیت کو براہِ منہس کا چند سیرے سادے اصول جو تمام ذہنی پجائیوں اور واقعی حقیقتوں کا جوہر اور خلاصہ ہیں ان کا نام عقیدہ اور ان پر یقین کرنے کا نام ایمان رکھا، آپ نے صریح الفاظ میں عقائد کے صرف پانچ اصول تلقین کئے، خدا پر ایمان، خدا کے فرشتوں پر ایمان، خدا کے رسولوں پر ایمان، خدا کی کتابوں پر ایمان اور اعمال، جزا اور سزا کے دن پر ایمان۔

یہ تمام وہ حقائق ہیں جن پر دل سے یقین کرنا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ضروری ہے ان کے بغیر خالص عمل کا وجود نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس جہان کا تنها خالق اور مالک ہے اور ہر ظاہر و باطن سے آگاہ ہے تاکہ وہی ہمارے کاموں کا قبلہ مقصود قرار پائے اور اس کی رضا جوئی اور اس کی مرضی کی تعمیل ہمارے اعمال کی تنها غرض و غایت ہو اور ہم مملکت کے سوا غلوت میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں اور ہر نیکی کو اس لئے کریں اور ہر برائی سے اس لئے بچیں کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی اس کی مرضی ہے، اس طرح ہمارے اعمال، ناپاک اغراض اور ناجائز خواہشوں سے سبزا ہو کر خالص ہو سکیں اور جس طرح ہمارے جسمانی اعضاء ہوں سے پاک ہوں، ہمارے دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہی اور اس کے احکام اور اس کے پیغام کی پجائی پر دل سے ایسا یقین ہو کہ ہمارے ناپاک جذبات، ہمارے غلط استدلال، ہماری گمراہ خواہشیں بھی اس یقین میں تنگ اور جذب پیدا نہ کریں خدا کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے احکام اور ہدایت اور اس کی مرضی کا علم ان ہی کے واسطے سے انسانوں کو پہنچا ہے، اگر ان کی صداقت، پجائی اور راست بازی کو کوئی تسلیم نہ کرے تو پیغامِ بانی اور احکامِ الہی کی صداقت اور پجائی بھی مشکوک و مشتبہ ہو جائے اور انسانوں کے سامنے نیکی، نزاہت اور مصونیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے جو انسانوں کے قواعد عمل کی تحریک کا باعث بن سکے پھر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کاموں کے درمیان ہماری عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی محکوم ہے کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کے لئے نہیں ہوگی۔

خدا کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں، مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں، مخلوقات کو قانونِ الہی کے مطابق چلاتے ہیں اور ہمارے اعمال و افعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم لے منظر

اور ہر لحظہ لکھتے جاتے ہیں، تاکہ ہم کو ان کا اچھا یا بُرا معاوضہ مل سکے۔  
خدا کے احکام و ہدایت جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچاتے گئے ان کو دودھ دراز ملکوں اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ تحریری شکلوں یعنی کتابوں اور صحیفوں میں یا لفظ و آواز سے مرکب ہو کہ ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں، اس لئے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اورد جو کچھ ان میں ہے اس کی پجائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتوں کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جاتے اور ہمارے لئے نیکی و بدی کی تیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے جس پر تمام ادنیٰ و اعلیٰ، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکیں۔

اعمال کی باز پرس اور جواب دہی کا خطرہ نہ ہو، اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیا سے انسانیت سلا پڑدگی اور بحیثیت بن جاتے ہیں وہ عقیدہ ہے جو انسانوں کو مملکت و غلوت میں ان کی ذمہ داری محسوس کراتا ہے، اس لئے روز جزا اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے، اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے، بلکہ مکی وحی کی تلقین کا بیشتر حصہ اسی کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے۔

یہی پانچ باتیں اسلام کے ایمانیات کے اصلی عناصر ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ پر اس کے تمام رسولوں پر اس کی کتابوں پر اس کے فرشتوں پر اور روز جزا پر ایمان لانا، یہ عقائد غمگین کجا طور پر سورۃ بقرہ میں متعدد دفعہ کہیں مجل اور کس مفضل بیان ہوئے ہیں۔  
بَیِّنَاتٌ بِّیْنِیْ وَبَیْنِکُمْ فِی الدِّیْنِ ۚ لَئِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللہَ فَاتَّبِعُونِیْ ۙ وَأَطِیْعُوا أَمْرَ اللہِ وَاتَّبِعُوا أَمْرَ الرَّسُولِ ۚ وَأَطِیْعُوا أَمْرَ اللہِ وَاتَّبِعُوا أَمْرَ الرَّسُولِ ۚ  
وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ وَ مَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ (بقرہ-۱)

وَبَارِئُ خَلْقِکَ ۚ هُوَ یُفِیْقُکُمْ فِی الدِّیْنِ (بقرہ-۱)  
یہ تو سورہ کے آغاز کی آیتیں ہیں، سورہ کے بیچ میں پھر ارشاد ہوا۔  
وَالَّذِیْنَ آمَنُوا بِاللہِ وَآلِیَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَآلِیَوْمِ الْآخِرِ ۚ (بقرہ-۱۲)

سورہ کے آخر میں ہے۔  
أَمَّا الرَّسُولُ فَمَا أُنْزِلَ إِلَیْهِ مِنْ رَبِّهِ ۚ وَالْعَوِّمُونَ ۚ کُلٌّ آمَنَ بِاللہِ وَمَلٰئِکَتِہِ وَ کُتُبِہِ وَرُسُلِہِ (بقرہ-۱۳)

سورہ نسا میں ان ہی عقائد کی تعلیم ہے۔  
لَا یُؤْمِنُ الذِّیْنَ آمَنُوا بِاللہِ وَرُسُلِہِ ۚ وَالَّذِیْنَ آمَنُوا بِاللہِ وَرُسُلِہِ ۚ وَالَّذِیْنَ آمَنُوا بِاللہِ وَرُسُلِہِ ۚ وَالَّذِیْنَ آمَنُوا بِاللہِ وَرُسُلِہِ ۚ (نسا-۲۲)



# اللہ تعالیٰ پر ایمان امن بالله

ایک قادر مطلق اور بہرہ صفت موصوف ہستی پر یقین، اور اس کو ایک جاننا تعلیم محمدی کی پہلی ابجد ہے، اسلام سے پہلے جو مذاہب تھے باوجود اس کے کہ خدا کی توحید اور صفات پر ایمان رکھنا ان کے اصول میں بھی داخل تھا، مگر ان کی تعلیمات میں ترتیب مفقود تھی اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی نگاہ میں توحید کا مسئلہ اہمیت کے کس درجہ پر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس مسئلہ کی اہمیت محسوس کی اور اس کو اپنے نصاب درس کا پہلا سبق اور روحانی معارف و حقائق جماعی اور اعمال و اخلاق کا سر بنیاد قرار دیا، خدا اگر چاہے تو انسان کے تمام گناہوں سے درگزر کر سکتا ہے مگر کسی ایک حقیقت سے انکار وہ جرم ہے جس کو وہ کبھی معاف نہ فرمائے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (نساء - ۱۸)

یعنی خدا شرک کو معاف نہ کرے گا اور اس کے سوا جس کے جو گناہ چاہے معاف کر دے۔

پھر اسی کے ساتھ خالص توحید کا بیان، اسما و صفات کی تشریح، شرک کے ہر پہلو کی نفی اور توحید کے ہر پہلو کی تکمیل، تعلیم محمدی کی اقلیاتی شان ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ نبوت محمدی کی غرض و غایت صرف تخیل، نظریہ آرائی اور الہیاتی فلسفہ نہ تھا، بلکہ ایک زندہ قوم، جدوجہد اور عمل والی قوم، انھیں واثق اور یکتی و تقویٰ والی قوم کو پیدا کرنا تھا، اور اس کو تمام دنیا کی پیشوائی کے لئے نمونہ عمل بنانا تھا، اس لئے سب سے پہلے اہل عرب کو جو اس کے مخاطب اول تھے، رموز و اسرار توحید کا اس طرح حامل بنانا تھا کہ ان کے رگوں ریشہ میں دلولہ اور جوش کا ایک لڑ پیرا ہو جائے، اس کے لئے ضرورت تھی کہ سب سے پہلے زمین کو ہموار کیا جائے، شرک کے وہ تمام عقائد جو لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے ان کو مٹا دیا جائے اور جن وجہ اور اسباب سے شرک کے یہ عقائد پیدا ہوتے ہیں ان کی بیخ کنی کی جائے۔

**اصلاح عقائد** معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں جہالت اور وحشت کی وجہ سے سینکڑوں غلط عقائد اور توہمات پھیل گئے تھے اور دنیا کے دوسرے مذاہب کے عقائد میں بھی بہت سی غلطیاں داخل ہو گئی تھیں، ان میں سب سے زیادہ بڑا اور تمام برائیوں کا اصلی محور شرک تھا، اس لئے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح سے آغاز کیا۔

شرک اور بت پرستی کا اصلی زہ اسباب و موثرات کا وجود ہے، خدا نے عالم میں ایک سلسلہ اسباب قائم کر دیا ہے اور عالم کے تمام واقعات اسی سلسلہ کی کر دیاں ہیں، لیکن یہ تمام سلسلہ ایک قادر مطلق کے دست قدرت میں ہے اور اس سلسلہ کی ایک کڑی بھی اس کے اشارہ کے بغیر جنبش نہیں کر سکتی، شرک اس طرح شروع ہوتا ہے کہ پہلے انسان ان اسباب و علل میں سے بعض نمایاں اور قوی الاثر اسباب سے متاثر ہوتا ہے، "جرام فلکی کی عظمت، آفتاب و ماہتاب کی نور افشانی، سمندر کا پر زور تکاظم، عناصر کی نیزنگ آرائیاں، انسان کو مبہوت کر دیتی ہیں، وہ ان کی عظمت و تاثیر سے متاثر ہو کر منفعیل اور بالآخر ان کا غلام بن جاتا ہے، معتقد کے پہلے مرحلہ میں انسان غور و رمی کے دعویٰ سے اس قدر اقبیاز اور تفریق کرتا ہے کہ یہ چیزیں خود خدا یا معبود ہیں

ہیں، لیکن یہ تمیز آخر تک قائم نہیں رہتی بلکہ رفتہ رفتہ خوش اعتقادی کا اثر غالب آتا جاتا ہے اور یہ چیزیں خدا کی شریک بنتی جاتی ہیں یہاں تک کہ اصلی مسبب الاسباب نذر سے بالکل اوجھل ہو جاتا ہے۔

شرک کی جو گونا گوں صورتیں دنیا میں موجود ہیں اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استیصال کیا، ان کی تفصیل حسب ذیل (۱) دنیا کی مشہور قوموں میں سے عیسائی اور مجوسی علانیہ مشرک تھے یعنی تین اور دو خدا مانتے تھے، ہندو بھی اسی کے قریب قریب تھے، ان مذہبوں کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ خدا کے جو مختلف نمایاں اور اہم اوصاف ہیں، ان کا مستقل اور محترم وجود قائم ہو گیا، مثلاً صفت خلق اور احیاء و امات برہائش ہمیش کے نام سے موسوم ہیں، مجوسیوں نے دیکھا کہ دنیا میں جس قدر اشیاء اور افعال و حرکات ہیں سب باہم متضاد ہیں، نور و ظلمت، پستی و بلندی، یمن و شمال، نرم و سخت، رات دن، خیر و شر، علم و غصب، غرور و خاکاری، فسق و صلاح کوئی چیز مقابلہ اور تضاد سے خالی نہیں، اس لئے ایسے دو متضاد عالم کا خالق ایک نہیں ہو سکتا، اس بنا پر انہوں نے دو خدا تسلیم کئے اور ان کا نام یزدان اور اہرمین یا نور و ظلمت رکھا۔

قرآن مجید میں تمام احکام، نہایت تدریج کے ساتھ نازل ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ۱۳ برس کی وسیع مدت تک روزہ، زکوٰۃ اور حج کچھ فرض نہیں ہوا تھا لیکن شرک کا استیصال کلی نبوت کا پہلا سبق تھا۔

سورہ زمر مکہ میں نازل ہوئی اور اسی سورہ میں شرک کی تمام صورتیں مثالی گئیں، تمام دیگر سورتوں میں نہایت کثرت سے اس قسم کے شرک اور ابطال اور رد کیا ہے، اس لئے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

مجوسیوں کے شرک کی بنیاد اس پر تھی کہ افعال خیر و شر کا ایک خالق نہیں ہو سکتا، ورنہ لازم آئے گا کہ خدا شر کو پیدا کر لے گا اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص برائی کے پیدا ہونے کو جانتا رکھتا ہے وہ خود اچھا نہیں ہو سکتا، اس لئے قرآن مجید میں نہایت کثرت سے نصیحتات آئیں کہ تم کو ہم خیر و شر کہتے ہیں سب کا فاعل خدا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تصریح و تاکید کے ساتھ تعلیم کی کہ جو کچھ ہوتا ہے سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے، باقی یہ مسئلہ کہ بڑی چیز کا خالق اچھا نہیں ہو سکتا، اولاً تو یہ مغالطہ ہے، غلطی ہے، ایک صنّاع مصور اگر ایک نہایت بد صورت جانور کی تصویر نہایت اچھی کھینچے تو اس کے کمال مصوری پر اس سے کچھ خارج نہیں آئے گا کہ جانور خود بد را ہے، دوسرے یہ کہ اسلام نے اس مسئلہ کی جس اصلی گرو کو کھولا ہے وہ یہ ہے کہ اشیاء بذاتہ خیر و شر نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے صحیح یا غلط طریقہ استعمال سے خیر یا شر ہو جاتی ہیں، آگ بجائے خود خیر ہے نہ شر۔ اگر اس سے اچھا کام لیا جائے تو خیر ہے اور بُرا لیا جائے تو شر ہے۔ زہر نہ اچھا ہے نہ بُرا، اگر اس کو بیماریوں کے استیصال میں استعمال کیا جائے تو خیر ہے، ادا اگر کسی بے گناہ کے قتل میں استعمال کر دے تو شر ہے، اسی طرح دوسری اشیاء کے بھی خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں، نہ کوئی شے دنیا میں غیر مطلق ہے نہ کوئی شر محض، اسی لئے قرآن نے شر کی نسبت خدا کی طرف نہیں کی ہے بلکہ خود انسان کی طرف کی ہے۔

أَشْرَارُ يُدَبِّعْنَ فِي الْأَرْضِ أَهْلًا أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (رحمن - ۱)

ایا اہل زمین کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے پروردگار نے ان کو راہ پر لانا چاہا ہے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ لَدُنْهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ مُسِيئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ (نساء - ۱۱)

تجھ کو جو نیکی پہنچی تو وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو مصیبت پہنچی وہ خود تیری طرف سے ہے۔

کیا جب تم کو کوئی مصیبت پہنچی جس کی دو گئی تم ان کو پہنچا چکے ہو



قُلْتُوْا اِنِّي هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۚ  
 اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران - ۱۷۰)  
 ۲۳۰ تو تم نے کیا یہ کہاں سے آئی کہ دے کہ خود تمہاری طرف سے ہے  
 خدا ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔

انفرض کسی شے کا ایسا پیدا کرنا جس میں خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں، شر نہیں ہے، ان میں اس کے شر کے پہلو کو استعمال  
 کرنا احکام میں لانا شر ہے، اگر بہت سی بیماریوں کے لئے زہریلی دوا تیار بناتے ہیں مگر یہ شر نہیں، البتہ جب کوئی شریران  
 دواؤں سے ان امراض کے ازالہ کے بجائے کسی کی جان لے لیتا ہے تو وہ شر ہے، حاصل یہ کہ اس دنیا میں جب خیر و شر اشیا میں ملا  
 نہیں ہے تو بھی چیزوں کے لئے الگ اور بُری چیزوں کے لئے الگ خالق تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خالق ایک ہی ہے۔ وہ نہیں  
 وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَشْخِذُوْا اِلَیْهِنَّ اِنَّهِنَّ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ ۚ (آل عمران - ۱۷۱)  
 اور خدا نے کہا کہ دو خدا نہ بناؤ وہ ایک ہی خدا ہے تو بھی سے ڈرا  
 وَاجِدْہُمْ فَاِیَّآیْ فَاَرْهَبُوْنَ وَلَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَبَیْنُہُمَا ۚ (آل عمران - ۱۷۲)  
 اور اسی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

بزرگوں کی مشرکانہ تعظیم سے روکنا (۲۳) شرک کا بہت بڑا ذریعہ کسی خاص شخص، کسی خاص شے کی تعظیم مغرور ہے جس کو  
 کو کسی خوش اعتمادی نے آدمی سے خدا بنا دیا اس بنا پر قرآن مجید میں نہایت پر زور اور پر رعب الفاظ میں شخص پرستی کی تحقیر کی گئی  
 اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ اور خدا  
 کی نسبت وہی کو جو حق ہے، مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم صرف خدا کے  
 پیغمبر ہیں۔

مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں اور نہ مقرب فرشتوں  
 کو عار ہے، اور جس شخص کو خدا کی بندگی سے عار ہوگا اور بڑائی کا لے  
 گا تو خدا سب کو محقر کر دے حضور میں بلائے گا۔  
 وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم خدا ہیں کہ دو اگر خدا ہی ہوں  
 کہ مسیح بن مریم کو، اس کی ماں کو اور دنیا میں جو کچھ ہے سب کو براہ کرم  
 تو کہن ہے جو خدا کو روک لے اور خدا ہی کے لئے آسمان و زمین اور  
 جو چیزیں ان دونوں میں ہیں سب کی حکومت ہے وہ جو چاہے کرے  
 اور ظاہر و چھپا ہوا ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب خدا کے گا کہ کیوں عیسیٰ تم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ  
 خدا کو چھوڑ کر مجھ کو اور میری ماں کو خدا کہو، عیسیٰ عرض کریں گے کہ  
 سہماں اللہ میری یہ مجال کہ میں ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا  
 مجھے حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا تو تو جانتا ہوگا، تو میرے دل  
 کی بات جانتا ہے اور میں تیرے دل کی بات نہیں جانتا، تو بڑا عیب  
 ہے، میں نے لوگوں سے صرف یہ کہنا تھا جس کا حکم تو نے مجھ

۲۲۱ اَسْتَسْتَعِیْذُ بِہٖ اَلْبِ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ رَبَّکُمْ  
 وَرَبَّکُمْ (مائدہ - ۱۶)  
 کو دیا تھا یعنی یہ کہ خدا کی عبادت کرو، جو میرا بھی خدا ہے اور  
 تمہارا بھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جو اس کے کہ حاصل کون و مکان تھے، لیکن بار بار قرآن مجید میں تاکید آتی تھی۔  
 قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ فَاَنْتُمْ تَخْلُقُ الْاِلٰهَ اِنَّمَا اَنْتُمْ  
 الْاِلٰهُ الْوَاحِدُ (مائدہ - ۱۷)  
 میری طرف وہی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے۔  
 ایک خاص نکتہ حضور کے قابل ہے، جس قدر جلیل القدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان کے خاص خاص اہمیت میں مثلاً  
 حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے اور حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جو اس کے  
 کو اشرف انبیاء تھے، آپ کا کیا لقب تھا؟ اور کلمہ توحید میں، نماز میں، درود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ کیا  
 امتیازی وصف شامل کیا گیا؟ صرف رسالت اور عبدیت کا۔  
 اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدٌ لَا وَرَسُوْلَہٗ۔  
 میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندے اور رسول ہیں۔

اس میں بھی عبدیت کا وصف رسالت پر مقدم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بعض کفار کے حق میں دعا  
 بد کی اس پر یہ آیت اتری ہے۔  
 لَیْسَ لَکَ مِنْ اَمْرِ شَیْءٍ اَوْ یَتُوبَ عَلَیْہِمْ اَوْ  
 یُعَذِّبْہُمْ فَاَنْتَھُمْ ظٰلِمُوْنَ (آل عمران - ۱۷۳)  
 تم کو کچھ اختیار نہیں ہے، خدا چاہے گا تو ان پر توبہ کرے گا یا  
 ان کو عذاب دے گا کہ وہ ظالم ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض کفار کی ہدایت پانے اور اسلام قبول کرنے کے نہایت خوشنود تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی  
 اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَخْبَلْتَ (قصص - ۱۷)  
 تم جس کو چاہتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکتے۔  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کے لئے دعائے مغفرت کی، اس پر قرآن مجید میں آیا۔  
 اَسْتَغْفِرُ لَہُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَہُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرُ لَہُمْ  
 سَبْعَیْنِ مَرَّةً فَلَنْ یَغْفِرَ اللّٰہُ لَہُمْ (توبہ - ۱۸)  
 تم ان کے لئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو، اگر تم ان کے لئے ستر دفعہ  
 بھی مغفرت چاہو گے تو خدا ان کی مغفرت نہ کرے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہر موقع پر اس امر کی تاکید اور اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ لوگ آپ کی زامانہ اور  
 مروجہ نہ کریں جو منہج ہو کہ شرک تک پہنچ جاتے، بار بار فرماتے تھے۔  
 لَا تَطْرُقُ کَمَا طَرَقَ الْیَہُودُ  
 میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح یہود و نصاریٰ  
 نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا۔  
 ایک دفعہ آپ راستہ میں جا رہے تھے، ایک شخص نے دفعۃً آپ کو دیکھا اور اس پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا  
 آپ نے فرمایا ڈرو نہیں۔ میں ایک قریشی خاتون کا بیٹا ہوں، جو گوشت کو خشک کر کے کھایا کرتی تھی۔  
 شو عام کا وفد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگوں نے عرض کی کہ آپ ہمارے سید آقا ہیں  
 نہ بخاری غزوہ، حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے۔ یہ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ توبہ ہے بخاری جلد اول کتاب انبیاء  
 باب ذکر فی الکتاب مریم کے شاخ ترمذی و مت یک جلد ۳ ص ۴۰ علی شریک الشیخہ ۱۰۰ قد فرمے



۲۲۲  
آپ نے فرمایا، سید خدا ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ آپ ہم سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں، آپ نے فرمایا اچھا یہ کہو  
دیکھو کہ میں تم کو شیطان اپنا دکیل نہ بنائے، اصلی الفاظ یہ ہیں۔ قُولُوا لِقَوْلِهِمْ وَلَا يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ شَيْئًا مِّنْهُ  
ایک دفعہ ایک شخص نے ان الفاظ میں آپ کو مخاطب کیا "اے ہمارے آقا! اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں  
سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے فرزند! آپ نے فرمایا، لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تمہیں گمراہ دے، میں بعد اترے گا بڑا عظیم  
ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے، مجھے پسند نہیں کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ گے  
خود کو کہ رسول کی شان میں یہ الفاظ نہ جانتو نہیں، مگر توحید کو شرک کے ہر شائبہ سے بچانے کا خیال ہر خیال پر غالب تھا  
(۳) شرک کا اصلی ضرر یہ ہے کہ خدا سے انسان کو جس درجہ کا تعلق، جس قسم کا عجز و نیاز  
جس مرتبہ کی محبت، جس درجہ کی التجار کا ہے، اس کا رُخ دوسری جانب جہل جاتا

ہے، ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں، جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ دیوتا کائنات اور زمین و آسمان کے خالق نہیں ہیں، تاہم وہ ہر قسم کی  
 حاجتیں اور مرادیں ان ہی دیوتاؤں اور معبودوں سے مانگتے ہیں، ان ہی کو حاجت روا جانتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے ان ہی کا نام  
 لیتے ہیں، ان ہی پر غرور و نیاز چڑھاتے ہیں، غرض براہ راست ان کو جو تعلق ہوتا ہے ان ہی معبودوں سے ہوتا ہے، خود  
 مسلمانوں میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا طرز عمل انبیاء و صلحاء بلکہ مزارات کی نسبت اس کے قریب قریب ہے، اس بنا پر  
 مقدم ترین امر یہ ہے کہ معبودوں کی نسبت اس قسم کا خیال نہ پیدا ہونے پائے بلکہ صاف صاف بتا دیا جائے کہ خدا کے آگے  
 کسی کی کچھ نہیں چل سکتی اور اس کی مرضی میں کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے  
 طلب مغفرت کا وعدہ کیا تو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا  
لَا تَسْتَغْفِرُ لَكَ ذَنْبًا أَمْ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ (ممتحہ-۱)

میں آپ کے لئے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا لیکن مجھ کو  
خدا کے سامنے آپ کی نسبت کوئی اختیار نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی عبادت مانگی تھی، وہ نہیں ملی، البتہ  
درخواست ہوئی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کر لوں۔

قرآن مجید میں جب یہ آیت اتری۔ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ تَوَّابٌ لَّكَ لَوْ كُنْتَ كَرِيمًا  
فرمایا، اے قریشیو! اے اولاد عبد المطلب! اے عباس! اے صغیر! اے فاطمہ! میرے مال میں سے جو مانگو میں دے سکتا  
ہوں، لیکن خدا کے مال میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید میں نہایت کثرت اور نہایت تشدد کے ساتھ اس مضمون کو ادا کیا گیا کہ تم لوگ جن کو حاجت روا سمجھتے ہو  
جن سے حاجتیں مانگتے ہو، ان کو کارخانہ معیشت میں کسی قسم کا اختیار نہیں۔

قُلْ اذْعُوْا الَّذِيْنَ رَعَوْا مِنْ دُوْنِهِ فَلَا يَمْلِكُوْنَ  
کشف الغمض عنکمْ وَلَا تَحْزَنُوْا اُولَئِكَ  
کہ دو کہ خدا کے علاوہ تم جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری مصیبت  
کو ہٹانے یا بر لے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے، جن کو یہ لوگ

لے ادب المفرد امام بخاری باب من یقول سیدی والہود وکتاب الادب باب کما ہتہ التاج من مسند ابن مسعود جلد ۳ ص ۱۵۲ سے صحیح مسلم کتاب الحج  
یہ روایت اس آیت کی تفسیر میں تمام تفسیروں اور حدیث کی کتابوں میں منقول ہے۔

۲۲۳  
الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَسْتَعِزُّوْنَ اِلَى رَبِّهِمْ  
الْوَسِيْلَةَ اِيْلَهُمْ اَقْرَبُ وَيُجَوِّدُ رَحْمَتَهُ  
وَيَخَافُوْنَ عَذَابَ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ  
كَانَ مَخْذُوْلًا (سورہ نمل-۶)

پکارتے ہیں، وہ بھی زیادہ قرب حاصل کرنے کے لئے خود خدا  
کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار  
رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شبہ تیرے  
خدا کا عذاب ڈرنے ہی کے قابل ہے۔

(۴) شرک کا ایک بڑا ذریعہ خوارق عادات کی نسبت غلط فہمی ہے، جن اشخاص سے  
خوارق خدا کے حکم سے ہوتے ہیں، ان خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں، ان کی نسبت لوگوں کو پہلے یہ خیال آتا ہے کہ یہ خود  
خدا نہیں ہیں لیکن ان میں خدائی کا شائبہ ضرور ہے اور نہ ایسے افعال کیونکہ سرزد ہوتے جو قدرت انسانی سے بالاتر ہیں،  
یہ خیال رفتہ رفتہ دلونا اور اوقات تک ترقی کرتا ہے اور بالآخر خدائی تک پہنچا دیتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بنا پر  
آج چالیس کروڑ آدمیوں کے خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوتے ہیں اور یہ ان حضرات نبوت  
میں ہے تاہم یہ مسئلہ اسلام کے زمانہ تک مشتبہ اور مجمل رہا، قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل امور بیان کئے گئے ہیں۔  
(۱) معجزات صادر ہو سکتے ہیں، اور خدا اپنے مقبول بندوں کو معجزات عطا کرتا ہے۔

وَقَالُوا الْوَلَدُ ذُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰیَةً مِنْ رَبِّهِ قُلْ  
اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ يُنْزِلَ اٰیَةً وَلٰكِنْ  
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (الانعام-۳۷)

اور کفار کہتے ہیں کہ ان (آنحضرت) پر کوئی معجزہ خدا کے یہاں سے  
کیوں نہیں اترتا کہ دو کہ خدا اس پر قادر ہے کہ سورہ مائدہ نازل کرے  
لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔  
(۲) بارگوداس کے کفار کو معجزہ ملی سے روکا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ نبوت اور رسالت معجزہ پر موقوف نہیں۔

وَقَالُوا لَنْ نَبْرُدَّ اِلَیْهِمْ اَوْ نَكُوْنُ لَكَ جَنَّةً مِّنْ  
نَّحِيلٍ فَرَعْنَبُ فَنَفَّخْ جَزَاةً نَّهَارًا خَلَقْنَا الْعَجَلَ  
اَوْ تَقَطُّ السَّمَاءُ کَمَا رَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا  
اَوْ اَنَّا بِاللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ نَقْبِذُهُ اَوْ یَكُوْنُ  
لَكَ بَنَاتٌ مِّنْ رُّحُوْفٍ اَوْ تَرْفِقُ فِی السَّمَاءِ  
اَلَنْ تُوَفِّرَتْ رُوْقَّتُكَ حَتّٰی تُنْزِلَ عَلٰیْنَا  
لَبَنًا یَّعْرُوْهُ ذَمٌّ قُلْ مُبِحٰنٌ رَّبِّیْ هَٰذَا کُنْتُ اَدَّ  
بَشَرًا مِّنْ دُوْنِ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا (سورہ نمل-۱۰)

اور کفار کہتے ہیں کہ ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تم زمین  
سے چھڑ نہ نکال دو یا تمہارے پاس کھجوروں یا انگوروں کا  
باغ نہ ہو کہ جس کے بیج میں تم سہری جاری کر دو، یا آسمان کو  
ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گر دو، جیسا کہ تمہارا لگان  
تھا، یا خدا اور فرشتوں کو تمہارے سامنے نہ لے آؤ، یا تمہارا  
گھر سونے کا نہ بن جائے یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور ہم  
تو اس چڑھنے پر بھی یقین نہ لائیں گے جب تک ہم یہ کوئی  
کتاب نہ آمارو جس کو ہم خود پڑھیں، کہ دو کہ سمان اللہ میں تو  
صرف بشر ہوں اور رسول ہوں۔



(۱۲) جو معجزے اس آیت میں کفار نے طلب کئے وہ ناممکن باتیں نہ تھیں، تاہم خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جواب تلقین کیا، وہ یہ تھا کہ میں تو بشر ہوں، دوسری جگہ اس کا جواب یہ دیا کہ معجزے تو خدا کے پاس ہیں یعنی معجزے صادر ہوں گے تو یہ میرا فعل نہ ہوگا بلکہ خدا کا ہوگا۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَئِن كُنْتُ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۚ فَاذْكُرُوا الْيَوْمَ الَّذِي خَلَقْتُم مِّنْ تُرَابٍ ۚ فَمَا أَنتُم بَشَرٌ مِّنْ دُونِهَا فَذُكِّرُوا بِالْآيَاتِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ ۚ

اور کفار کہتے ہیں کہ ان را آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے خدا کے یہاں سے معجزے کیوں نہیں اترتے، کہہ دو کہ معجزے تو خدا کے ہاں ہیں اور میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں، کیا ان (کفار) کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر کتاب (قرآن) نازل کی جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے اس میں بے شبہ ایمان والوں کے لئے رحمت اور یاد رکھنے کی چیز ہے۔ (عنکوت - ۵)

اسی لئے معجزات کے ذکر میں ہمیشہ باذن اللہ (خدا کی اجازت) کے الفاظ استعمال ہوتے۔

(۱۶) شرک کی ایک قسم یہ تھی کہ انبیاء یا پیشوایان مذہبی کو تحریم و تحلیل کا مجاز سمجھتے تھے یعنی حرام و حلال کرنا خدا کا کام ہے وہ جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں اور جس چیز کو چاہیں حلال ٹھہرا دیں، قرآن مجید میں جب یہ آیت اتری۔

إِذَا خَلَا بِكُمْ ذُرِّيَّتُكُمْ وَلَمْ يَلِدْكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ ۚ

ان لوگوں نے اپنے بچے پیدا کیے اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔

حضرت عدیؓ نے جو مقام طائی کے فرزند اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم لوگ اپنے بچے یا اپنے مذہبی کو اپنا رب تو نہیں سمجھتے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم لوگوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ یہ لوگ جس چیز کو چاہیں حلال اور جس کو چاہیں حرام کر دیں، عرض کی کہ ہاں، آپ نے فرمایا یہی رب بنانا ہے۔ عموماً اہل مذاہب پیغمبروں کو شارح مستقل سمجھتے ہیں لیکن یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے، شریعت کی تائیس، حلال و حرام کی تعیین، جائز و ناجائز کی تفریق، امر و نہی کے احکام یہ سب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں، پیغمبر صرف مبلغ اور پیغام رساں اور تعلیم الہی سے ان احکام کے شایع اور بیان کرنے والے ہیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں ذات نبوی کی صفت رسالت کو بار بار تاکید اور اصرار کے ساتھ نایاں کیا گیا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مِّنْ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ يَدْعُو سُبْحَانَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ۚ ذِكْرُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ۚ

محمد تو صرف ایک رسول ہے، اس سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں۔

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ (نبا - ۱۲)

مریم کا بیٹا عیسیٰ اللہ کا صرف رسول تھا اس معجزے مقصود یہ ہے کہ انبیاء میں خدائی کی کوئی صفت نہیں ہوتی، بلکہ جو کچھ ان میں ہے وہ رسالت اور نبوت کے اوصاف ہیں

غیر خدا کی مشرک کا تعظیم (۱۷) شرک کا ایک بڑا ذریعہ یہ تھا کہ جو اعمال اور آداب خدا کے ساتھ مخصوص ہیں وہ اوروں کے ساتھ بھی برستے جلتے تھے، یہ اگرچہ شرک فی العبادۃ یا شرک فی الصفات ہے لیکن رفتہ رفتہ شرک فی الذات تک پہنچتا ہے، سجدہ عبادت خدا کے ساتھ مخصوص ہے لیکن کفار اور دیگر اہل مذاہب بتوں اور معبودوں کے ساتھ بھی عبادت کرتے تھے، اس کا ذکر کثیر آیت مذکور۔

دینی کو بھی سجدہ کرتے تھے، اور سلاطین و امراء کو تو سجدہ کرنا عام طور سے رائج تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے اس کو روکا، بنو اسرائیل میں سجدہ تعظیمی یا سجدہ سجدت جائز تھا، چنانچہ حضرت یوسفؑ کو ان کے والدین نے سجدہ کیا تھا، لیکن چونکہ اسلام میں توحید کو انتہائی کمال تک پہنچانا تھا، سجدہ تعظیمی بھی منع کر دیا گیا، ایک دفعہ ایک صحابی خدمت اقدس میں آئے اور عرض کی کہ میں نے اہل علم کو دیکھا ہے وہ اپنے رفیقوں کو سجدہ کرتے ہیں، آپ! اجازت دیں تو ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ نے فرمایا تو کیا میری قبر پر گزرو گے تو اس کو سجدہ کرو گے، عرض کی نہیں، فرمایا تو اب بھی نہ کرو، اگر میں کسی کو دوسرے کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، اسی طرح ایک اور صحابی ملک شام سے آئے تو آپ کو سجدہ کیا، آپ نے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ عرض کی کہ میں نے شام میں رومیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مذہبی افسروں کو سجدہ کرتے ہیں، تو میرا جی چاہا کہ میں بھی آپ کو سجدہ کروں، فرمایا ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو خدا کے سوا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(۱۸) شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ خدا کے ساتھ جو اوصاف مخصوص ہیں وہ اوروں میں تسلیم کئے جائیں صفات الہی کی توحید جس کا یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ وہ شرکت و صف کی بنا پر خدا کے شریک اور ہم سزین باتیں ان میں سے ایک وصف علم غیب ہے، اکثر اہل مذاہب اعتقاد رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء کو علم غیب ہوتا ہے، بنی اسرائیل کے زمانہ میں کاہنوں کا یہی کام تھا کہ وہ آئندہ واقعات کی پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے، کبھی فال سے، کبھی پلنے بھیک کر اور کبھی یہ ظاہر کر کے کہ ان کو جنات غیب کا حال بتا جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تاکید اور استقصاء کے ساتھ اس اعتقاد کو مٹایا اور علم غیب کی تمام صورتیں باطل کیں، خود قرآن مجید میں نہایت کثرت سے اس کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں۔

وَعِنْدَهُ الْغَيْبُ لَا يَلْعَلُهَا إِلَّا هُوَ (انعام - ۷)

اور خدا کے پاس غیب کی کُنیاں ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی اور فرمایا کہ محتاج غیب پانچ ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۱) حمل یعنی لڑکا ہو گا یا لڑکی۔

(۲) کل کیا ہو گا۔

(۳) بارش کب ہو گی۔

(۴) کس جگہ موت آئے گی۔

(۵) قیامت کب آئے گی۔

اگرچہ علم غیب کی اور بھی صورتیں ہیں لیکن زیادہ تر ان ہی امور کی نسبت لوگ علم غیب کے مدعی تھے اور ان ہی باتوں کو دیکھنے سے جاننے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

یہاں ہم کہ خود اپنی ذات سے بھی علم غیب کی نفی کی، ایک دفعہ ایک شادی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، انصار کی چند لڑکیاں گارہی تھیں، گاتے گاتے انہوں نے یہ گانا شروع کیا۔

لے ہوداؤ کتاب الکاح باب حق الزوج علی المرأة لے ابن ماجہ باب حق الزوج علی المرأة صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہیم میں تفصیل مذکور ہے۔











۲۳۰ مَا تَعْبُدُونَ إِلَّا لِيُقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى (زمر-۱۱) ہم ان کو اسی لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کے تقرب میں نزدیک کریں  
یہودیوں میں بھی اسی قسم کی دوسری غلط فہمی تھی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ بنی اسرائیل کا گھرانہ خدا کا خاص گنبد اور خاندان ہے  
اور ان کے خاندان کے پیغمبر اور نبی چونکہ خدا کے پیارے اور محبوب ہیں اس لئے ان کی اولاد اور نسل بھی دنیا اور آخرت میں یہی  
درجہ رکھتی ہے، اگر ان پر کوئی مصیبت بھی پڑے گی تو بھی ان کے خاندان کے بزرگ جو خدا کے مقرب اور برگزیدہ ہیں وہ  
ہر طرح ان کو اس سے بچالیں گے، ان کا دعویٰ تھا کہ  
نَحْنُ أَهْلُ اللَّهِ وَاجِبَاؤُهُ (مائدہ-۳) ہم خدا کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں۔

قرآن نے کہا۔  
بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ (مائدہ-۳۲)  
بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہو، یہ اسی کو غفیتا  
ہے جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے سزا دے۔  
لَنْ نَعْتَسَا النَّارَ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ (ال عمران-۳۰) ہم کو دوزخ صرف چند گنتی کے دن چھوڑ دے گی۔  
قرآن نے کہا۔

وَعَرْهُوَ فِي دِينِهِ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (ال عمران-۷۵) اور یہ اپنے دل سے بنا کر جو جھوٹ عقیدہ گھڑ چکے ہیں وہ ان کے  
مذہب کے بارے میں ان کو دھوکا دے رہا ہے۔  
جیسا توں کا عقیدہ یہ تھا اور ہے کہ باپ خدا نے تمام انسانوں کی طرف سے جو موزوں اور طبعی طور سے گنہگار ہیں اپنے اکلوتے  
بیٹے (حضرت عیسیٰ) کو قربانی دے کر ان کے گناہوں کا کفارہ دے دیا اور وہ گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے اور حضرت عیسیٰ اور ان کے بعد  
ان کے باقیین پوپوں کو گناہوں کے معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جو زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر کھول جائے گا، اسی لئے  
پوپوں کے سامنے اعتراض گناہ کا عقیدہ جیسا توں میں پیدا ہوا اور ان کو بندوں کے گناہوں کے معاف کرنے کا دنیا میں حق ملا۔  
پیغام محمدی نے ان کو طرز قرار دیا اور کہا۔

اتَّخِذُوا أَنْبَاءَهُمْ وَرُءُسَاءَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ (توبہ-۱)  
انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کو اپنا  
خدا بنا رکھا ہے۔  
اور اصول طور پر اس لئے یہ بتا دیا کہ۔  
وَمَنْ يَغْفِرْ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ (آل عمران-۱۳۰)  
ان کا عقیدہ تھا کہ بیشا قیامت کے دن باپ کے داہنے بازو پر برابر بیٹھ کر عدل و انصاف کرے گا، قرآن پاک نے  
ایک بڑے مؤثر طرز میں ان کی تردید کی ہے، قیامت کے دن خدا حضرت عیسیٰ سے پوچھے گا۔

مَا أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا مِنِّي آلِهَةً مِّنْ دُونِ اللَّهِ (مائدہ-۱۱۶)  
اے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھ کو  
اور میری ماں کو خدا بناؤ۔  
وہ کہیں گے بارالہ! میں نے تو ان سے وہی کہا تھا جو تو نے کہا تھا، میں نے تو ان کو یہ تعبیر نہیں دی تھی، میں نے

۲۳۱ تو ان سے یہی کہا تھا کہ صرف ایک خدا کو پوجو، اب۔  
إِن تَعْبُدُوا اللَّهَ فَاتَّخِذُوا عِبَادَ اللَّهِ وَإِن تَعْبُدُوا لَهَا فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (مائدہ-۱۱۷)  
اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو بخش دے تو  
تو سب کچھ کر سکتا ہے کہ تو غالب اور ملکت والا ہے۔  
اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں کی مغفرت اور معافی یا گناہوں پر سزا اور عذاب دینا صرف خدا کے ہاتھ میں  
ہے کسی دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

بت پرستوں عربوں کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ یہ دیوتا اور ان کے یہ بت خدا کی طرف سے دونوں عالم میں مختار ہیں،  
وہ یہاں دینے دینے کا، اور اس عالم میں بخشنے کا اختیار رکھتے ہیں، اس عقیدہ کا نام ان کے یہاں شفاعت تھا، اور یہ دیوتا ان  
کے شفیع تھے، قرآن مجید نے کفارہ غیر خدا کے اختیار و مغفرت اور بت پرستانہ طریقہ شفاعت کے عقائد بالملک کی ہر طرح تردید  
کی اور بتایا کہ یہ اختیار خدا کے سوا کسی اور کو نہیں، سب اس کی عظمت اور جلال کے سامنے عاجز اور درماہزہ ہیں۔  
وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (زخرف-۶۵)  
یہ کافر خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا  
اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ جس نے حق کی شہادت دی ہو  
وہ جانتے بھی ہیں۔

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا (مریم-۶۴)  
یہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے لیکن وہ جس نے رحم والے  
خدا سے اقرار لے لیا۔  
وَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهًا إِنِّي بَرَزْتُ  
الرَّحْمَنُ بَصِيرًا لَا تَعْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا  
وَلَا يَنْفَعُ دُونَهُ (یس-۲۰)  
کیا خدا برحق کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کو خدا بناؤں، اگر حق  
مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت مجھے ذرا بھی فائدہ  
نہیں پہنچا سکتی اور نہ وہ مجھے چھوڑا سکتے ہیں۔

کفار فرشتوں کو بھی اسی غرض سے پوجتے تھے، علم ہوا۔  
وَكُفِّرُوا مِنَ الْمَلَائِكَةِ فِي السَّمَوَاتِ لَا تَعْنِي شَفَاعَتُهُمْ  
شَيْئًا إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ لَعَنَ اللَّهُ لِمَن يُشْرِكْ  
وَيُؤْخَذُ (نجم-۱۲)  
اور کتے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی شفاعت کچھ فائدہ  
نہیں پہنچاتی لیکن اس کے بعد کہ اللہ اجازت دے جس کے  
لئے چاہے اور پسند کرے۔  
کیا ان کافروں نے خدا کے سوا کوئی شفیع بنایا ہے، اگر دے  
کہ اگر یہ کچھ اختیار اور سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں تو بھی! شفیع  
بخشنے کے قابل ہیں۔

خدا قیامت میں ان سے کہے گا۔  
وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُفُلِ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ  
أَنَّهُمْ فَنُكِّلُوا شُرَكَاءَ (الانعام-۱۱۰)  
اور ہم دیکھتے نہیں تمہارے ساتھ تمہارے ان شفیعوں کو جن کو تم  
سمجھتے تھے کہ وہ تمہاری ملکیت میں خدا کے ساتھ شریک ہیں۔  
اور جب قیامت قائم ہوگی تو مشرکین، امیر ہوں گے کہ جن کو وہ خدا کا  
ولیوم نعموم الساعۃ یبلیس المجرمون وکفولین



شریک کا بتاتے تھے ان میں سے کوئی ان کا شفیق نہ ہوا۔

لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ (روم-۲۰)  
خاص یہود کو مخاطب کر کے ان کے عقیدہ کی تردید میں کہا گیا۔

اسے فرزدان اسرائیل۔

اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی دوسرے کے خدا کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی شفاعت قبول کی جائے گا اور نہ کچھ اس کے بدلے میں لیا جائے گا اور نہ کوئی ان کو مدد پہنچائی جائے گی۔

يُكَلِّمُنَا أَرْسُلَ.....  
وَالْتَقُوا يَوْمَ لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا  
وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (بقرہ-۶)

پھر اسی معنی کی آیت اسی سورہ میں دوسری بگڑ ہے۔

اسے فرزدان اسرائیل.....

اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ قبول ہوگا اور نہ شفاعت فائدہ دے گی۔

يُكَلِّمُنَا أَرْسُلَ.....  
وَالْتَقُوا يَوْمَ لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةُ (بقرہ-۱۵)

اور اسی معنی میں مسلمانوں سے بھی کہا گیا کہ وہ عمل پیش کریں، شفاعت کے مجھوسے نہ رہیں۔

اسے مسلمانوں کو کچھ ہم نے تم کو روزی دے رکھی ہے اس میں سے کچھ خرچ کر دیا کرو اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہیں دیو ہے نہ دوستی ہے نہ شفاعت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِمَّنْ قَبْلَ أَنْ يَأْتِ يَوْمُ لَا بَنْعَ فِيهِ وَلَا خِلَافٌ وَلَا شَفَاعَةٌ (بقرہ-۲۴)

مومن آپ کے پیغام نے ان معنوں میں شفاعت کے عقیدہ باطل کی ہر جگہ تردید کی ہے اور اعلان کیا ہے کہ اس شفاعت کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔

کیا انہوں نے خدا کے سوا اور کوئی شفیق بنا رکھا ہے کہ دے کر گھرے ان کو کسی چیز کا اختیار نہ ہو، اور نہ ان کو سمجھ ہو تو بھی کہ دے کر شانت کا کل اختیار خدا ہی کو ہے، اسی کا راج آسمانوں اور زمین میں ہے، پھر اسی کی طرف تم لوٹنا چاہو گے۔

أَمْ آتَاخُذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلُوبًا أَمْ لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (زمر-۵)

اس آیت پاک نے کفار و مشرکین کے عقیدہ شفاعت کی قطعی طور سے تردید کی، دوسری آیت میں یہود و نصاریٰ کے عقیدہ شفاعت کا صرف اتنا حصہ تسلیم کیا کہ خدا کے نیک بندے اپنے دوسرے بھائیوں کے حق میں شفاعت کریں گے۔

اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جس کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، لیکن وہ جہنم میں حق کی گواہی دی اور وہ دانش رکھتے ہیں۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (زمر-۶)

دوسری جگہ اسی شہادت کو اقرار لینا کہا گیا ہے۔

یہ لوگ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے لیکن وہ جو خدا کے نزدیک

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ حِندًا

الرَّحْمَنُ عَزَّ وَجَلَّ (موم-۶)

لیکن اس شہادت حق اور حمد الہی کے باوجود اس اختیار کے استعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضامندی شرط ہے۔

إِمِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْ نَبِّ (یونس-۱۰)  
مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (بقرہ-۲۳)

اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی شفاعت ذرا بھی کام نہیں آ سکتی، البتہ اس کے بعد کہ خدا اجازت دے جس کو چاہے اور پسند کرے۔

یہ فرشتے اور روح کوئی خدا سے اس دن بات نہ کر سکے گا لیکن جس کو وہ دیکھ والا اجازت دے اللہ ٹھیک کہے۔

پھر یہ شفاعت بھی ان ہی لوگوں کے حق میں ہو سکے گی جن کے حق میں اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالحین کو اس کی اجازت دے گا فرمایا۔

اور شفاعت خدا کے نزدیک نفع نہ دے گی لیکن اس کے لئے جس کے لئے وہ شفاعت کی اجازت دے

اس دن شفاعت نفع نہ دے گی لیکن اس کو جس کے لئے خدا اجازت دے اور اس کے لئے بات نہ کرنا پسند کرے۔

بلکہ خود انبیاء علیہم السلام بھی سفارش ان ہی کی کریں گے جن کی سفارش خود خدا چاہے گا فرمایا۔

اور وہ شفاعت نہیں کریں گے لیکن اس کی جس کے لئے خدا اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور وہ اس کے خوف سے ترساں ہوں گے۔

پھر ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کے افراد کے لئے ازل ہی سے یہ اعلان عام ہو چکا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور شفاعت کا دروازہ بند ہے اور یہ وہ مجرم ہیں جن کے دل حق کی شہادت سے محروم ہو گئے۔

تو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی۔

انہوں (مشرکوں) کا نہ کوئی دوست (اس دن) ہوگا اور نہ کوئی شفیق جس کی بات مانی جائے۔

اور وہ بنیعب گروہ جس کے حق میں رحمت کا یہ دروازہ بند ہے گا، مشرکین میں جیسا کہ ذیل کی آیت سے ظاہر ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَهُ فَمَنْ لَكُمْ بِالشِّرْكَاءِ الَّذِينَ يَشْرُونَ دِينَهُمْ (موم-۱۸)

لَعَنَ اللَّهُ الشِّرْكَاءَ الَّذِينَ يَشْرُونَ دِينَهُمْ (موم-۱۸) ہے شک شرک بڑا ظلم ہے (صحیح بخاری ذکر لقمان ص ۸۸)۔



لیکن اب ایسی حالت میں جب کہ وہی شفاعت کر سکیں گے، جس کو اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دے گا اور وہ بھی ان ہی کی شفاعت کریں گے جن کی شفاعت کرنا خود خدا کو منظور ہوگا تو حقیقت میں خود اللہ تعالیٰ ہی اپنے دربار میں اپنا آپ شفیع ہوگا، یا صوفیاء اصطلاح میں یوں کہوں کہ جمال الہی کی بارگاہ میں اس کی صفت کریں ورحیمی خود شفیع بن کر کھڑی ہوگی اسی لئے ارشاد ہوا۔  
وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُخْشَوْا إِلَهُ  
وَنَبِّهْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ  
لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (الغاف-۵)

مَالِكُومِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (السجدہ-۱)

خدا کی اس صفت کریں ورحیمی کے منظر اس دنیا میں بھی عہد ہوں گے جو اس دنیا میں اس کے منظر بن کر رہے تھے اور وہ دنیا کرام ہیں کہ خدا کے رحم و کرم ہی کے سبب سے جو اس دنیا اور دنیا والوں کے ساتھ ہے، ان انبیاء کی بعثت ہوئی اور وہ اپنی ہی امت پر شاہد قرار پائے، اسی طرح خدا کی اجازت کے بعد اس دنیا میں بھی وہی خدا کے اس رحم و کرم اور فضل عظیم کے منظر قرار پائیں گے نیز رحمت کے فرشتے اور امت کے نیکو کار اور صالح افراد بھی جن کو رحمت الہی نے چنا ہوا، اس مذہب پر ممتاز ہو سکیں گے، خصوصاً سراب رحمت نبی جو اس دنیا میں رحمتہ للعالمین اور خدا کی صفت رحیمی کا منظر بن کر آیا۔

اجرام سماوی کی قدرت کا انکار  
بظاہر دنیا میں بہت سی باتیں آفتاب و ماہتاب کی گردش اور ان کے سبب سے اختلاف موسم کے اثرات سے ہوتی ہیں، اس لئے ستارہ پرست قوموں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ستاروں کی گردش کے اثر سے ہوتا ہے، یہی اعتقاد عرب کے مشرکوں میں بھی پھیلا تھا، وہ سورج اور چاند کو سجدے کرتے تھے، اسلام نے ان کو اس شرک سے روکا اور کہا۔

لَا تُسْجَدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (سورج اور چاند کو سجدے نہ کیا کرو۔)

اسی طرح وہ زمانہ کو دنیا کے کاروبار میں حقیقی موثر جانتے تھے اور یہ کہتے تھے۔  
وَمَا يُمْسِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (حاشیہ-۳)

ہم کو تو زمانہ مارتا ہے۔  
اسی کا اثر ہے کہ ہماری شاعری کی زبان میں فلک کج رفتار اور دہرنا ہنزار کی شکایت اب تک چلی جاتی ہے عرب کے مشرکین بھی اسی طرح بولا کرتے تھے، ان کو جب کوئی غلاب توقع تکلیف پہنچتی تھی تو زمانہ کی شکایت کیا کرتے تھے اور اس کو بُرا کہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا، اور فرمایا کہ زمانہ خود خدا ہے۔ اور فرمایا کہ خدا ارشاد فرماتا ہے کہ آدم کا جیسا مجھے تکلیف پہنچاتا ہے وہ زمانہ کو بُرا کہتا ہے، زمانہ نہیں ہوں، میرے ہاتھ میں تمام کام ہیں، میں شب و روز کا انقلاب کرتا ہوں، یعنی زمانہ کو جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا خالق سمجھ کر لوگ بُرا کہتے ہیں، حقیقت میں ان کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے، اسی لئے یہ گالی حقیقت میں خدا کو دی جاتی ہے۔

لے فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۴۴۱ کتاب الاسماء والصفات بیہقی صفحہ ۱۱۵۔ الا بادلہ صحیح مسلم الفاظ اب تہ صحیح بخاری تفسیر سورۃ  
حاشیہ کتاب الرد علی الجہلیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۶۔

۲۳۵  
اسی خیال کا یہ بھی اثر تھا کہ اہل عرب بارش کو پتھر کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ فلاں پتھر کے سبب سے ہم پر پانی برسایا گیا، حدیث میں کے موقع پر اتفاق سے رات کو بارش ہوتی، صبح کو نماز کے بعد آپ صحابہ کی طرف مخاطب ہوتے، فرمایا جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا، صحابہ نے عرض کی کہ خدا اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے، ارشاد ہوا، اس نے فرمایا آج صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مومن ہو کر اٹھے اور کچھ کافر ہو کر، جنہوں نے یہ کہا کہ خدا کے فضل و رحمت سے ہم پر پانی برسا وہ تو خدا پر ایمان لانے والے اور ستارہ کے انکار کرنے والے ہیں اور جنہوں نے یہ کہا کہ فلاں پتھر سے پانی ہم پر برسا تو وہ خدا کے انکار کرنے والے اور ستارہ پر ایمان لانے والے ہیں۔

سورج گرہن اور چاند گرہن کو بھی لوگ عظیم الشان واقعات اور انقلابات کی علامت سمجھتے تھے، کم و بیش دنیا کی تمام قوموں میں وہ آسمانی دیوتاؤں کے غیظ و غضب کے مظہر یقین کئے جاتے تھے، سلفہ میں اتفاق سے ایک دن سورج میں لکھن لگا اور اسی دن آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم نے وفات پائی، صحابہ نے خیال کیا کہ یہ سورج میں گرہن لگنے کا سبب حضرت ابراہیم کی موت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو تمام مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا اور ایک طبع خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں اس خیال کی تردید کی، فرمایا کسوف و خسوف (گرہن) کو کسی کے مرنے سے کوئی تعلق نہیں، یہی خدا کے لٹانوں میں سے ایک نشان ہے۔

۱۳۔ شرک کی ایک نہایت ہی باریک صورت یہ تھی کہ لوگ غیر خدا کی قسمیں کھاتے تھے۔  
غیر خدا کی قسم سے روکنا

قسم کھانے کے معنی حقیقت میں شہادت کے ہیں، جس کی قسم کھاتی جاتی ہے اس کو دراصل دافو پر گواہ بنایا جاتا ہے عربوں میں بت پرستی کے رواج کے باعث بتوں اور دیوتاؤں کی قسمیں کھاتی جاتی تھیں جو ہر گز کفر تھا، قریش اپنے دیوتاؤں و عزیزی کی قسمیں کھایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، لیکن رواج اعدائے کے باعث مسلمان ہونے کے بعد بھی بے اختیار ان کی زبان سے ان کی قسمیں نکل جاتی تھیں، آپ نے فرمایا کہ جس شخص کی زبان سے لات اور عزی کی قسم نکل جلتے تو وہ فاجر لا الا اللہ کہہ دے، یہ گویا اس کفر کے کلمہ سے توبہ ہے، قریش میں باپ کی قسم کھانے کا بھی رواج تھا، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو آپ نے باپ کی قسم کھاتے سنا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے منع کیا ہے کہ اپنے باپ کی قسم کھالو، جس کو قسم کھانی ہو وہ یا تو خدا کی قسم کھاتے در نہ چپ رہے، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ اس وقت سے آج تک میں نے نہ تو اپنی بات میں اور نہ کسی اور کی بات دہرانے میں کبھی باپ کی قسم کھانی، ماں کی قسم بھی لوگ کھایا کرتے تھے، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا، اسی طرح کعبہ کی بھی قسم لوگ کھایا کرتے تھے، اس پر ایک یہودی نے اگر مسلمانوں کو منع دیا کہ تم بھی شرک کرتے ہو، کعبہ کی قسم کھاتے ہو، آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ کعبہ نہیں بلکہ کعبہ کے مالے (خدا) کی قسم کھالو، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی کو کعبہ کی قسم کھاتے سنا تو اس کو منع کیا اور کہا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھاتی جاتے، میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس نے غیر خدا کی قسم کھانی اس نے کفر کیا، شرک کیا، دوسری روایت میں ہے کہ ہر وہ قسم جو غیر خدا کی کھاتی جاتے شرک ہے۔

لے صحیح بخاری باب الاستسقاء باب الذکر بعد الصلوۃ و صحیح مسلم کتاب الایمان تہ صحیح بخاری موطا کسوف تہ سنن نسائی کتاب الایمان والسنن  
لے یہ تمام واقعات صحیح بخاری صحیح مسلم، نسائی، کتاب الایمان میں مذکور ہیں، نسائی کتاب الایمان والذکر تہ جامع ترمذی، ابواب النذر والایمان و مستدرک  
حاکم ص ۱۸، کتاب الایمان تہ مستدرک بحوالہ مذکور۔



۲۳۶ خدا کی مشیت میں کوئی شریک نہیں | ۱۳۱ اکثر نیک لوگوں کی نسبت یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی مشیت، یعنی خدا کی مشیت ہے اس میں نہ صرف بر عقیدہ لوگ بلکہ اہل توحید بھی غلطی سے مبتلا ہو جاتے ہیں، انھیں صرف

طریقہ مسلم نے انسانوں کو اس دقیق غلطی سے بھی آگاہ کیا اور بتایا کہ دنیا میں مشیت صرف خدا کی ہے، اسی کی خواہش کے مطابق دنیا چل رہی ہے، تمام مشیتیں اور خواہشیں اسی کی مشیت اور خواہش کے ماتحت ہیں، اس کے ساتھ کسی مخلوق کی مشیت، عالم کے کاروبار میں شریک نہیں، لیکن لوگوں نے خدا کی مشیت کے ساتھ اوروں کی مشیت کو بھی شریک کر لیا تھا، توحید کامل کے مسئلہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کی سختی سے تردید کی، اور قرآن مجید نے جا بجا اس حقیقت کو واضح کیا کہ مشیت الہی کے علاوہ کوئی اور حقیقی مشیت نہیں، تمام دیگر مشیتیں اس کی تابع اور ماتحت ہیں، عقیدہ کی یہ غلطی اس قدر عام تھی کہ جو لوگ عقیدہ نہیں رکھتے تھے وہ بھی سلاطین، حکام اور بزرگوں کے ساتھ گفتگو میں یہ کہنا حسن ادب سمجھتے تھے کہ جو خدا ہے اور جو حضور جی ہیں، انھیں صرف صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرز کلام سے منع فرمایا، یہاں تک کہ خدا کی مشیت کے ساتھ برابری سے خود اپنی مشیت کے ذکر سے بھی صحابہ کو روکا اس قسم کا طرز کلام لوگوں کی زبان پر چڑھ گیا تھا، اس میں یہ تصحیح فرمائی کہ خدا اور غیر کی مشیت کے درمیان عطف کا فاؤرا اور نہ لایا جائے کہ اس سے برابری کا شائبہ نکلتے بلکہ پھر کالفاظ بولا جاتے تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی مشیت کے بعد اوروں کی مشیت کا درجہ ہے۔

نسائی میں ہے کہ ایک یہودی نے خدمت نبوی میں آکر مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ شرک کرتے ہو، کہتے ہو کہ جو خدا چاہے اور جو محمد چاہیں، آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا یوں کہو کہ وہ ایک ہے جو چاہے، پھر جو آپ چاہیں، یہی واقعہ ابن ماجہ میں اس طرح ہے کہ ایک صحابی نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک یہودی یا عیسائی ان سے کہہ رہا ہے کہ تم مسلمان جو ہے لپے لوگ ہوتے اگر شرک نہ کیا کرتے تم کہا کرتے ہو کہ خدا جو چاہے اور محمد جو چاہیں، ان صحابی نے خدمت اقدس میں آکر اپنا یہ خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا میں اس فقو کی برائی جانتا تھا، یوں کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو محمد چاہیں، البوداؤد میں بھی تعلیم اس واقعہ کی تقریب کے بغیر اس طرح مذکور ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ جو خدا چاہے اور جو فلاں چاہے، بلکہ یوں کہو کہ جو خدا چاہے پھر جو فلاں چاہے، لیکن ہم بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے کتاب الاسماء میں جو روایت کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی اور کی مشیت کا نام بھی نہ لینا چاہیے، ایک شخص نے خدمت والا میں حاضر ہو کر سلسلہ کلام میں کہا کہ جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں، ارشاد ہوا کہ تم نے خدا کا ہمسرا اور مقابل ٹھہرایا جو خدا تمنا چاہے، مَا شَاءَ اللَّهُ وَخُذْ

اس سلسلہ میں یہاں تک اہتمام نظر تھا کہ اس سے بھی منع فرمایا کہ خدا اور رسول کی طرف ایک منبر پر کر ایک فعل لایا جائے بلکہ یہ سمجھا جائے کہ خدا اور رسول کا درجہ برابر برابر ہے، ایک دفعہ آپ کے سامنے کسی شخص نے خلیجہ کے آٹنا میں یہ فقرہ کہا، جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی، یہاں تک اس نے کہا تھا کہ آپ نے اس کو روک دیا اور فرمایا اٹھ جاؤ تم بڑے خلیجہ جو آپ نے آرزو کی کا خدا اس لئے فرمایا کہ ان دونوں کو ساتھ کہنے سے سامعین پر یہ اثر پڑے کہ خدا کی اور رسول کی نافرمانی کا حکم برابر ہے اور اس میں شرک کا شائبہ ہے، اس لئے خطیب کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ اور جو خدا کی اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ..... جیسا کہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے، اور ماثورہ خطیوں میں بھی منقول ہے۔

۱۴۱ سنائی کتاب الاماکن والسنن رحمہ ابن ماجہ کتاب السنن رحمہ ابو داؤد کتاب الادب باب لا تقولوا غیبت لخصی لہ ادب المفرد امام بخاری ص ۱۰۰۰ معذرتاً، کا روئے منقذات امام بیہقی صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ الزاہد

۲۳۷ مشبہات شرک کی ممانعت | ۱۵۱ سن باتوں میں شرک کا ذرا بھی شائبہ پایا جاتا تھا، ان سے بالکل منع کر دیا، لوگ اولاد کا نام آقا

ارشاد ہوا کہ بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں، اہل علم اپنے سلاطین کو شائشا یعنی تمام بادشاہوں کا بادشاہ کہتے تھے جو عوام میں شرک کا احتمال تھا، انھیں نے فرمایا کہ یہ نام خدا کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اس شخص پر اللہ کا بے حد غضب ہوا جس نے اپنے کو شائشا کہا، خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں (عالم فی المستدرک ص ۲۵۵ ج ۲)

غلاموں کو لوگ عبد یعنی بندہ کہتے تھے، حالانکہ انسان خدا کا بندہ ہے آدمیوں کا نہیں، اسی طرح غلام اپنے مالک کو رب کہتے تھے حالانکہ رب خدا ہے، اس بناء پر انھیں صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعاً منع فرمایا کہ کوئی شخص غلام کو عبد یعنی بندہ نہ کہنے پڑے، بلکہ یوں کہے کہ میرا بچہ یا بچہ اور اسی طرح غلام اور باندیاں اپنے آقا کو رب نہ کہیں، مالک کہیں کہ تم سب غلام ہو اور رب اللہ ہے، اہل ایک صحابی نے بھی جن کی کنیت ابو الکھم تھی، وہ جب خدمت اقدس میں اپنی قوم کے ساتھ آئے تو آپ سے فرمایا کہ حکم خدا کا ہے اور خدا ہی حکم دینے والا ہے، تم کو لوگ ابو الکھم کہیں کہتے ہیں، عرض کی کہ میرے قبیلہ میں جب کوئی نزاع ہوتی ہے تو لوگ مجھ کو حکم یعنی ثالث بلاتے ہیں اور میں جو فیصلہ کرتا ہوں اس کو سب تسلیم کر لیتے ہیں، آپ نے فرمایا، تمہارے بچوں کے کیا نام ہیں، بولے شریح، سلم، عبد اللہ، آپ نے پوچھا، سب میں بڑا کون ہے، عرض کی، شریح، فرمایا تو تمہاری کنیت ابو شریح ہے۔

اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی بڑا کام کرتے ہیں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں، گویا اس نے برائی کرائی، ایک دفعہ ایک صاحب انھیں کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے، گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، انہوں نے کہا شیطان کا بڑا ہوا، آپ نے فرمایا یوں نہ کہو، درجہ شیطان غرور سے بھول جاتے گا اور کہے گا، میری قوت سے یہ ہوا، خدا کا نام لو، تو شیطان دب کر مکھی کے برابر ہو جائے گا۔

تصویر بنانے سے سخت منع کیا، اس کی یہی وجہ تھی کہ اول اول لوگ کسی بزرگ اور مقتدر کی تصویر گہریں رکھتے تھے تو محبت یا یادگار کے طور پر رکھتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ ان ہی تصویروں کی پرستش ہونے لگتی تھی، چنانچہ ہندوؤں اور رومن کی شکل عیسائیوں میں اسی طرح تصویر پرستی اور اس سے بڑھ کر بت پرستی کا رواج ہوا، اس بناء پر انھیں صلی اللہ علیہ وسلم نے سوسے سے تصویر کھینچنے سے منع فرمایا۔

۱۶۱ شرک کا بڑا ذریعہ قبر پرستی اور یادگار پرستی ہے، قبروں اور یادگاروں کو لوگ عبادت بنالیتے ہیں سالانہ جمع کرتے ہیں، درود اور سفر کے آتے ہیں، قبروں پر سجدہ بناتے ہیں، فقیہ ہانتے ہیں، انہیں چڑھاتے ہیں، انھیں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام افعال سے منع کیا ہے، وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا کہ تم سے ہے لوگ قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے، دیکھو میں تم کو منع کرتا ہوں کہ قبروں کو مسجد نہ بنانا، عین وفات کے وقت چہرہ سے چادر لٹا دی اور فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔

۱۷۱ یہ توحید کے متعلق وہ اصلاحات تھیں جن کا تعلق زیادہ تر اعمال اور روزمرہ لایا اور عدم اخلاص بھی معنوی شرک ہے | کی بول چال سے تھا، لیکن حقیقی اصلاح جس سے توحید کی تکمیل ہوتی ہے وہ قلب و روح کی توحید ہے، انسان کے تمام کاموں کا کوئی نہ کوئی نفسیاتی محرک ہوتا ہے، کوئی طلبِ شہرت کے لئے کام کرتا ہے، کوئی دنیاوی

۱۸۱ ابو داؤد کتاب الادب باب تفسیر اسماء ابو داؤد کتاب الادب باب الکفر وخذوا منک لہ ابو داؤد کتاب الادب باب تفسیر الام







## توحید

اور

## اس کے ایجابی اصول و ارکان

یہ تو توحید کے سببی اجزاء تھے، یعنی توحید کے مخالف عقائد و خیالات کی نفی اور تردید، لیکن نبوت محمدی کا نام اس سے اہم اور بالاتر ہے، اور وہ توحید کی اصل بنیاد کی استواری، اس کے اصول کی تعمین، امور ایمان کی تفصیل اور اس کے اجزاء کی تکمیل ہے۔ عرب میں شرک ربت پرستی بھی متنی اور کہیں کہیں آسمانی مذاہب کی محرف صورتیں بھی موجود تھیں، مگر ایک صحیح مذہب کا تخیل ان کے سامنے مطلق نہ تھا، اس بنا پر عقائد اور ایمان کی کوئی صحیح اور مرتب صورت بھی ان کے ذہن میں نہیں ہو سکتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام پچھلے غرافات اور اوہام کو جن کو دین کا درجہ دے دیا گیا تھا، ایک قلم محو کر دیا، بت پرستی، بت پرستی، فرشتہ پرستی، ستارہ پرستی، فطرت پرستی، انسان پرستی، غرض شرک کی تمام صورتیں قطعاً مٹا دیں، اور ان کی جگہ مرتب، متیقن، بنجیدہ حقائق اور سچائیوں سے معمور چہرہ عقائد کی تعلیم دی، جو انسان کے تمام اعمال اور اخلاق کا بنیادی پتھر بنے۔

**اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل** | اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز خدا کی ہستی کا یقین اور پھر اس کی توحید پر ایمان ہے، دنیا میں جتنے پیغمبر آئے ان میں سے ہر ایک نے اس قادر مطلق کی طرف لوگوں کو دعوت دی مگر یہ دعوت ان کے ایک مسلم دعویٰ کی حیثیت سے تھی، انہوں نے اس دعویٰ کو دلائل کا محتاج نہ سمجھا اور حقیقت میں جن نامحدود زمانوں میں قوموں کے لئے ان کی بعثت ہوئی، ان میں دلیل اور برہان کی ضرورت بھی رہی، کیونکہ ان زمانوں میں بت پرستی، ستارہ پرستی اور فطرت پرستی کا رواج تھا، ان کا وجود نہ تھا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عمومی تھی، جو آخری زمانہ تک کے لئے اور تمام قوموں کے لئے تھی، اور علم انہی میں یہ تھا کہ بعثت محمدی کے بعد عقل انسانی تحقیق و تامل کے آخری مراحل طے کرنا چاہے گی، اور قدرت کے سرمہر خزانے وقف عام ہوں گے اور عقلیت کا دور دورہ ہوگا اور ہر شے دلیل و ثبوت کی محتاج قرار پائے گی، اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل و براہین ثبوت اور غوامہ کی بھی تلقین کی گئی۔

ایک اور سبب یہ ہے کہ انبیائے سابقین صرف اپنی قوموں کی دعوت پر مامور ہوتے تھے، جن میں مشرکین کا وجود تھا، طہدین کا نہ تھا، لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام طبقات اور قوموں کے لئے ہوئی، اس لئے آپ کی دعوت میں یہ صاف نظر آتا ہے کہ آپ انسانی عقل کی ہر صفت کو مخاطب کر رہے ہیں اور اس کے معیار اور سطح کے مطابق اس قادر مطلق کی ہستی اور وجود پر دلیل بھی پیش کر رہے ہیں، اس لئے آپ نے دوسرے پیغمبروں کی طرح صرف مشرکوں کو مخاطب نہیں فرمایا، بلکہ مشرکوں، کافروں، طہدوں، مشرکوں، دہریوں، ہر ایک کو مخاطب فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کی تسکین و تسفی کا سامان ہم پہنچایا۔

ایک قادر مطلق، خالق عالم اور صالح کائنات کی ہستی کے ثبوت اور انکار پر جب سے فلسفہ کا وجود ہے ہمیشہ بحثیں پیدا ہوتی ہیں اور

دلیل پیش کی جاتی رہی ہیں، مصر، یونان، ہندوستان، اسلامی ممالک اور آج یورپ میں بھی اس مسئلہ پر عقائد زمانہ نے اپنی ہمت ڈھکی، نہکتہ رسی اور دقیقہ فہمی کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے، مگر غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ دلائل کی زبان اور طرز الجیر میں کوتاہی ہوتی رہی ہے، مگر اصل مغز سخن صرف ایک ہے، اس بنا پر محمدی نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر جو دلیل قائم کی اس میں اسی مغز کو لے لیا ہے اور نہایت مؤثر طرز ادا میں اس کو بار بار دہرایا اور انسانوں کو متنبہ کیا ہے۔

محمدی کا سب سے پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اس ایک قادر مطلق، خالق عالم اور صالح کائنات، ہستی کا اعتراف انسان کی فطرت میں داخل ہے، تمدن سے تمدن اور وحشی سے وحشی قوم میں بھی اس اعتراف کا سراغ ملتا ہے، آثار قدیمہ کی تحقیقات نے سینکڑوں مردہ اور گمنام قوموں کی تاریخ کا سراغ لگایا، جن میں سامان تمدن، اعلیٰ خیالات اور علوم کی لاکھ کی محسوس ہوتی ہوئی مذہبی عقیدت اور کسی خدا کے اعتراف کی کمی بالکل نظر نہیں آتی، ان کی عمارتوں کے منہم کنڈروں میں جو چیز سب سے پہلے ملتی ہے وہ کسی مجسم کی چہار دیواری ہوتی ہے، آج بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں جو بالکل وحشی قومیں ملتی ہیں، وہ بھی کسی کی شکل میں عالم کے خالق اور کائنات کے صالح کے تخیل سے بہرہ ور ہیں، غرض جماعت انسانی کا کوئی حصہ زمین کا کوئی گوشہ، زمانہ کا کوئی حصہ اس تخیل سے غالی نہیں ملتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراف بھی انسان کے فطری تصورات اور وجدانی جذبات میں داخل ہے، اسی لئے محمدی نے اس کو فطرت سے تعبیر کیا ہے۔

اپنا سبب حق سے پھر کر، دین کی طرف کر، یہ خدا کی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا، خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں، یہی سیرھا اور ٹھیک دین ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

ہر سچے فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

اسی لئے خدا کا اعتراف روزِ ازل کا وہ عہد و پیمان ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان ہوا تھا، اور یہ اسی عہد و پیمان کا احساس ہے جو انسان کی رگ و پے میں سرایت کے ہوئے ہے کہ ہزار انکار کے بعد بھی کسی نہ کسی رنگ میں وہ اعتراف نمایاں ہو جاتا ہے۔

قرآن نے اس واقعہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

اور جب تیرے خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی نسل کو لیا اور خود ان کو ان ہی پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا: ہاں ہم گواہ ہیں۔

انسان کا یہ جذبہ فطرت کبھی کبھی خارجی اثرات سے دب جاتا ہے، محمدی نے بار بار انسان کے اسی دبے ہوئے جذبہ کو ابھارا ہے اور اسی زیر خاکستر آگ کو ہوا دی ہے اور انسان کو اس کا بھولا ہوا وعدہ یاد دلایا ہے، وہ انسانوں سے پوچھتی ہے۔

اَفِی اللّٰهِ مَشْکٌ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالدَّرَجِیْنَ (براہیم ۲)

ایک اور مقام پر اس نے کہا۔

لے صحیح بخاری کتاب الایمان



۲۴۲  
 اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ  
 اَمْ خُلِقُوا السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا  
 يُوقِنُونَ (سورہ ۱۰)

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے یا وہی اپنے آپ خالق ہیں یا انہوں نے  
 آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے (کوئی بات نہیں) بلکہ ان کو

یقین نہیں ہے۔  
 دنیا اور کائنات جس میں انسان بھی شامل ہے اور جو اپنی عقل اور فہم کی بنا پر سب سے بالاتر ہے بہر حال موجود ہے اور  
 اس کے اس وجود میں کوئی شک بھی نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ کس کے بنائے وہ آپ سے آپ بن گئی ہے، یا خود اس  
 نے اپنے آپ کو بنا لیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں، نہ آپ سے آپ کوئی چیز بن سکتی اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل  
 آپ ہو سکتا ہے، اگر کوئی بے وقوف یہ کہے کہ زود مادہ کل کر اپنا بچہ پیدا کرتے ہیں تو اس سے پوچھا جائے گا کہ سلسلہ توالد و تولد کا  
 آغاز کیونکر ہوا، اور اولین زود مادہ کا اور مادہ تخلیق و روح کا خالق کون ہے۔

یہ گونا گوں عالم یہ رنگارنگ کائنات، یہ تاروں بھرا آسمان، یہ بوقلموں زمین، یہ سورج، یہ چاند، یہ درخت، یہ سمندر، یہ پہاڑ،  
 لاکھوں جاندار اور بے جان اشیاء، یہ علل و اسباب کا تسلسل، یہ تغیر و انقلاب کا نظام، یہ کائنات کا نظم اور اس کے ذرہ ذرہ کا قاعدہ و  
 قانون، انسان کے اندرونی قوی اور ان کی باہمی ترتیب، موت و حیات کے اسرار، خواص و قوی کے رموز، انسان کی خیالی خبر و آواز  
 اور عملی مجر و در ماندگی، یہ تمام باتیں ایک خالق و صالح کے معترف پر مجبور کرتی ہیں، یہ نیلگوں آسمان کی جھست، یہ زمین کا سبز و زار  
 فرش اور ایک ہی حرکت سے شب و روز کا انقلاب ایک خالق کل کا پتہ دیتا ہے۔

اِنَّ فِيْ خُلُقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاٰخِلَاتِ الْاَلْوٰلِ  
 وَالْاٰخِرِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِیْ الْاَلْبَابِ (آل عمران ۱۰)

عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں  
 یہ شب و روز کا نور و ظلمت، یہ سورج اور چاند کی روشنی، ان کی مقررہ رفتار، اور باقاعدہ طلوع و غروب اس کی دلیل ہے کہ

اس اہل قیام پر کوئی سوار ہے جس کے ہاتھ میں اس کا سیاہ و سپید ہے۔  
 وَمِنْ اٰیٰتِہِ الْاَلْوٰلِ وَالْاٰخِرِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (فصل ۱۰)  
 اور اس کی نشانیوں میں سے رات، دن اور سورج اور چاند ہیں۔  
 آسمان اور زمین کی پیدائش، دن اور رات کا الٹ پھیر، تو ہے، دیکھو کہ خطرناک سمندروں میں کس طرح لوگ ایک جگہ سے دوسرے  
 ملک کو تجارت کا سامان لے کر دوڑتے پھرتے ہیں، اگر پانی میں مٹی کا اور لوہے کا ذرہ بھی ڈالو تو فوراً ڈوب جائے گا، مگر یہ لاکھوں  
 من کے لہے ہوتے جہاز کیسے پھول کی طرح پانی پر تیر رہے ہیں، جس طرح فطری قاعدہ کے بموجب یہ عمل ظہور میں آ رہا ہے وہ جس  
 کے حکم سے بنا ہے اس کا گنا بڑا احسان ہے، پھر ان سمندروں سے بنی رات اٹھتے ہیں، وہ اوپر جا کر بادل بنتے ہیں، اور وہ دیں  
 پہنچ کر برستے ہیں، جہاں پیداوار اور زمین کی نشوونما کی حاجت ہے اور پھر وہ بادل ہواؤں کے تحت پر مہیڈ کر کیسا دھواں دھرت  
 کے مطابق اڑتے پھرتے ہیں۔

اِنَّ فِيْ خُلُقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالاٰخِلَاتِ الْاَلْوٰلِ  
 وَالْاٰخِرِ وَالْفُلُکَ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا  
 یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ  
 مَّاءٍ فَاحْیَاہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا وَبَشَیْ

بے شمار آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے الٹ پھیر  
 میں اور ان جہازوں میں جو انسانوں کے لئے فائدہ رساں سا  
 لے کر سمندر میں چلتے ہیں اور آسمان سے اس کے پانی برسلنے میں  
 اور پھر اس پانی کے ذریعہ مریض زمین کو زندہ کیجئے ہیں

۲۴۳  
 لَیْسَ مِنْہُمْ اِلٰہٌ دَابَّةٌ وَّلَیْسَ لَیْلِ السَّیِّا  
 وَالسَّجَابِ الْعَسْخَرِ بَدِیْءُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
 لَا یَتْلُوْنَ الْقُرْاٰنَ یَعْقِلُوْنَ

(بقرہ ۲۰)  
 آسمان اور زمین کی عجیب و غریب خلقت کے ساتھ خود انسان کی اپنی پیدائش کی حکایت کتنی عجیب ہے۔  
 اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰقِلِیْنَ  
 وَفِیْ خُلُقِکُمْ وَمَا یَنْبِئُکُمْ مِنْ دَابَّةٍ اِلٰی  
 الْقُرْاٰنَ یُوقِنُوْنَ (جاثیہ ۱)

سورہ انعام میں نباتات اور ان کی نیرنگیوں کو اپنی ہستی کی دلیل میں پیش کیا، یہ کہتے تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی زمین  
 ہے جس میں سے وہ اگتے ہیں، ایک ہی پانی ہے جس سے وہ سینچے جلتے ہیں، ایک ہی ہوا ہے جس سے وہ سانس لیتے ہیں مگر  
 کتنے رنگ برنگ کے پھل، پھول، میوے اور درخت لگتے ہیں جن میں سے ہر ایک کا رنگ، ہر ایک کا مزہ، ہر ایک کی پتی، ہر  
 ایک کا قد و قامت، ہر ایک کے خواص اور فائدے، دوسرے سے بالکل الگ ہوتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَخُضِّیْ  
 نَبَاتٌ کُلِّ شَیْءٍ فَخُضِّیْ نَبَاتٌ کُلِّ شَیْءٍ فَخُضِّیْ  
 حَبًا مَّتَّکًا، وَمِنْ السَّخْلِ مِنْ طَلْعِہَا قَتْنٌ وَّلَیْلِ  
 وَجَنَّتْ مِنْ اَعْنَابٍ وَّلَزِیْعُونَ وَّلَیْلِ مَآءٍ مُّشْتَبٰہٍ  
 وَغَیْرِ مُشْتَبٰہٍ النَّظَرُ وَاِلٰی ثَمَرِہٖ اِذَا ثَمَرَ وَیَنْعِیْہُ  
 اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّعٰقِلٍ یُّؤْمِنُوْنَ (انعام ۱۲)

سورہ روم میں پہلے مٹی سے انسان کی پیدائش کو، پھر اس میں عورت مرد کے جوڑے ہونے کو اور ان کے درمیان مہر و محبت  
 کے جذبات کے ظہور کی اپنی ہستی کو دلیل بتایا ہے، پھر اپنی قدرت کے دوسرے عجائبات کو جو آسمان سے زمین تک پھیلتے ہیں، ایک  
 ایک کر کے پیش کیا ہے، اول تو خود انسانوں کی پیدائش، پھر ان میں عورت مرد ہونا اور ان کے درمیان جذبات کی لہر، پھر مختلف قوتوں  
 کی بولیوں، شکلوں اور رنگوں کو دیکھو کہ ایک ایک سے الگ ہے، پھر انسانوں کے اندر کے اعمال کو دیکھو، ایک نیند ہی کی حقیقت  
 پر غور کرو، یہی تمہاری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہِ اَنْ خَلَقَکُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَا اَنْتُمْ  
 بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ، وَمِنْ اٰیٰتِہِ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ  
 مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَیْہَا وَجَعَلَ  
 بَیْنَکُمْ مَوَدَّۃً وَرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ  
 لِّعٰقِلٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ، وَمِنْ اٰیٰتِہِ خَلْقُ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 اور زمین میں ہر طرح کے پھنے والوں کے پھیلانے میں اور  
 ہواؤں کے کبھی دھواں کبھی ادھر پھٹنے میں اور آسمان و زمین کے  
 بیچ میں جو باطل کام میں لگے ہیں ان سب میں کچھ بوجھ والوں کیلئے  
 بڑی نشانیاں ہیں۔

بے شک آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں  
 ہیں اور خود تمہاری پیدائش میں اور جو پھنے والے پھیلتے ان میں  
 یقین کرنے والوں کے لئے دلیلیں ہیں۔

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے  
 اگنے والی ہر چیز نکالی، پھر اس سے سبز خوشے نکالے، جی سے  
 ہم جوڑے ہوتے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گاجھے میں سے  
 نکلتے گچھے اور انکڑ کے باغ اور زیتون اور انار ہم شکل اور  
 جہی جہی شکل کے جب وہ پھلیں تو ان کے پھل اور کچنے کو دیکھو  
 بے شک ان میں ایمانی والے لوگوں کے لئے دلیلیں ہیں۔

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر  
 تم آدمی بن کر چلتے پھرتے ہو، اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے  
 کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ تم ان سے  
 سکون حاصل کرو اور تم سب کے درمیان پیار اور مہر کا اور اس  
 میں ان لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں وہ دلیلیں ہیں اور اس



السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ الْمَسْكُونِ  
وَالْكَوْنِ كَمَا أَنَّ فِي ذَلِكَ لَذَلِيلًا لِلْعَالَمِينَ  
وَمِنْ آيَاتِهِ مَا مَكَّوْهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ  
وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ  
لَذَلِيلًا لِقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ، وَمِنْ آيَاتِهِ  
مَنْ يُكَلِّمُ الْبِرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِنْ أَنْزَلُ  
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ  
مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذَلِيلًا لِقَوْمٍ  
يَعْقِلُونَ ، وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ  
وَالْأَرْضُ بِأَمْرٍ ۚ (بروم - ۳)

کی تشاریوں میں سے آسمانوں کی اور زمین کی بناوٹ اور قدرتی  
بولیوں اور رنگوں کی بولچہ کوئی ہے اس میں جاننے والوں کے لئے  
یقیناً دلیلیں ہیں اور اس کی عجیب قدرتوں میں سے متاثرات اور  
دن میں سونا اور تمسار اس کی مہربانیوں کو تلاش کرنا ہے اس  
میں ان کے لئے جو سنتے ہیں دلیلیں ہیں اور اس کے عجیب قدرت  
میں سے یہ ہے کہ تمہیں وہ بجلی کی چمک دکھاتا ہے جس سے تم  
ڈرتے ہو اور کبھی رحمت کی بارش کی امید رکھتے ہو اور وہاں  
سے پانی برساتا ہے پھر اس میں ان کے لئے جو کچھ رکھتے ہیں دلیلیں  
میں اور اس کی دلیلوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم  
سے قائم ہیں۔

اس آیت میں آسمان اور زمین کے اس کے حکم سے قائم رہنے کا ذکر ہے، تم کہتے ہو کہ یہ باہمی جذب و کشش سے قائم  
ہیں لیکن خود یہ جذب و کشش کس کی کشش کا نتیجہ ہے؟ یہ خود حیرت انگیز ہے، سورہ لقمان میں آسمانوں کے ہر ایک ذرہ اپنے  
سمارے کے کھڑے ہونے اور زمین کے اپنی جگہ پر ٹھہرے ہونے کا ذکر ہے، یہ نظر نہ آنے والا سہارا قوت کشش ہی سہی لیکن وہی  
قوت ہی کے اسرار میں سے ہے اس کے بعد ایک جاندار وہ بے حیات مردہ زمین کے اندر سے پانی برونے کے ساتھ انواع و اقسام  
کی زندگی کے نمونوں کا اہم آئنا کتنا حیرت انگیز ہے، یہ بھی اسی کا کرشمہ ہے۔

خَلَقَ السَّمُوتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَنْزِيلًا وَفَكَوَالْقَى  
فِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ تُجْبَدَ بِكُورٍ  
بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَأَنْزَلْنَا مِنَ  
السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ  
كَرِيمٍ (لقمان - ۱)

اس نے آسمانوں کی چھت کو کسی ایسے ستونوں کے بغیر کھڑا کیا ہے  
جو تم کو نظر آتے ہوں اور زمین میں ایسے کھونٹے ڈال دیئے  
وہ تم کوئے بل نہ جانے اور اس نے اس زمین پر ہر قسم کے  
پلنے پھرنے والے پھیلانے والے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم  
نے اسی زمین سے ہر طرح کے پھول پیدا کئے۔

سورہ سمہ میں انسان کی پیدائش کا مٹی سے آغاز، پھر قطرہ آب (نطفہ) سے ذریعہ توالہ و تناسل، پھر اس کے سڈول جسم کا  
بن جانا، پھر اس مٹی کے مردہ قالب میں دفعہ کہیں سے زندگی آ جانا اور اس میں روح پھک جانا، اور اس میں علم و حواس کے حیرت انگیز  
آلات کا پیدا ہو جانا ان سب کو اپنی صفت میں پیش کیا ہے۔

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأُ  
خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ لَكَ  
مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَعِينٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ  
فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ  
وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (سجده - ۱۰)

وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی، اور انسان کی پیدائش مٹی  
سے شروع کی پھر اس کی نسل ذیل سے پھیلنے پانی سے بنائی  
پھر اس کو سڈول کیا اور اس میں اپنی جان سے کچھ پھونک دیا اور  
تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے، تم ان احسانوں  
کا بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

مردہ زمین کے اندر کیا کیا قوتیں ردیعت ہیں اور خود انسانوں کے جسم و جان میں عجائبات کا کتنا خزانہ رکھا ہے، لیکن کوئی  
ماص نظر ادھر نہیں دیکھتا، انسان کی زندگی اس کے اندر کی جذبات، حواس، ذہنی قوتیں اور فانی حرکات ان میں سے ہر شے معجزہ ہے۔  
وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَفِي الْفُجُورِ أَفْكَادٌ  
مُتَصِفُونَ - (ذاریات - ۱)

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور خود  
فجوروں کے لئے (ذاریات - ۱)

جانوروں کے جسموں کے اندر جو عجیب و غریب نظام ہے، وہ بھی غور کے قابل ہے، ایک ہی گھاس چھوس کی غذا ان کے  
پیٹ میں جاتی ہے، پھر اس کا کچھ حصہ لید اور گوشت اور کچھ خون اور کچھ دودھ بن جاتا ہے، اور اسی لید اور گوشت کے باہر آنے کے راستوں  
اور سرخ خون کی رگوں کے درمیان سے خالص سپید شیریں دودھ کی دھاروں کا نکلنا کتنا عجیب ہے۔  
وَإِنْ لَكُمْ فِي أَنْعَامِ رَبِّكُمْ لَذَلِيلٌ لِمَنْ يَنْصَرِفُ  
بَطُونِهِ مِنْ بَيْنِ قَرْنَيْهِ قَدْ دَمَّ لَبَنًا خَالِصًا  
سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ (نمل - ۹)

اور تمہارے لئے جانوروں میں حیرت ہے ہم تمہیں ان کے پیٹوں  
کے اندر سے لید اور خون کے پیچ سے خالص اور پینے والوں  
کے لئے خوشگوار دودھ پلاتے ہیں

ایک ہی قسم کے پھل ہیں، اگر ان کو ایک طرح سے کھاؤ تو تمہاری عقل اور قوت کو بڑھاتے ہیں اور دوسری طرح کھاؤ تو اس کو  
ضائع کر دیتے ہیں۔

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ  
مِنْهُ سَكْرًا وَلَوِزَّ قَاحَسًا، إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذَلِيلًا  
لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (نمل - ۹)

اور چھوڑاؤں اور انکوروں کے پھلوں کو دیکھو کہ ان میں سے  
تم نشہ اور اچھی روزی بھی حاصل کرتے ہیں، اس میں کچھ دالوں  
کے لئے دلیل ہے

زمین اور زمین پر کی مخلوقات کو چھوڑ کر اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھاؤ، سورج کا روشن چراغ اور چاند کی خوشنما قندیل کتنی  
عجیب ہے، پھر سورج کو دیکھو کہ سال کے بارہ مہینوں میں آسمان کے بارہ برج طے کر کے کس طرح زمین میں مختلف موسموں اور  
زمانوں کو نمایاں کرتا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَ  
جَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا (فرقان - ۱)

بارک ہے وہ ہستی جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں  
ایک چراغ اور چمکانے والا چاند بنایا۔

ان ہی چند چیزوں تک اس کی قدرت کے عجائبات محدود نہیں بلکہ ہر شے اپنی خلقت، اپنی حکم روش اور اپنے قانون  
سے اس کی گواہی دیتی ہے۔

مُشَمَّعُ اللَّهِ الَّذِي أَلْقَى كُلَّ شَيْءٍ فِيهِ (زلزلہ - ۱)

اس اللہ کی صفت ہے جس نے ہر شے کو مضبوط و نظام پر بنایا۔  
اس کی صفت ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، اس میں مستحکم نظم و نسق کی بندش نظر آتی ہے۔

مَا تَوَلَّى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفْوُتٍ فَارْجِعِ  
الْبَصَرَ هَلْ تَرَاهِ مِنْ فُطُورٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ  
كَوْنَتْ يَنْقَلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ  
حَسِيرٌ (علق - ۱)

تجھے مردے خدا کی بناوٹ میں کوئی بے برابری نظر آتی ہے؟  
پھر نگاہ کر، کیا کوئی فطور دکھائی پڑتا ہے، پھر دہر کر دوبارہ  
نظر کر، تیری نگاہ وہ ہو کر تھک کر تجھ تک پہنچ آئے گی مگر کوئی  
نقص نہ پاسکے گی،



اس قسم کی اور سینکڑوں ایسی ہیں، جن کا استقصاء بھی مشکل ہے، ان آیتوں میں تین قسم کے دلائل۔  
(۱) قدرت کے عجائبات اور نیرنگیاں، اور پھر ان کا ایک قانون کے ماتحت ہونا۔

(۲) عالم کا نظم و نسق اور اس کا مرتب سلسلہ۔

(۳) کائنات اور سلسلہ عالم کی ہر کڑی میں بے انتہا مصلحتوں، نمکتنوں اور فائدوں کا ہونا۔

ان مقدمات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے یہ عجائبات اور اس کے یہ منظم علل و اسباب خود بخود بخت و اتفاق سے نہیں بن گئے بلکہ کسی حکیم و دانہ اور قادر مطلق صالح نے اپنی قدرت اور ارادہ سے ان کو بنایا ہے۔

اہل فلسفہ اور متکلمین عالم کے وجود پر عموماً یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ ہم براہِ مشرکہ دیکھتے ہیں کہ عالم میں ہر چیز کے لئے علل و اسباب کا سلسلہ ہے، یہ سلسلہ یا تو کہیں جا کر ختم ہو گیا ہو، یا تو یہی سلسلہ چلا جائے گا، اگر یہ یونہی مسلسل چلا جائے گا تو لازم آتا ہے کہ ہر چیز کے پیدا ہونے پر غیر قنایہی علل گزر جائیں اور غیر قنایہی علل کا خاتمہ نہیں ہو سکتا، اور نہ کہیں ان کا آغاز ہو سکتا ہے، اس لئے کوئی چیز پیدا بھی نہیں ہو سکتی، تسلسل عقلی بھی محال ہے، بلکہ انسان اس کے تخیل سے بھی عاجز ہے، اس بنا پر لامحالہ سلسلہ علل کا کہیں خاتمہ ہونا ضروری ہے جس علت کل پر تمام علتیں ختم ہو جاتی ہیں وہی خلق و پیدائش اور وجود و کون کی اصلی علت العلل ہے۔

یہ دلیل گو بہت کچھ پیچیدہ اصطلاحات سے لبریز اور بہت سے محذوف مقدمات پر مبنی ہے تاہم وہ انسانی عقل میں آتی ہے، اور بہتوں کے لئے تسکین کا باعث ہے، قرآن پاک کی ایک دو آیتوں میں بھی اس دلیل کا ماحضہ مذکور ہے، سورہ ہود کے آخر میں ہے:

وَلِلّٰهِ عِزُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْاَشْجَارِ وَرَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْاَشْجَارِ اَوَّلُ الْاَشْجَارِ اَوَّلُ الْاَشْجَارِ اَوَّلُ الْاَشْجَارِ

اور خدا ہی کے پاس ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی بات اور اسی کی طرف ہر بات لوٹنا پڑتی ہے تو اس کو پوج اور اس پر سجدہ کر۔

اور یہ کہ تیرے رب کی طرف ہے سب کی انتہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی کو ریلوں سے واقف تھے، چند صحابیوں نے اگر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی ہمارے دلوں میں ایسے خیالات اور دوسرے آتے ہیں جن کو ہم زبان سے ادا نہیں کر سکتے، فرمایا، کیا تم کو یہ کیفیت حاصل ہو گئی ہو کہ ارشاد کی، اے یا رسول اللہ! فرمایا تو خالص ایمان ہے مقصود یہ ہے دل میں دوسروں کا آنا اور پھر ان دوسروں کو اتنا مدبر بنانا کہ ان کا زبانی پر لانا بھی وہ گناہ ہے، یہ کیفیت ایمانی کے بغیر ممکن نہیں، اسی طرح آپ نے فرمایا، لوگ علم و دانش کا سوال کرتے ہیں کہ میں کب خیر اس کو تو خیر نے پیدا کیا اور پھر اس خدا کو کس نے پیدا کیا، آسمان کو خدا نے بنایا، زمین کو خدا نے بنایا، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے پھر پوچھتے ہیں، اچھا تو پھر خدا کو کس نے پیدا کیا، فرمایا یہ شیطانی دوسرے ہے، جب یہ حالت کسی کو پیش آئے تو کہہ دے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ میں اللہ پر ایمان لایا۔

یہ تعلیم درحقیقت اسی مسئلہ کی ہے کہ خدا پر تمام علتوں کی انتہا ہے اور اس کے بعد کوئی علت نہیں، اس لئے یہ دوسرے لائق جواب نہیں، یہ جہالت اور نادانی کا سوال ہے۔

توحید پر عقلی دلیلیں اگر کوئی عالم کا خالق و صانع ہے تو وہ یقیناً ایک ہے دو نہیں، تاہم دنیا میں ایسے عقل مند بھی ہیں جو دو تین بڑے متعدد خداؤں کے قائل ہیں، اور عالم کی ایک مملکت کو سینکڑوں حصوں میں تقسیم کر کے ان کو مختلف خداؤں کی حکومتیں قرار دیتے ہیں، وحی محمدی نے اس شرک کے ابطال پر سب سے زیادہ جس دلیل کو پیش کیا ہے وہ نظام عالم کی کیسانی اور اس کے دونوں مدیشیں صحیح مسلم کتاب ایمان میں متعدد روایتوں سے مذکور ہیں۔

وحدت اور کائنات کے علل و اسباب کا باہم توافقی، تعاون و اشتراک اور اتحاد ہے، دنیا میں ایک ذرہ بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک آسمان سے لے کر زمین تک کی تمام کارکن قوتیں اور اسباب ایک دوسرے کے موافق و مناسب نہ ہوں اور باہم ان میں اشتراک عمل نہ ہو، ایک فائدہ زمین سے اس وقت تک اُگ نہیں سکتا، جب تک دلوں اُگنے کے لائق نہ ہو زمین میں اُگنے کی صلاحیت نہ ہو، موسم اس کے مناسب نہ ہو، بارش موافق نہ ہو، آفتاب سے اس کو گرمی اور روشنی اس کے مزاج کے مطابق نہ ہو، نہ پھل، پھر اس کے اُگنے کے موانع اور موافق ایک ایک کر کے دفع نہ ہوں، ان سب مراحل کے بعد وہ دانہ اُگے گا اور پھل لائے گا، قرآن پاک نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اِلٰهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ

اگر زمین و آسمان میں اس ایک خدا کے سوا اور خدا بھی ہوتے تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے، تو پاک ہے عرض والا خدا ان باتوں سے جو یہ مشرک کہتے ہیں۔

(انبیاء - ۲۲)

آسمان و زمین کا یہ تمام کاروبار، یہ تمام قوانین قدرت، اگر ایک کے بجائے دو خالقوں کے ہاتھوں میں ہوتے تو یہ باہمی تضام میں ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہ رہتے، فلسفیانہ اصطلاحات میں اس مطلب کو ادا کر دو، تو یوں ہو گا کہ عالم کائنات مطول ہے اس کی کوئی علت تامہ ہوگی، یہ ظاہر ہے، ایک معلول کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتیں، کیونکہ علت تامہ اس کو کہتے ہیں جس کے وجود کے بعد معلول کے وجود میں کسی اور چیز کا انتظار نہ ہو، اب عالم کی علت تامہ اگر ایک نہ ہو، بلکہ دو ہوں تو سوال یہ ہے کہ ایک علت تامہ کے وجود کے بعد، عالم کے وجود میں دوسری علت تامہ کا انتظار رہے گا یا نہیں، اگر رہے گا تو پہلی شے علت تامہ نہیں رہے گی اور اگر انتظار نہ رہے گا تو دوسری شے علت تامہ نہ ہوگی، اس سے یہ ثابت ہوا کہ عالم کی علت تامہ ایک ہی ہو سکتی ہے۔

توحید کے ثبوت اور شرک کے ابطال کی دوسری دلیل نظام عالم کی وحدت ہے، سورج، چاند اور تاروں سے لے کر انسان اور حیوان اور پانی، درخت، گھاس پات تک کو دیکھو تو معلوم ہو گا کہ سب ایک مقررہ نظام اور بندہ اصول کے ماتحت ہیں، جن میں کسی سرموفق نہیں ہوتا، ہر شے ایک اصول کی پابند اور ایک عادت جاریہ کے مطابق چل رہی ہے، گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں کیسانی اور مساوات کی ایک خاص وحدت قائم ہے اور وہ سب کسی ایک ہستی کے اشارے پر چل رہے ہیں۔

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ اِلٰهٍ اِذَا الذَّهَبُ كُلُّهُ اِلٰهٌ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ مَّمْنُوْنَ (۵)

اور نہ اس خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھ جاتا۔

ثُمَّ لَوْ كَانَ مَعَهُ اِلٰهَةٌ كَمَا يَقُولُوْنَ اِذَا لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ سَبِّحُوْهُ سُبْحٰنَہٗ وَتَعْلٰی عَمَّا يَقُولُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا تَسْبِيْحًا لِّلشَّمٰوٰتِ السَّجْدِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْہُمْ اِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (۵)

پھر اگر کوئی ایسا کہتا ہے کہ اگر کوئی خدا ہو تو اس کے ساتھ کچھ اور خدا ہوتے جیسا کہ یہ مشرک کہتے ہیں تو ایسی حالت میں وہ تخت والے رطبان، اندھے حکومت چھیننے کا راستہ ڈھونڈتے، پاک اور بلند ہے وہ (خدا) اس بات سے جس کو یہ (مشرک) کہتے ہیں، اس خدا کے، برحق کی پاکی ساتوں آسمان اور زمین و ہر جان کے اندر ہے، بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی پاکی کی گواہی نہ دیتی ہو۔

(بنی اسرائیل - ۱۵)

اسی وحدت نظام کے استدلال کو ایک اور آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے۔



مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَوُّتٍ فَأَرْجِعِ الْبَصَرَ  
هَلْ تَرَى مِنْ قُطُوبٍ ثُمَّ أَوِّجِ الْبَصَرَ كَوَيْحِ  
يَنْقَلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَائِبًا وَهُوَ كَايِبٌ (مک)

سیرت النبی ص ۲۴۸  
تو خدا کے بندے میں کوئی فرق نہیں دیکھتا، پھر نگاہ کر، کیا کوئی فرق  
تجہ کو دکھائی دیتا ہے؟ پھر دوبارہ نظر دوڑا، تیری نظر رد ہو  
کر تھک کر واپس جاتے گی۔

اس واقعاتی استدلال سے بڑھ کر جو بالکل نظم فطرت پر مبنی ہے کوئی دوسری صحیح دلیل نہیں ہو سکتی، اسی لئے قرآن  
پاک نے اس کو اختیار کیا ہے، یہ دنیا و مروت نظام ہی کے ماتحت چل رہی ہے، ورنہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی چل نہ سکے، اسی کے  
اس دنیا کے عالم و فرمانروائے مطلق کی وحدت بخوبی ثابت ہے۔

**توحید کی مکمل** | توحید خواہ کسی قدر محرف، شرک آمیز اور ناقص شکل میں ہو، دنیا کے تمام مذاہب و ادیان کی مشترک اور انہیں تعلیم ہے  
لیکن ان مذاہب میں وہ کسی خاص اصل پر مبنی نہ تھی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس عمارت کو چند  
خاص اصول کے بنیادی پتھروں پر قائم کیا، یہ پتھر کیا ہیں؟ خدا کی حقیقی عظمت کی شناخت اور اس عالم کائنات میں انسان کی اصلی  
جیثیت اور مرتبہ کا تعین

**خدا کی حقیقی عظمت** | اہل عرب ایک حقیقی قوت کے نام سے واقف تھے اور اس کو خالق بھی مانتے تھے، مگر قدرت کے کارخانہ  
کا اس کو تنہا مالک نہیں سمجھتے تھے، یہودیوں کا خدا ایک خانہ دانی خداتھا جس نے ساری دنیا صرف بنی اسرائیل  
کے لئے پیدا کی تھی، اور اس کو بنا کر ساتویں دن وہ تھک کر بیٹھ گیا تھا، وہ انسانوں سے کشتی لڑتا تھا، اس کی اولادیں تھیں، جیسا نبیوں  
کا خدا سب کچھ سمجھ کر پریم کو دے کر خود مسئل ہو گیا تھا، ایرانیوں کے خدا کی خدائی نیکی و بدی کی دو مملکتوں میں بٹی ہوئی تھی، ہندوؤں کا  
خدا اقاروں کا بھیس بدل کر لاکھوں خدائی گیا تھا اور ہر ہا میں اور لاش تینوں نے مل کر خدائی کے کاروبار باہم تقسیم کر لئے تھے  
لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدا کا جلوہ نمایاں کیا جو آسمان کے اوپر سے لے کر زمین کے نیچے تک کا تنہا مالک ہے، اس کے  
کاروبار میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اس کی شاہنشاہی میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں، اس کے کارخانہ قدرت میں کوئی دوسرا ساہمی  
نہیں، کائنات کا کوئی ذرہ اس کے حکم سے باہر نہیں، دنیا کی کوئی چیز اس کی نگاہوں سے چھپی نہیں، شجر، حجر، جنگل، پہاڑ، صحرا، دریا،  
سورج، چاند، زمین، آسمان، انسان، حیوان، زبان والے اور بے زبان، سب اس کے آگے سربسود اور اس کی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں  
سب کمزور ہیں وہی ایک قوت والا ہے، سب جاہل ہیں، اسی ایک کو علم ہے، سب فانی ہیں، اسی ایک کو بقا ہے، سب محتاج ہیں وہی ایک نیاز  
ہے، سب اس کے بندے ہیں، وہی ایک شہنشاہ ہے، غرض عرش سے فرش تک جو کچھ ہے وہ اس کا ہے اور اس پر صرف اسی کی نظرانی ہے  
وہ ہر عیب سے پاک، ہر برائی سے منزہ اور ہر الزام سے بری ہے، وہ ہر قسم کے صفات عالیہ، اوصاف کمالیہ اور تمام جمالیہ سے متصف ہے اس  
کے مانند کوئی نہیں، اس کی شبیہ و مثال کوئی نہیں، وہ تشبیہ و تمثیل سے بالاتر اور انسانی رشتے ناطے سے پاک ہے۔

ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
وہ ہے اللہ تمہارا رب اس کی بادشاہی ہے اس کے سوا  
اور کوئی خدا نہیں ہے۔  
(زمر-۱۱)  
لَهُ الْمُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ (زمر-۱)  
آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔  
فَأَطِيعُوا السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ (انعام-۹)  
آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا۔  
حَالِعُوا الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (انعام-۹)  
چھپی اور کھلی کا جاننے والا۔

سیرت النبی ص ۲۴۹  
اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اسی کے ماتحت ہر چیز  
کی طاقت ہے۔

اس کے مانند کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور  
دیکھنے والا ہے۔  
وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

غیب کی کنیاں اسی کے پاس ہیں، اس کے سوال کو کوئی نہیں  
جانتا، خشکی اور تری میں جو کچھ ہے وہ اس کو جانتا ہے، شدت  
کا کوئی پتا نہیں گستا اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے  
لیکن وہ اس کے علم میں ہے۔

اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک، تو جس کو چاہے سلطنت دے  
اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور  
جسے چاہے ذلت نصیب کرے، تیرے ماتحت میں بھلائی ہے  
بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اگر اللہ تجھے مصیبت پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس  
کا دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کرے تو  
اس کے فضل و کرم کا کوئی رد کرنے والا نہیں، اپنے بندوں میں  
سے جس کو چاہے اپنے فضل سے ممتاز کرے اور وہی گناہوں کو مٹا  
کونے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہیں، وہی جیتا ہے اور  
اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہیں، اس کو آواز دینا آتی، زمین، آسمان، لو  
زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اگون ایسا ہے جو اس کے  
سامنے اس کی اہانت کے بغیر سنا کر کے جو لوگوں کے مدبر  
ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، سب کو جانتا ہے، اور وہ اس کے علم  
کے حصہ کا ماحول نہیں کر سکتے مگر جتن وہ چاہے اس کا تحت آسمانوں  
کو اور زمین کو سلاتے ہے ان آسمانوں کی اور زمین کی نگرانی اس کو  
تھکا قی نہیں اور وہی اوپر اور بڑا ہے۔

جو زمین میں گھستا اور جو اس سے نکلتا ہے جو آسمان سے ترستا  
اور اس میں چڑھتا ہے، وہ سب کو جانتا ہے اور تم جہاں بھی ہو

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ  
الْعِلْمُ رَقِصٌ (۹)

أَيُّ كَيْفٍ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ  
الْبَصِيرُ (شوری-۳)

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (مومن-۴)

وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَلْعَلُهَا إِلَّا هُوَ  
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ  
مِنْ قَرَّةٍ إِلَّا يَلْعَلُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي  
ظَلْمَتٍ إِلَّا رُضِيَ (انعام-۴)

إِنَّ يَمْسُرُكَ اللَّهُ يَبْصُرُ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ  
وَإِنْ يَشَاءْ يَنْزِلْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ  
يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ  
الْعَفُودُ الرَّحِيمُ (آل عمران-۳)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَهُ  
تَاخُذُ أَمْسَةً وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا  
فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي  
يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ  
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ  
مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ  
السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا  
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (بقرہ-۲۵۵)

يَعْلَمُ مَا يَلْمُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ مِنْهَا  
وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَرْجُ فِيهَا وَهُوَ



تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کرو اللہ اس کو دیکھتا ہے اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور تمام کاموں کا مرجع وہی ہے۔

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے۔ اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کے زیر فرمان ہے۔ وہی گناہوں کا بخشنے والا ہے بندوں سے محبت کرنے والا ہے سخت کاہک ہے بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

آسمانوں میں اور زمین میں جو ہے سب اللہ کی ہدایت کرتے ہیں۔ اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو۔

ان معنوں کی ہزاروں آیتیں قرآن پاک میں ہیں۔ ان تعلیمات نے خدا کی عظمت و جلالت اور کبریائی کا وہ جلوہ پیش کیا جس کے سامنے مہربان باطل کی عزت خاک میں مل گئی۔ بتوں کی بڑائی کا علم ٹوٹ گیا، سورج، چاند، تاروں کی خدائی کا چراغ ہمیشہ کے لئے بج گیا۔ جن دانی، شجر و عجر، بحر و بر، سب اس کے جلال و جبروت کے سامنے سر بسجود نظر آتے، پھر اس کے سوا کون تھا جو نیرنگ و تورد کے ساز سے (اِنَّا لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ) میں ہوں خدا جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں کی صدا بلند کر سکتا۔

**انسان کا مرتبہ** | توحید محمدی کا دوسرا بنیادی اصول اس عالم خلق میں انسان کی حیثیت اور درجہ ہے جو لوگ بتوں کو سجدہ کرتے ہیں پتھروں کو پرستتے ہیں، درختوں کے آگے جھکتے ہیں، جانوروں کو دیوتا مانتے ہیں، جنات اور ارواح خبیثہ کے نام کی دھاتی پکارتے ہیں، انسانی مخلوقات کو اباب جانتے ہیں، انسانوں کو خدا سمجھتے ہیں، وہ حقیقت میں انسان کے درجہ اور مرتبہ سے ناواقف ہیں، وہ دراصل اس طرح انسان کو پتھروں سے، درختوں سے، جانوروں سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے اور چاند تاروں سے مکر جانتے ہیں۔ انہوں نے درحقیقت انسان کے اصلی رتبہ اور حیثیت کو نہیں پہچانا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کی زبان سے جاہل عربوں کو یہ نکتہ سوجھایا کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اشرف ہے اور وہ اس دنیا میں خدا کی نیابت کا فرائض انجام دینے آیا ہے، قرآن کے ابتدائی سورہ میں آدم کی خلافت کا قصہ محض داستان نہیں بلکہ انسان کی اصلی حیثیت کو عیاں اور نمایاں کرنے والی تعلیم کا اولین دیباچہ ہے، اس کو فرشتوں کا مسجود بنانا، گویا تمام کائنات کا مسجود بنانا تھا، اس کو تمام اسماء کا علم عطا کرنا گویا تمام اشیاء کو اس کے تصرف میں دینا تھا وہ اتنی بڑی اعلیٰ فی الارض خلیفۃ کے فرمان کے رو سے اس عالم میں خدا کا نائب ہے اور اس کا سر خلافت الہی کے تاج سے ممتاز ہے، کروڑوں مخلوقات الہی میں خدا کی امانت کا حامل وہ منتخب ہوا، یہ منصب اعلیٰ فرشتوں کو ملا، آسمان کو عطا ہوا، زمین کے حصہ میں آیا، نہ پہاڑ اس کے مستحق قرار پاتے، صرف انسان ہی کا سینہ تھا جو اس امانت کا عزیز دار ہوا اور اسی کی گردن تھی جو اس بوجھ کے قابل نظر آئی، فرمایا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَسْفَعْنَ مِنْهَا  
وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ رَاٰ رَبَّہٗ ۝۱۰

ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو سب نے اس بار امانت کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔

وہی محمدی نے انسان کا رتبہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بزرگوں سے سرفراز فرمایا، عالم مخلوقات میں برتر بنالیا، انعام و اکرام سے معزز کیا ہے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنٰی اٰدَمَ وَجَعَلْنٰہُمْ فِی الْبَرِّ  
وَالْبَحْرِ رَزَقْنٰہُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ فَضَلْنٰہُمْ عَلٰی  
کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْصِیْلًا (بنی اسرائیل - ۷۰)

ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے خشکی اور تری میں ان کو سواری دی اور تھری چیزوں کی ان کو لذت بخشی اور اپنی بہت سی پیداک ہوئی چیزوں پر ان کو فضیلت عطا کی۔

انسان ہی وہ مخلوق ہے جو سب سے معتدل قوی اور بہترین اندازہ کے ساتھ دنیا میں پیدا ہوتی۔ البتہ ہم نے انسان کو بہتر اندازہ پر پیدا کیا۔

یہاں تک کہ انسان خدائی صورت کا عکس قرار پایا، متعدد حدیثوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، اسی بنا پر آپ نے تعلیم دی کہ ظلم کو سزا دو تو اس کے چہرہ پر نماز کو وہ صورت الہی کا عکس ہے عین میدان جنگ میں اگر تلواریں برس رہی ہوں تو حریف کے چہرہ پر وار نہ کرنا چاہیے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے غصہ میں یہ بھی نہ کہنا چاہیے کہ خدا تیرے چہرہ کو اور تیرے جیسے چہرہ کو بگاڑ دے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا، ان حدیثوں کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کی طرح خدا کی کوئی جسمانی شکل ہے اور آدم کی شکل اس کی نقل ہے کیسے کیسلیہ شے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ انسان میں خدا کی صفات کا طر کی ایک دھندلی سی جھلک موجود ہے، علم قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ، غضب، رحم، سخا و غیرہ صفات کی ناقص مثالیں اس کے اندر اللہ نے ودیعت رکھی ہیں، اور چونکہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا چہرہ ہی اس کی شخصیت کا آئینہ دار اور اس کے اکثر اجزاء کا مصدر ہے، اسی سے اس کے تمام اوصاف کا ظہور ہوتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اعضاء میں اسی کو فیضِ روحانی کا مورد ظاہر کیا، اب غور کرو کہ وہ چہرہ جس کو خدا سے ایسی نسبت ہے کیا اس لائق ہے کہ غیر خدا کے آگے زمین پر رکھا جائے۔

انسان تو کائنات میں خلیفۃ اللہ بن کر آیا ہے۔  
وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلْنٰکُمْ خَلِیْفَیْنَ فِی الْاَرْضِ (انعام - ۱۲)

اور اسی نے تم کو زمین کا نائب بنایا۔  
تو اب وہ عالم کائنات میں خدا کے سوا کس کو سجدہ کرے۔

روئے زمین کی تمام چیزیں اس کے خاطر بنیں وہ روئے زمین کی چیزوں کی خاطر نہیں بنائے۔  
خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (بقرہ - ۲۹)

جو کچھ زمین میں ہے خدا نے (اے انسانو) تمہارے لئے بنایا۔  
اِنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ (رق - ۹)

زمین میں جو کچھ ہے خدا نے اس کو تمہارے بس میں (دے دیا ہے)۔  
تو اب وہ روئے زمین کی کس ہستی کے سامنے سر جھکائے۔

لے صحیح بخاری کتاب الاستیذان، ابن ابی عامر فی السنن والطبرانی من معنی ابنی عمر اسناد بہ اثبات وادب المفرد بخاری والحدیث الی ہرودیک  
مسلم کتاب البر، نیز توراۃ میں بھی یہ فقرہ ان الفاظ میں ہے جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا، خدا کی صورت پر سے بنایا (پیرائش - ۱۰۵) لے صحیح  
بخاری کتاب الطہارۃ، صحیح مسلم کتاب البر، آخری طبع دار مصنف مسلم میں ہے کہ ادب المفرد نام بخاری باب لا نقل  
فتح الباری ج ۱۰ اس حدیث کی شرح میں فتح الباری شرح بخاری میں یہ قول نقل کیا گیا ہے۔



مشک، بہت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، حقیقت میں غیروں کے آگے جھک کر سبوت دیتے ہیں کہ یہ ان کے لئے نہیں، بلکہ وہ ان کے لئے بنے ہیں، جو چاند اور سورج کو پوجتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج ان کے لئے نہیں، بلکہ وہ چاند اور سورج کے لئے بنے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وحی اور تعلیم کے ذریعہ سے یہ بتایا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے بنی ہے اور انسان خدا کے لئے بنا ہے، اس لئے جب کائنات کا ہر ذرہ انسان کی خدمت گزری ہو، مصروف ہے تو انسان کو بھی خدائی کی خدمت گزاری میں مصروف رہنا چاہیئے۔

ابرو باد و مرد و نور شمشیر و فلک در کارند تا تو مانے بخت آری و غفلت نہ خوری

انسانوں نے آسمانی مخلوقات کو اپنا معبود بنایا، تو وحی محمدی نے ان سے کہا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ  
وَالنَّجْمُومَ مَسْجُرَاتٍ يَّامُنُّوْنَ (نمل-۱۲)

انسانوں نے جانوروں کو پوجا تو پیغام محمدی نے ان انجانوں کو بتایا کہ یہ تمہارے ہیں تم ان کے نہیں ہو۔  
وَاللَّعَنَّا مَن خَلَقَهَا لَكُم فِئْهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ  
اور جانوروں کو اس نے پیدا کیا تمہارے لئے جہی میں اولن کی گری اور دوسرے فائدے ہیں۔ (نمل-۱۱)

انسانوں نے دریا، سمندر کو دیسی اور دیوتا بنایا، حالانکہ وہ بھی ان ہی کی خاطر عدم سے وجود میں آئے ہیں۔  
وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَكُمْ شَربًا وَغَصًّا  
اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کھلم میں لگایا کہ تم ہاسی سے  
لَحْمًا يَّأْكُلُونَ وَجِوَارًا حَلِيبًا  
سمازہ گوشت کھاؤ اور تاکہ تم اس میں سے آرائش کے موئی پہننے  
تَرَى الْفُلْكَ مَوَاجٍ يَبْعَثُ  
لوٹکالو اور دیکھتے ہو کہ جہاز سمندر کو پھاڑتے پھرتے ہیں اور  
فَضْلًا (نمل-۱۲)

آگ بھی انسانوں کی مسجد ہے، حالانکہ وہ خود ان ہی کی محبت میں جل رہی ہے۔  
الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا  
جس نے تمہارے واسطے ہرے درخت سے آگ پیدا کی، پس اس  
أَنْشَأْتُمْ تَوَاقِدًا (نہ-۵)

الغرض زمین سے لے کر آسمان تک ہر مخلوق بھی ہے، انسان اس سے اشرف اور بلند تر ہے اور ساری مخلوق اسی کے لئے ہے، پھر اس انسان سے بڑھ کر اور کون نادان ہے جو مخلوقات میں سے کسی کو اپنا معبود اور معبود بناتے، اس حقیقت کے انکار ہونے کے بعد شرک کا کوئی پہلو بھی ایسا ہے جس میں کوئی پسمان گرفتار ہو سکے اور ایک مسئلہ کو چھوڑ کر کسی اور حرکت پر اپنا سر جھکا سکے۔  
الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی تلقین کی، وہ ان ہی دو اصولوں پر قائم ہے، ایک یہ کہ انسان تمام مخلوقات میں اشرف ہے، اس لئے کسی مخلوق کے سامنے اس کا سر نہ جھکا چاہیئے اور دوسرا یہ کہ ہر قسم کی قوت، ہر قسم کی قدرت اور قلم اور قضا کا یہ صرف ایک بزرگ و برتر ہستی کے لئے ہے جو ہر شے سے زیر فرشتہ ہر ذرہ پر نگران ہے، اس کی اطاعت کے دائرہ سے کوئی نقطہ باہر نہیں، انسان کی چشمانی کو ہر چوکھٹ سے اندھ کر صرف اسی کے آستانہ پر جھکا چاہیئے، ہماری تمام حقیقت، ہماری تمام محبت، ہمارا تمام خوف، ہماری تمام امیدیں، ہماری تمام دھاتیں، ہماری تمام انجمنیں، ہماری تمام عاجزیوں صرف ایک درگاہ

پر نشان ہوں اور اسی کے رحم و کرم کے سارے تاری زندگی کا ہر لمحہ بسر ہو

وہ بزرگ و برتر ہستی کیا ہے؟ اور اس کی نسبت ہمارا کیا تخیل ہو؟ تعلیم محمدی نے اس کا بھی جواب دیا ہے۔

خدا کا جامع اور مانع تخیل | قرآن پاک کی آیات، جاہلیت کے اشعار، اسلام سے پہلے عربوں کے واقعات، بلکہ عرب کے آثار قدیمہ کے کہانات سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ عربوں کے ذہن میں ایک بالاتر ہستی کا تخیل ضرور موجود تھا جس کا نام ان کے ہاں اللہ تھا، مگر اللہ کیا ہے؟ کیا ہے؟ اس کے صفات کیا ہیں؟ اس کی طرف کیا کیا باتیں منسوب کی جاسکتی ہیں؟ کن کن باتوں سے وہ پاک ہے؟ اس کا تعلق اپنے بندوں کے ساتھ کیا ہے؟ ہم کو اس کے آگے کیسے جھکا چاہیئے؟ اس سے کیا مانگنا چاہیئے؟ اور کیونکر مانگنا چاہیئے؟ ہاس کے حضور میں دعا کیونکر کرنی چاہیئے؟ ہم اس سے کیوں ڈریں اور کیونکر ڈریں؟ اور اس سے ڈرنے کی کیا حقیقت ہے؟ اس سے محبت بھی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جاسکتی ہے تو کیونکر؟ اس سے محبت کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی قدرت کہاں تک ہے؟ ہاس کے علم کی کیا حیثیت ہے؟ کیا وہ ہم سے دور ہے یا بالکل قریب؟ اس کے تقدس بڑائی اور عظمت کی کوئی حد ہے؟ اس پر ہم توکل اور سروسر کیونکر کریں؟ کیا وہ انسانوں کی کسی صفت سے کلام بھی کرتا ہے؟ کیا اس کے کچھ احکام بھی ہیں؟ اور وہ احکام واجب الاطاعت بھی ہیں؟ وہ کن باتوں سے خوش اور کن باتوں سے ناخوش ہوتا ہے؟ کیا وہ ہمارے دلوں کے چھپے ہوئے رازوں سے بھی آگاہ ہے؟ کیا اس کی اجازت کے بغیر زمین کا ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے حرکت کر سکتا ہے؟ اس کی مشیت اور اس کا ارادہ کیونکر آسمان سے زمین تک ہر چیز کو محیط ہے؟ کیا اس کے بنائے ہوئے قاعدے اور قانون بھی ہیں؟ کیا وہ انسانوں کی تعلیم اور اصلاح کے لئے پیغمبروں کو بھی مبعوث کرتا ہے؟ کیا ہم اس کی بارگاہ میں اپنے اعمال کے جواب دہ بھی ہیں؟ ہم سے وہ کیوں اور کیونکر ہمارے اعمال کا مواخذہ کرے گا؟ یہ وہ باتیں ہیں جس سے عرب جاہلیت کا دل و دماغ بالکل ماری اور خالی تھا اور ان چیزوں کے متعلق ان کے ذہن میں کوئی تخیل نہ تھا، عرب جاہلیت کا ایک ایک ذرہ پڑھ جاؤ، ان کے مذہب و اعتقادات کا ایک ایک حرف تلاش کر لو، اس سے زیادہ کچھ نہ پاؤ گے کہ انہی ایک طاقتور اعلیٰ ہستی ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے اور مصیبتوں اور بلاؤں میں اس کو پکارتا چاہیئے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربانی تعلیمات سے ان کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت سے آشنا کیا، اس کی وحدت اور بے مثالیت سے باخبر کیا، اس کی مشیت و ارادہ اور قدرت و وسعت سے آگاہ کیا، ایک ایسی ہستی کے اعتقاد کی ان کو تعلیم دی جس کی قدرت بے انتہا، جس کی وسعت غیر محدود ہے، جس کی مشیت کائنات کے ہر ذرہ میں نافذ ہے، جس کے علم کے احاطہ میں اندھیرے اور اجالے کی ہر چیز داخل ہے، دلوں کے اسرار و رازبانوں کے الفاظ اور اہتہ پاؤں کے اعمال سب سر لختہ اور ہر لمحہ اس کے روبرو ہیں، اس کے سامنے انسان اپنے ہر عمل کا جواب دہ اور ذمہ دار ہے، اس کے مواخذہ کا خوف اور اس کی رحمت کی امید ہے، وہ محبوب ازل ہے، اس کی محبت کا نشہ ہمارے دلوں کی ہشیا رہی ہے، اس کے فضل و کرم اور لطف و محبت کی نیرنگی اوپر سے نیچے تک پھیلی ہیں، اس کی قوت ہر قوت پر غالب، اس کا ارادہ ہر ارادہ میں نافذ اور اس کا حکم ہر حکم سے بالاتر ہے، اس کی عبادت ہر مخلوق پر فرض، اور اس کی اطاعت ہر ممکن پر واجب ہے، وہ ہر عیب سے منزہ و پاکہ اور ہر وصف کا مستحق اور اس سے متصف ہے، انسانوں کو اپنی یاد دلانے اور ان کے تزکیہ و اصلاح کے لئے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجتا رہا، اور اس سے ہم کلام ہوتا رہا، اس کے کچھ احکام اور بند سے ہوتے قوانین میں، جن کی اطاعت نیکی اور نافرمانی گناہ ہے، وہ آخر



۲۵۲  
سیرت النبی ص ۱۰۰  
کی روشنی، مجھ کو کی سیرنی، مایوسوں کی امید، زخمیوں کا ہر دم، بے قراروں کی تسلی اور بے کنوں کا سہارا ہے، وہ ہم سے ہماری گردن کی رگ سے بھی قریب تر ہے، ہم اس کو جب پکاریں وہ سنتا ہے، وہ نیکیوں کو پسند اور گنہوں سے نفرت کرتا ہے، وہ جب چاہے آسمان و زمین کو فنا کر دے اور جب چاہے ان کو پھر چاڑھے، اس کی محبت دنیا کا اصل، اس کی عبادت ہماری زندگی کا مقصود اور اس کی یاد ہمارے دلوں کی راحت ہے۔

ان خدا کی یاد سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔  
ان تعلیمات کا بیاثر ہوا کہ وہ لوگ جن کو بھولے سے بھی خدا کا نام یاد نہ آتا تھا، وہ اس کے سوا سب کچھ بھول گئے اور اس کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے، وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر حال میں اس کی یاد میں سرست و سرشار رہتے تھے۔

یَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَأَلْقُوا  
اس سرستی و سرشاری میں بھی انہوں نے جنگلوں میں راہبانہ زندگی بسر نہیں کی، دولت مندوں کی بھیک کو اپنا سہارا نہیں بنایا، دنیا کی کشمکش سے نجات حاصل کرنے کے لئے بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام دے کر اختیار نہیں کیا، بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں جدوجہد اور سعی و کوشش کو اپنا مذہب سمجھا، اور خدا کا حکم جان کر اس کو پوری مستعدی کے ساتھ بجالائے، اور ان تمام ہنگاموں کے ساتھ دل کا معاملہ دلدل ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا، خدا نے ان کی مدح کی کہ  
رَبِّعَالٍ لَا تَلْبِثُهُمْ تَجَارَةً وَلَا بَيْعًا عَصًا  
وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت، خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

ان کی محبت الہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آگیا، خدا نے ان کی توصیف کی کہ  
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقرہ-۱۶)  
ایمان والے سب سے زیادہ خدا سے محبت کرتے ہیں۔  
ان کا توکل، ان کا صبر، ان کا استقلال، ان کی استقامت، ان کی بہادری، ان کی بے خوفی، ان کی صداقت، ان کی استقامت ان کی امانت، ان کی ہر چیز ان کے اسی جذبہ ایمانی کا پر تو تھی اور ہر وقت ان کے پیش نظر یہ تعلیم رہتی تھی کہ۔  
وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (طلاق-۱)  
جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے تو خدا اس کو بس کرتا ہے  
اَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا (زمر-۳۵)  
کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں۔  
وَتَخَشَّى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (احزاب-۵)  
اور تو لوگوں سے ڈرتا ہے حالانکہ سب سے زیادہ خدا سے ڈرنا چاہیئے۔

ان میں یہ تمام روحانی و اخلاقی جوہر اسی ایمان بالشر کے جدولت پیدا ہوتے۔  
**اسماء و صفات**  
دنیا کے آغاز میں خدا نے کہا تھا کہ ہم نے آدم کو سب نام سکھائے، دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی اور علم کی وسعت کہاں سے کہاں پہنچی، مگر غور کیجئے تو ناموں کے ہمیر پھیر سے ہم اب تک آگے نہیں بڑھ سکی  
ہماری حقیقت یہ ہے اور یہی ہمارا فلسفہ ہے، ہم اپنے مفروضہ اصول منطقی کی بنا پر ذرات اور حقائق کے ذریعہ سائنس کی تعریف کے مدعی بن گئے ہیں، لیکن انہوں نے صریحاً گزرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کر سکے جو کچھ کہہ سکے وہ یہ کہ

۲۵۵  
صفات عوارض اور خواص کے مختلف، ان سے نئی نئی طفلانہ شکلیں بناتے اور بگاڑتے ہیں، جب مادیت کا یہ عالم ہے تو دربارہ الوراہتی میں ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ تحمل کیونکر کر سکتی، تجلی گاہ طور اسی رمز کی آتشیں تصویر ہے۔

ہم خدا کو بھی اس کے ناموں، اس کے کاموں اور اس کی صفاتوں ہی سے جان سکتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے جاہلوں کو اسی نصاب انسانی کے مطابق تعلیم دی، عرب کا جاہل اللہ نام ایک اعلیٰ ہستی سے واقف تھا، لیکن اس کے ناموں اور کاموں کے تخیل سے بڑی حد تک نا آشنا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے بھی وہ قلعہ بیکانہ تھا، دیوان عرب یعنی ان کی شاعری کے دفتر میں کیس کیس اللہ کا نام آتا ہے، مگر کہیں اس کی صفت کا ذکر نہیں آتا، قرآن پاک میں ان کے خیالات کا پورا عکس اتار گیا ہے، لیکن کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے بھی آگاہ تھے، بعض عیسائی عربوں میں اللہ کے ساتھ ساتھ الرحمان کا لفظ بھی مستعمل تھا جس کے معنی رحم کرنے والے کے ہیں، اصحاب الغیل کے عیسائی رئیس ابرہہ کے نام سے سرور مدینہ پر جو کتبہ لگا ہے اور جس کو جرمن فاضل گلڈز نے شائع کیا ہے، اس میں بھی دو دیگر رحمان کا لفظ آیا ہے، عرب عیسائی شعراء کے کام میں بھی یہ لفظ ملتا ہے، عیسائیوں میں اس کے استعمال کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب مشرکین کو اس لفظ سے چڑھ ہو گئی تھی، اس لئے جب اسلام نے اس لفظ کو اختیار کیا تو مشرکین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے کاغذ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوایا تو قریش کے ناشدوں نے کہا کہ قسم ہے اللہ کی مجھے میں معلوم کہ رحمن کیا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سننے اور قرآن مجید میں بار بار خدا کے لئے رحمان کا لفظ مستعمل ہونے کی وجہ سے مشرکوں کو براہمی ہوتی تھی اور وہ کہتے تھے کہ ہم کبھی رحمان کے آگے سرنگون نہیں ہو سکتے، قرآن نے ان کی یہ حالت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ  
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ  
رحمن کیا ہے، کیا تم جن کو کہو اس کو ہم سجدہ کریں، رحمن کا نام  
ان کی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے۔  
لَنُؤْتَا (فرقان-۵)

مشرکین کو یہ بُرا لگتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف تو ان کے بتوں اور دیوتاؤں کی خدمت کرتے ہیں، اور دوسری طرف عیسائیوں کے رحمان کی مدح و ستائش کرتے ہیں۔

أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ إِلَهُتِكُمْ هُوَ  
مشرک آپ کو دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں کہ یہی وہ ہے  
جو تمہارے دیوتاؤں کو بُرا کہتا ہے اور وہی مشرک رحمان کے  
ذکر سے انکار کرتے ہیں۔  
(انبیاء-۳)

تعلیم محمدی نے عرب کے نا آشنا یاں حقیقت کو بالآخر آگاہ کیا کہ خدا کے اسماء و صفات کی کوئی حد نہیں، اس کو سب ہی اچھے ناموں سے پکارا جاسکتا ہے۔

قُلْ اَدْعُوا اللَّهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمَنَ ذَا يَأْتَا...  
کہ دو دعوے ہیں خدا کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جس نام  
سے بھی پکارو سب اچھے نام اسی کے ہیں۔  
(اسرائیل-۱۱)

لہٰذا بیچ ہماری جلد اول ص ۳۷۹۔







کتاب ہے اور اللہ کو ہر چیز کا عالم ہے۔

انہیں نہیں ہے اس کے سوا اور کوئی مسبود، وہ ہمیشہ زندہ و تمام دنیا کو سنبھالے ہے، اس کو اونٹن اور خنجر نہیں آتی آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے کون ہے جو اس کی مرضی کے بغیر اس کے سامنے سفارش کرنے کو کھڑا ہو، انسانوں کے سامنے اور پتھر کے حجر کچھ ہے اس کو وہ جانتا ہے، اور وہ لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے، ایکس جتنے کا وہ چاہے اس کا تخت آسمانوں اور زمینوں کو سمائے ہوتے ہے اور ان دونوں راسخان وزمین کی نیکیاں اس کو سمجھاتی نہیں اور وہی اور بڑا اور بڑا ہے،

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں چھپے اور کھلے کا علم رکھنے والا وہی رحم کرنے والا اور مہربانی والا ہے، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں سب کا بادشاہ، پاک پوری سلامتی والا ہر شے پر گواہ غالب سب پر قادر والا، بڑائی والا، ہر چیز سے پاک ہے جس کو یہ مشرک خدا کا شریک بناتے ہیں، وہی اللہ پیدا کرنے والا، ہر چیز کی صورت کھینچنے والا، اسی کے لئے سب اچھے نام ہیں، جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، وہی سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب خدا کی پاک بیان کرتے ہیں اور وہی غالب اور دانا ہے، آسمانوں کی اور زمین کی حکومت اسی کی ہے وہی جلتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے وہی پہلا اور وہی پچھلا ہے اور وہی کھلا ہے اور وہی چھپا ہے، اور سہرات کو جانتا ہے وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمیں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر سخت پر برابر ہوا وہ جانتا ہے جو زمین میں گھستا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور جہاں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے، آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور اللہ بنا تمام چیزوں کا مریخ ہے وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے

اور دین کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کے سبب  
بھیجیروں سے واقف ہے۔

خدا کے متعلق اہل عرب کا جو بہت تخیل تھا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مٹا کر ان کے سامنے جو بلند  
تخیل پیش کیا، اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے، آپ نے جب توحید کا آواز بلند کیا تو مشرکین جو اپنے دیوتاؤں کی آل و اولاد  
اور بیویوں اور گروہوں کی حمد کے ترانے گاتے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور فرمائش کی کہ ذرا اپنے خدا کا نسب تو ہمارے  
سامنے بیان کرو، گویا وہ اپنے دیوتاؤں سے اسلام کے خدا کا مقابلہ کر کے بتانا چاہتے تھے کہ اس حیثیت سے اسلام کا خدا ہمارے  
دیوتاؤں کی ہمسری نہیں کر سکتا، اس کے جواب میں وحی محمدی نے اپنے خدا کی حقیقت قرآن پاک کی اس سب سے مختصر سورہ میں پیش کی،  
مَلِكُ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ. اللَّهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ  
وَلَمْ يُولَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا  
أَحَدٌ

(اخلاص) اس کا کوئی دوسرا معنی ہے جو اس کی بیوی ہو۔

یہ روایت حضرت ابی بن کعبہؓ سے مروی ہے جو صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے، وہ اسی کے بعد اس سورہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ محمدؐ وہ ہے جو نہ جناب ہے اور نہ کسی نے اس کو جنابا ہو، کیونکہ جو جنابا جاتا ہے وہ مرتا بھی ہے، اور جو مرتا ہے وہ اپنا وارث اور جانشین بھی چھوڑ جاتا ہے، اور خدا نہ مرتا ہے نہ اس کا کوئی جانشین ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے یعنی کوئی اس کے برابر نہیں اور نہ کوئی اس کے مثل ہے، غور کرو کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے پہلے اہل عرب میں خدا کا کتنا پست و ذلیل تخیل تھا جس کا اندازہ تم ان کے سوال سے کر سکتے ہو، اور آپ کی تعلیم کے بعد وہ تخیل کتنا پاک، اعلیٰ اور بلند ہو گیا جس کا اندازہ حضرت ابی بن کعبہؓ کی تفسیر سے ہو سکتا ہے جو اسی عرب نژاد قبیلہ کے ایک ممتاز فرد تھے، لیکن ان کا دل اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تعلیم سے منور ہو چکا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ آپ سے سُن کر کہتے تھے کہ خدا فرماتا ہے کہ آدم کے بیٹے نے مجھے حبش لایا اور آدم کے بیٹے نے محمدؐ کو گالی دی، اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ اس نے کہا کہ خدا دوبارہ پیدا نہیں کرے گا حالانکہ پہلی بار کے پیدا کرنے سے دوسری بار کا پیدا کرنا بہت آسان ہے، اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے حالانکہ میں ایک اور محمدؐ ہوں، جس نے نہ کسی دوسرے کو جناب ہے اور نہ اس کو کسی نے جناب ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے حضرت ابو ہریرہؓ یعنی عرب ہیں، یعنی اس عرب کے ایک فرد ہیں جو تعلیم محمدؐ سے پہلے ان حقائق سے بے بہرہ تھا اور اب وہ تہذیب و تقدیس کے یہ موتی اپنے منہ سے اگل رہے ہیں۔

اس مختصر سورہ میں سب سے چھوٹا لفظ قمر ہے، لیکن درحقیقت قرآن کی بلاغت نے اس ایک لفظ میں صفات الہی کا پہلے پایاں دفتر چھپا رکھا ہے، محمد کے معنی لغت میں اونچی بھرتلی زمین یا چٹان کے ہیں جو کسی ایسے علاقہ میں ہو جہاں جب سیلاب آتا ہو تو اس پر نہ چڑھتا ہو، اور لوگ اس وقت دوڑ دوڑ کر اسی پر چڑھ کر اپنی جان بچاتے ہیں، محمد کے اس لغوی معنی سے اس سرور الہ کے معنی پیدا ہوئے جو بزرگی اور شرافت میں انتہائی مصراع کمال پر ہوا اور اس سرور کو بھی کہنے لگے جس کی موجودگی کے بغیر نہ سرور کہ حاکم تفسیر اخلاص (صحیح) و جامع ترمذی تفسیر سورۃ مذکور و کتاب الاسماء - بیہقی ص ۲۲ (الآجل) صحیح بخاری سورۃ اخلاص۔



مجلس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا ہو اور اس سرشار کو بھی کہتے ہیں جس کے اوپر کوئی سردار نہ ہو اور اس جاسے پناہ کے معنی میں بھی مستعمل ہوا جو سب کو مصیبت کے وقت اپنے دامن میں پناہ دے سکے اور اس مرجع و مرکز کے معنی میں بھی آیا جس کی طرف ہر شخص دوڑ دوڑ کر جاتا ہے، مہمڈ ٹھوس کو بھی کہتے ہیں جس کے اندر غول نہ ہو اسی لئے اس کو بھی کہتے ہیں جو کھانا پیتا نہ ہو اور جس کے آل و اولاد نہ ہو، اس کو بھی کہتے ہیں جس سے کوئی بے نیاز نہ ہو اس بہادر کو بھی کہتے ہیں جس کو لڑائی میں بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو، صمد کا اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے گل نہ رہا ہو، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ صمد "وہ سردار ہے جو اپنی بزرگی اور سرداری میں درجہ کمال پر ہو، وہ شریف جس کی شرافت کامل ہو، وہ بڑا جس کی بڑائی میں کوئی نقص نہ ہو، وہ بردبار جس کی بردباری بدرجہ اتم ہو، وہ بے پرواہ، بے نیاز جس کی بے پروائی و بے نیازی کی کوئی حد نہ ہو، وہ زبردست جس کے جہد و کوشش کی انتہاء نہ ہو وہ علم والا جس کا علم بدرجہ اتم ہو، وہ حکیم جس کی دانائی بمرتبہ کمال ہو، یعنی وہ جو بڑائی اور بزرگی کی ہر صنف میں کامل ہو۔ ان معنوں کے علاوہ صحابہ و تابعین نے اس کی تفسیر میں حسب ذیل معانی بھی لکھے ہیں۔

ابن عباسؓ - وہ جس کی طرف مصیبت کے وقت لوگ رجوع کریں۔

حسن بصریؒ - وہ حقیقی و قیوم جس کو زوال نہ ہو اور جو باقی ہو۔

ربیع بن انسؒ - جس کے نہ اولاد ہو، نہ ماں باپ۔

عبداللہ بن مسعودؒ - جس کے اندر معدہ وغیرہ جسمانی اعضاء نہ ہوں۔

بریدہؒ - جس میں خوف نہ ہو۔

عکرمہ و شعبیؒ - جو کھانا نہ ہو۔

عکرمہؒ - جس سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے۔

قائدہؒ - باقی غیر فانی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام معانی اس ایک لفظ کے اندر پوشیدہ ہیں اور یہ سب صرف ایک حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں، کیونکہ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس لفظ کے اصلی معنی چٹان کے ہیں جو لڑائی اور مصیبتوں کے وقت جلتے پھٹتے کام دے، اسرائیل الیات میں بھی یہ لفظ ہی اہمیت رکھتا ہے اور بنی اسرائیل کے صحیفوں میں جلتے پھٹنے کے لئے چٹان کا لفظ آیا ہے۔ استثناء (۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲) میں ہے۔

"اگر ان کی چٹان ان کو بیچ نہ ڈالتی اور خداوند ان کو اسیر نہ کرتا، کیا ان کی چٹان ایسی نہیں جیسی ہماری چٹان؟"

یہ چٹان اس موقع پر حقیقت میں خدا کی مدد و نصرت سے کنایہ ہے، اسموٰل کے پہلے صحیفہ میں، یہ کنایہ تصریح سے مل جاتا ہے، خداوند کے مانند کوئی قدوس نہیں، تیرے سوا کوئی نہیں، کوئی چٹان ہمارے خدا کے مانند نہیں؟ (۲۰-۲۱)

اس سورہ میں خدا کی صفت میں دو لفظ ہیں اَحَدٌ ایک اور صَمَدٌ جلتے پھٹنے والا اور یہ دونوں خدا کے دو متضاد کمالات اور صاف کو حاوی ہیں، اس کی کیتائی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، نہ اس کو کسی کی حاجت، نہ اس کو کسی سے غرض

لے کتاب الاسماء والصفات امام بیہقی بسند مس ۴۳ لے ان معانی کے لئے دیکھو کتاب الاسماء بیہقی ص ۳۳، مفردات القرآن راجع مصنفانی، ابن جریر طبری، ابن کثیر اور تفسیر سورۃ الاخلاص لابن تیمیہ۔

وہ یکہ و تنہا، اکیلا بے ہمتا، بے نیاز، بے پرواہ، سب سے متغنی اور سب سے الگ ہے، لیکن اسی کمال کیتائی کیساتھ وہ سب کے ساتھ سب کا دستگیر سب کی جلتے پھٹنے والا، سب کا محتاج الیہ سب کا مرکز، سب کا مرجع، سب کا مآوی، سب کا ملجأ یعنی سب کی چٹان ہے، جو مصیبتوں میں سارا، بلاؤں میں تسلی اور اضطرالوں میں تسفی ہے۔

ہر جگہ سے بھاگ کر اللہ کے ہاں پناہ لو۔

یہ سورۃ پاک توحید اسلامی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے اور اسی لئے اس کو نکتہ القرآن (تہائی قرآن) کا درجہ دیا گیا ہے ایک صحابی تھے جو نماز کی ہر دو رکعت میں قرأت کے آخر میں اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے، لوگوں نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپؐ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کرائی، انہوں نے کہا، اس میں میرے رب کی صفات بیان ہوتی ہیں، جو مجھ کو بہت محبوب ہیں، آپؐ نے فرمایا، بشارت ہو کہ خدا بھی تم سے محبت کرتا ہے، ایک اور انصاری صحابی تھے جو قبائلی مسجد میں امامت کرتے تھے ان کا یہ حال تھا کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد پہلے اس سورہ کو پڑھ لیتے تھے تب کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے، ان کے مقتدی صحابہ نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے امامت چھوڑنی منظور ہے مگر اپنی روش بدلنی منظور نہیں، لوگوں نے اس واقعہ کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپؐ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو گزارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ سورہ بہت محبوب ہے، ارشاد ہوا کہ یہ محبت تم کو جنت میں لے جلتے گی، قائدہ بن نعمان ایک صحابی تھے جو رات بھر ایک سورہ کو دہراتے اور لطف حاصل کرتے رہتے تھے، لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ یہ سورہ قرآن کا تہائی حصہ ہے۔ اس گمراہی اور تاریکی کا اندازہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب پر چھائی ہوئی تھی، اس روحانی لطف اور نورانی فیض سے کرو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کے حصہ میں آیا۔

قرآن مجید اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کے ستو سے زیادہ نام اور اوصاف آتے ہیں، صحیح حدیثوں میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو ان کو محفوظ رکھے یا نگاہ میں رکھے، وہ جنت میں داخل ہوگا، خدا طاق ہے، وہ طاق حد کو پسند کرتا ہے، آخری فقرہ اس علت کو ظاہر کرتا ہے کہ ۹۹ نام کیوں رکھے گئے، پورے ستو کیوں نہ مقرر کئے گئے، یہ اس لئے کہ اگر پورے ستو ہوتے تو عدد طاق نہ رہتا، اور اس سے توحید کا مرکز آشکارا نہ ہوتا، صحیح احادیث میں اسی قدر ہے یعنی ان ۹۹ ناموں کی تصریح نہیں ہے، ترمذی میں اور بعض کم درجہ حدیثوں میں ان ناموں کو گنایا بھی ہے، لیکن محدثین نے غموٹا یہاں تک کہ حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ یہ روایتیں ضعیف اور کمزور ہیں، پھر ان روایتوں میں بعض ناموں کا ادل بدل اور الٹ پھیر بھی ہے اور بعض ایسے نام بھی ان میں ہیں جو قرآن مجید میں مذکور نہیں اور بعض نام ایسے جو قرآن میں ہیں ان میں نہیں ہیں، اسی لئے علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان روایتوں میں ناموں کا انتخاب راویوں نے خود اپنی تلاش و تفتیش سے کیا ہے اس لئے ان روایتوں سے یہ شبہ ہو کہ اسمائے الٰہی صرف ان ننانوے میں محصور ہیں بلکہ بڑے بڑے ائمہ اور محدثین مثلاً عبد العزیز بن یحییٰ، ابو جبر بن عربی، امام نووی، قسطلانی، ابن حجر، امام خطابی، ابن تیمیہ اور قرطبی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ اسمائے الٰہی ان ننانوے میں محصور نہیں اور یہ بھی تصریحات طبعی ہیں

لے صحیح بخاری کتاب التوحید، مسند احمد بسند ابی سعید الخدری لے صحیح بخاری کتاب التوحید و صحیح مسلم کتاب الذکر و مسند احمد بسند ابی ہریرہ و جامع ترمذی و نسائی و ابن جریر طبری و ابی داؤد و ابی جریر و طبرانی و بیہقی وغیرہ۔



بہر حال قرآن پاک اور اسادیشہ صحیحہ کے متبع سے علمائے سنانوے ناموں کا پتہ چلا یا ہے اور ان کو الگ الگ ایک ایک کر کے گنایا ہے، یہ تمام نام وہ ہیں جو یا بطور علم اور بطور صفت قرآن پاک میں آئے ہیں، یا افعال کی حیثیت سے خدا کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاؤں میں ان کی تعلیم کی ہے، ہم ذیل میں بہ ترتیب ایک ایک نام لکھتے ہیں اور اس کی مختصر لغوی تشریح کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا جو تعظیم اور عقیدہ اپنے پیروؤں کو سکھایا وہ کتنا وسیع، کتنا بلند، کتنا منزہ اور پاکیزہ ہے، علماء نے ان ناموں کو یا ان صفات کو مختلف معنوی مناسبتوں سے ترتیب دیا ہے، لیکن ہم نے ان کے صرف تین مرتبے قرار دیئے ہیں، ایک وہ جن سے اس کے رحم و کرم، عفو و درگزر یعنی صفاتِ جمالی ظاہر ہوتے ہیں، دوسرے وہ جن سے اس کی شاہنشاہی، جلال و جبروت اور حکومت و استیلا کا اظہار ہوتا ہے اور ہم ان کو صفاتِ جلالی کہتے ہیں، تیسرے وہ اسما اور صفات جن سے اس کی تنزیہ، بلندی، کمالات کی جامعیت اور ہر قسم کے اوصافِ حسنہ اور محامد عالیہ کا ثبوت ملتا ہے اور ان کو ہم صفاتِ کمالی سے تعبیر کرتے ہیں۔

الغرض خدا کے تمام اسما و صفات ان ہی تین عنوانوں کی تشریح ہیں یعنی یا تو ان سے خدا کی رحیمی و کریمی ظاہر ہوتی ہے یا اس کے جہاد و جلال کا اظہار ہوتا ہے، اور یا اس کی تنزیم و کمال کا اثبات ہوتا ہے۔

ایمنی وہ اسما۔ وصفات جن سے خدا کے رحم و کرم اور شفقت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

## صفاتِ جمالی

صفاتِ بھائی اللہ :- یہ خدا کا وہ نام ہے جو قرآن پاک میں بطور علم ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے، اسلام سے پہلے بھی یہ عرب میں خدائے برحق کے لئے استعمال ہوتا تھا، اس لفظ کی لغوی تحقیق میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے، کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی اس ہستی کے ہیں جس کی پرستش کی جاتے، بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جس کی حقیقت و معرفت میں عقل انسانی حیران و سرگواں ہو، دوسروں کی تحقیق ہے کہ اس کے معنی ہیں وہ جو اپنی مخلوقات کے ساتھ ایسی شفقت اور محبت رکھے جو مال کو اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہے، اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنی پیار کرنے والے یا پیار سے کئے ہیں۔

اَلرَّحْمٰنُ۔ اللہ کے بعد یہ دوسرا لفظ ہے جس کو علم کی حیثیت حاصل ہے، اس کے معنی رحم والے کے ہیں، یہ گزشتہ جگہ ہے کہ رحمان کا لفظ اسلام سے پہلے صرف عیسائی عربوں میں مستعمل تھا، امام اہل عرب میں اللہ کا لفظ مستعمل تھا، قرآن مجید نے ہر سرور کے شرف میں نیز اور مقامات میں اللہ کو الرحمن کہہ کر سینکڑوں جگہ استعمال کیا ہے، بظاہر تو یہ وصف موصوف کی معمولی ترکیب ہے مگر حقیقت یہ بدل و مبدل نہ ہیں اور اس سے اس رمز کی طرف اشارہ ہے کہ عام عربوں کا اللہ اور عرب عیسائیوں کا ارتقا دو اجنبی ذاتیں اور دو بیگانہ ہستیاں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں اور ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں، اس طرح ان دو مختلف قوموں کو وحدت الہی کی دعوت دی گئی جو ناموں کے تعدد کو حقیقت کے تعدد کا مرادف سمجھتی تھیں اور کما گیا۔

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا  
فَلَهُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ (اسرائیل - ۱۳)

اللہ کو یا رحمن جو پا ہو کہو، اسی کے لئے سب  
اپنے نام ہیں۔

۱۔ تمہید ابو شامہ سلمیٰ القول الثالث فی عدد الہامیہ ما ترجمہ یہ کی مشورہ مستند کتاب ہے۔

الترکیب :- پرورش کرنے والا، یعنی ہستی کے اول نقطہ سے لے کر آخر مزاج تک ہر لمحہ اور ہر لحظہ مخلوقات کی نشوونما اور ظهور و ترقی کا ذمہ دار۔

الذَّطِيفُ ١- الحف والامهر بان.

الْعَفْوَ۔ معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا۔

الْوَدُودُ۔ محبوب، محبت کرنے والا، پیار کرنے والا۔

السَّلاَمُ :- امن و سلامتی، صلح و آشتی، ہر عیب سے پاک و صاف۔

المُحِبُّ: محبت، والا، پیار والا، چاہنے والا۔

الْمُؤْمِنُ: امان دینے والا، امن بخشنے والا، ہر خوف سے بچانے والا اور ہر محبت سے نجات دینے والا۔

الشُّكُورُ :- اپنے بندوں کے نیک عمل کو قبول، اور پسند کرنے والا۔

الْغَنُورُ وَالْعَفَّارُ: معاف کرنے والا، گناہ بخشنے والا، درگزر کرنے والا۔

الْحَفِيفُ وَالْحَافِظُ :- حفاظت کرنے والا نگہبان، بچانے والا۔

اَلْوَحَّابُ :- دینے والا، عطا کرنے والا، بخشنے والا۔

الْوَارِثُ، وَالْوَثَاقُ۔ روزی دینے والا، نشوونما کا سامان بہم پہنچانے والا۔

الْوَلِيُّ : دوست، حمایتی، طرف دار۔

اَللّٰهُمَّ :- مہربان، نرمی اور شفقت کرنے والا۔

المُقْسِطُ - النصف والاعادله.

الْهَادِي :۔ راہ دکھانے والا، رہنما۔

اَلْكَافِي :- اپنے بندوں کی ہر ضرورت کے لئے کافی۔

المُجِيبُ۔ قبول کرنے والا، دعاؤں کا سننے والا۔

الحَلِیْمَةُ - بردبار، بندوں کی برائیوں سے چشم پوشی کرنے والہ۔

التَّوَابُ وَقَبِلَ التَّوَابُ: توبہ قبول کرنے والا، گناہوں کے گناہوں سے درگزر کر کے دوبارہ اس کی طرف رجوع ہونے والا۔

الحِصَانُ:۔ ماں کی طرح بچوں پر شفقت کرنے والا۔

القنات: احسان کرنے والا۔

التصوير :- مد کرنے والا۔



ذُو الطَّوْلِ :- کرم والا۔

ذُو الْفَضْلِ :- فضل والا۔

الْكَفِيل :- بندوں کی کفالت کرنے والا۔

الْوَكِيل :- بندوں کی ضرورتوں کا ذمہ لینے والا، سامان کرنے والا۔

الْمُعِيت :- روزی پہنچانے والا۔

الْمُعِيت :- فریاد کو پہنچنے والا، فریاد سننے والا۔

الْمُجِيت :- پناہ دینے والا۔

الْمُعْنِي :- بندوں کو اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز کرنے والا۔

یعنی وہ اسما و صفات جن سے خدا کی بڑائی، کبریائی، شہنشاہی کا اظہار ہوتا ہے۔

صفات جلالی الْمَلِكُ وَالْمَلِكُ :- بادشاہ، فرمانروا۔

الْعَزِيز :- غالب جس پر کوئی دسترس نہ پائے۔

الْقَاهِرُ وَالْقَهَّارُ :- جس کے حکم سے کوئی باہر نہیں جاسکتا، سب کو دبا کر اپنے قابو میں رکھنے والا۔

الْمُنْتَقِمُ :- سزا دینے والا، برائیوں کی جزا دینے والا۔

الْجَبَّارُ :- جبروت والا جس کے سامنے کوئی دوسرا دم نہ مار سکے، جس سے کوئی سرتابی نہ کر سکے۔

الْمُهَيِّمُ :- سب پر شاہ اور گواہ اور دلیل۔

الْمُسْتَكْبِرُ :- اپنی بڑائی دکھانے والا، کبریائی والا، سخت سزا دینے والا۔

شَدِيدُ الْعِقَابِ :- سخت سزا والا۔

شَدِيدُ الْبَطْشِ :- بڑی گرفت والا، جس سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا۔

نکتہ :- خدا کے صفات جلالی کا ذکر زیادہ تر تورات میں ہے لیکن صحیفہ محمدی میں جہاں کہیں خدا کی ان جلالی صفتوں کا ذکر

آتا ہے ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ خدا کے عادل، حکیم اور علیم ہونے کا بھی ذکر ہوتا ہے، جس سے انسان کی اس غلط فہمی کا مٹاؤ

ہے کہ خدا کی ان صفتوں کا یہ فشا نہیں ہے کہ وہ خود بالمشائیک لابی کی طرح دم کے دم میں جو چاہے کر گزرتا ہے بلکہ اس کا

قہر اس کا غلبہ، اس کا انتقام اور اس کی گرفت، عدل و انصاف اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اور اس طرح ان جلالی

ناموں سے بے رحمی اور خالمانہ سخت گیری کا جو شبہ پیدا ہو سکتا ہے، وہ دور ہو جاتا ہے، فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ لَيَبْغِضُ الْمُعْبِيدَ (ال عمران ۱۱۰) بے شک خدا بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ کے وصف میں عزیز، غالب، کے ساتھ حکیم، حکمت والا، ہمیشہ قرآن میں آیا ہے

اور یہی وجہ ہے کہ خدا کے عذاب کے ذکر کے ساتھ اس کی رحمت کا تذکرہ بھی ہمیشہ قرآن میں کیا جاتا ہے اور مدح

کے بیان کے ساتھ جنت کا سماں بھی لازمی طور پر دکھایا جاتا ہے۔

جہاں یہ کہا گیا کہ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ وہیں یہ بھی کہا گیا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

بَلَيْهًا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ (ص ۵۰) قوموں کی تباہی و بربادی کا ذکر کیا گیا تو فرمادیا۔

وَمَا اللَّهُ يَنْدُ خُلُقًا لِّلْجَبَادِ (مومن ۴۳) اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔

اس کی صفت ذُو عِقَابِ الْيُسْرِ دردناک عذاب دینے والا جہاں بیان کی گئی تو اس سے پہلے لَذُو مَغْفِرٍ

یقینی بخشش والا رحم السجدہ ۵۰، بھی فرمادیا گیا، غرض صفات جلالی کے بیان میں یہ رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے کہ ان

کے ساتھ یا آگے پیچھے خدا کی صفات جلالی کا بھی ذکر ہوتا کہ خوف و خشیت کے ساتھ اس کی محبت اور لطف و کرم کے

جذبات بھی نمایاں ہوں۔

یعنی وہ اسما و صفات جن سے خدا کی خوبی، بڑائی، بزرگی اور ہر وصف میں اس کا کامل ہونا ظاہر ہوتا

صفات کمالی ہے، اس طرح کے اسما و صفات پانچ قسم کے ہیں، ایک وہ جو اس کی وحدانیت سے متعلق ہیں سو

وہ جو وجود سے تعلق رکھتے ہیں تیسرے اس کے علم سے، چوتھے اس کی قدرت سے اور پانچویں اس کی تشریف اور پاک

صفات وحدانیت یعنی وہ صفتیں جو خدا کی یکتائی اور بے مثالی کو ظاہر کرتی ہیں، اور وہ یہ ہیں۔

صفات وحدانیت الْوَاحِدُ :- ایک۔

الْأَحَدُ :- ایک۔

الْوَحْدُ :- لائق جس کا کوئی جوڑا نہیں۔

یعنی وہ صفتیں جن سے اس کا وجود، بقا و دوام، ازلیت اور بے زوالی ظاہر ہوتی ہے۔

صفات وجودی الْوَجُودُ :- وجود والا، هست۔

الْحَيُّ :- ہمیشہ زندہ، غیر فانی۔

الْقَدِيمُ :- وہ جس سے پہلے کوئی دوسرا موجود نہیں، جو ہمیشہ سے ہے۔

الْقَيُّومُ :- جو اپنے سارے تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔

الْبَاقِي :- جس کو ہمیشہ بقا ہے۔

الْدَّائِمُ :- ہمیشہ رہنے والا۔

الْأَوَّلُ :- وہ پہلا جس کے پہلے کوئی نہیں۔

الْآخِرُ :- وہ پچھلا جو سب کے فانی ہونے کے بعد بھی ہمیشہ باقی رہے گا۔

الْمُقَدَّمُ :- جو سب سے آگے سے ہے۔

الْمُؤَخَّرُ :- جو سب سے پیچھے رہ جائے گا۔

الظَّاهِرُ :- جس کا وجود کھلا اور نمایاں ہے (یعنی جو اپنے کاموں اور قدرتوں کے لحاظ سے ظاہر ہے،

الْبَاطِنُ :- جو چھپا اور مخفی ہے) یعنی جو اپنی ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے،

علم :- یعنی وہ صفتیں جو اس کے ہر چیز سے باخبر اور آگاہ ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔

الْخَبِيرُ :- خبر رکھنے والا۔



الْعَلِيْمُ :- جاننے والا۔

عَلَامَةُ الْغَيْبِ :- جو باتیں سب سے پوشیدہ ہیں ان کو جاننے والا۔

مُبَيِّنُ بَدَاةِ الْقُدُوْر :- دلوں کے چھپے ہوئے مجید کو جاننے والا۔

الْمُشِيْعُ :- سننے والا۔

الْبَصِيْرُ :- دیکھنے والا۔

الْمُتَكَلِّمُ :- بولنے والا، اپنے علم اور ارادہ کو ظاہر کرنے والا۔

الْوَّاحِدُ :- پانے والا، جس کے علم سے کوئی چیز گم نہیں۔

الشَّهِيدُ :- حاضر جس کے سامنے سے کوئی چیز غائب نہیں۔

الْحَيُّ :- حساب کرنے والا، یعنی چیزوں کا علم اس کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے یعنی وزن اور مقدار ان کا بھی جاننے والا۔

الْمُخَصِّنُ :- گنتے والا، یعنی جس چیزوں کا علم کن کر حاصل کیا جاتا ہے یعنی اعداد ان کا بھی جاننے والا۔

الْمُدَبِّرُ :- تدبیر کرنے والا، انتظام کرنے والا۔

الْحَكِيْمُ :- حکمت والا، عقل والا، سب کاموں کو مصلحت سے کرنے والا۔

الْمُرِيدُ :- ارادہ کرنے والا، مشیت والا۔

الْقَرِيْبُ :- نزدیک، جو اپنے علم کے لحاظ سے گویا سب کے پاس ہے۔

الْقُدْرَةُ :- یعنی وہ صفات جن سے اس کی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے۔

الْقَادِرُ :- ہر شکل کو کھولنے والا۔

الْقَدِيْمُ وَالْقَادِرُ :- قدرت والا۔

الْمُقْتَدِرُ :- اقتدار والا، جس کے سامنے کوئی چوں چرائیں کر سکتا۔

الْقَوِيُّ :- زبردست، جس کے سامنے کسی کا بس نہیں چل سکتا۔

الْعَزِيْزُ :- مضبوط، جس میں کوئی کمزوری نہیں۔

الْجَامِعُ :- جمع کرنے والا، منفرد اور پرآگندہ چیزوں کو اکٹھا کرنے والا۔

الْبَاسِطُ :- اٹھانے والا، مردوں کو قبروں سے اٹھانے والا، یاد دنیا میں ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا محرک اول۔

مَالِكُ الْمُلْكِ :- سلطنت کا مالک، جس کے سامنے کسی کی کوئی ملکیت نہیں۔

الْبَدِيْعُ :- نئی نئی چیزیں ادا کرنے والا۔

الْوَّاسِعُ :- سمانے والا، جو ہر چیز کو سماتے ہوئے ہے۔

الْمُعِيْطُ :- احاطہ کرنے والا، جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، کوئی اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔

الْمُخَيِّطُ وَالْمُعِيْطُ :- جلانے والا اور مارنے والا۔

الْقَابِضُ وَالْبَاسِطُ :- سمیٹنے والا اور پھیلانے والا۔

الْمُعِزُّ وَالْمُذِلُّ :- عزت دینے والا اور ذلت دینے والا۔

الْخَافِضُ وَالرَّافِعُ :- نیچا کرنے والا اور اونچا کرنے والا۔

الْمُعْطِي وَالْمَانِعُ :- دینے والا اور روک لینے والا۔

الْمُنْفِذُ وَالْقَائِلُ :- نفع پہنچانے والا اور نقصان پہنچانے والا، یعنی نفع اور ضرر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

الْمُبْدِي وَالْمُعِيْدُ :- جو چیز پہلے سے موجود نہ ہو اس کو وجود میں لانے والا اور جو ہو کر فنا کر دی گئی اس کو پھر دوبارہ وجود میں لانے والا۔

دوبارہ وجود میں لانے والا۔

نکتہ :- اس قسم کی صفات جن میں بظاہر قبح نظر آتا ہے جیسے الْقَضَاءُ (نقصان پہنچانے والا) الْمُذِلُّ (ذلت

دینے والا) الْخَافِضُ (پست کرنے والا) الْعَالِيُّ (روکنے والا) وغیرہ، ان کا تنہا استعمال چوتھ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے

اس لئے جب تک ان کے ساتھ ان کے مقابل کی صفت نہ بولی جاتے، ان کا استعمال جائز نہیں رکھا گیا ہے یعنی خدا کو صرف

الْقَضَاءُ الْخَافِضُ، الْعَالِيُّ الْمُذِلُّ، الْخَافِضُ الْمُنْفِذُ، الْعَالِيُّ الْمُنْفِذُ، الْخَافِضُ الْمُنْفِذُ، الْعَالِيُّ الْمُنْفِذُ، الْخَافِضُ الْمُنْفِذُ،

یعنی الْقَضَاءُ کے ساتھ الْمُنْفِذُ، الْخَافِضُ کے ساتھ الْمُنْفِذُ، الْعَالِيُّ کے ساتھ الْمُنْفِذُ اور الْمُنْفِذُ کے ساتھ الْعَالِيُّ

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، قرآن پاک اور احادیث دونوں میں ان صفات کے استعمال میں رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، کیونکہ تنہا

نقصان پہنچانے والا، ذلت دینے والا اور روکنے والا کوئی غوی نہیں بلکہ ایک طرح کی بولائی ہے، ہاں نقصان پہنچانے والا

عزت و ذلت دینے والا اور دینے والا اور روکنے والا، دونوں کو ملا کر کہا جاتے تو جائز ہوگا، اس سے مقصود خدا کی قدرت کی

وسعت ہے، اگر کوئی ایسا نفع پہنچانے والا ہے جس میں نقصان پہنچانے کی قدرت ہی نہیں، یا ایسا عزت دینے والا جس میں

ذلیل کرنے کی استطاعت ہی نہیں تو وہ اس عزت دینے اور نفع پہنچانے پر مجبور و مضطر ہوگا، اور اس کی قدرت کا یہ کمال نہ ہوگا

بلکہ جو نقصان پہنچانے کی طاقت رکھنے کے باوجود نفع پہنچاتا اور ذلت دے سکنے کے باوصف عزت دیتا ہے اس کا کمال ہر

شخص کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

تشریح :- یعنی وہ صفات جو اس کی بڑائی، کبریا، پائی اور نیکی اور عیب و نقصان سے اس کی برأت کو ظاہر کرتی ہیں۔

الْعَلِيْمُ :- عظمت والا۔

الْقَدِيْمُ :- بلند۔

الْكَرِيْمُ :- شریف۔

الْقَادِرُ :- سچا راست باز۔

الْحَمِيْدُ :- تعریف والا۔

الْمُنْفِذُ :- سچا اور اصل، یعنی یہ کہ اس کے سوا سب باطل ہیں۔

الْعَزِيْزُ :- نیک۔

الْمُبْدِي :- ہر عیب سے پاک۔

الْوَّاسِعُ :- سیدھی راہ چلنے والا، غیب کے والا۔

الْقَابِضُ :- بزرگی کی ہر صفت میں کامل۔



ان تعلیمات کا اثر اخلاق انسانی پر اللہ تعالیٰ کے ان اسما و صفات کا عقیدہ دین محمدی میں محض نظری نہیں بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے یعنی اس کے یہ محامد و اوصاف اخلاق انسانی کا ماحول

ہیں، ان اوصاف کو چھوڑ کر جو اس ذوالجلال کے لئے خاص ہیں، اور جو بندہ کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہیں، بقیہ اوصاف و محامد انسان کے لئے قابل نقل ہیں کہ وہ خدا کے محامد و اوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہیں، اس لئے انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے تو اپنے خدا کے محامد و اوصاف سے نسبت پیدا کرے، اور ان کو خوبیوں کا انتہائی معیار جان کر ان کی نقل و پیروی کی خواہش کرے، محامد الہی گویا استادِ اعلیٰ کی وصلی ہے جس کو دیکھ کر شاگرد کو اپنے خط کی خوبی میں ترقی کرنی چاہیے، اس لئے انسان کو بھی اپنے حرف کے لکھنے (محامد الہی کی نقل اتارنے) میں ایک نظر اس استادِ ازل کی وصلی پر ڈال لینا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی ذاتی مشق کہاں تک اصلی وصلی کے مطابق ہے۔

گر چہ حکا ہے کہ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ بحکم (آئی جاعل فی الارض خلیفۃ ربہ) آدم کا بیٹا زمین میں خدا کا خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے، خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف و محامد کا پر تو جتنا زیادہ نمایاں ہو گا، اتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کرے گا اور نیابت کے فرائض زیادہ بہتر ادا کر سکے گا، یہاں تک کہ اس میں وہ جلوہ بھی نمایاں ہو گا جب وہ سر تا پا خدائی دیمک میں رنگ کر نکھ جلتے گا۔

صِبْغَةَ اللَّهِ مِمَّنْ أَحْسَنَ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً (البقرہ-۱۱)

خدا کا رنگ اور خدا کے رنگ سے کسی کا رنگ اچھا ہے۔

تمام اہل تفسیر متفق ہیں کہ اس خدائی رنگ سے مقصود خدا کا دینِ فطرت ہے۔

یہ حدیث اہل کفر و عریضہ کے لیے ہے کہ ان اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور ساتھ ہی اس کی تشریح بھی گزری ہے کہ اس صورت سے مقصود جسمانی نہیں بلکہ معنوی شکل و صورت ہے۔ یعنی یہ کہ خدا نے انسان میں اپنے عطا کردہ کمال کا عکس طوہ کر لیا ہے اور ان کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہیں اور ان میں حد بشری تک ترقی کی استعداد بخشی ہے۔ اور انسان کو اخلاق و صفت میں طائر اعلیٰ سے تشبیہ اور ہم شکل کی وجہ سے مرحمت فرمایا ہے اور یہی صوفیاء و خواصانِ خدا کے اس مقولہ تخلقوا باخلاق اللہ خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو، کا مطلب ہے، حدیث میں یہی مفہوم ہر روایت طبری ان الفاظ میں لایا گیا ہے کہ حسن الخلق خلق اللہ الا عظم حسن خلق خدا تعالیٰ کا خلق عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کاملہ کی تین قسمیں اور بیان ہوئی ہیں، پہلی، اکیالی اور تیز سی، صفاتِ پہلی جو کبرائی عظمت، شہنشاہی اور بڑائی کے اوصاف ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات ان کی مستحق نہیں، اور نہ یہ اوصاف بندگی و عبودیت کے رتبہ کے مناسب ہیں، ان کا انکسار یہ ہے کہ بندوں میں ان کے مقابل کے صفات پیدا ہوں، یعنی عاجزی، تواضع، فروتنی اور خاکساری اسی لئے ترفع، تکبر اور بڑائی کا اظہار منع ہے اور اسی لئے آدم جس نے فروتنی اختیار کی اور مجز و قصور کا اعتراف کیا، وہ منکر کے ظلمت سے سرفراز ہوا، اللہ شیطاں جس نے ترفع اور غرور ظاہر کیا دائمی لعنت کا مستحق ٹھہرا۔

اَبٰی وَاٰمَنَّا بِكَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ۔ اس نے رَآدَم کے سجدہ سے انکار کیا اور غرور کیا اور کافروں

قرآن پاک میں ہے کہ بڑائی اور کبریائی صرف خدا کے لئے ہے، اس کے سوا کوئی اور اس کا مستحق نہیں۔  
وَلِلَّهِ الْكِبَرُ يَوْمَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ  
اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے بڑائی ہے۔

صحیح مسلم میں، ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ دو صحابیوں سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عزت اس کا لباس اور کبر بانی کا  
کی یاد رہے (نہ فرامانا ہے) تو جو کوئی عزت و کبر بانی میں میرا حریف بنے گا میں اسے سزا دوں گا، دوسری جگہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ  
خدا کے نزدیک سب سے بڑا وہ ہے جو اپنا نام بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہ رکھتا ہے، خدا کے سوا کوئی بادشاہ اور مالک نہیں ہے  
اَلْعَزِيزُ مِنَ الْجَبَّارِ الْمُتَكَبِّرِ (شرح ۱۲) اسی کی شان ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنی عزت و جلال اور قوت و جبروت کا فیضان بعض بندوں اور  
امتوں پر نازل کرتا ہے اور وہ ان کو طاقت اور قوت اور بادشاہی عطا کرتا ہے، مگر اس نوازش کے بعد بھی نیک بندوں اور صالح  
امتوں کا فرض یہی ہے کہ عین اس وقت جب ان کے دست و بازو سے قوت حق اور ربانی جاہ و جلال کا اظہار ہو رہا ہو، ان کی  
پیشانیوں پر فطرہ حمد و دیت سے اس کے آگے جھکی ہوں، اور سر نیاز اظہار بندگی کے لئے اس کے سامنے خم ہوں کہ عزت و جلال  
خاص خدا کی شان تھی جس کا فیضان رسول پر ہوا اور رسول کی وساطت سے مومنوں پر ہوا، یہ ترتیب خود قرآن میں طوطی گویا ہے  
وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (مافقون ۲۱) اور عزت نہ رکھتے ہے اور اس کے رسول کہتے اور مومنوں کیلئے ہے۔

حاکم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مین کپڑے ہیں، وہ اپنی عزت و جلال کا ازار باندھتا ہے اور اپنی محبت کا جامہ پہنتا ہے اور اپنی کبریائی کی چادر اوڑھتا ہے تو جو شخص اس عزت کے سوا جو خدا کی طرف سے اس کو عنایت ہوئی ہے محرز بنا پایا ہوتا ہے تو وہی وہ شخص ہے جس کو قیامت میں کہا جائے گا (اس کا) مزہ چکھ تو معزز اور شریف بننا تھا (قرآن) اور جو انسانوں پر رحم کرتا ہے خدا اس پر رحم کرتا ہے، کیونکہ اس نے وہ جامہ پہنا جس کا پہننا اس کو روا تھا اور جو کبریائی کرتا ہے تو وہ خدا کی اس چادر کو اتارنا چاہتا ہے، جو خدا ہی کے لئے تھی۔

خدا کے صفاتِ کمائی میں سے وحدانیت اور بقائے ازل و ابری کے سوا کہ ان سے تمام مخلوقات اور ممکنات بطبعاً محروم ہیں بقیر اوصاف کے فیضان سے انسان مشرف ہوتا ہے، صفاتِ تنزیہی مثلاً قدرت، علم، سمع، بصر، کلام وغیرہ سے بھی مخلوقات تمام محروم ہیں، ان کی تنزیہیہ سی ہے کہ وہ خدا کے عصیان، نافرمانی اور گنہگاری کے عیب سے بری اور پاک ہوں۔

خدا کے صفات جمالی وہ اصلی اوصاف ہیں جن کے فیضان کا دروازہ ہر صاحب توفیق کے لئے حسبِ تعداد کھلا ہوا ہے، ان صفات کا سب سے بڑا مظہر عفو و درگزر ہے، عیسائیوں کی عام دعا میں ایک فقرہ ہے کہ خداوند! تو ہمارے گناہوں کو معاف کر۔ جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو معاف کرتے ہیں، اسلام نے اس الٹی تشبیہ کو جائز نہیں رکھا ہے، اس کے بلکہ یہ ہے کہ اے انسان! تو اپنے مجرموں کو معاف کر کہ خدا تیرے گناہوں کو معاف کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی اپنے بھائی کے گناہ پر پردہ ڈالے گا، خدا اس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا قرآن کہتا ہے کہ تم دوسروں کو معاف کرو کہ خدا تم کو معاف کرے۔

اِنْ تَبَدُّوا خَيْرًا اَوْ تَخْشَوْا اَوْ تَعْمُرُوا عَنْ سُوءٍ  
كَانَ اللّٰهُ لَآنَ عَفْوَاقَدِيْنِ (نساء - ۳۱)

ایک دفعہ عہد نبوت میں بارگاہ عدالت قائم تھی ایک مجرم کو سزا دی جا رہی تھی، سزا کا منظر دیکھ کر حضورؐ کے چہرہ کا  
لکڑا ہوا لب اب انگریزوں نے صبح بخیر کی رسم کتاب الادب سے نقل کیا۔ ادا شدہ رک عالم سے صحیح مسلم کتاب البر والصلا۔



۲۴۰  
 رنگ متغیر ہو رہا تھا، ادانشا سوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ امام تک معاملہ پہنچے سے پہلے ہی اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا کرو، خدا معاف کرتا ہے اور عفو و درگزر پسند کرتا ہے، تو تم بھی معاف اور درگزر کیا کرو، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کرتا کہ تمہیں بھی معاف کرے، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کے مجمع میں فرما رہے تھے کہ جس کے دل میں غرور کا ایک ذرہ بھی ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا، ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کا جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے، فرمایا۔

ان اللہ عز وجل جلیل یحب الجلالۃ  
 اللہ تعالیٰ اچھا ہے، جمال والا ہے، اچھائی اور جلال کو پسند کرتا ہے۔  
 یہ غرور نہیں، غرور حق کو پامال کرنا اور انسانوں کو دہانہ ہے، یہی روایت حدیث کی دوسری کتابوں میں ان الفاظ کے ساتھ ہے، خدا جمال والا ہے، وہ جمال کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے بندہ پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو۔ یہ روایت بھی ہے خدا جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، وہ کئی ہے، سخاوت کو پسند کرتا ہے، وہ صاف ستھرا ہے، صفائی اور ستھرے پن کو پسند کرتا ہے۔ روایت کے یہ الفاظ بھی آتے ہیں، وہ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے، اخلاق عالیہ سے محبت اور براخلاقیوں سے نفرت رکھتا ہے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو نصیحت فرماتے ہیں، اے عائشہ! خدا نرمی والا ہے، وہ ہر بات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا، لوگو! خدا پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے، عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا، اے قرآن کے ماننے والو! ترناز پڑھا کر خدا کی دعا دو، وہ بیکتا (دوڑ) کو پسند کرتا ہے۔

رحمت و شفقت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، مگر خدا کی رحمت و شفقت کے وہی مستحق ہیں جو دوسروں پر رحمت و شفقت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا، رکھ رکھنے والوں پر وہ رحم کرنے والا بھی رکھتا ہے، لوگو! تم زمیں والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا، ابوداؤد باب فی الرحمۃ رشتہ داروں اور قرابت کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تمام رشتہ داریاں اور قرابتیں رحم کے تعلق پر قائم ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ رحم کی جو درجہاں سے ہے، خدا فرماتا ہے کہ اسے ہم جو بخیر کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا، جو بخیر کو ملائے گا، اس کو میں بھی ملاؤں گا۔ ترمذی میں یہی تعلیم ان الفاظ میں ہے، میں خود اہوں، میں نکاح ہوں، میں نے رحم پیدا کیا ہے، اور اپنے نام درحمان اسے اس کا نام رکھ، مشتق کیا ہے تو جو اس کو ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا جو اس کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا۔ پھر فرمایا، جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا، خدا اس پر رحم نہیں کرتا، بخاری میں اس روایت کے یہ الفاظ ہیں، جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا، آپؐ نے فرمایا، خدا نے رحم کے ستون حصے کئے، ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین والوں کو عنایت کیا، اسی کا یہ اثر ہے کہ باہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رحم و شفقت سے پیش آتے ہیں، بیان تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچہ کے لئے اس خوف سے پاؤں اٹھاتی ہے کہ اس کو صدمہ نہ پہنچے۔

لے مستدرک للحاکم جلد ۱ ص ۸۲ کتاب الحدود و معصیہ مسلم کتاب الایمان و ترمذی باب اکبر لکثر اعمال کتاب الزینۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی لکثر اعمال کتاب الزینۃ بحوالہ کامل لابن عدی فی الصنۃ بحوالہ معجم اوسط طبرانی لے معجم مسلم ابوداؤد، حاکم، نسائی، ابی ماجہ بیہقی فی الاکابر لے معجم مسلم کتاب الصریقات و ترمذی تفسیر سورہ بقرہ لے ابوداؤد باب استحباب الوتر فی معجم بخاری باب مصرفہ ارم لے ابوداؤد ابی ہریرۃ لے ترمذی باب مذکور لے جامع بخاری باب رحمۃ الولد۔

۲۴۱  
 بخل خدا کی صفت نہیں، مگر آپؐ نے فرمایا، تم اپنی تحصیل کے منہ بند کرو، ورنہ تم پر تحصیل کا منہ بند کیا جائے گا، یہ نصیحت بھی فرماتی کہ جو بندہ دوسرے بندہ کی پردہ پوشی کرے گا، قیامت میں اس کی پردہ پوشی خدا کرے گا، یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ جب تک تم اپنے بھائی کی مرد میں شہو، خدا تمہاری مرد میں ہے۔

ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ خراسے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں، اسی لئے اس نے فحش باتوں کو حرام کیا ہے۔ اسی کی تفسیر دوسری حدیث میں ہے، آپؐ نے فرمایا کہ خدا بھی غیرت والا ہے اور مومن بھی غیرت والا ہے، اور خدا کی غیرت یہ ہے کہ اس نے اپنے مومن پر جس بات کو حرام کیا ہے اگر کوئی اس کا ارتکاب کرے تو وہ اس پر خفا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے۔

وَأَنَّ اللَّهَ لَیْسَ بِظَلَمٍ لِّلْعَبِيدِ (آل عمران - ۱۹)  
 اور بے شک خدا بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔  
 اس لئے اس کے بندوں کا فرض ہے کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی زبان سے اس کی اس عملی تعلیم کو ان الفاظ میں ادا فرمایا۔

یاعبادی الف حرمت الظلم علی نفسی وجعلنہ بینکم محرماً فلا تظالموا  
 اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اچھے حرام کیا ہے اور اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے تو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

پاکیزگی اور لطافت خدا کی صفتیں ہیں، اس لئے خدا کے ہر بندہ کو بھی پاک و صاف رہنا چاہیے، آپؐ نے فرمایا۔  
 ان اللہ طیب یحب الطیب و النطیف  
 خدا پاکیزہ ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور پاک و صاف ہے  
 یحب النطافۃ فتنظفوا ولا تشبهوا بالیہود  
 پاکی اور صفائی کو پسند کرتا ہے تو تم پاک و صاف رہا کرو  
 یہودیوں کی طرح گندے نہ بنو۔

یہ توحید کا ایک رُخ تھا، اب اس کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ کے قابل ہے۔ وہ قومیں جو توحید سے آشنا نہ تھیں، انہوں نے انسانیت کا مرتبہ بھی نہیں پہچانا تھا، وہ ان کو فطرت کے ہر منظر کا غلام سمجھتیں، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم توحید ہی تھی جس نے خدا کے سوا ہر شے کا خوف انسانوں کے دل سے نکال دیا، سورج سے لے کر زمین کے دیا اور تالاب تک ہر چیز آقا محمدؐ نے کے بھائے انسانوں کی غلام ہی کران کے سامنے آئی، بادشاہوں کے طالع جبروت کا حکم ٹوٹ گیا، اور وہ بابل و مصر، ہندو ایران کے خدا اور ربکوالا علی ہولے کے بھائے، انسانوں کے غلام، راعی اور چوپائے کی صورت میں نظر آتے جن کا عمل و نصب، دیوتاؤں اور فرشتوں کے ہاتھ میں نہ تھا، بلکہ خود انسانوں کے ہاتھ میں تھا۔ تمام انسانی برادری جس کو دیوتاؤں کی حکومتوں نے اچھے نیچے، بلند و پست، شریف و ذلیل، مختلف طبقوں اور ذاتوں

لے جامع بخاری باب رحمۃ الولد لے معجم ترمذی ابواب البر والصلۃ لے مسلم کتاب البر والصلۃ باب بشارۃ من ستر اللہ تعالیٰ علیہ فی الدنیا ان یرزق فی الآخرۃ لے ابوداؤد کتاب الادب باب فی المعونۃ للمسلم لے معجم بخاری کتاب التوجید جلد دوم ص ۱۱۳ لے جامع ترمذی باب ما جاء فی الخیرۃ من ابواب لکاح لے معجم مسلم کتاب البر والصلۃ و مسند ابن فضال ص ۸۶ ص ۱۶ مصر و ادب المفرد امام بخاری باب النظم ص ۹۵ لے ترمذی باب فی النظافۃ ص ۵۶۔







اور رحم کرنے والے سے ہی دیکھے ڈرار

جو رحم کرنے والے سے ہی دیکھے ڈرار

صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبان اس مہربان کے جلال کے سامنے گنگ ہے۔

وَحَشَعَتِ الْأَوْصِيَاءُ لِلرَّحْمَنِ۔ اور رحم کرنے والے کے ادب سے تمام آوازیں لپٹ ہو گئیں۔

دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے وہ دو قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریا کی جلوہ تھا اس لئے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوح اور حضرت موسیٰ، دوسرے وہ جو محبت الہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خمیانہ عشق کی طرف بلاتے تھے مثلاً حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ۔

لیکن پیغمبروں میں ایک ایسی ہستی بھی آئی جو ان دونوں صفتوں کی برزخ کبریٰ، جلال و جمال دونوں کا منظر اور پیارا اور ادب دونوں کی جامع تھی، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ایک طرف آپ کی آنکھیں خوف الہی سے اشک بار رہتی تھیں اور دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم کے سرور سے سرشار رہتا تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ایک ہی وقت میں دونوں منظر آپ کے چہرہ انور پر لوگوں کو نظر آجاتے تھے، چنانچہ جب راتوں کو آپ شوق و ولولہ کے عالم میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں زبان مبارک پر ہوتیں اور ہر محسن کی آیتیں گزرتی جاتیں تو جب کوئی خوف و خشیت کی آیت آتی، آپ پناہ مانگتے اور جب کوئی مہر و محبت اور رحم و بشارت کی آیت ہوتی تو اس کے حصول کی دعا کرتے تھے۔

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ وہ خوف اور محبت کے کناروں سے ہٹا کر جہاں سے ہر وقت نیچے گرنے کا خطرہ ہے، خوف و خشیت اور رحم و محبت کے بیچ کی شاہراہ میں انسانوں کو کھڑا کرے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء ایمان کا دل خوف اور امید کے درمیان ہے، کہ نہ تو خوف لوگوں کو خدا کے رحم و کرم سے ناامید اور محض رحم و کرم پر بھروسہ ان کو خود سر اور گستاخ بنا دیتا ہے، جیسا کہ اس عملی دنیا کے روزانہ کے کاروبار میں نظر آتا ہے، اور نہ ہی خشیت سے اس کے نتائج کا مشاہدہ علمائے یودیوں اور عیسائیوں میں کیا جاسکتا ہے، اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں ان دونوں متضاد کیفیتوں کو ایمان اور عقیدہ کی رو سے برابر کا درجہ دیا لیکن ساتھ ہی عاجز و درماندہ انسانوں کو یہ بھی بشارت سنائی کہ خدا کی رحمت کا دائرہ اس کے غضب کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے، فرمایا۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف - ۱۶) اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہوتے ہے۔

اور اس کی تفسیر خود صاحب قرآن علیہ السلام نے ان الفاظ میں کی۔

رحمتی مبدقت غضبی (بخاری) میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی۔

عیسائیوں نے خدا سے اپنا رشتہ جوڑا، اور اپنے کو فرزند الہی کا لقب دیا، بعض یودی فرقوں نے بنی اسرائیل کو خدا کا خاندان اور محبوب ٹھہرایا، اور حضرت عیسیٰ کے جوڑ پر حضرت مریمؑ کو فرزند الہی کا رتبہ دیا لیکن اسلام پر شرف کسی مخصوص خاندان یا خاص قوم کو عطا نہیں کرتا بلکہ وہ تمام انسانوں کو بندگی اور اطاعت کی ایک سطح پر لا کر کھڑا کرتا ہے، مسلمانوں کے مقابلہ میں یودیوں اور عیسائیوں دونوں کو دعویٰ تھا۔

ہم خدا کے بیٹے اور پیغمبر ہیں۔

نَحْنُ ابْنُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (مائدہ - ۳۰)

قرآن مجید نے اس کے جواب میں کہا۔

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قُلُوبُكُمْ لَا تَفْقَهُونَ كَلِمًا

کہہ دو کہ اگر ایسا ہے تو خدا تمہارے گناہوں کے بدلہ تم کو عذاب کیوں دیتا ہے اس لئے تمہارا دماغ صحیح نہیں، بلکہ تم بھی انہی انسانوں میں سے ہو جن کو اس نے پیدا کیا۔

(مائدہ - ۳)

دوسری جگہ قرآن نے تنہا یہودیوں کے جواب میں کہا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنْتُمْ كُودُ

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنْتُمْ كُودُ

اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (حجہ - ۱۱)

اسلام رحمت الہی کے دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ وہ اس کی وسعت میں انسانوں کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے، ایک شخص نے مسجد نبویؐ میں آکر دعا کی کہ خدایا مجھ کو اور مجھ کو مغفرت عطا کر، آپؐ نے فرمایا: خدایا وسیع رحمت کو تم نے

تنگ کر دیا، ایک اور اعرابی نے مسجد میں دعا مانگی کہ خدایا! مجھ پر اور مجھ پر رحمت بھیج، اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر، آپؐ نے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا: یہ زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ۔

اس سلسلہ میں تعلیم محمدیؐ کے متعلق غلط فہمی کا دوسرا سبب جیسا کہ پہلے گزر چکا

محبت کے جسمانی اصطلاحات کی مخالفت ہے یہ ہے کہ بعض مذاہب نے خدا کی محبت و کرم کی تعبیر کے لئے جو مادی اور

جسمانی اصطلاحیں قائم کی تھیں، اسلام نے ان کی مخالفت کی اور ان کو شرک قرار دیا، اس سے نتیجہ یہ نکلا گیا کہ اسلام کا خدا

رحم و کرم اور محبت اور پیار کے اوصاف سے محروم ہے۔

اصل یہ ہے کہ انسان دوسرے غیر مادی خیالات کی طرح خدا اور بندہ کے باہمی مہر و محبت کے جذبات کو بھی اپنی ہی انسانی

بول پال میں ادا کر سکتا ہے، محبت اور پیار کے یہ جذبات انسانوں کے اندر باہمی مادی اور جسمانی رشتوں کے ذریعے نمایاں ہوتے

ہیں، اس بنا پر بعض مذاہب نے اس طریقہ ادا کو خالق و مخلوق کے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے بھی بہترین اسلوب سمجھا، چنانچہ کسی

نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا، جیسا کہ عیسائیوں میں ہے، دوسرے نے ماں کی محبت کا بڑا درجہ

سمجھا، اس لئے اس تعلق کو ماں اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا اور یہ عیسائی انسانوں کی مائیں بنیں جیسا کہ ہندوؤں کا عام

مذہبی تخیل ہے، خاص ہندوستان کی خاک میں نرن و شوکی باہمی محبت کا اقتیازی خاصہ ہے، جس کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں مل

سکتی ہے، اس کی نگاہ میں محبت کا اس سے زیادہ پر اثر منظر اور ناقابل شکست بیان کوئی دوسرا نہیں، اس لئے یہاں کے بعض

فرقوں میں خالق و مخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو نرن و شوکی اصطلاح سے ادا کیا گیا، سلسلہ ساگ خزا۔ اس تخیل کی مضحکہ انگیز تصویریں

یہ تمام فرقے جنہوں نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جسمانی اور مادی رشتوں کے ذریعہ ادا کرنا چاہا، راہ سے بے راہ ہو گئے اور لفظ

کے ظاہری استعمال نے دھرم ان کے عوام بلکہ ان کے خواص تک کو گمراہ کر دیا، جو لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر جسمانیات کے ظاہری مناظر



میں گرفتار ہو گئے، عیسائیوں نے واقعی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا سمجھ لیا، ہندوستان کے بیٹوں نے مائوں کی پوجا شروع کر دی۔ سدا سہاگ خیروں نے چوڑیاں اور سارھیاں پہن لیں، اور خدا سے قادر سے سوخیاں کرنے لگے، اسی لئے اسلام نے جو توحید خالص کا مبلغ تھا ان جہانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی، اور خدا کیلئے ان الفاظ کا استعمال ضلالت اور گمراہی قرار دیا، لیکن وہ ان الفاظ کے اصل معنی اور فضا کا اور اس مجاز کے پردہ میں جو حقیقت مستور ہے، اس کا انکار نہیں کرتا، بلکہ وہ ان جہانی معنوں کو خالق و مخلوق اور عباد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے کافی غیر مکمل سمجھتا ہے اور وہ ان سے زیادہ وسیع و کامل معنی کا طالب ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ الَّذِي كُنْتُمْ اَبَاءَ كُفْرًا اَشَدَّ  
ذِكْرًا (بقبرہ ۲۵)

تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو  
بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔

دیکھو گواپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کے لئے ناکافی قرار دیتا ہے اور عباد و معبود کے درمیان محبت کے رشتہ کو اس سے کہیں زیادہ مضبوط و استوار ظاہر کرنا چاہتا ہے۔

الغرض رحم و محبت کے اس جہانی طریقہ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام سرے سے خالق و مخلوق اور عباد و معبود کے درمیان محبت و پیار کے جذبات سے غالی ہے، اتنا کون نہیں سمجھتا کہ مذہب کی تعلیمات انسانوں کی بولی میں اترتی ہیں، انسانوں کے تمام خیالات اور تصورات اسی مادی اور جہانی ماحول کا عکس ہیں، اس لئے ان کے ذہن میں کوئی غیر مادی اور غیر جہانی تصور کسی مادی اور جہانی تصور کی وساطت کے بغیر پیدا ہو سکتا، اور نہ اس کیلئے ان کے لغت میں کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے جو کسی غیر مادی اور غیر جہانی معنی کو اس قدر مندرجہ اور بلند طریقہ سے بیان کرے جس میں مادیت اور جہانیت کا مطلق شائبہ نہ ہو، انسان ان دیگی چیزوں کا تصور صرف دیگی چیزوں کی تشبیہ سے پیدا کرتا ہے اور اس طرح ان دیگی چیزوں کا ایک دھندلا سا عکس ذہن کے آئینہ میں اتر جاتا ہے۔

اس ان دیگی ہستی کی ذات و صفات کے متعلق جس کو خدا کہتے ہو، ہر مذہب میں ایک تخیل ہے، غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ تخیل بھی اس مذہب کے پیروؤں کے گرد و پیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے، لیکن ایک بلند تر اور کامل تر مذہب کا کام یہ ہے کہ اس تخیل کو مادیت، جہانیت اور انسانیت کی آلائشوں سے اس حد تک پاک و منزہ کر دے جہاں تک بنی نوع انسان کے لئے ممکن ہے، خدا کے متعلق باپ ماں اور شوہر کا تخیل اس درجہ مادی، جہانی اور انسانی ہے کہ اس تخیل کے معتقد کے لئے ناممکن ہے کہ وہ خالص توحید کے صراطِ مستقیم پر قائم رہ سکے، اسی لئے نبوت محمدی نے ان مادی تعلقات اور جہانی رشتوں کے ظاہر کرنے والے الفاظ کو خالق و مخلوق کے اظہار ربط و تعلق کے باب میں یکم قلم ترک کر دیا، بلکہ ان کا استعمال بھی مشرک قرار دیا، تاہم جو پھر روحانی حقائق کا اظہار بھی انسانی ہی کی مادی بولی میں کرنا تھا، اس لئے جہانی و مادی رشتہ کے بجائے جس کو دوسرے مذہب نے منتخب کیا تھا، اس رشتہ کے محض جذبات، احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقات، باہمی کے اظہار کے لئے اسلام نے مستعار لے لیا، اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جہانی رشتہ قائم کئے بغیر اس لئے ربط و تعلق کا اظہار کیا اور استمالات کی لغتی غلطی سے جو گمراہیاں پہلے پیش آ چکی تھیں، ان سے انسانوں کو محفوظ رکھا۔

ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لئے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں، جن کو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے اور گوان کی حیثیت اب علم اور نام کی ہے تاہم وہ درحقیقت پہلے کسی مذہبی وصف کو پیش نظر رکھ کر استعمال کئے گئے تھے ہر قوم نے اس علم اور نام کیلئے اسی وصف کو پسند کیا ہے جو اس کے نزدیک اس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو، مگر حق اسلام نے خالق کے لئے جو نام اور علم اختیار کیا ہے، وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اصل میں کسی لفظ سے نکلا ہے اس میں پہلی

کالیتنا اختلاف ہے، مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ لفظ کاس سے نکلا ہے اور ولہ کے اصل معنی عربی میں اسی غم اور محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد میں مطلق عشق و محبت کے معنی پیدا ہو گئے اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ والد (شیدا) مستعمل ہے، اس لئے اللہ کے معنی محبوب اور پیارے کے ہیں، جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ مادی کائنات کے دل سرگرداں، متحیر اور پریشان ہیں، حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے، اللہ کا ترجمہ وہ مہر ہی میں من موہن یعنی دلوں کا محبوب کیا کرتے تھے۔

قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفاتوں پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے وہ رحمان اور رحیم ہیں، ان دونوں لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں رحم والا، مہربان، لطف و کرم والا، بسم اللہ الرحمن الرحیم (محبوب، مہربان رحم والا) کے ضمن میں قرآن مجید کے ہر سورہ کے آغاز میں انہی صفات ربانی کے بار بار دہرانے کی تاکید کی گئی ہے، ہر نماز میں کئی کئی دفعہ ان کی تکرار ہوتی ہے، کیا اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخیل کو واضح کرنے کے لئے کوئی دلیل ہو سکتی ہے۔

لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان میں دوسرا علم ہی لفظ رحمان ہے، جو رحم و کرم اور لطف و مہر کے معنی میں صفت مبالغہ کا معنی ہے  
قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا النَّوْحُفْنَ اَيَا مَا تَدْعُوْنَ  
فَلَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (بنی اسرائیل - ۱۳)

اس کو محبوب (اللہ) کہو یا مہربان (رحمان) کہو جو کہہ کر اس کو پکارا  
سب اچھے نام اسی کے ہیں۔

قرآن مجید نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی صراحتاً بار کی تکرار کے علاوہ خاص طور سے ۵۳ موقعوں پر خدا کو اس رحمان نام سے یاد کیا ہے۔

ابھی اس سے پہلے باب میں اسمائے الہی کا ایک ایک نام تمہاری نظر سے گزر چکا ہے، ان ناموں میں اللہ تعالیٰ کے جلال و بآل اوصاف آگئے ہیں، استقصا کرو تو معلوم ہوگا کہ ان میں بڑی تعداد انہی ناموں کی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور رحمت کا اظہار ہوتا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام یا ایک وصف اللہ وود سورۃ ذات البروج میں آیا ہے، جس کے معنی محبوب اور پیارے کے ہیں کہ وہ سرتاپا رحمت و محبت اور عشق اور پیار ہے، اس کے سوا خدا کا ایک اور نام الودی ہے جس کے لفظی معنی یا زار و دوست کے ہیں، خدا کا ایک اور نام جو قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے الرؤف ہے، رؤف کا لفظ رافت سے نکلا ہے، رافت کے معنی اسی محبت اور تعلق خاطر کے ہیں جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے، اسی طرح خدا کا ایک اور نام خات ہے جو رحمت سے مشتق ہے، یعنی اور رحمت اس سوز دل اور محبت کو کہتے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے، یہ الفاظ ان مجازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہیں جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عباد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے اختیار کئے ہیں، دیکھو وہ ان رشتوں کے نام نہیں لیتا، لیکن ان رشتوں کے سبب سے محبت اور پیار کے جو خاص جذبات پیدا ہوتے ہیں، ان کو خدا کے لئے بے تکلف استعمال کرتا ہے اور اس طرح مادیت اور جہانیت کا تخیل آتے بغیر وہ ان روحانی معنوں کی تلقین کر رہا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ غفار و بخشش کرنے والا اور عفو و بخشش کرنے والا ہے یعنی بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، وہ سلاطین و امین و سلامتی ہے، یعنی اپنے بے پناہ بندوں کے لئے وہ سرتاپا اسی و سلامتی ہے، وہ مؤمن (امنی دینے والا) ہے، وہ العدل ہے یعنی سرتاپا انصاف ہے، وہ العفو (معاف کرنے والا) ہے، التوب (عطا کرنے والا) ہے، الکلیم (بردار ہے)، الصبور (بندوں کی گستاخیوں پر صبر کرنے والا) ہے، التواب (بندوں کے مال پر رجوع ہونے والا) ہے، البر



۲۷۸  
 (نیک اور مجسم خیر) اور المقسط (منصف اور عادل) ہے۔ ان میں سے ہر لفظ پر مفسر کر دیا غور کرو کہ اسلام کی تخیل کس قدر بلند اور برتر ہے۔

توراة کے اسفار انجیل کے صحائف اور وید کے حصص کا ایک ایک ورق پڑھ جاؤ، کیا اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے پر محبت اور سراج ہر درم سے ہر برزخ اسماء و صفات کی یہ کثرت تم کو دال ملے گی؟ یہ ہے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لئے مال اور باپ کا لفظ محدود نصاریٰ اور ہنود کی طرح استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتا، مگر اس سے یہ قیاس کرنا غلطی ہے کہ وہ اس لفظ احساس اور ہر درم کے جذبات و عواطف سے بیکر خالی ہے، جن کو یہ فرقے اپنا مخصوص سر بایسکتے ہیں، بات یہ ہے کہ اسلام ان روحانی جذبات اور معنوی احساسات کے ساتھ شرک و کفر کی اس ضلالت و گمراہی سے بھی انسانوں کو بچانا چاہتا ہے جو ذرا سی لفظ غلطی سے ہر مجاز کو حقیقت اور استعارہ کو اصلیت سمجھ کر پاک اور سرتاپا روحانی معنوں کو مادی اور مجسم یقین کر لیتے ہیں، اور اس طرح وہ توحید کی بلند ترین سطح سے بہت نیچے گر کر سر رشته حقیقت کو ماتہ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغام لے کر آئے تھے، اس لئے ضرورت تھی کہ آپ کی تعلیم اس قسم کی لغزشوں سے پاک و برہنہ روحانی حقائق کی تعبیر کے لئے سمیٹا کر پہلے لکھا جا چکا، لہذا مادی اور جسمانی استعارات و مجازات سے چارہ نہیں، تاہم ایک ایسی تعلیم کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے کو استعارات کی غلطیوں اور مجازات کی غلط فہمیوں سے محفوظ رکھتی، چنانچہ اسلام نے اسی بنا پر ان استعارات و مجازات کے استعمال میں بڑی احتیاط برتی ہے اور خدا کے ہر درم اور عشق و محبت کے تذکروں کے ساتھ ادب و دلالت کے قاعدہ کو فراموش نہیں کیا ہے، قرآنی نمید اور احادیث روحانی عشق و محبت کے ان دلائل و اذکار اور طولہ انگیز حکایات سے معمور ہیں، بایں ہمہ اسلام انسان کو مینا اور خدا کو دریاپ، نہیں کہتا کہ مبد و مبدو کے تعلقات کے انظار کے لئے اس کے نزدیک یہ کوئی بلند تر تعبیر نہیں، وہ خدا کو آب (باپ) کے بجائے رب کہہ کر پکارتا ہے، وہ اس کو تمام دنیا کا باپ نہیں بلکہ تمام دنیا کا رب کہتا ہے۔

ابن اور رب ان دونوں لفظوں کا باہمی معنوی مقابلہ کرو تو معلوم ہوگا کہ یہاں یہاں اور سب دلوں کا تخیل اسلام کے مصلح نظر سے کس درجہ ہست ہے۔ اب مینی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص حالت کی بنا پر ایک خاص لحظہ میں قائم ہوتا ہے، اور پھر اس کی تشریح برل کر پرورش اور خلافت کی صورت میں بچپن کے ایک محدود مرحلہ تک قائم رہتا ہے، اس طرح گو باپ کو بیٹے کے وجود میں ایک گود تعلق ضرور ہوتا ہے مگر یہ تعلق ہر درجہ ناقص، محدود اور آتی ہوتا ہے، بیٹے کے وجود و قیام و بقا، ضروریات زندگی، سالانہ حیات، نشو و نما اور ارتقا کسی چیز میں باپ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ اپنے باپ سے الگ، مستقل اور بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے، مگر ذرا غور کرو کیا مبد و مبدو اور خالق و مخلوق کے درمیان جو ربط و تعلق ہے اس کا انقطاع کسی وقت تک ہے، کیا بندہ اپنے خدا سے ایک دم اور ایک لمحہ کے لئے بے نیاز اور مستغنی ہو سکتا ہے، کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کی طرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے۔

ربوبیت (پرورش)، عبود اور مجود اور خالق و مخلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے جو آغاز سے انجام تک پیدائش سے وفات تک بلکہ وفات کے بعد سے ابد تک قائم رہتا ہے، جو ایک لمحہ کے لئے منقطع نہیں ہو سکتا، جس کے بل اور سلسلے پر دنیا اہ دنیا کی مخلوقات کا وجود ہے، وہ گوارہ عدم سے لے کر فنا تک محض کی منزل تک ہر قدم پر موجود کا ہاتھ تھامے رہتا ہے، انسان وہ ہو یا بصورت خدا قطرہ آب ہو یا قطرہ خون، مصنفہ گوشت یا مشت استخوان، شکم مادر میں ہو یا اس سے باہر، بچہ ہو یا جوان اور بوڑھا، کوئی آن، کوئی لمحہ، رب کے ہر درم و محنت سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت، جسمانیت، ہم جنسی اور برابری کا جو تخیل پیدا ہوتا ہے، اس سے لفظ رب کی علم پاک ہے اور اس میں ان ضلالتوں اور گمراہیوں کا خطرہ نہیں، لیکن میں غفلانیت، اور ہندویت، نسائیک عالم کو جنم کر رہا ہے۔ اب ان آیتوں اور حدیثوں کو دیکھو جی سے یہ روشن ہوتا ہے کہ اسلام کا سیدنا اس ازلی وابدی عشق و محبت کے نور سے کس درجہ معمور ہے اور وہ غمناک نیست کی سرشاری کی یاد دہانہ ہے، جو نے انسانوں کو کس کس طرح دلا رہا ہے، اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے، ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت محبت الہی ہے، اور یہ وہ دولت ہے جو اہل ایمان کی پہلی جامعیت کو عملاً نصیب ہو چکی تھی، زبان الہی نے شہادت دی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقرہ - ۱۷)  
 اور جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔  
 اس نشتر محبت پر باپ، مال، اولاد، بھائی، بیوی، جان، مال، خاندان سب کو قربان اور نثار ہو جانا چاہیے، ارشاد ہوتا ہے اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارا گھر اور وہ دولت جو تمہارے لئے لگائی ہے اور وہ ساری چیزیں جس کے منہ پر جانے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ ملکات جن کو تم پسند کرتے ہو، خدا اور اس کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ محبت اور پیار ہے، تو اس وقت تک انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ ملے آئے۔

ایمان کے بعد بھی اگر نشتر محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جادہ حق سے دوری ہے، چنانچہ جو لوگ راہ حق سے ہٹ کر چاہتے تھے، ان کو پکار کر سنا دیا گیا۔  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُ وَيُحِبُّونَهُ (مائدہ - ۸)  
 مسلمان اگر تم میں سے کوئی اپنے دین اسلام سے پھرمائے گا تو خدا (کو اس کی کچھ پروا نہیں) وہ ایسے لوگوں کو لا کر کھڑا کرے گا جی کو وہ پیار کرے گا اور وہ اس کو پیار کریں گے۔

حضرت مسیح نے کہا درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جسمانی علامات سے پہچانی جاتی ہے، تم کو زمین کی محبت کا دعویٰ ہے مگر نہ تمہارے دل میں اس کے دیدار کی تڑپ ہے، نہ تمہارے سینہ میں صدف فرق کی جلی ہے اور نہ آنکھوں میں ہجر و جدائی کے آنسو ہیں، تو کون تمہارے دعویٰ کی تصدیق کرے گا، اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویٰ کو تو بہتر سے ہو سکتے ہیں، مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیاں اور ظاہری علامتیں اس کے احکام کی پیروی اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے۔

إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران - ۳)  
 اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو کہ خدا بھی تم کو پیار کرے گا۔  
 محبت کیونکر حاصل ہو، وحی محمدی نے اس رتبہ بلند کے حصول کی تدبیر بھی بتا دی، فرمایا  
 إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ اللَّهُ لَهُمْ مَخْرَجًا (مریم - ۶۰)  
 جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے، رحمت داد خدا ان کیلئے محبت پیدا کرے گا۔



اس آیت میں محبت کے حصول کے دو ذریعے بتائے گئے ہیں، ایمان اور عمل صالح یعنی نیک کام۔ چنانچہ طبقات انسانی میں متعدد ایسے گروہ ہیں جن کو ان ذریعوں سے خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (مائہ و بقرہ - ۲۳)

خدا نیک کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنِينَ (بقرہ - ۲۸)

خدا تو بہ کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (آل عمران - ۱۰۰)

خدا تو کامل کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (مائہ ۶ و مہرات - ۱)

خدا منصف مزاجوں کو پیار کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (توبہ - ۲۷)

خدا پرہیزگاروں کو پیار کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُعَاتِقُونَ فِي سَبِيلِهِ (صف - ۱)

خدا ان کو پیار کرتا ہے جو اس کے راستے میں لڑتے ہیں۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (آل عمران - ۱۵)

اور خدا صبر کرنے والوں کو پیار کرتا ہے۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (توبہ - ۱۳)

اور خدا پاک و صاف لوگوں کو پیار کرتا ہے۔

مسئلہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں سے پیار کرتا ہے اور تین قسم کے آدمیوں کو پیار نہیں کرتا۔ محبت ان سے کرتا ہے جو اس کی راہ میں خلوص نیت کے ساتھ اپنی جان فدا کرتے ہیں، اور ان سے جو اپنے پڑوسی کے ظلم پر صبر کرتے ہیں، اور ان سے جو خدا کے فدا کی یاد کے لئے اس وقت اٹھتے ہیں جب قافلہ رات کے سفر سے تھک کر آرام کے لئے بستر لگاتا ہے اور خدا کی محبت سے محروم یہ تین ہیں، اترنے والا، ضرور احسان دہنے والا، بخیل، بھوٹی قسمیں کھا کھا کر مال نیچے والا سوداگر۔

دنیا کے عیش و مسرت میں اگر کوئی خیال کا کاغذ سا چھتا ہے اور ہمیشہ انسان کے عیشی و سرور کو مکر اور بغض بنا کر بے فکری کی پشت کو ٹکروں کی جہنم بنا دیتا ہے، تو وہ ماضی اور حال کی ناکامیوں کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہے، پہلے کا نام حزن و غم اور دوسرے کا خوف و دہشت ہے غرض غم اور خوف بھی دو کاٹھے ہیں، جو عاجز و درازہ انسان کے پہلو میں ہمیشہ چھبے رہتے ہیں، لیکن جو بوجھ حقیقی کے طلب گار اور اس کے فالو شیڈ ہیں، ان کو بشارت ہے کہ ان کے عیش کا چین زار ان کا نٹوں سے پاک و صاف ہوگا۔

اَلَا اِنَّ اَوْلٰىاَ لِلّٰهِ لَوْ خُوفٌ عَلَيْهِمْ وَاَوْ اِنَّ خُذَاكَ دُوسْتُوں كو نہ كوئی خوف ہے اور وہ ٹھیک ہوں گے۔

محبت کا وہ درجہ جو بڑے کو چھوٹے کے ساتھ احسان، نیکی، درگزر اور غفور و بخشنش پر آمادہ کرتا ہے، اس کا نام رحم اور رحمت ہے، اسلام کا خدا تمام تر رحم ہے، اس کی رحمت کے فیض سے عرصہ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے، اس کا نام رحمان و رحیم ہے، جو کچھ یہاں ہے سب اس کی رحمت کا ظہور ہے، وہ نہیں تو کچھ نہیں، اس لئے اس کی رحمت سے ناامیدی جرم اور مایوسی گناہ ہے، جو جرم مجرم اور گنہگار سے گنہگار کو وہ نوازنے کے لئے ہر وقت آمادہ و تیار رہتا ہے، گنہگاروں اور مجرموں کو وہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زبان سے میرے بندو! کہہ کر ان کے پاس قیل کا یہ پیام بھیجتا ہے۔

قُلْ لِيُعْبَادِيَ الَّذِينَ اَسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ  
لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّكُمْ اِلَيْهِ  
بَارِئُونَ (یوسف - ۱۰۷)

اے پیغمبر! میرے ان بندوں کو پیام پہنچا دے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ تعالیٰ

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا اِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ  
رَحِيمٌ (زمر - ۶)

فرشتے حضرت ابراہیم کو بشارت سنا تے ہیں تو کہتے ہیں۔

فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَنِطِينِ (زمر - ۶)

تم ناامید ہونے والوں میں سے نہ ہو۔

خلیل اللہ اس رمز سے نا آشنا نہ تھے کہ مرتبہ خلعت محبت سے مافوق ہے، اس لئے حجاب دیا۔

وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ اِلَّا الضَّالُّونَ (زمر - ۱۲)

اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا اور کون

بندوں کی جانب سے خدا پر کوئی پابندی عائد نہیں، مگر اس نے اپنی رحمت کے اقتضا سے اپنے اور خود کو چھری فریق کیا ہے

بنگرا ان کے ایک رحمت بھی ہے، خدا مجرموں کو سزا دے سکتا ہے، گنہگاروں پر عذاب بھی بھیج سکتا ہے، ایسے کاروں کو ان کی گتہا گتہا

مزدہ چکا سکتا ہے، وہ غالب ہے، طاہر ہے، جبار ہے، غنی ہے، لیکن ان سب کے ساتھ وہ غفار و غفور بھی ہے، رحمان و رحیم بھی اور غفور

و رفیق بھی ہے اور سہیل و برادر بھی کہ اس ناپسندیدہ اور پر رحمت کی پابندی خود خدا کر لی ہے اور اس کو اپنے اور فریق گراں لیا ہے

كُتِبَ عَلَيْكَ نَفْسُكَ الرَّحْمَةُ (انعام - ۱۲)

اللہ نے از خود اپنے اور رحمت کو لازم کر لیا ہے۔

قاصد خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنہگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ، اور قسلی کا یہ پیام دو کہ ہمارا رب

رحمت ہر وقت کھلا رہتا ہے۔

وَ اِذَا جَاءَكَ الَّذِيْنَ يُوْمِنُوْنَ بِاٰلِهَتِنَا

فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ

نَفْسُكَ الرَّحْمَةُ اِنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ

بِحَسْبَالٍ مَشَقَّةً تَابَ مِنْ بَعْدِهَا وَ

اَصْلَحَ فَاِنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (انعام - ۶)

اے پیغمبر جب تیرے پاس وہ آئیں جو میری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں، تو ان سے کہہ کہ تم پر سلامتی ہو، قاصد ہر

نے اپنے اور پر از خود اپنے بندوں پر رحمان ہونا لازم کر لیا ہے

کہ جو کوئی تم میں سے براہ نادانی بدلتی کر بیٹھے، پھر اس کے

بعد بارگاہ الہی کی طرف رجوع کرے اور نیک بنے تو شک

خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایہ رحمت سے محروم ہیں۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف - ۱۱)

اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔

بخاری و ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو از خود اپنے اور رحمت کی پابندی عا

کر لیا، جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا، اگر مومن کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کے پاس کتنا عذاب ہے تو وہ جنت کی طبع ذکر تاؤ

اگر کافر کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کی رحمت کس قدر بے حساب ہے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا، اسلام کے تخیل کی صحیح تعبیر ہے، بارگاہ

احمدیہ کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب سے گنہگاروں کو بشارت سنا ہے کہ اے آدم کے بیٹے! تم مجھے پکار کر رہو گے اور

مجھ سے اس دگائے میں تمہیں بخشا دھوں گا، خواہ تم میں کتنے ہی عیب کیوں نہ ہوں، مجھے پروا نہیں، اے آدم کے بیٹے! اگر

تمہارے گناہ آسمان کے بادلوں تک بھی پہنچ جائیں، اور میری رحمت سے معافی مانگو تو میں معاف کر دوں، خواہ تم میں کتنے ہی عیب کیوں نہ



ہوں مجھے پروا نہیں اسے آدم کے بیٹے اگر پوری سطح زمین بھی تھامے گا ہوں سے بھری ہو، پھر تم میرے پاس آؤ اس حال میں کہ کسی کو میرا شریک نہ بناتے ہو تو میں بھی تمہارے پاس پوری سطح زمین بھر مغفرت لے کر آؤں، مگر انسانوں کے کانوں نے اس رحمت، اس محبت، اس عذیب عام کی بشارت کسی اور قاصد کی زبان سے بھی سنی ہے۔

حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی وفات کا وقت جب آیا تو انسانوں نے لوگوں سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ نہ کر کے تو خدا اور کوئی مخلوق پیدا کرنا جو گناہ کرتی اور وہ اس کو بخشا یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم و کرم کے انصار کے لئے گنہگاروں کی تلاش ہے کہ نیچو کاروں کو تو سب ڈھونڈتے ہیں مگر گنہگاروں کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے۔

دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم و کرم اور مہر و محبت کے عناصر پائے جاتے ہیں اور جن کی بنا پر دوستوں، عزیزوں اور قریب داروں اور اولادوں میں میل ملاپ اور رحم و محبت ہے، نیز جس کی بنا پر دنیا میں عشق و محبت کے شاندار مناظر نظر آتے ہیں، تم کو معلوم ہے کہ یہ اس شاہ حقیقی کے سرمایہ محبت کا کون سا حصہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سونے کے ٹکڑوں میں سے ایک حصہ اپنی مخلوقات کو عطا کیا، جس کے اثر سے لوگ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں، باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہیں، اس لطف و کرم اور مہر و محبت کی بشارت میں کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہیں، اور کس نے گنہگار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے، صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص ستراب غوری کے جہم میں بار بار گرنا رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، صحابہؓ نے تنگ کر لیا، خداوند! تو اپنی رحمت اس پر نازل کر کہ یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے، رحمتہ للعالمین کو لوگوں کی یہ بات ناپسند آئی فرمایا، اس پر لعنت مذکور کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت ہے تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنہگاروں کے لئے خدا کی محبت کا دروازہ کس طرح کھول رکھا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے ان عربوں کو جو خدا کی محبت کیا، خدا کی معرفت سے بھی نا آشنا تھے کس طرح انسانیت حقیقت کر دیا اور ان کو ذات الہی کے ساتھ وابستگی، محبت اور سرشاری کے لطف سے کس درجہ بہرہ اندوز کر دیا، ہلال کو دیکھو، ٹھیک دوپہر کے وقت عرب کی ملتی ہوئی ریت پر ان کو لٹایا جاتا ہے، ایک گرم پتھر سینہ پر رکھا جاتا ہے اور خدائے واحد سے انحراف کے لئے ان کو مجبور کیا جاتا ہے، وہ یہ سب تکلیفیں اٹھاتے ہیں، مگر زبان سے وہی اصرار اصرار ایک ایک کا ترانہ نکلتا ہے، مگر کاذبہ صدائے حق کا دشمن ہے، ابوذر غفاریؓ یہ جان کر بھی صحن میں جوش و خروش پرستی سے سرشار ہو کر طرہ طرہ کا آواز بلند اعلان کرتے ہیں ہر طرف پتھروں اور ٹیلوں کی بارش ہوتی ہے بعض لوگ اگر چھپر اڑیتے ہیں، لیکن جب دوسری صبح نمودار ہوتی ہے تو پھر محبت الہی کے کیف و مستی کا وہی علم نظر آتا ہے اور مشرکین کی طرف سے وہی سزا ملتی ہے۔

ایک صحابی جو رات کو میدان جنگ میں ایک پہاڑ پر پہرہ دینے کے لئے متعین تھے، وہ اپنی فینڈ ٹالنے کے لئے خدا کی یاد میں مصروف ہوتے ہیں، دشمن پلے درپلے تین دفعہ تیر لڑتا ہے جو بدن میں پیوست ہو جاتا ہے اور وہ بدستور نماز میں غور مبتہ ہیں ان کے ساتھی پوچھتے ہیں کہ تم نے نماز کیوں نہیں توڑی سکتے ہیں کہ جو سورہ شوریٰ کی تھی، اسی نہ چاہا کہ اس کو تمام کئے بغیر چھوڑ دو؟  
 (ماہنامہ حرمی، باب الدعوات، دوسرا کتبہ، امارت، ص ۵۲) (مستدرک، ص ۱۳) (تکبیر، ص ۸۷) (تکبیر، ص ۸۷) (تکبیر، ص ۸۷)  
 باب مکہ، ص ۱۰۷ (سیرت ابی ہشام، ذکر عروان، المشرکین، ص ۱۳) (مصر، طبقات ابی سحر، ص ۱۳) (تکبیر، ص ۸۷)  
 ابوذر غفاریؓ نے صحیح بخاری و سنن ابی داؤد و کتاب الطہارت، باب الوضوء و من الدم۔

سیرت النبی علیہ السلام  
 ۲۸۲  
 یہ مسلم کے دو جانشین ہیں حالت نماز میں زخم کھانے لگے کرتے ہیں، مگر مقتدیوں کی صف اس قدر تھی کہ ان کے سامنے کھڑی ہو کر ہر فانی و میت ہستی کی محبت سے بے نیاز رہتی ہے، اسی لئے خدا نے بشارت دی کہ وہ خدا کے محبوب اور نذران کا محبوب ہے یعنی رضی اللہ عنہم و رضوانہ۔

حرمین میں ایک اللہ والے مسلمان نے وفات پائی، اس کا جنازہ اٹھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے ساتھ زنی کر دو اللہ نے بھی اس کے ساتھ زنی کی ہے کیونکہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت تھی، قبر کھودی جانے لگی تو فرمایا، اس کی قبر کٹاؤ، مگر کھڑے بھی اس کے ساتھ کٹاؤ فرمائی ہے، اس بار بار کہہ اہتمام کو دیکھ کر صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کو اس مرنے والے کی موت کا غم ہے؟ فرمایا، ہاں، کیونکہ اس کو خدا اور رسول پیارے تھے، ایک دفعہ آپ نے ایک صاحب کو کسی مقام کا افسر بنا کر بھیجا، وہ جب نماز پڑھتے تو ہر سورۃ کے آخر میں قل ہو اللہ مژور پڑھتے، جب یہ جماعت سفر سے لوٹ کر آئی تو خود اقدس میں یہ واقعہ عرض کیا، فرمایا، ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں، انہوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ یہ اس لئے کرتے ہیں کہ تمہیں اس سورہ میں رحم والے خدا کی صفت کا بیان ہے تو مجھ کو اس کے پڑھنے سے محبت ہے، فرمایا کہ ان کو بشارت دو کہ وہ رحم کرنے والے بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ یہ بشارت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے سوا کسی اور نے بھی سنا ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد طریقوں سے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے خدمت والا میں حاضر ہو کر دریا کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی، فرمایا تم نے اس کیلئے کیا سائل کر رکھا ہے، انہوں نے آدم ہو کر شکر دل سے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس دو تونازوں کا بڑا ذخیرہ ہے، نہ روزوں کا اور نہ صدقات و خیرات کا، جو کچھ سرمایہ ہے، وہ صرف خدا اور رسول کی محبت ہے، بس! فرمایا تو انسان جس سے محبت کرے گا، اسی کے ساتھ رہے گا، صحابہؓ نے اس بشارت کو سن کر اس دن بڑی خوشی منائی۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا جب، غار کی بندہ کو چاہتا ہے تو فرشتہ خاص جبریلؑ سے کہتا ہے کہ فلاں بندہ کو پیار کرتا ہوں، تم بھی اس کو پیار کرو، تو جبریلؑ بھی اس کو پیار کرتے ہیں اور آسمان والے بھی اس کو پیار کرتے ہیں اور پھر زمین میں اس کو ہر عنصر زمینی اور حسی قبول بخش جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ اپنی تمام عمر سیری قرہت کو تلاش کرتا رہتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں یہاں تک کہ میں ان کا کان بن جاتا ہوں، ان سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، یہ دولت، یہ نعمت، یہ سعادت آستانہ محمدیؐ کے سوا کہیں اور نہیں ملتی۔

امام بزاز نے مسند میں حضرت ابو سعیدؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید ہیں، لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے، یہ وہ لوگ

۱۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ما جاء فی حضر القبر، مسلم کتاب صلاۃ المسافر، باب فضل قرآن، قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب صلاۃ باب الحج  
 ۲۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ما جاء فی حضر القبر، مسلم کتاب صلاۃ المسافر، باب فضل قرآن، قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب صلاۃ باب الحج  
 ۳۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ما جاء فی حضر القبر، مسلم کتاب صلاۃ المسافر، باب فضل قرآن، قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب صلاۃ باب الحج  
 ۴۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ما جاء فی حضر القبر، مسلم کتاب صلاۃ المسافر، باب فضل قرآن، قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب صلاۃ باب الحج  
 ۵۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ما جاء فی حضر القبر، مسلم کتاب صلاۃ المسافر، باب فضل قرآن، قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب صلاۃ باب الحج  
 ۶۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ما جاء فی حضر القبر، مسلم کتاب صلاۃ المسافر، باب فضل قرآن، قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب صلاۃ باب الحج  
 ۷۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ما جاء فی حضر القبر، مسلم کتاب صلاۃ المسافر، باب فضل قرآن، قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب صلاۃ باب الحج  
 ۸۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ما جاء فی حضر القبر، مسلم کتاب صلاۃ المسافر، باب فضل قرآن، قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب صلاۃ باب الحج  
 ۹۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ما جاء فی حضر القبر، مسلم کتاب صلاۃ المسافر، باب فضل قرآن، قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب صلاۃ باب الحج  
 ۱۰۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ما جاء فی حضر القبر، مسلم کتاب صلاۃ المسافر، باب فضل قرآن، قل ہو اللہ احد، یہ واقعہ بخاری کتاب صلاۃ باب الحج



۲۸۲ میں جن کو خدا سے محبت ہے اور جن کو خدا پیار کرتا ہے، وہ اچھی باتیں بتاتے اور بُری باتوں سے روکتے ہیں۔ یہ قابلِ تکرار رتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس کے ذریعہ عطا ہوا ہے۔

امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا خداوند تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کو پیار کرنا مجھ پر لازم ہے جو آپ میں ایک دوسرے کو میری محبت کے سبب سے پیار کرتے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے سے ملے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے کے لئے اپنی جان و مال وقف کرتے ہیں۔ یہ محبت الہی کی نیرنگیاں اسلام ہی کے پردہ پر نظر آتی ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگو! خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرے ہے اور اسی کی محبت کے سبب سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے سبب سے میرے اہل بیت سے محبت کرو یہ عشق و محبت کی دعوت محبوبِ ازل کے سوا اور کون دے سکتا ہے؟

عام مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کا لقب حبیب خدا ہے۔ دیکھو کہ حبیب اور محبوب میں خلعت و محبت کے کیا کیا از و نیاز ہیں آپ شمع و شمع کی دعاؤں اور قوت و تنائی کی روحانی طاقتوں میں کیا ڈھونڈتے! ہر کیا مانگتے تھے، کیا چاہتے اور کیا ملے کرتے تھے، امام احمد اور ہزار نے اپنی اپنی مسندوں میں ترمذی نے جامع میں، حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی نے معجم میں متعدد صحیحوں سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں محبت الہی کی دولت مانگا کرتے تھے، انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے لیکن محبوبِ خدا کی نگاہ میں یہ چیزیں ہیج تھیں، دعا فرماتے تھے: خداوند ارحم الراحمین

اسئل حبك وحب من یحبك وحب عملی میں تیری محبت مانگتا ہوں اور جو تجھ سے محبت کرتا ہو اس کی محبت یقرب الی حبك (احمد ترمذی و حاکم) اور ان کام کی محبت جو تیری محبت سے قریب کر دے۔  
اللہم اجعل حبك احب الی من نفسی و اہلی الی تو اپنی محبت کو میری جان سے، میرے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنا۔

عرب میں ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گراں قدر سمجھتے ہیں لیکن حضورؐ کی پیاس اس مادی پانی کی خشکی سے نہیں بجھتی تھی وہ صرف محبت الہی کا زلال خالص تھا، جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا، عام انسان روٹی سے جیتے ہیں مگر ایک عاشق الہی صبح کا قول ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا پھر کون روٹی ہے جس کو کھا کر انسان پھر کبھی بھوکا نہیں ہوتا، حضورؐ دعا فرماتے ہیں: اللہم وارزقنی حبك وحب من یحبك وحب عملی خداوند! تو اپنی محبت اور اس کی محبت جو تیری محبت کی راہ میں فی حبك (ترمذی) نافع ہو مجھے روزِ نکاح۔

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا ہے، مگر جانتے ہو کہ اس راہ میں آخری منزل کیا ہے؟ صحیحین میں ہے: ما کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھا یہ کہ خدا و رسول کی محبت کے آگے ماسوا کی محبتیں ہیج ہو جائیں۔ بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے کہ وہ انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ دعا پڑھ کر کوماں باپ کھیں اور اس سے اس طرح لے اس کی کم معنی مرثیہ ترمذی، مالک اور شعب الیمان یحییٰ میں بھی ایسا دیکھیں مگر کتابِ کذب بنی حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکوٰۃ باب مذکور کے شکر و تائب الی بیت بروایت ترمذی کہ مسلم کتاب الیمان باب بیان خصال من اتصف بہن وجد لا حلا ولا بخاری کتاب الیمان باب ملاوۃ الیمان۔

محبت کریں جس طرح اپنے والدین سے کرتے ہیں اور جو نیکو اسلام نے اس طریقہ تعمیر کو اس بنا پر کہ وہ شرک کا راستہ ہے منسوخ قرار دیا ہے، اس لئے ان مذاہب کے بہت سے پیرو یہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم محبت الہی کے مقدس جذبات سے خالی ہے، لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ یہ دعویٰ سرتاپا بے بنیاد ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم محمدیؐ کی بلندی نظر اور محبت کا طوے معیار دونوں ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و معیار سے بہت بالاتر ہیں، ثبوت میں قرآن پاک کی یہ آیت پاک بھی پہلے پیش کی جا چکی ہے: نَذِکُّرُ اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اَبَاکُمْ کَوْ اَفْ اَمْسَدَ تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے بالوں کو یاد کرتے ہو ذِکْرُکُمْ (بقرہ- ۲۵) بلکہ اس سے بہت زیادہ یاد کرو۔

لیکن احادیث سے ہمارا دعویٰ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے، لڑائی کا میدان ہے، دشمنوں میں جھگڑا دوڑ پڑی ہے جس کو جہاں امن کا گوشہ نظر آ رہا ہے، اپنی جان بچا رہا ہے، بھاتی بھاتی سے، مال بچہ سے، بچہ مال سے الگ ہے، اسی حال میں ایک عورت آتی ہے، جس کا بچہ میدانِ خشوں گم ہو گیا ہے، محبت کی دیوانگی کا یہ عالم ہے کہ جو بچہ بھی اس کے سامنے آ جاتا ہے، اس کو اپنے بچہ کے جوشِ محبت میں بھاتی سے لگا لیتی ہے اور دودھ پلا لیتی ہے، دفعۃً رحمۃً للعالمین کی نظر پڑتی ہے اور آپؐ صحابہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو اپنے ہاتھ سے دکھائی آگ میں ڈال دے؟ لوگ عرض کرتے ہیں ہرگز نہیں آپ فرماتے ہیں: تو جتنی محبت مال کو اپنے بچہ سے ہے، خدا کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ واپس تشریف لارہے ہیں، ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لے کر سامنے آتی ہے اور عرض کرتی ہے: یا رسول اللہ! ایک ماں کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے، کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہے؟ فرمایا: ہاں بے شک اس سے زیادہ ہے تو بولی کوئی ماں تو اپنی اولاد کو خود آگ میں ڈال کر گوارا دے گی۔ یہ سن کر فرطِ شرم سے آپ پر گر پڑی ہو گیا، پھر سر اٹھا کر فرمایا: خدا صرف اس بندہ کو صواب دیتا ہے جو سرکشی سے ایک کو دو کتا ہے۔

آپ ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں، ایک صحابی ایک پرند کو مع اس کے بچوں کے چادر میں باغیر کر لاتے ہیں اور کہتے ہیں: کیا رسول اللہ! میں نے ایک بھاری سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا، ماں نے دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے خدا پرے کو کھول دیا تو فوراً کر بچوں پر گر پڑی، ارشاد ہوا: کیا بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے، تم جاس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے ہر جہاں زیادہ ہے۔ ایک صاحب ایک چھوٹے بچہ کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں، محبت کا یہ حال تھا کہ وہ بار بار اس کو گے سے لگا جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم کو اس بچہ سے محبت ہے، انہوں نے کہا: ہاں۔ فرمایا تو اللہ کو تم سے اس سے زیادہ محبت ہے، جتنی تم کو اس بچہ سے ہے، وہ تمام رزم کرنے والوں میں سب سے بڑا رزم کرنے والا ہے۔

جمال حق کا پہلا مشتاق اور مستور ازل کے زیر نقاب چہرہ کا پہلا بند کشا زندگی کے آخری مرحلوں میں ہے، مرض کی شدت ہے جن بخار سے تپ رہا ہے اٹھ کر چل نہیں سکتا لیکن یک بیک وہ اپنے میں ایک اعلانِ خاص کی طاقت پاتا ہے، مسجد نبویؐ میں حاضر ہوتے ہیں، سب کی انہیں حضورؐ کی طرف لگی ہیں، نبوت کا آخری پیغام سننے کی آرزو ہے، دفعۃً لب مہلکہ جلتے ہیں اور یہ اکوانا آتی نے صحیح بخاری کتاب الادب باب رحمۃ اللہ علیہ سنی لسانی باب ما یرقی من الرحمۃ علی مشکوٰۃ بحوالہ الدرر النورانی کتاب الاسماء باب رحمۃ وغیرہ المفرد امام بخاری باب رحمۃ العیال ص ۵، ممر۔



۲۸۶  
سیرۃ النبیؐ  
ہے، لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی برأت کرتا ہوں کہ انسانوں میں میرا کوئی دوست ہے، مجھ کو خدا نے اپنا پیارا بنایا ہے جیسے  
ابراہیم کو اس نے اپنا پیارا بنایا تھا، یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا، میں حالت نزاع میں زبان پر یہ کلمہ تھا، خداوند رفیق  
اللہ تعالیٰ کی کریمی و رحیمی اس کی بیماری و نوازی، عاجزدوں اور درماندوں کی دستگیری اور اپنے گنہگار بندوں پر اس کی شان  
بخشش کا تراز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے کانوں سے سنا اور نادم و متأسف سیدہ کاروں تک اس مژدہ کو پہنچا کر  
ان کے شکرت اور زحمتی دلوں پر مہم رکھا، حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضرت رقتہ للعالمین نے یہ پیغام بانی ہم کو سنایا۔

میرے بندوں میں نے اپنے اوپر بھی اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام کیا ہے، تو ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو، اے میرے  
بندو! تم میں ہر ایک گناہ تھا، لیکن جس کو میں نے راہ دکھائی، تو مجھ سے رستہ پوچھو، میں بتاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک  
بھوکا تھا لیکن جس کو میں نے کھلایا، تو مجھ سے کھانا مانگو، میں تم کو کھلاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک پیاسا تھا لیکن جس کو میں  
نے ملایا، تو مجھ سے پانی مانگو، میں تم کو پلاؤں گا، اے میرے بندو! تم میں ہر ایک تنگ تھا لیکن جس کو میں نے پہنچایا، تو مجھ سے کپڑا مانگو  
میں تم کو پہناؤں گا، اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں، تم مجھ سے معافی مانگو  
تم کو معاف کروں گا، اے میرے بندو! مجھے نقصان پہنچانا تمہاری طاقت میں نہیں ہے اور نہ مجھے نفع پہنچانا تمہاری قدرت میں ہے  
اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن و انس، چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورت، دنیا کے سب سے بڑے پھیرکار کھیل  
برابر ہو جائیں تو میری شمشاد ہی میں ایک ذرہ اضافہ نہ ہوگا، اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے جن و انس، چھوٹے  
اور بڑے، مرد اور عورت دنیا کے سب سے بڑے گنہگاروں کے برابر ہو جائیں تو بھی میری شمشاد ہی میں ذرہ برابر کی نہ ہوگی  
اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور جن و انس سب کسی ایک زمین میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں سب کے سوال  
کو پورا کروں تو میرے خزانہ میں کچھ کمی نہ ہوگی، لیکن اتنی جتنی ایک سو فی صد سمندر کے پانی میں ڈبو کر نکال لی جائے، اے میرے  
بندو! تمہارے ہی عمل ہوں گے جس کو میں گن گئی کریم کو واپس کروں گا اور پورا کروں گا تو جس کو جھلاتی ملے وہ خدا کا شکر ادا کرے  
اور جس کو برائی ملے وہ خود اپنے ہی کو طاعت کرے۔

بے شک! یہ کیفیت لغز دنیا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے سنائی، تسلی و تسخیر کا یہ روح افزا پیغام  
آپ ہی کے مبارک لبوں سے ادا ہوا، حضور و کرم کے بحر بیکار کا یہ ساحل امید آپ ہی کے دکھانے سے ہم کو نظر آیا اور نگاہوں  
کو میرے بندو! کہہ کر پکڑا ہے جانے کی عزت آپ ہی کے وسیلے سے میرا آئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

✽

۱۔ مجمع مسلم کتاب المساجد و مہجہ بخاری ذکر نبویؐ مجمع مسلم ترمذی کتاب الزہد و منہجہ جہاد ص ۱۲۰ و ص ۱۲۱، ادب المفرد امام بخاری اب انعم ص ۹۵  
میں نے مجمع مسلم کی روایت سامنے رکھی ہے، لیکن بعض الفاظ مندرجہ سے لے کر جہادیت میں اس کے بعض بعض غلطیوں سے انجیل میں بھی ملے ہیں، مگر  
مقام ۲۵۰-۲۵۱ (۲۵۱) مگر خدا کے ملنے سے وہی فرق نمایاں ہوتا ہے جو ناقص اور کامل میں ہونا چاہیے۔

## فرضوں پر ایمان

### وَمَلَأَ كَيْتَهُ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے اس کا واحد ملک ملاک اور مالک تین طرح سے مستعمل ہے اس کے لغوی معنی قاتل  
اور رسول کے ہیں، اسی لیے قرآن پاک میں ملائکہ کے لیے رُسل کا لفظ بھی آیا ہے جس کے معنی قاصد اور پیغام  
رساں کے ہیں ان سے مراد وہ غیر مادی مگر مخلوق نیک، ہستیاں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق  
عالم اور اس کے اسبابِ علل کے کاروبار کو چلا رہی ہیں اگر یہ عالم ایک مشین ہے تو ملائکہ اس کا انجن اور اس کے  
کل پرزوں کو حرکت دینے والی قوتیں ہیں جو خدا کے مقررہ احکام اور قوانین کے مطابق ان کو حرکت دے رہے ہوں  
چلا رہے ہیں، یعنی وہ خالق اور اس کی مخلوقات کے درمیان پیغام رسانی اور سفارت کی خدمت اس طرح انجام دے  
رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم اور مرضی کو ان پر القا کرتا ہے اور وہ ایک بجا اختیار محکوم کی طرح اس کو مخلوقات میں جاری  
اور نافذ کرتے ہیں، ان کو خود نہ کوئی ذاتی اختیار ہے اور نہ ان کا کوئی ذاتی ارادہ ہے وہ سرتاپا اطاعت ہیں  
اور خدا کے حکم سے ہر موہجہ و زنیہ نہیں کرتے، گویا ان کی خلقت اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے کی گئی ہے دنیا پر  
رحمت یا عتاب جو کچھ نازل ہوتا ہے وہ انہی کے ذریعے سے ہوتا ہے اور خدا انہی پر اپنے جو احکام اتارتا یا ان کو حکام  
کرتا ہے وہ انہی کی وساطت سے کرتا ہے،

دنیا کے تمام مذاہب بلکہ قدیم یونانی مصری فلسفہ میں بھی اس قسم کی ہستیوں کا وجود تسلیم کیا گیا ہے،  
مابنی مذاہب میں یہ ستاروں اور سیاروں کی صورت میں مانے گئے ہیں، یونانی، مصری، سکندری، فلسفہ میں ان کا نام عقول  
عشرہ (دس عقلیں) رکھا گیا ہے اور ساتھ ہی نو آسمانوں کے اندر بھی الگ الگ ذی ارادہ نفوس تسلیم کیے گئے ہیں بلکہ  
خالص یونانی فلسفہ میں بھی بعض غیر مادی ارواح مجرورہ کا پتہ لگتا ہے جن میں سب سے اہم لوگس کا تخیل ہے جس سے مقصود  
وہ اولیٰ ہستی ہے جس کو خدا نے تمام کائنات کی پیدائش کا ذریعہ اور واسطہ قرار دیا ہے اور جس کو اہل فلسفہ عقل اول  
سے تعبیر کرتے ہیں، پارسیوں میں ان ہستیوں کا نام امشا سپند ہے اور ان کی بے شمار تعداد قرار دی گئی ہے یہودی ان کو  
دیم کہتے ہیں اور ان میں سے خاص خاص کے نام جبریل اور میکائیل وغیرہ رکھتے ہیں، عیسائی بھی ان کو انہی ناموں  
سے یاد کرتے ہیں اور جبریل اور روح القدس وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، ہندوؤں میں وہ دیوتاؤں اور  
دیوتاؤں کے نام سے روشناس ہیں، جاہل عرب ان کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں، تمام مختلف صیغے اور غلط نام  
ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں، جس سے مراد وہ روحانی وسائط ہیں، جو صالح و مفسدات اور خالق و مخلوق  
کے درمیان اس کے حکم کے مطابق عمل پیرا اور کار فرما ہیں،

مذاہب سابقہ میں ان غیر مادی ذی روح مخلوق ہستیوں کی حیثیت نہایت مشتبہ تھی وہ کبھی مخلوق کہی جاتی



تھیں اور کبھی خدائی کے مرتبہ تک بھی بلند کر دی جاتی تھیں، ہندوؤں کے دیوتاؤں اور دیویوں کی یہی کیفیت تھی، پارسیوں میں امشا سپند کا بھی یہی حال تھا، کہ کبھی ان کی حیثیت فرشتوں کی رہتی تھی، کبھی وہ خدا کے مقابل بن جاتی تھیں اور کبھی خود خدا ان میں سے ایک ہو جاتا تھا، ہندوؤں کی طرح پارسیوں میں بھی وہ قابل پرستش سمجھے جاتی تھیں ان کے نزدیک سب سے عالی رتبہ امشا سپند تھے اور ان کے تحت میں ۳۳، پھر ان میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزاروں تھے اور چونکہ پارسی نکی اور بدی کے دو مقابل خداؤں کے قائل تھے اس لیے دونوں کے ماتحت اچھے اور برے فرشتوں کی بے شمار تعداد تھی، نیکی کے فرشتے براہ راست نیکی کی چیزوں کو اور برائی کے فرشتے مصیبتوں ہلاکتوں اور برائیوں کو دنیا میں پیدا کرتے تھے اور اپنے اپنے خدا کی طرف سے ان اشیاء پر حاکم سمجھے جاتے تھے دونوں خدا اپنی اپنی فوجوں اور لشکروں کے پڑے لیکر باہم نبرد آزما رہتے تھے، یہ بھی ان کا اعتقاد تھا کہ ہر انسان اپنے خدا کے ساتھ ایک یزد یعنی مادہ (فرشتہ) بھی ہوتی تھی، جو اس کی بیوی تھی، ہندوؤں میں نیز دیوتاؤں اور مادہ دیویوں کا تصور تھا، مگر ان نزد مادہ ہستیوں میں کسی نہ کو کسی مادہ سے خصوصیت خاص نہ تھی بلکہ ہر ایک جنس کا ہر فرد دوسری جنس کے ہر فرد سے لطف اندوز ہو سکتا تھا، یہودیوں میں فرشتوں کی حیثیت ایسی تھی کہ ان کی تقدیس اور شاد و صفت خدا سے مشتبہ ہو جاتی تھی، نظر آنیوالے فرشتہ کی تعظیم کی جاتی تھی، اس کے آگے جھکا جاتا تھا، اور اس کو خداوند کہہ کر اس طرح خطاب کیا جاتا تھا، کہ کہیں کہیں یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ خدا مخاطب ہے یا فرشتہ (دیکھیں ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲) وہ کبھی کبھی خدا کے بیٹے بھی کہے جاتے تھے (دیکھیں ۲۰، ۲۱، ۲۲) عیسائیوں میں ان میں سے بعض مثلاً روح القدس خدا کا ایک جزو تسلیم ہو کر تثلیث کا رکن ہے۔

سائبیوں میں فرشتوں کی قربانی کی جاتی تھی ان کے ہیکل بنائے جاتے تھے اور ان کو منظر خدا تسلیم کیا جاتا تھا، عربوں میں فرشتے مادہ سمجھے جاتے تھے، وہ خدا کی بیٹیاں کہہ کر پکارے جاتے تھے ان کی پرستش ہوتی تھی، اور بھجایا جاتا تھا کہ وہ خدا کے دربار میں سفارشی ہوں گے، یونانیوں میں عقل اول اور عقل ہشتم تمام عالم کے خالق کارفرما اور مرتبہ کل مانے گئے، اور خدا کو معطل ٹھہرایا گیا۔

اسلام نے اگر ان تمام عقائد کو مٹا دیا، خدائی اور ربوبیت کی ہر صفت سے وہ محروم بنائے گئے ان کی پرستش ناجائز کی گئی، نزد مادہ کی مادی جنسیت سے وہ پاک کیے گئے، اور انسانوں کو ان پاک مخلوقات کی غلامی و بندگی سے آزاد کیا گیا، ان کی تعداد و بشمار اور درجہ بندی کا کوئی تخمیل باقی نہیں رکھا گیا ان کی ہستی خدائے تعالیٰ کے سامنے ایک ہر ایک مطیع و فرمانبردار غلام کی قرار دی گئی جس کا کام شب و روز صرف آقا کا حکم بجالانا ہے، عالم میں ان کا کسی قسم کا تصرف نہیں مانا گیا، اور نہ نیکی و بدی کی دو تقسیمیں کی گئیں، نہ وہ الگ الگ جنس مخلوقات کے حاکم و منتظم قرار دیئے گئے، قرآن میں ابھی ہستی صرف اس قدر تسلیم کی گئی ہے کہ وہ صرف غیر مادی ذی روح مخلوقات ہیں جن کا کام خدا کی حمد و ثنا اور اطاعت و فرمانبرداری ہے خالق اور اس کے مخلوقات کے درمیان وہ پیغام رسانی کا ذریعہ ہیں، خدا کے حکم کے مطابق وہ مخلوقات کے کارخانہ کو چلا رہی ہیں لیکن اس جہان میں خود ان کی ذاتی مرضی اور ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے اسی لیے قرآن پاک نے یہودیوں کی طرح ان کو خداوند کا خطاب

نہیں دیا، نہ پارسیوں کی طرح ان کو قابل پرستش کے لقب سے یاد کیا، نہ ہندوؤں کی طرح دیوتا اور دیوتا، اور دیوی کہا، بلکہ صرف ملک اور رسول کے الفاظ استعمال کیے جن کے لفظی معنی فرستادہ، قاصد، پیغام رساں اور رابطہ کے ہیں، بلکہ قرآن نے آغاز خلقت انسانی کے قصہ میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ ملائکہ اس لائق نہیں ہیں کہ آدم ان کو سجدہ کرے، بلکہ آدم میں یہ صلاحیت ہے کہ ملائکہ کا سجدہ کرے، چنانچہ اس کو مرتبہ علم میں ان سے بالاتر ٹھہرایا گیا اور خدا کی جس تسبیح اور تقدیس کا ان کو دعویٰ تھا، اس کے باوجود جب انسان کا جوہر طبیعتاً انہوں نے پہچانا تو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ

سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (بقرہ ۳۱)

تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں لیکن وہ جو تو نے ہم کو سکھایا، بیشک تو جاننے والا اور حکمت والا ہے،

اس قصہ نے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا کہ وہ ہستیاں جن کو دوسرے مذاہب نے انسانوں کا دیوتا انسانوں کا خداوند اور کبھی خدا کا ہمسر اور مقرب مطلق قرار دیا تھا، اسلام میں ان کی حیثیت انسان کے مقابلہ میں کیا ہے؟ انسان اور فرشتے خدا کے سامنے برابر کے مخلوق اور بندے کیساں عاجز و دماندہ ہیں، انسانوں کو مادی اشیاء پر حکومت بخشی گئی ہے کہ اپنے نفع و نقصان کے لیے ان سے کام لے سکیں اور ملائکہ کو اپنے حضور میں متعین فرمایا گیا ہے کہ آسمان و زمین اور پوری مملکت الہی میں خدا کے احکام کی تعمیل و تنفیذ کریں،

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اسباب و علل کا ایک سلسلہ رکھا ہے جو ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے لوگ انہی ظاہری اسباب و علل کو دیکھ کر دھوکا کھاتے ہیں اور ان کی پرستش کرنے لگتے ہیں، مثلاً آگ جلاتی اور روشن کرتی ہے اس کو دیکھ کر آتش پرست اور مادہ پرست یقین کرتے ہیں کہ خود آگ میں جلانے کی طاقت ہے لیکن فرق یہ ہے کہ آتش پرست اس کے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اور مادہ پرست گواپنا سر اس کے آگے نہیں جھکاتے مگر ان کا دل جھک جاتا ہے کیونکہ وہ بھی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ طاقت خود آگ کے اندر موجود ہے، کچھ لوگ میں جو یہ سمجھتے ہیں کہ جلانے کی طاقت آگ میں نہیں ہے بلکہ اس کا ایک مستقل دیوتا یا فرشتہ ہے، جو اس پر حکمران ہے، یہ لوگ اس آگ کے فرمانروا کے سامنے جھکتے ہیں، اسلام کے نظریہ توحید نے اس شرک کو بھی مٹایا اور بتایا کہ آگ اور آگ کا کوئی فرشتہ ہے تو وہ کل کے کل اسی ایک رب العالمین اور فرمانروائے ارض و سما کے حکم کے تابع ہیں اسی کے آگے جھکنا چاہیے اور اسی کی بندگی کرنی چاہیے،

اسلام میں فرشتوں کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا جواب ان نصوص سے مل سکتا ہے جو ان کے کاموں کے متعلق قرآن میں مذکور ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے مراد وہ غیر مادی ذی روح ہستیاں ہیں، جو احکام اور پیغام الہی کو دنیا میں خلق تک پہنچاتے اور نافذ کرتے ہیں اور وہ اسباب و علل جن کو مادہ پرست ذاتی طور پر موثر جانتے اور جن کو بت پرست دیوتاؤں کا کرشمہ سمجھتے ہیں ان کو فرشتے احکام الہی کے مطابق کام میں لگاتے اور مرضی الہی کو پورا کرتے ہیں۔

عقلی حیثیت سے یہ عقیدہ بھی اسی طرح قبول اور انکار کے قابل ہے جس طرح عقیدات کے دوسرے عقائد اور



نظریے ہیں جن کی تصدیق یا تکذیب عقل کی دسترس سے باہر ہے اس لیے اس عقیدہ کو یہ کہہ کر کوئی رد کرنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ یہ خلاف عقل ہے بلکہ جس طرح قیاسات اور عقلی نکتہ پر وازی سے دوسرے عقلی مباحث کا فیصلہ کیا جاتا ہے، ویسا ہی یہاں بھی کیا جاسکتا ہے، اشیاء میں خصائص اور لوازم کے وجود اور ان کے اسباب و علل کا مسئلہ عقلا میں ہمیشہ اختلافات کا ذنگل رہا ہے اور یہ معما آج بھی اسی طرح لایحل ہے جس طرح پہلے تھا، اس کا حل سائنس کی مادی تحقیقات اور تجربوں کی طاقت سے باہر ہے اور فلسفہ بھی اس کی گتھی کے سلجھانے سے عاجز ہے، اس لیے اگر حکمائے محدثین کی شاہراہ سے الگ ہٹ کر اس کے حل کی کوئی صورت ارباب مذہب نے نکالی ہے تو وہ محل اعتراض نہیں ہو سکتی اور نہ خلاف عقل کہی جاسکتی ہے کائنات کے حوادث میں جس طرح مادی علل و اسباب کار فرما ہیں اسی طرح ان سے بالاتر روحانی علل و اسباب بھی ساتھ ساتھ کار فرما ہیں اور ان دونوں قسم کے اسباب کے توافقی سے حوادث کا وجود ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ انسان اکثر مادی علل و اسباب موجود ہونے یا نہ ہونے کے باوجود کامیاب یا ناکام ہوتا ہے اور اس کا نام بخت و اتفاق رکھتا ہے حالانکہ مسئلہ علل و اسباب کو مان لینے کے بعد بخت و اتفاق کوئی چیز نہیں رہ جاتا، یہی روحانی علل و اسباب ہیں جن کا سررشتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ان فرشتوں کو سپرد کیا ہے، جو فرما بزرگ چاکروں کی حیثیت سے نظام عالم کو چلا رہے ہیں ہمارے اور دوسرے متکلمین اور حکماء کے اصطلاحات میں فرق یہ ہے کہ وہ ملائکہ کی تعبیر اسباب و علل کے قوائے طبعی سے کرتے ہیں، اور ہم قوائے روحانی سے،

اس تقریر کا یہ منشاء نہیں ہے کہ اشیاء میں خواص و طبائع، اور اس مادہ کی ملکیت میں مقرر طبعی اصول و قوانین موجود نہیں ہیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اذلی اندازہ (تقدیر) کے مطابق ہر چیز کے خصائص و طبائع اور اصول و قوانین مقرر کر کے ملائکہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کو ان ہی اصول و طبائع مقررہ کے مطابق چلاتے رہیں،

سمجھنے کے لیے اس کی صحیح مثال خود انسان بلکہ ہر جاندار سہی ہے مخلوقات کی دو قسمیں ہیں، ذی روح اور غیر ذی روح ذی روح مخلوقات کے اکثر افعال و حرکات اس کی روح کی ارادی قوت کی طاقت سے انجام پاتے ہیں، وہی روح اس کے ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء، بلکہ ہر عضو کے ایک ایک رگ ریشہ پر حکمراں اور مسلط ہے بائیں ہمد وہ روح اصول مقررہ کے تحت ہی اعطاء سے کام لیتی ہے اور ان اصول سے باہر نہیں جاتی اس طرح غیر ذی روح اشیاء میں ابرو باد سے لیکر دریا، پہاڑ، چاند اور سورج تک پر ارادہ مقرر ہیں جو ان اشیاء سے خدا کے اصول مقررہ کے مطابق کیاں افعال و حرکات کا صدور کرتی ہیں جس طرح ہماری روح اپنے اعضاء اور اعضا کے ذریعہ سے مادہ میں جو تغیرات پیدا کرتی ہے وہ اشیاء کے مقررہ خواص و طبائع کے سہارے یہ کرتی ہے اسی طرح ملائکہ بھی انہی مقررہ خواص و طبائع کے ذریعہ اپنے مقررہ فرائض انجام دیتے ہیں۔

الغرض جس طرح ہمارے ارادی افعال اور حکم الہی کے درمیان ہماری انسانی ارواح و نفوس واسطہ ہیں، اسی طرح تمام عالم مخلوقات اور کائنات کے افعال اور حکم الہی کے درمیان یہ ملوٹی ارواح اور نفوس مجروحہ واسطہ ہیں اور جس

طرح ہماری انسانی ارواح کی اس وسالت سے خدا کی حکومت علی الاطلاق پر کوئی اعتراض نہیں واقع ہوتا اسی طرح ان ملوٹی ارواح کی وسالت سے بھی خدا کی علی الاطلاق حکومت میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا، یہی سبب ہے کہ ہمیں بھی آتی ہے کہ ہمارا ارادی افعال میں اختلافات کی اتنی نیرنگیاں نظر آتی ہیں، مگر ہمارے اور عالم کائنات کے جو نوعی افعال ہیں ان میں اختلافات اور نیرنگیوں کے بجائے یکسانی، ہم نگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے؛ کیونکہ انسان نے ارادہ پا کر کسی قدر ذاتی اختیار پالیا ہے اور یہی ذاتی اختیار اس کے افعال اختیار کی ذمہ داری باز پرس اور مواخذہ کی بنیاد ہے اور جس کی بنا پر وہ اپنی اطاعت کے ذریعے ثواب اور عیب کے عتاب کا مستحق ہو جاتا ہے مگر دنیا کی یہ ملوٹی ارواح مجروحہ یعنی یہ ملائکہ ذاتی ارادہ اور اختیار سے تمامہ محروم ہو کر صرف اطاعت فرمانبرداری اور انقیاد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اس لیے ان میں عصیان، تمرد، سرکشی اور حکم الہی سے انحراف کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، اسی بنا پر اشیاء کے تمام نوعی افعال و حرکات اور خصائص میں یکسانی، ہم نگی اور عدم اختلاف پایا جاتا ہے یہی حقیقت ہے جو فطرت طبعیت اور نوعی خاصیت کی اصطلاحات کی صورتوں میں ہمارے لیے دھوکے اور اشتباہ کا باعث بن گئی ہے۔

ارباب ہم کو تعلیمات نبوی، یعنی آیات و احادیث سے ملائکہ کی حیثیت کو روشن کرنا چاہیے ملائکہ کی سفارت پیام رسانی، یعنی خالق کے احکام اور مرضی کو مخلوقات تک پہنچانا اور اس کام میں ان کا بے اختیار ہونا، ان دو باتوں سے ثابت ہوتا ہے: **إِنَّ اللَّهَ يُصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ** خدا ہی ہے، جو فرشتوں اور آدمیوں میں سے پیام رساں اور **إِنَّ اللَّهَ يُصْطَفِي بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ يَخْلُقُ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ دَابَّةٍ** قاصد منتخب کرتا ہے جسکے لئے وہ دلا دیکھنے والا اور آئنے آگے اور پیچھے کا حال جانتا ہے اور تمام کاموں کا مرجع خدا ہی ہے۔ **وَمَا خَلَقَهُمْ وَرَلَىٰ اللَّهُ تَوْجِعَهُ الْاُمُورَ دَارِجًا** یعنی پیام رسانی اور سفارت کے سوا ان کو اصل حکم میں کوئی دخل نہیں ہے، اختیارات سب خدا کے ہاتھ میں ہیں، اور وہی تمام امور اور انتظامات کا مرجع کل ہے، دوسری جگہ ہے:

**الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةَ رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ مَثْنً وَثُلَثَ وَرَبْعَ طَيْرٍ يُضِدُّ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** وہ مایستخ اللہ للناس من رحمۃ فلا تمسک لہا وما یسک فلا یرسل لہ من بعدا **وَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَكِيمُ** (فاطر: ۱) حمد ہو اس خدا کی جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اور فرشتوں کو دو دو تین تین اور چار چار شہر بازوؤں والے پیام رساں بنانے والا ہے، وہ پیدائش میں جو چاہے بڑھا دے وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ لوگوں کی رحمت کھو تو کوئی اس کا رد کرنے والا نہیں، اور وہی غلبہ دانا ہے۔

اس آیت پاک میں بھی یہی حقیقت ظاہر کی گئی ہے، کہ ملائکہ سفارت اور درمیانگی کے علاوہ اور کوئی اختیار نہیں رکھتے، رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا اور بند کرنے والا صرف خدا ہے، تعلیم اس غلط عقیدہ کی تردید کرتی ہے، کہ فرشتوں کو دنیا کی حکمرانی اور انتظامات میں کوئی ذاتی دخل ہے، یا ان میں الوہیت اور نبوت کا کوئی شائبہ یا وہ پرستش کے قابل ہیں یا ان کی دہائی بھی پکارتی چاہیے۔



۲۔ ملائکہ خدا کے احکام کو دنیا میں جاری کرتے ہیں :-

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَخَبَتُوا الَّذِينَ آمَنُوا (انفال: ۲۰)  
 (یاد کر) جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو۔

تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِمَّنْ كُلِّ أُمَرَأٍ (قدر: ۱)  
 اس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کو لیکر نیچے اترتے ہیں،

وہ جس طرح احکام لیکر اترتے ہیں، اسی طرح دربار الہی تک عروج بھی کرتے ہیں،

تَعَايُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ (معارف: ۱۰)  
 فرشتے اور روح اس تک چڑھتے ہیں۔

موت کے وقت روح کا قبض کرنا، اسنی سے متعلق ہے،

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي نُفِخَ فِيهِكُمْ (سجده: ۱۱)  
 کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم پر موت طاری کرے گا۔

وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ (انعام: ۱۱۰)  
 اور اگر دیکھو تم جب گنہگار موت کے سکرات میں ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوں کہ نکالو اپنی جانوں کو،

وَلَوْ تَرَى إِذِ يَتَخَوَّى السَّيِّئُ الْكَافِرُونَ (انفال: ۲۰)  
 اور اگر دیکھو جب فرشتے کا منہ دہن کو موت دے رہے ہوں۔

اسی کے ہم معنی اور بھی کئی آیتیں ہیں، جن سے ظاہر ہے کہ حکیم الہی کے مطابق موت و فنا کی تدبیر علل و اسباب کی اسنی روحانی قوتوں سے متعلق ہے۔

دنیا میں کسی شے کے وجود، انقلاب اور فنا کے لیے کسی ایک علت و سبب کا وجود کافی نہیں ہے بلکہ

مزدوری ہے کہ اس کے متعلقہ علل و اسباب کی تمام کڑیاں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے کی معاون ہوں اور موانع اور عوائق معدوم ہوں یہ متعلقہ علل و اسباب کا توافق اور موافق کا انسداد ہی تدبیر ہے جو حکم الہی ملائکہ کے سپرد ہے، اس تدبیر کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے،

وہ کام کی تدبیر کرتا ہے، اور کبھی ملائکہ کی طرف،

وَالسَّارِعَاتِ غُرُقًا ۖ وَالشَّيْطَانِ سَبْعًا ۚ فَالْسَّابِقُ السَّابِقُ ۚ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (فاذاعات: ۱)  
 ڈوب کر (روحوں کے) کھینچنے والوں کی قسم؟ (رگوں کی) گرجوں کے کھولنے والوں کی قسم ہے (اس فضلے آسمانی میں) تیرے والوں کی پھر دوڑ کر مادی اسباب علل پر سے آگے بڑھ جانے والوں کی پھر کام کی تدبیر کر نیوالوں کی قسم ہے۔

یہی ملائکہ خدا اور رسول کے درمیان بھی سفیر ہیں :-

لَا يَصِحُّ بَحَارِي كِتَابٍ إِلَّا بِإِذْنِ الْمَلَائِكَةِ (میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ مقرر ہے جو بچہ کی نسبت فضلے الہی کو تحریر کرتا ہے)

أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ

بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ (شوری: ۵)

دوسری جگہ ہے :-

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى

مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (نحل: ۱)

خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے :-

ثَابِتٌ نَزْلُهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ

اللَّهِ (بقصص: ۱۲)

۳۔ یہ لوگوں پر بشارت اور عذاب لیکر بھی اترتے ہیں۔

وَلَقَدْ جَاءَتْكَ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى

اسی طرح حضرت زکریا اور حضرت مریم علیہما السلام کو انہوں نے بشارت دی،

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِوَهَبَ لَكِ

غُلَامًا زَكِيًّا (مریم: ۲۰)

حضرت لوط کے پاس ان کی قوم کی بربادی کے لیے آئے اور

قَالُوا يَا لَوُطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ (هود: ۷۷)

کہا، اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد یہ فرشتے حضرت لوط کی قوم پر کوہ آتش نشان کا منہ کھول دیتے ہیں، اور تمام قوم برباد ہو جاتی

ہے، یہ کام اگرچہ فرشتوں نے انجام دیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو خود اپنی طرف منسوب کیلئے، کیونکہ وہ فرشتوں

کے ذاتی اختیار کے بجائے خدا ہی کے حکم سے ہوا تھا،

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَابًا مِّنْ سَاجِدٍ

مَنْضُوجٍ (هود: ۷۷)

۵۔ فرشتے انسانوں کے اعمال کی نگہبانی اور نگرانی کرتے ہیں، اور ان کے ثواب اور گناہ کے کاموں کو

محفوظ رکھتے ہیں :-

وَإِنْ عَلَيْكُمْ الْحَفِظَاتُ ۖ كَرَامًا كَاتِبِينَ

يَقْلُمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (انفطار: ۱)

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (رق: ۲)

سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسْرَأُ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ

وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ

یا خدا آدمی سے اس طرح باتیں کرتا ہے کہ ایک سفیر چھپتا ہے وہ

اس (خدا کی جانتے جو وہ (خدا) چاہتا ہے وہی کرتا ہے،

خدا رات کے ساتھ فرشتوں کو اپنے حکم سے اپنے بندوں

میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے،

بِسْ اس (جبریل فرشتہ) نے (قرآن) کو خدا کے حکم سے

تمہارے دل پر اتارا،

۴۔ یہ لوگوں پر بشارت اور عذاب لیکر بھی اترتے ہیں۔

ہمارے سفیر ابراہیم کے پاس بشارت لیکر اترے،

اسی طرح حضرت زکریا اور حضرت مریم علیہما السلام کو انہوں نے بشارت دی،

میں تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں کہ تجھے ایک پاک

لڑکا بخشوں۔

حضرت لوط کے پاس ان کی قوم کی بربادی کے لیے آئے اور

کہا، اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد یہ فرشتے حضرت لوط کی قوم پر کوہ آتش نشان کا منہ کھول دیتے ہیں، اور تمام قوم برباد ہو جاتی

ہے، یہ کام اگرچہ فرشتوں نے انجام دیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو خود اپنی طرف منسوب کیلئے، کیونکہ وہ فرشتوں

کے ذاتی اختیار کے بجائے خدا ہی کے حکم سے ہوا تھا،

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَابًا مِّنْ سَاجِدٍ

مَنْضُوجٍ (هود: ۷۷)

توجہ ہمارا حکم آیا تو ہم نے اس کے اوپر کو بیچے

کر دیا (یعنی زمین اُلٹ دی)، اور اس پر نہ بڑا

پتھروں کی بارش کی۔

۵۔ فرشتے انسانوں کے اعمال کی نگہبانی اور نگرانی کرتے ہیں، اور ان کے ثواب اور گناہ کے کاموں کو

محفوظ رکھتے ہیں :-

بیشک تم پر نگہبان ہیں جو بزرگ ہیں لکھنے والے ہیں،

جو تم کچھ کرتے ہو اس کو وہ جانتے ہیں۔

لیکن اس کے پاس ایک نگہبان حاضر ہے،

تم میں سے کوئی بات چپا کر کے یا زور سے کہے یا وہ رات

میں چپے یا دن کو کر کے خدا کے تعاقب کر نیوالے اس کے



لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَيُؤَيِّنُ  
خَلْفَهُمْ يَحْفَظُونَ لَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ط (در حد: ۲۰)  
وَيُؤَيِّنُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط حَتَّىٰ إِذَا  
جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا  
وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ط (انعام: ۸۱)

سامنے سے اور اس کے پیچھے سے خدا کے حکم سے اسکی  
نگرانی کرتے ہیں۔  
اور وہ (خدا) تم پر نگراں بھیجتا ہے، یہاں تک کہ تم میں سے  
جب کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے قاصد اس کی عمر پوری  
کرتے ہیں اور وہ اپنے اس کام میں کمی نہیں کرتے۔

۶۔ وہ انسانوں کے اعمال کے مطابق ان پر خدا کی رحمت یا لعنت کے نزول کا ذریعہ اور واسطہ ہیں؛  
نیکو کاروں کو وہ بڑی گہراہٹ (قیامت) نگینہ کریمگی  
اور فرشتے ان کا آگے بڑھ کر استقبال کریں گے (کہ یہی وہ  
دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا،

جس لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر  
اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے یہ کہتے ہوئے اتریں  
گے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی خوشخبری سنو  
جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، ہم ہیں جو تمہاری پہلی اور اس  
دوسری زندگی میں تمہارے رفیق ہیں۔

وہی خدا تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے،  
اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں،  
اور جو زمین میں ہیں انکے لیے وہ خدا سے مغفرت کی مانگتے ہیں۔

اسی طرح وہ بدکاروں پر لعنت بھی کرتے ہیں،  
اُولَٰئِكَ جَزَاءُ اُولَٰئِكَ اَنَّهُمْ لَعَنُوا اللّٰهَ وَالْمَلَائِكَةَ  
وَالنَّاسَ اَجْمَعِينَ ط (آل عمران: ۹)  
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَا تَوَّأَوْهُمْ كُفَّارًا  
وَالَّذِيْنَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ  
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ط (بقرہ: ۱۹)

۷۔ جنت اور دوزخ کا کاروبار بھی ملائکہ کے زیر اہتمام ہوگا،  
اور کفر کرنے والے گروہ درگروہ کے دوزخ کی طرف لے جائیں گے  
یہاں تک کہ جب اسکے پاس پہنچیں گے تو اسکے دعاویہ کھو جائیں گے  
اسکے چوکیہ (فرشتے) کہیں گے کہ کیا تمہارا پاس تمہیں کے پیغمبر نہیں آئے۔  
اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے وہ گروہ درگروہ جنت

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ ذُوْهَا فَتَحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ  
لَهُمْ خُذْهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا  
خَالِدِيْنَ فِيْهَا (زمر: ۸۱)

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ط  
سَلَامٌ عَلَيْهِمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَىٰ النَّارِ ط (در حد: ۲۰)

عَلَيْهَا ط الْمَلَائِكَةُ عَلَاظُ شِدَا ط (در حد: ۱)

وَمَا جَعَلْنَا اَصْحَابَ النَّارِ اِلَّا مَلَائِكَةً ط (نار: ۱)

۸۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس کے حاضر باش ہیں،  
وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ خَافِيْنَ مِّنْ حَوْلِ الْعَرْشِ  
يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ط (زمر: ۸۱)

لَا يَسْمَعُوْنَ اِلَّا الْمَلٰٓئِكَةَ عَلٰى رُفُوْدٍ ط  
مَا كَانَ لِيْ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا عَلٰى اِذٍ  
يَخْتَصِمُوْنَ ط (ص: ۵)

۹۔ فرشتے خدا سے سرکشی اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے ہمیشہ اس کی ہدایت اور حمد و ثناء میں  
مغروف رہتے ہیں، اس کے جلال و جبروت سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں، اور اس کے حضور میں اہل زمین  
کے لیے عموماً اور نیکو کاروں کے لیے خصوصاً مغفرت کی دعا مانگا کرتے ہیں،  
وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُسْتَغْفِرُوْنَ ط  
لِمَنۢ فِي الْاَرْضِ ط اِلَّا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ط (شوری: ۱)

یعنی یہ دھوکا نہ ہو کہ فرشتوں کی دعا ہی رحمت و برکت کا ذائقہ سبب ہے، بلکہ بخشش اور رحمت کرنے  
والا صرف وہی خدا ہے اور یہ بخشش و رحمت اسی کے دستِ اختیار میں ہے،

میں لیجائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے  
اور اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اسکے پاس ان کہیں گے  
تم پر سلامتی خوش خوش جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ،  
اور ان جنیتوں، پر فرشتے ہر دروازہ داخل ہو کر کہیں گے تم پر سلامتی  
ہو، یہ تمہارا صبر کا اجر ہے (در حد: ۲۰) اچھا عاقبت کا گھر ہے،

اس (دوزخ) پر سخت دل طاقتور فرشتے مقرر ہیں،  
اور ہم نے دوزخ کا اہلکار فرشتوں ہی کو بنایا ہے،

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے ارد گرد احاطہ کیے ہوئے  
اپنے پروردگار کی حمد و ثناء میں مغروف ہوں گے،  
اعلیٰ اہل دربار کی باتیں وہ (شاہین) نہیں سن سکتے،  
مجھے خدا کے بلند درباریوں کا علم نہیں جب وہ  
باتیں کرتے ہیں۔

قیامت کے دن بھی یہ تختِ الہی کے حامل اور اس بارگاہ کے حاضر باش ہوں گے جو ہر وقت اس  
کے ہر حکم کو بجالانے کے لیے تیار رہیں گے،  
اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور تیرے پروردگار  
کے تخت کو آٹھ (فرشتے) اس دن اپنے اوپر اٹھائے ہونگے،  
ہرگز نہیں جب زمین ریزہ ریزہ کر دی جائے گی اور تیرا رب  
تشریف فرما ہوگا، اور فرشتے قطار قطار آئیں گے (دفعہ) جس دن  
روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے۔

۱۰۔ زمین والوں کی بخشش کی دعا مانگا کرتے ہیں،  
یعنی یہ دھوکا نہ ہو کہ فرشتوں کی دعا ہی رحمت و برکت کا ذائقہ سبب ہے، بلکہ بخشش اور رحمت کرنے  
والا صرف وہی خدا ہے اور یہ بخشش و رحمت اسی کے دستِ اختیار میں ہے،

یعنی یہ دھوکا نہ ہو کہ فرشتوں کی دعا ہی رحمت و برکت کا ذائقہ سبب ہے، بلکہ بخشش اور رحمت کرنے  
والا صرف وہی خدا ہے اور یہ بخشش و رحمت اسی کے دستِ اختیار میں ہے،



الَّذِينَ يَخْمَلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا (دوس: ۱)

وَلَا مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مَا مَرَّتْ عَنْدَكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْضِرُونَ يَسْبِحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (انبیاء: ۲۱)

بَلْ عِبَادٌ مُتَكَبِّرُونَ لَا يُسْمِعُونَ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِ رَبِّهِمْ يَعْلَمُونَ (دوس: ۲۱)

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (تحریم: ۱)

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ (سجده: ۵)

وَاللَّهُ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (مجادل: ۲۱)

فَوَقَّعَهُمْ وَفَعَلُوا مَا يُؤْمَرُونَ (نمل: ۶)

جو فرشتے عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے پاس ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لایوں کی بخشائش کی دعا کرتے ہیں۔

آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی ہے اسی کا ہوا اور جو اس کے پاس ہیں، یعنی فرشتے وہ اس کے سامنے اپنی عبودیت کے اظہار سے غرور نہیں کرتے، اور نہ اس کی عبادت سے تنگ ہیں وہ رات دن خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں، سست نہیں پڑتے۔

بلکہ وہ بزرگ بندے ہیں، جو بات میں اس (خدا) پر پیش دستی نہیں کرتے، اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں، اور وہ اس کے خوف سے ترسا رہتے ہیں۔

خدا ان کو جس بات کا حکم دیتا ہے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جس کا حکم دیا جاتا ہے۔

اور بجلی کی کڑک اور فرشتے خدا کے قریب سے اس کی حمد و تسبیح کرتے ہیں، اور آسمان میں اور زمین میں جو چار پائے اور فرشتے ہیں، وہ سب خدا کو سجدہ کرتے ہیں،

اور اس کے سامنے اپنی بڑائی نہیں کرتے نہ اپنے مالک بڑائی اور نہ ڈرتے رہتے ہیں وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

گذر چکا ہے کہ ملائکہ کا اعتقاد دنیا کے تمام مذہبوں اور قوموں میں کسی نہ کسی طرح رہا ہے لیکن ان کے اس اعتقاد میں بہت سی باتیں ایسی داخل تھیں جو توحید کامل کے منافی تھیں اسکندریہ کے نوافلاطونی فلسفہ کے روئے عمل اول کی اضطرابی پیدائش کے بعد خدا کو معطل ہو جانا پڑا، اور فرشتوں کو عقول کی صورت میں اصلی کار فرما قرار دیا گیا تھا، عراق کے صابئی اجرام سماوی کی شکل میں ان کی پرستش کرتے تھے، اور انہیں کو عالم کا فرمانروا مانتے تھے، یہودی بھی ان کو کسی قدر صاحب اختیار تصور کرتے تھے اور کبھی کبھی ان کو خداؤں کا درجہ دیتے تھے، جیسا کہ توراۃ (صحیفہ دیکھیں ۱۶-۱۸ و ۲۰، ۲۲) کے قصوں میں کہیں کہیں نظر آتا ہے، ان کو وہ خدا کے بیٹوں کے خطاب سے بھی کبھی کبھی یاد کرتے تھے (دیکھیں ۲۰، ۶) ہندوؤں میں وہ دیوتا اور دیوی بن کر ایک طرف انسانی خصائص سے ملوث تھے، اور دوسری طرف اپنے ذاتی اختیارات کے لحاظ سے چھوٹے خداؤں کے مرتبہ پر بھی فائز تھے، عیسائی ان میں سے بعض مثلاً روح القدس کو خدا کا ایک جز تسلیم کرتے تھے، اور یہ تئلیٹ کا ایک رکن تھا، عربوں میں فرشتے خدا کی بیٹیوں کا درجہ رکھتے تھے وہ ان کی پرہیزگارتی اور انکو اپنے گناہوں کا شفیع سمجھتے تھے۔

تعلیم محمدی نے ان تمام عقائد باطلہ کو مٹا دیا، اور ایک ایک کو کے ان میں سے ہر عقیدہ کی تردید کردی اور بتایا کہ

فرشتے بھی خدا کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہیں، ان کو خدائی کا کوئی اختیار حاصل نہیں، وہ صرف خدا کی اطاعت، عبادت اور اسی کے احکام کی بجا آوری میں مصروف رہتے ہیں، ان میں سے جس کے جو کام سپرد ہے، وہ اسی کو انجام دیتا ہے وہ ہماری ہی طرح بندہ محض ہیں، وہ نہ عبادت کے مستحق ہیں، نہ خدا کے بے اذن وہ شفاعت کا ایک حرف زبان سے نکال سکتے ہیں، اور نہ خدا کے سامنے کچھ عرض کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں، یہودی ان کو خدا کے بیٹے اور عرب خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، قرآن نے دونوں کی تردید کی، اور بتایا کہ وہ انسانی خصائص اور میلانات سے پاک ہیں، وہ زمرہ ہیں، نہ عورت ہیں، نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، اور نہ خدائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں، وہ خدا کے خوف سے ہمیشہ کانپتے اور لرزتے رہتے ہیں،

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ مَا بَلْ عِبَادٌ مُتَكَبِّرُونَ لَا يُسْمِعُونَ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِ رَبِّهِمْ يَعْلَمُونَ يَفْعَلُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَنْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِنْ دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ط كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ (انبیاء: ۲۱)

إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌُ وَاحِدٌ ط سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ط لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلٌ ط لَا يَسْتَكْبِرُ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُتَقَرَّبُونَ ط وَمَنْ يَسْتَكْبِرْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ ط فَيَحْشُرْهُمْ إِلَٰهًا جَمِيعًا (نساء: ۲۳، ۲۴)

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ط أَيَا مَرْكُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (ال عمران: ۸)

وَيُؤْمَرُ بِحَشْرِهِمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ الْمَلَائِكَةُ هَؤُلَاءِ أَيْدَاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلَيْتَآ مَنْ دُونَهُمْ بَلْ كَانُوا ابْغِدُوا نَ الْجَنِّ أَكْثَرُ هُمْ يَكْفُرُونَ (سبا: ۵)

مشرکوں نے کہا کہ مہربان خدا نے اپنا لڑکا بنالیا ہے اس سے پاک ہے بلکہ یہ (فرشتے)، اس کے معزز بندے ہیں جو بات میں اس پر پیش دستی نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں، خدا اس سے جو ان کے آگے اور پیچھے ہوتا ہے واقف ہے وہ شفاعت نہیں کرتے لیکن اسی کی جس کے لیے خدا پسند کرتا ہے، اور وہ خدا کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان سے جو یہ کہہ کر میں خدا ہو تو اسکو بھی اسی طرح ہم جنم کی سزا دیں گی ایسی ہی ہماری لوگوں کو سزا دیں گی، خدا تو ایک ہی ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہو، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس کی ملکیت ہے، اور خدا کا وکیل ہونا کافی ہے۔ مسیح کو اس سے عار نہ ہوگا کہ وہ خدا کا بندہ ہے اور اور نہ مقرب فرشتوں کو اس سے عار ہے، اور جو لوگ اس کی عبادت سے عار اور غرور کریں گے تو وہ ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کرے گا۔

خدا اس کا حکم تم کو نہیں دیتا کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں کو خدا بناؤ کیا تم کو مسلمان ہونے کے بعد کفر کرنے کا حکم دے گا۔

اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ مشرکین تمہیں کو پوجتے تھے وہ کہیں گے پاک ہے تو، تو ہمارا والی ہے وہ نہیں ہیں، بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے وہ اکثر انہی جنوں پر ایمان لائے ہیں،



يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا (دہ ۲۱)  
وَهُمْ فِي مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مَنْ أَذِنَ اللَّهُ لَئِنْ يَشَاءَ وَيُوهِنُ (دہ ۲۱)  
أَفَأَصْلُكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينِ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا هُمْ يَكْفُرُونَ إِنَّا لَا بُدَّ أَنْ يَأْتِيَ السَّاعِي سَبِيلَهُ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا نَسَبُهُ لَهَا السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ (اسرائیل ۵۳)  
وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (زخرف ۲۱)

جس دن روح اور فرشتے صف بستہ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تو کچھ بول نہ سکیں گے لیکن وہ جس کو مہربان اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے۔  
اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، لیکن اس کے بعد کہ خدا جس کو چاہے اجازت دے اور پسند کرے۔  
کیا تمہارے لیے خدا نے بیٹوں کو پسند کیا اور خود فرشتوں میں سے لڑکیاں اپنے لیے پسند کیں، تم یقیناً بہت بڑی بات منہ سے نکالتے ہو اور ہم نے اس قرآن میں پھر پھر کہنے کو باتیں بیان کی ہیں لیکن یہ ان کی نفرت کو اور بڑھانے کے لیے پیغمبر اگر اس ایک خدا نے برحق کیساتھ اور بھی چھٹا ہوتے تو اس تخت والے خدا کی طرف وہ راستہ ڈھونڈتے دیکھ کر اس کے ہاتھ سے حکومت چھین کر خود قبضہ کر لیں، یہ مشرک جو کہتے ہیں خدا اس سے بلند و برتر ہے، ساتویں زمین اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

اور ان مشرکوں نے فرشتوں کو جو رحمت والے خدا کے بندے ہیں، عورتیں بنا دیا کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے ہم انکی گواہی لکھیں گے اور ان سے اس کی باز پرس کی جائے گی اور انہوں نے کہا کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان (فرشتوں) کو نہ پوچھتے انہیں اس کا تحقیقی علم نہیں وہ صرف اٹکل لگاتے ہیں۔

قرآن پاک میں اس معنوم کی اور بہت سی کہتیں ہیں، مگر یہاں استقصاء مقصود نہیں، یہودیوں کا خیال تھا کہ فرشتے کھاتے پیتے بھی ہیں، چنانچہ توراۃ میں جہاں حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتوں کے آنے کا ذکر ہے، یہ بھی مذکور ہے کہ ابراہیمؑ نے ان کے لیے دعوت کا سامان کیا اور انہوں نے کھایا (تکوین ۸، ۱۸) لیکن قرآن پاک نے اس قصہ کو دہرا کر یہ تصریح کر دی ہے کہ فرشتے، انسانی ضرورتوں سے پاک ہیں، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے ان کے لیے دعوت کا سامان کیا مگر

فَلَمَّا رَأَىٰ أَن يَضُرُّهُمْ لَا يَتَّصِلُ إِلَيْهِمْ نَكَبَهُمْ وَأَخْتَفَ بِهِمْ مَقْعَهُمْ مِنَ الْجِبَالِ فَذُوقُوا الْعَذَابَ (مائدہ ۱۱) جب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ وہ کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے تو اسکو وہ اہتمام معلوم ہوئے اور دل میں ڈرا اٹھنے لگا کہ انہیں

اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلٰی قَوْمٍ لُّوْطًا (ہود: ۷۷) ہم لوہا قوم کی طرف ان کے تباہ کرنے کیلئے بھیجے گئے ہیں کفار قریش کا مطالبہ تھا کہ انسان کے بجائے کوئی فرشتہ پیغمبر بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا اسکے جواب میں کہا گیا: وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ (النعام: ۱۱) اور اگر ہم پیغمبر کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو آدمی کے لیے اسکو آدمی ہی بناتے اور جس شبہ میں اب ہم نے انکو ڈال دیا، میں پھر بھی پڑے رہتے یعنی یہی کہتے کہ تم فرشتے نہیں بلکہ آدمی (النعام: ۱۱) اس آیت اور دوسری آیتوں سے ملکوتیت اور بشریت کی قوتوں کا اختلاف ظاہر ہے تاہم فرشتے کبھی کبھی عارضی طور سے انسان کے مثالی لباس میں بھی جلوہ گھر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مریمؑ کے قصوں میں ہے۔ فَتَنَّا لَهَا ابْنَهَا اسْوِيَا (مریم: ۲۱) وہ فرشتہ ایک اچھے خاصے بشر کی مثالی صورت میں ظاہر ہوا، یہی وہ صورت تھی جس میں حضرت ابراہیمؑ کو فرشتوں کے انسان ہونے کا دھوکا ہوا اور ان کے لیے دعوت کا سامان کیا مگر یہ دھوکا جلد رفع ہو گیا کہ وہ انسان کی مثالی صورت میں فرشتے ہیں۔ ان تمام تفصیلات کے بعد یہ غور کرنا ہے کہ فرشتوں پر ایمان لانے سے اسلام کا کیا مقصود ہے؟ حقیقت میں اس سے دو باتیں مقصود ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اسلام سے پہلے بت پرست اقوام اور دوسرے اہل مذاہب میں ان فرشتوں کو خدائی کا جو مرتبہ دیا گیا تھا، اس غلط عقیدہ کو مٹا کر یہ حقیقت ظاہر کی جائے کہ ان کی حیثیت بے اختیار محکوم بندہ کی ہے جب تک اس کی تصریح نہ ہوئی، کلمہ توحید کی تکمیل ممکن نہ تھی،

۲۔ دوسرے مقصد یہ ہے کہ مادہ کے خواص و طبائع کو دیکھ کر مادہ پرست جو ان مادی خواص و طبائع کی بالذات کارفرمائی کا یقین کرتے ہیں، اس کا ازالہ کیا جائے، کیونکہ یہی پتھر ان کی ٹھوکر کا باعث ہوتا ہے اور بالآخر خدا کے انکار تک ان کو لیجا تا ہے، اور حقیقت ان مادی خواص و طبائع پر روحانی اسباب مسلط ہیں، جو خدا کے حکم سے اس کے مقررہ اصول کے مطابق نظام عالم کو چلا رہے ہیں، مادہ اور اس کے خواص بالذات موثر نہیں، بلکہ کوئی دوسرا ہے جو اپنے ارواح مجرورہ کے ذریعہ سے اُن کو موثر بناتا ہے اس عقیدہ کا دیت کاہت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جاتا ہے، غرض منزه خالق اور مادی مخلوق کے درمیان احکام و شرائع کا نزول اور قدرت الہی کے افعال کا صدور ان محکوم ارواح مجرورہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔



## رَسُولُوں پر ایمان

## وَمُسْلِمِهِ

یہ عقیدہ اسلام کی ان خصوصیات میں سے ہے جن کی تکمیل صرف اسی کے ذریعہ سے انجام کو پہنچی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے پہلے دنیا کی ہر قوم کو بجائے خود یہ خیال تھا کہ وہی اللہ تعالیٰ کی خاص محبوب اور پیاری ہے، تمام دنیا کی قوموں میں ہدایت ربانی کے لیے وہی منتخب کی گئی ہے، اس کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں اس فیض سے قطعاً محروم ہیں اور رہیں گی اسی کی سر زمین دیوتاؤں اور دیویوں کا مسکن اور اسی کی زبان خدا کی خالق مقدس زبان ہے، بابل و مینو ہوا مصر و یونان، ایران ہوا آریہ ورت ہندوستان، ہر ملک کے لوگوں کو بجائے خود تنہا خدا کی عبادت اور برگزیدہ ہونے کا دعویٰ تھا، اور وہ صرف اپنے کو خدا کے پیغام اور خطاب مشرف ہونیکا مستحق سمجھتے تھے، لیکن تعلیم محمدی نے تنگ خیالی کے اس محدود دائرہ کو دنیا کی عظیم الشان وسعت سے بدل دیا، آپ نے یہ سکھایا کہ دنیا کی تمام قومیں خدا کی نظر میں یکساں ہیں، نہ عرب کو عجم پر اور نہ عجم کو عرب پر فضیلت ہے اور نہ گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی تقدیم حاصل ہے، ساری زمین خدا کی ہے اور تمام قومیں خدا کی مخلوق ہیں آپ نے فرمایا گو گو تم سب ایک ہی باپ دادم کی اولاد ہو، اور وہ مٹی سے پیدا ہوا تھا، اسی طرح یہ بھی تعلیم دی کہ انسانوں اور قوموں کا امتیاز رنگ و روپ ملک و مذہب اور زبان سے نہیں، بلکہ صرف تقویٰ اور نیکو کاری ہے۔

اس تعلیم کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ قوموں اور ملکوں کی فطری فضیلت کی پرانی داستان فراموش ہو گئی، دنیا کی تمام قومیں ایک سطح پر آگئیں اور مساوات انسانی کا راستہ صاف ہو گیا۔ بنی اسرائیل جن کو خدا کا کنبہ ہونے کا ناز تھا، انہی نے ان کا اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلُ خَلْقٍ (مائدہ: ۲۰) بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے بشر ہو۔

بنی اسرائیل کو دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف انہی کے خاندان کا ورثہ ہے جس طرح اس آریہ ورت کا دعویٰ ہے کہ خدا کی بولی صرف یہیں کے شیعوں اور یہیوں نے سنی جو وید کے اوراق میں محفوظ ہے، اسی طرح دوسری قوموں کو بھی اپنی اپنی جگہ پر ہی خیال تھا اسلام نے اس تخصیص کو خدا کے انصاف و عدل و کرم اور رحمت عام کے منافی قرار دیا، اور کہہ دیا:

إِنَّكَ فَضْلٌ، اللَّهُ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَافٍ بِالْعَهْدِ (احزاب: ۴۸) یہ نعمت اللہ کی مہربانی ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے۔

ثُمَّ إِنَّ الْهُدَىٰ هَدَىٰ اللَّهُ أَنْ يُؤْتِيَ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيَ سَائِرُ قَوْمِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ مِثْلٌ إِنَّ

ہذا صریح منہ، انا ہونے والا ہوں کہ جامع ترمذی از کتاب المناقب کہ قرآن اِنَّ اَكْثَرَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اَنْتُمْ كُمْ

الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يُخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ

الْعَظِيمِ، (آل عمران: ۸)

مَا يُؤَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِمَّنْ رَزَقَكُمْ وَاللَّهُ يُخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (بقرہ: ۱۳۰)

یہ نئے دین والے تم سے خدا کے آگے جھک کر کہہ رہے ہیں کہ نبوت کا فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے اس کو دیتا ہے اور اللہ کی رحمت سب کا ہے وہ اپنی رحمت کو ہر طرح جانتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کیساتھ مخصوص کرتا ہے وہ بڑا فضل والا ہے۔ اہل کتاب میں جو منکر ہیں وہ یہ نہیں پسند کرتے اور مشرکین پسند کرتے ہیں کہ تم پر ہمارے پروردگار کی طرف کوئی بھائی نازل ہو اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اس نے یہ تعلیم دی کہ روئے زمین کی ہر آبادی میں ہر قوم میں اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی راہ دکھائیوالے، اس کی آواز پہنچانے والے اور انسانوں کو ان کی غفلت سے جو نکلنے والے پیغمبر یا نائب پیغمبر آئے اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک برابر جاری رہا۔

بعثت محمدی سے پہلے دنیا کی کل آبادی مختلف گھروں میں بٹی ہوئی اور ایک دوسرے سے نا آشنا تھی، ہندوستان کے رشیوں اور مہیوں نے آریہ ورت سے باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سننے کا بھی حق نہیں سمجھا تھا، ان کے نزدیک پریشور صرف آریہ ورت کی ہدایت اور رہنمائی کا خواہاں تھا، زردشت نے پاک نژاد ان ایرانیوں کے سوا سب کو یزدان کے جلوہ نورانی سے محروم یقین کیا تھا، بنی اسرائیل اپنے خانوادہ کے سوا کہیں اور کسی نبی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے، عیسائی صرف اپنے کو خدا کی فرزندگی کا مستحق سمجھتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر بتایا کہ خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے ظہور کے لیے کسی ملک، قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اس کی نگاہ میں عرب و عجم، شام و ہند سب برابر ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ بین آنکھوں نے پورے پچھم اتر و کھن ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا، اور ہر زبان میں اس کی آواز سنی۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ (یونس: ۵) اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (نحل: ۵) اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ (روم: ۵) اور ہم تجھ سے پہلے کتنے رسول انکی اپنی قوم میں بھیجے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَدًى (زمر: ۱۰) اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما آیا۔

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر: ۳) اور کوئی قوم نہیں جس میں ایک ہشیار کر نیوالا نہ آیا ہو۔

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيٍّ فِي الْأَوَّلِينَ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ہود: ۱۰) اور ہم نے پہلی قوموں میں کتنے پیغمبر بھیجے اور ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی بولی میں بھیجا، تاکہ وہ ان کو بتا سکے۔

اس آخری آیت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول کی یہ تعلیم الہی تشریح و بیان کے لیے مامور ہے۔

ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں



کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے ایک ہندو تمام دنیا کو بچے، شودر اور چنڈال کہہ کر بھی بیکار رہ سکتا ہے، ایک زردشتی تمام عالم کو بخیر ظلمات کہہ کر بھی نورانی ہو سکتا ہے اور وہ ابنِ تیم اور موسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دیندار کی دعویٰ کر سکتا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی انکی پیروی کا دعویٰ کر کے اس پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں حج دعا پڑھتے تھے اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا وَالْبَشَرُونَ حَقٌّ وَ مُحَمَّدٌ حَقٌّ، سب نبی برحق تھے اور محمد بھی برحق ہے، مگر من کوئی شخص اس وقت تک محمدی نہیں ہو سکتا جب تک پہلے موسیٰ، عیسیٰ اور سیمانی و داؤدی بن نہ لے اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت، حقانیت، استبازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے اور یہ یقین نہ کرے کہ ان کے فریو اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح قہر کو اپنی تہا اور رہنمائی سے فرما دیا ہے اور ان کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا خدا کا ماننا۔

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور پتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہیں مانیں گے اور پتے ہیں کہ اسکے پیچ پیچ میں کوئی راستہ نکالیں وہی حقیقت کافریوں کا فروں کیلئے ہم نے نالمت والا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان رسولوں میں کسی کے درمیان فرق نہیں کیا تو وہی لوگ ہیں جن کی مزدوری خدا ان کو دے گا اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔

اور فرشتوں پر، کتاب پر، اور سب نبیوں پر ایمان لانا یہی ہے اور جسے خدا کا اور اس کے فرشتوں کا انکار اسکی کتابوں کا، اور اس کے رسولوں کا اور قیامت کا انکار کیا وہ نہایت سخت گمراہ ہوا۔

بقرہ کے خاتمہ میں ہے :  
قُلْ اَمِنْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا تَفْرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ، (بقرہ: ۲۵۰)  
لَا تَفْرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (بقرہ: ۱۷۰، ۱۶۰، ۱۵۰، ۱۴۰، ۱۳۰، ۱۲۰، ۱۱۰، ۱۰۰، ۹۰، ۸۰، ۷۰، ۶۰، ۵۰، ۴۰، ۳۰، ۲۰، ۱۰، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱)  
پیغمبروں میں تفریق کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سے بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، اسلام ناسکی منافقت کی اور عام حکم دیا کہ دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول صادق اور راست باز تسلیم کیا جائے۔

یہودی حضرت عیسیٰ کو نعوذ باللہ جھوٹا اور کاذب کہتے، اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور بھی ان کا یہی عقیدہ ہے، یہودیت اور اسلام میں جو اشتراک ہے، وہ مسیحیت سے زیادہ ہے، ایسا اگر اسلام کی راہ میں حضرت مسیح کا نام نہ لے تو بہت سے یہو مسلمان ہو کر تیار ہو جائیں مگر اسلام نے کبھی یہ رنگ گوارا نہیں کیا، اور جب تک

کسی یہودی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت، معصومیت اور تقدس کا اقرار نہیں لے لیا، اسکو اپنے دائرہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سے یہو آپ کی رسالت، اور شریعت پر ایمان لانے کو تیار تھے، مگر حضرت عیسیٰ کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی دوستی کے عظیم الشان فائدے سے محروم رہنا گوارا کیا مگر مسیح علیہ السلام کی سیمانی سے ان کا محروم رہنا قبول نہ فرمایا، اور ان سے صاف کہا:

يَا هٰٓءُلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْفِقُوْنَ مِمَّا اٰتٰكُمْ اَنْ تَتَّبِعُوْا اَمَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ اَمْرٍ اَنْ تَكُوْنُوْا كَافِرِيْنَ (مائدہ: ۹۰)  
اے یہو! کیا تم بے تم کو ہم سے، مگر یہی کہ ہم خدا پر اور جو ہماری طرف اتارا گیا، اور جو پہلے اتارا گیا، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تم میں اکثر بے حکم ہیں۔

خود قریش کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے نام سے چٹکتے تھے، تاہم ان کی خاطر سے حضرت عیسیٰ کی نبوت، تقدس اور معصومیت کا انکار نہیں کیا گیا۔ قرآن نے کہا:

وَلَمَّا صُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَشَدًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ وَقَالُوْٓا اءِ الْهٰٓئِلٰتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا مَّ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (زخرف: ۶)  
اور جب مریم کے بیٹے کی کماوت بیان کی گئی تو تیری قوم اس جلاتے لگتی ہے اور بولی کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ یا نام جو وہ تجھ پر دھرتے ہیں، صرف جھگڑنے کو، بلکہ جھگڑا تو ہیں، وہ ایک بندہ ہے جس پر ہم نے فضل کیا۔

قریش کو معلوم تھا کہ اسلام عیسیٰ بن مریم کو بندہ اور رسول ماننا ہے، خدا نہیں، باوجود اس عیسائیو کی طرح مسلمانوں بھی حضرت عیسیٰ کے ماننے کی وجہ سے عیسیٰ پرستی کا الزام دھرتے تھے، قرآن نے انکے اس بے معنی اعتراض کی تردید کی۔ اسلام میں پیغمبروں کی کوئی تعداد محدود نہیں ہے، طہرات کی ایک منعیف روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے، دوسری روایت میں اس سے کم تعداد بھی مروی ہے، قرآن پاک میں نام کے ساتھ صرف انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جن سے عرب مانوس تھے، یا ان کے ہمسا یہود و نصاریٰ کے معنیوں میں جن کے تذکرے تھے، قرآن میں بعض ایسے انبیاء بھی مذکور ہیں جن سے صرف عرب واقف تھے اور یہو و نصاریٰ بے خبر تھے، مثلاً حضرت ہود اور حضرت شعیب، بعض ایسے بھی ہیں جنکو یہود و نصاریٰ جانتے تو تھے، لیکن پیغمبر نہیں تسلیم کرتے تھے، مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان، وحی محمدی نے ان سب کو پیغمبر تسلیم کیا، اور انکی صدا و عظمت کا اقرار کیا۔

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعیت کی طرف بھی اشارہ کر دینا مناسب ہے، اسلام سے پہلے نبوت، رسالت، اور پیغمبری کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی، یہو کے لڑاں نبوت کے معنی صرف پیشین گوئی کے تھے، اور نبی پیشین گو کو کہتے تھے، اور جس کے متعلق وہ یقین رکھتے تھے، کہ اسکی دعا بامداد فوراً قبول ہو جاتی ہے، اسی لیے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی نبوت اور رسالت کا محض دھندلا سا خاکہ ان کے لڑاں موجود ہے، بلکہ حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں شام کا ابن مالک کی پیغمبری کا نشان ان کے نزدیک زیادہ نمایاں معلوم ہوتا ہے، حضرت داؤد اور سلیمان کی حیثیت ان کے



ہاں صرف بادشاہ کی ہے، اور ان کے زمانہ کے پیشین گوئی کر نیوالے پیغمبر اور ہیں، یہی سبب ہے کہ یہودیوں کے قصوں اور کتابوں میں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف نہایت نحیف باتیں بے تامل منسوب کی گئی ہیں، عیسائیوں کے ہاں بھی سالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہیں بیان کی گئی ہے، ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ مجھ سے پہلے آئے، وہ چور اور ڈاکو تھے، موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسولوں کی تعریف ہے، نہ ان کے تذکرے ہیں، نہ ان کی سچائی اور صدا کی گواہی ہے، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ جن کے تذکرے انجیل میں ہیں، وہ بھی پیغمبرِ نشان کے ساتھ ان کے ہاں مسلم نہیں، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اس جلیل القدر منصب کی حقیقت ظاہر کی، اس کے فرائض بتائے اس کی خصوصیات کا اظہار کیا، اور ان سب پر ایمان لانے کو نبیات کا ضروری ذریعہ قرار دیا، آپ نے بتایا کہ نبوت و رسالت خاص خاص انسانوں کو خدا کا بشارت ہوا ایک منصب ہے، جس کو دے کر وہ دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ خدا کے احکام لوگوں کو بتائیں اور سچائی اور نیکی کا راستہ ان کو دکھائیں، وہ ہادی (رہنما) منیر (دیشمار کر نیوالے) داعی (خدا کی طرف سے بلانے والے) مبشر (خوشخبری سنانے والے) معلم (دیکھا نیوالے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے) اور نور (روشنی) تھے، خدا ان سے ہمکلام ہوتا تھا، اپنی باتوں سے ان کو مطلع کرتا تھا، اور وہ ان سے دوسرے انسانوں کو آگاہ کرتے تھے، وہ گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ تھے، وہ خدا کے نیک اور مقبول بندے تھے، اور اپنے عہد کے سب سے انسان تھے، ان کے سب کام خدا کے لیے تھے اور خدا ان کے لیے تھا، یہ سب اپنے فرائض کو انجام دینے کے لیے ہر قوم میں پیدا ہوئے، جنہوں نے ان کو مانا، نجات پائی، اور جنہوں نے جھٹلایا، ہلاک و برباد ہوئے، قرآن پاک نے ان کی زندگی کے سوانح، ان کی تبلیغ کی روداد، ان کے اخلاق کی بلند مثالیں اور ان کی خدا پرستی کا اخلاص اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے ان کی پیروی کا جذبہ، ان کے اتباع کا شوق، اور ان کی صداقت کا یقین دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے، اور ساتھ ہی اسے شانِ نبوت کے خلاف جو غلط باتیں دوسرے صحیفوں میں ان کی طرف منسوب تھیں، ان کو چھوڑ دیا ہے، اور ایمان کی تردید کر دی ہے۔

الغرض نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے جو یہ قرار دی کہ نبی و رسول گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں، نبی اسرائیل کو نبوت اور رسالت کے اس بلند تخیل کی ہوا بھی نہیں لگی تھی، ایسے انسانوں نے نہایت بلبلائی سے اپنے پیغمبروں کی طرف ہر قسم کے گناہ منسوب کر دیے، عیسائی ایک حضرت عیسیٰ کو تو معصوم کہتے ہیں، باقی سب کی گنہگاری کے قائل ہیں لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کی عظمت کی ایک ہی سطح قائم کی ہے، اسکے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عصمت تمام انبیاء اور مرسلین کا مشترک وصف ہے، کیونکہ گنہگار گنہگار کی رہنمائی کا مستحق نہیں، اور اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا، اس بنا پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت و تعلیم نے خدا کے تمام معصوم رسولوں کی عظمت و جلالت دنیا میں قائم کی اور جن کو رباطوں نے ان کی عصمت و بیگناہی کے دامن پر اپنے وہم و نادانی سے داغ لگائے تھے، ان کو دھو کر پاؤں صاف کیا، اور یہ سالت محمدی کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

خود انجیل کے طرز سے ظاہر تھا کہ حضرت عیسیٰ احکام عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عزت نہیں کرتے تھے، قرآن

نے اس کی تردید کی، اور حضرت عیسیٰ کی زبان سے کہلوا یا :  
وَبَنَاتُيَ الَّذِي وَلَسْتُ بِجَعَلْنِي جَبَّارًا  
شَقِيًّا، (مریم ۲۰)  
اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کر نیوالا، اور مجھ کو خدا نے جبار اور بد بخت نہیں بنایا۔

کیونکہ احکام عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بد بختی تھی، اسی طرح موجودہ انجیل نے حضرت عیسیٰ پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ نماز و روزہ کی پروا نہیں کرتے تھے، قرآن نے ان کی زبان سے کہلوا یا :

وَأَوْصَانِي بِالْعَلَّةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (مریم ۱۰)  
یہود حضرت مریم پر تمت رکھتے تھے، قرآن نے اس الزام کو دور کیا، اور کہا :

وَمَرْيَمُ ابْنَتْ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ  
فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا  
وَصَدَقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا  
مِنْ الْقَانِطِينَ (تحریم ۲۰)  
اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح بھونکی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں اور اس کی کتابوں کو سچ جانا اور وہ بندگی کرنے والوں میں تھی۔

یہود حضرت سلیمان کو گندہ، تعویذ اور عملیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے، حالانکہ سحر و جادو وغیرہ تورات میں شرک قرار دیا جا چکا تھا۔ قرآن نے علانیہ یہودیوں کے اس الزام کی تردید کی :

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا  
يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ (بقوہ ۱۳)  
اور سلیمان نے کفر کا کام نہیں کیا، بلکہ شیطانوں نے کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

اسی طرح حضرت لوط پر بدکاری کا جو الزام یہود لگاتے ہیں اس کی تردید کی :

اور پر گزر چکا ہے کہ قرآن نے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے تمام پیغمبروں کے نام نہیں لیے ہیں کہ صرف ناموں کی فہرست یا نام معلوم اشخاص کے نام لیے لینے سے دلوں میں جو کس عقیدت نہیں پیدا ہو سکتا، تاہم معلوم

تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے دعوت ایک دن دنیا کے کناروں تک پہنچ گئی، اور بہت سی غیر قومیں اور دوسرے انبیاء کی امتیں اس حلقہ میں داخل ہوں گی اور اپنے اپنے انبیاء کا نام و نشان صحیفہ محمدی میں تلاش کریں گی، اس لیے ایک جامع آیت میں تمام انبیاء کا تذکرہ کر دیا گیا اور ان کی صداقت کی پہچان بتادی گئی۔ فرمایا :

ہم نے (اے محمد) تمہارے پاس وحی بھیجی جس طرح نوح اور ان کے بعد کے پیغمبروں کے پاس بھیجی اور ہم نے ابراہیم کو اور اسمعیل کو اور اسحاق کو اور یعقوب کو اور ان کے غلام کو اور عیسیٰ کو اور ایوب اور یونس کو اور ہارون کو اور سلیمان کو وحی بھیجی اور داؤد کو زبور عطا کی اور دوسرے رسولوں کو بھیجا جن کا حال تم سے ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور ان رسولوں کو جن کا حال پر تم سے بیان نہیں کیا، اور خدا نے

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ  
وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ  
وَالْإِسْمَاعِيلِ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلِ سُلَيْمَانَ  
وَعِيسَى وَذَاكِرَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَ

سُلَيْمَانَ، إِنَّا ذَا ذُرِّيَّتًا وَرُسُلًا قَدْ  
قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ  
نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى

نقصصہم علیک وکلم اللہ موسیٰ



تَكْلِيمًا، رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِّئَلَّا  
يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ  
اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (نساء: ۲۲۱)

موسیٰ سے بات کی اور ان رسولوں کو خوشخبری سنایا اور ہشیار  
کرنیوالا بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کو رسولوں کے آجانے کے بعد خدا کے  
آگے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور خدا غالب و دانا ہے۔

انبیاء کے متعلق یہی حقیقت سورہ مومن میں دوبارہ بیان کی گئی ہے :

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا  
عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن: ۸)

اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت پیغمبر بھیجے ان میں کچھ ہیں جن کا حال تم  
سے بیان کیا ہے اور کچھ وہ ہیں جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا۔

تعلیم محمدی کے اصول کے مطابق یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قوموں اور ملکوں جیسے چین،  
ایران اور ہندوستان میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے خدا کے انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں، اور اس لیے یہ  
تمام قومیں اپنے جن بزرگوں کی عزت و عظمت کرتی ہیں اور اپنے دین و مذہب کو جن کی طرف منسوب کرتی ہیں انکی  
صداقت اور استبازی کا قطعی انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا، اسی بنا پر بعض علماء نے ہندوستان کے کرشن  
اور رام کو بلکہ ایران کے زرتشت کو بھی اور بعض صاحبوں نے تو بو دھ تک کو پیغمبر کہا ہے، بہر حال امکان میں خوشک  
ہی نہیں، لیکن یقین کے ساتھ ان ناموں کی تعیین بھی حد سے تجاوز کرنا ہے، اصل یہ ہے کہ قرآن نے انبیاء کی دو قسمیں  
کی ہیں، ایک وہ جن کے ناموں کی اس نے تصریح کی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام اس نے بیان نہیں کیے ہیں،  
اس لیے صحیح یہ ہے کہ جن انبیاء کے نام مذکور ہیں، تمام مسلمانوں کو ان پر نام بنام ایمان لانا چاہیے اور جن کے نام مذکور  
نہیں، ان کی نسبت صرف یہ اجمالی ایمان کافی ہے کہ ان قوموں میں بھی خدا کے فرستادہ اور پیغمبر آئے تھے، گو یہ  
تخصیص ان کے نام نہیں معلوم ہیں، وہ قومیں جن کا نام لیتی ہیں، اگر ان کی زندگی اور ان کی تعلیم نبوت و رسالت  
کی شان کے مطابق ہیں، تو ان کی نبوت اور رسالت کی طرف رجحان اور میلان بلکہ قرینہ غالب ہو سکتا ہے، لیکن  
یقین اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پاس ان باتوں پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف وحی ہے، اور وہ اس تخصیص  
تعیین سے خاموش ہے۔

اس قسم کے انبیاء کے نام گو قرآن میں مذکور نہیں، مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے گذر چکے ہیں اور  
ان کے پیر و ان کو اپنے ہاں نبوت و رسالت کا درجہ دیتے ہیں، ان کی شناخت اور پہچان کا ایک اصول قرآن نے مقرر کیا  
اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی ہے :

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولا أَنِ  
اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ، (نحل: ۵)

اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی پرستش  
کرو، اور جھوٹے معبود سے بچے رہو۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ  
إِلَّا نُنَوِّحُ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا  
فَاعْبُدُونِ (انبیاء: ۲۱)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا لیکن  
اس کو یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا  
نہیں، مجھی کو پوجو۔

لہ کلمات طیبات حضرت شاہ مرزا منظر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ دخیل ابن حزم :

اس لیے وہ تمام قدیم رہبرانِ انسانی اور رہنمایانِ عالم جو دنیا میں کسی مذہب کو لائے اور جن کی تبلیغ  
و تعلیم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے اجتناب تھی اور جن کی زندگی اس تعلیم کے شایانِ شان تھی، انکی نسبت  
یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے اور اپنے وقت کے رسول اور پیغمبر نہ تھے کہ اتنی بڑی بڑی قومیں خود قرآن کے  
اصول کے مطابق انبیاء اور رسولوں کے وجود سے خالی نہیں رہ سکتی تھیں، اسی بنا پر اسلام کی ان تلقینات میں  
سے جن کے تسلیم کیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمام ملکوں کے پیغمبروں اور تمام  
قوموں کے رسولوں کو جو حضرت خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے پیدا ہوئے یکساں صداقت کیساتھ  
تسلیم کرے، ان سب تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہے اور وہ توحید ہے۔ البتہ ان انبیاء میں ایک کو دوسرے پر بعض  
بعض حیثیتوں سے ترجیح ہے :

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ط  
مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضُهُمْ  
دَرَجَاتٍ ط وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ  
وَآتَيْنَا دَاوُدَ زُكْرًا الْقُدُسَ (بقرہ: ۲۵۳)

ان رسولوں میں سے ہم نے کسی کو کسی پر فضیلت دی، ان  
میں سے کسی سے اللہ نے کلام کیا اور کسی کے بہت درجے  
بڑھائے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو نشانیاں دیں اور  
پاک کی روح سے اس کی تائید کی۔

آپ نے دوسرے انبیاء کی جائز تعظیم و تکریم یہاں تک کی ہے کہ ان کے مقابلے میں کبھی کبھی اپنی ہستی بھی فراموش کر دیتی  
ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کو یَا خَيْرُ الْبَرِّیِّیَّہ اے بہترین خلق کہہ کر خطاب کیا، فرمایا وہ تو ابراہیم  
تھے، ایک دفعہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ سب سے عالی خاندان کون تھا؟ فرمایا یوسفؑ پیغمبر بن پیغمبر  
بن خلیل اللہ، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی مدینہ میں کہہ رہا تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو بشر بر  
فضیلت دی، ایک مسلمان یہ کھڑے سن رہے تھے، ان کو غصا گیا کہ ہمارے پیغمبر کی موجودگی میں تم یہ کہہ رہے ہو،  
اور اس کو ایک تھپڑ کھینچ مارا، اس نے دربارِ نبوتی میں جا کر شکایت کی، آپ نے ان صحابی کو بلا بھیجا، اور مقدمہ  
کی روداد سنی، پھر نہایت برہم ہو کر فرمایا کہ پیغمبروں میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو، یعنی ایسی فضیلت جس  
سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہو۔

یہی وہ تعلیماتِ محمدی ہیں، جن کے ذریعہ سے دنیا میں وحدتِ مذہب، روحانی مساوات، انسانی اخوت  
اور تمام انبیاء اور پیغمبروں کے ادب و احترام کے جذبات پیدا ہوئے، بنی اسرائیل کے وہ پیغمبر جن کو ماننے والے  
تمام دنیا میں چند لاکھ سے زیادہ نہ تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ان کی عظمت و جلالت اور  
ادب و احترام کو نیا لے چالیس کروڑ سے زیادہ ہو گئے، وہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ جو چھ سو برس تک  
یہودیوں کی جھوٹی تہمت سے رہے، محمد رسول اللہ نے آکر دفعۃً اس کو مٹا دیا، اور انکی پاک کی گواہی دی جس  
کی بدولت آج چالیس کروڑ زبانیں ان کی عصمت کی شہادت دے رہی ہیں، ہندوستان، ایران، چین جن کے  
پچھ رہنماؤں کا ان کے ملک سے باہر کوئی ادب و احترام نہ تھا، جہاں جہاں مسلمان گئے، ان کے جائز ادب و احترام  
لہ سند ابن منبج ج ۱ ص ۵۳۱ صحیح بخاری کتاب الانبیاء مناقب حضرت یوسف علیہ السلام ص ۴۹، ۵۰ (بقیہ صفحہ ۳۰۸)



کو اپنے ساتھ لیتے گئے،

وہ عرب جو پیغمبروں کے ناموں تک سے ناواقف تھے، جو نبوت و رسالت کے خصائص کے علم سے محروم تھے، جو انبیاء اور رسولوں کی سیرتوں سے نا آشنا تھے، جو ان کے ادب و احترام اور تصدیق و اعتراف سے بیگانہ تھے جن کو اپنے دیوتاؤں کے سامنے عیسیٰ بن مریم پر تحقیرانہ ہنسی آتی تھی، اور جو حضرت موسیٰ کی فضیلت کا ذکر سن کر اپنے غصہ کو ضبط نہیں کر سکتے تھے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ان کا یہ حال ہوا کہ وہ ایک ایک پیغمبر کے نام و نشان اور تاریخ و سیرت سے واقف ہو گئے اور تبرکات ان کے ناموں پر اپنی اولادوں کے نام رکھنے لگے، اور جو آج بھی تمام مسلمانوں میں شائع اور ذائع ہیں، انہوں نے پیغمبروں کی صداقت اور سچائی کی گواہی دی، ان کے ادب و احترام کو اپنے سینوں میں جگہ دی، ان کی تعظیم و تکریم کو اپنے دین و ایمان کا جزو بنالیا، دنیا کی کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نام ادب سے لیے جائیں مگر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جب کسی پیغمبر کا نام لے تو ادب سے لے اور ان پر درود و سلام پڑھے۔

## کُتِبَ إِلَیْهِ بِرَایْمَانِ وَکُتِبَ

ایک مسلمان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے صحیفہ وحی پر ایمان لائے، ہر چند یہ عقیدہ کثرت عقیدہ رسالت کا لازمی نتیجہ ہے یعنی رسول کو رسول مان لینا، اس کی تعلیمات اور وحی کو مان لینے کے مترادف ہے تاہم یہ تصریح اس لیے کی گئی، تاکہ پوری طرح صاف اور واضح ہو جائے کہ رسول کو رسول مان لینے کے بعد اس کے صحیفہ وحی کو مان کر اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہے، سورہ بقرہ کے شروع ہی میں کچے مومنوں کی تعریف میں کہا گیا ہے: **وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ (بقرہ: ۱۱)** اور جو اس کتاب یا وحی پر ایمان رکھتے ہیں جو تجھ پر رکھی گئی، کتاب الہی پر ایمان لانے سے مقصود، ان تمام صداقتوں اور حکموں کو بجا کر دل قبول کرنا ہے جو اس میں مذکور ہیں، یہ گویا پوری شریعت مطہرہ کو قبول کر لینے کا مختصر ترین طریقہ متعیر ہے اور اس لیے ایمانیت کی بہت سی دوسری باتیں جن کی تفصیل ہر موقع پر ضروری نہیں، اس ایک فقرہ کے تحت میں آجاتی ہیں، قرآن پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ قرآن میں علمی و عملی عقائد و عبادات و احکام مذکور ہیں ان سب کو بے کم و کاست ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر کوئی سرتے انکو تسلیم ہی نہیں کرتا تو انکی تعمیل و پیروی کا اس کو کوئی مطالبہ کیا جاسکتا ہے، اسی پر اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ بجا جنت یہ جو کچھ میں لیکر آیا اس پر ایمان لاؤ، قرآن نے کہا:

(بقیہ حاشیہ) ۱۔ صحیح بخاری مناقب حضرت موسیٰ ص ۳ (حاشیہ صفحہ ۵۷) ۲۔ قرآن پاک سورہ زخرف، رکوع ۶ ۳۔ صحیح بخاری مناقب حضرت موسیٰ ۴۔

وَأَمِنُوا بِمَا نَزَلَ عَلَی مُحَمَّدٍ (محمد: ۱)

لیکن قرآن اگر اتنا ہی کتنا کہ میرے پیرو صرف مجھ پر ایمان لائیں تو یہ کوئی اہم بات نہ ہوتی کہ ہر صاحب مذہب کی یہی تعلیم ہوتی ہے، قرآن نے عقائد کی اس دفعہ میں بھی اپنے تکمیلی پہلو کو پیش نظر رکھا ہے، اور یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اہل قرآن کیساتھ ہی دوسری آسمانی کتابوں کی صداقت کو بھی تسلیم کریں یعنی کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک صحیفہ محمدی کیساتھ دوسرے پیغمبروں کے صحیفوں کو بھی بجانب اللہ تسلیم نہ کرے چنانچہ سورہ بقرہ کے شروع اولیٰ مذکورہ بالا آیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا:

وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ: ۱)

اور جو ایمان لانے اس پر جو تجھ سے پہلے اُترا،

پھر اسی سورہ کے آخر میں فرمایا:

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ

رسول ایمان لایا، اس پر جو خدا کی طرف سے اس پر اُترا،

وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَأَتْ

اور اہل ایمان بھی ہر ایک خدا پر اس کے فرشتوں پر اور

وَكُتِبَ (بقرہ: ۳۰)

اس کی کتابوں پر ایمان لایا،

بقرہ کی آیتوں میں بعض انبیاء علیہم السلام کا تفصیلی درجہ اور بقیہ تمام انبیاء کا اجمالی ذکر کر کے انکی کتابوں اور وحیوں کی تصدیق کا حکم دیا گیا ہے: **قُلُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلِهِ سُبَّاطٌ وَمَا أَوْفَىٰ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أَوْفَىٰ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ (بقرہ: ۱۲۹)**

آل عمران میں کسی قدر تفصیل ہے:

قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا

کہہ کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہم پر اُتار گیا، اس پر اور جو

أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَاسْمَاعِيلَ وَ

کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور خاندان یعقوب

إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلِهِ سُبَّاطٌ وَمَا أَوْفَىٰ

پر اُتار گیا، اس پر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا، اس پر اور

مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ (آل عمران: ۹۰)

دوسرے سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ

دیا گیا اس پر، ہم ان سب پر ایمان لائے۔

سورہ نساء میں اس پر ایمان لانے کے حکم کے ساتھ اس کے انکار کو کفر بھی قرار دیا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ خدا پر، اس کے

وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَی رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ

رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس

الَّذِي أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ مَا وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ

کتاب پر جو پہلے اتاری اور جسے خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس



وَمَلِكُكْتِهْ وَكُتْبِهْ ..... فَتَحَذَّضَلْ  
مَلَاوَلَا بَعِيْدَا (نسا: ۲۰۰) گمراہ ہوا۔

سورہ مؤمن میں ان منکروں کو عذاب کی بھی مٹکی دی گئی ہے جو کسی پیغمبر کے پیغام کی تکذیب کریں؛  
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَوْسَلَيْنَاهُ رُسُلَنَا  
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ اِذَا لَاهُ غُلُلٌ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ  
وَالسَّلِيْلُ يُسْجَوْنَ (مومن: ۸۰) میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، وہ گھٹھے جائیں گے۔

نام کی تخصیص کیساتھ قرآن پاک میں چار آسمانی کتابوں کا ذکر ہے، تورات جس کو ایک جگہ صحف موسیٰ بھی کہا گیا ہے  
اعلیٰ: ۱) اور حضرت داؤد کی زبور اور حضرت عیسیٰ کی انجیل اور خود قرآن، انکے علاوہ ایک موقع پر صحف ابراہیم کا بھی تذکرہ ہے؛  
اِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ الَّذِيْ اَوْحَيْنَا بِكَ هُوَ الْحَقُّ وَهُوَ الْمُبِينُ (اعلیٰ: ۱) یہ باتیں گزشتہ صحیفوں میں بھی ہیں، ابراہیمؑ کی صحیفوں میں،  
ان کے ماسوا اجمال کیساتھ دو موقعوں پر گزشتہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے الفاظ ہیں:

اَوَّلُ مَا تَابَهُمْ بَيِّنَةً مِّنَ الْبَيِّنَاتِ اَلَّذِيْ اَوْحَيْنَا بِكَ (طہ: ۸۰) کیا اگلے صحیفوں میں جو کچھ ہے، اسکی گواہی ان کو نہیں پہنچی؛  
وَ اِنَّهُ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (شعراء: ۱۱۰) اور بے شبہ یہ پہلوں کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اس بنا پر انبیاء کی طرح ان کتابوں پر بھی ہر مسلمان کا تفصیلی اور اجمال ایمان ہے، جن کتابوں کے  
نام مذکور ہیں ان پر ناموں کے ساتھ، اور جن کے نام مذکور نہیں، ان پر بالاجمال ایمان ضروری ہے کسی قوم کی  
اگر کوئی آسمانی کتاب ہے جسکا وجود قرآن سے پہلے ہے، لیکن اسکا تصریحی نام قرآن میں مذکور نہیں ہے، اور اسے  
توحید الہی کی دعوت اور طاغوت سے بچنے کی نصیحت بھی ہے تو اگرچہ ہم اسکو بتصریح خدا کی کتاب تسلیم نہیں کر سکتے،  
تاہم بالتقریح اس کا انکار بھی نہیں کر سکتے، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی تصدیق  
کرنا اور نہ تکذیب، یہی حال دوسری مشکوک کتابوں کا ہے۔

یہود تورات کے سوا کچھ نہیں مانتے، عیسائی تورات کے احکام نہیں مانتے، لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں؛  
تاہم انجیل سے پہلے کی دوسری زبانوں اور ملکوں کی آسمانی کتابوں کی نسبت مسلمانوں کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی  
اختیار نہیں کرتے، پاری اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونیکا شبہ بھی نہیں کر سکتے اور برہمن وید کے باہر خدا کے فیضان  
کا تصور بھی نہیں کر سکتے، لیکن قرآن پر ایمان لانیوالا مجبور ہے، کہ صحیفہ ابراہیم، تورات، زبور اور انجیل کو خدا کی کتابیں  
یقین کرے، اور دوسری اگلی آسمانی کتابوں کی جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں، تکذیب  
نہ کرے کہ ان کا کتب الہی ہونا ممکن ہے۔

حقیقت میں اسلام کی یہ تعلیم دنیا کی مستم با شان تعلیمات میں ہے جسکا وجود کسی دوسرے مذہب میں نہ تھا؛ واری  
بے تعصبی اور عام انسانی اخوت کی سب سے بڑی تعلیم ہے، یہودی اپنی کتاب کو بھڑک کر تمام دوسری آسمانی کتابوں سے انکار  
کر کے بھی نجات کا منظرہ دکھاتا ہے عیسائی تورات اور تمام دوسرے صحیفوں کا انکار کر کے بھی آسمانی بادشاہی کا  
مستوقع ہو سکتا ہے۔ پاری اوستا کے سوا دوسری ربانی کتابوں کو باطل مان کر بھی مینو جنت کا استحقاق پیدا کر سکتا،

لے صحیح بخاری کتاب التوحید و حدیث الانک و تفسیر سورہ بقرہ:

ہندو اپنے ویدوں کے سوا دنیا کی تمام آسمانی کتابوں کو دجل و فریب مان کر بھی آواگون سے نجات حاصل کر  
سکتا ہے، بودھ مت والے اپنے سوا تمام دنیا کی وحیوں کا انکار کر کے بھی نروان کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں، مگر  
مسلمان جب تک قرآن کے ساتھ تمام دنیا کی آسمانی کتابوں کو منجانب اللہ تسلیم کریں، جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔  
یہ تعلیم صرف نظریہ کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ عملاً اس پر اسلامی حکومت کے قوانین اور احکام مبنی ہیں؛ یہودیوں کو  
نظر میں صرف دو ہی قومیں ہیں، بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل یا گھرانہ، اور غیر قومیں یا مختون اور غیر مختون اور  
ان ہی دونوں تقسیموں پر ان کے قانون کی بنیاد ہے، عیسائیوں میں مذہبی حیثیت سے مسیحی یہود اور بت پرست گو  
تین قومیں مانی جاتی ہیں مگر چونکہ انکے مذہب میں قانون نہیں ہے، ایلے وہ اکثر امور میں دمن لاد کے پڑے ہیں، لیکن  
رومن عیسائیوں میں بھی ملکی حیثیت سے دو ہی تقسیمیں ہیں، رومی اور غیر رومی، ایک رومی ملک میں غیر رومی کا کوئی حق  
نہیں کہ رومی حکومت کے لیے اور غیر رومی غلامی کے لیے پیدا ہوا ہے، پارسیوں میں نژاد ان ایران اور بیرونی لوگ دنیا  
کی دو ہی حیثیتیں ہیں، ہندوؤں میں اپنی ذاتیں اور اچھوت قوموں کی دو ہی صورتیں ہیں۔

مگر اسلام کے گزشتہ عقیدہ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قانونی حیثیت سے دنیا کی تورات کو چار طبقوں میں تقسیم  
فرمایا، اور ان کے علیحدہ علیحدہ حقوق قرار دیے جن پر اسلام کی تیرہ صدیوں میں برابر عمل ہوتا رہا، یہ تقسیم حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مسلمان، جو قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں کو کتاب الہی یقین کرتے ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کا بھائی اور بھائی اور  
برائی میں ایک دوسرے کا شریک ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے شادی بیاہ کر سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے ہتھ کا ذبح  
کیا ہوا جانور کھا سکتے ہیں اسلام کی سلطنت میں ان کے حقوق یکساں ہیں۔

۲۔ اہل کتاب، یعنی ان کتابوں کے پیرو جن کے نام قرآن میں مذکور ہیں، یا یوں کہو کہ جو قرآن کو گواہی کتاب  
نہیں مانتے مگر ان کتابوں میں سے جسکا نام قرآن میں مذکور ہے، کسی کو وہ آسمانی کتاب مانتے ہیں، وہ اپنی حفاظت کا مالی ٹیکس  
(جزیرہ) ادا کر کے اسلامی حکومتوں کے حدود میں رہ سکتے ہیں ان کے معاہدہ اور مذہبی عمارتیں محفوظ رہتی ہیں، ان کو اپنے  
مذہب پر مجبور نہیں کیا جاتا، انکی جان و مال اور عزت و آبرو کے مسلمان محافظ ہوتے ہیں، ان کی عورتوں سے مسلمان نکاح  
کر سکتے ہیں، اور ان کے ہتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھا سکتے ہیں، ان کا جائز کھانا وہ کھا سکتے ہیں، اور وہ اپنا کھانا انکو کھا سکتے ہیں۔

۳۔ شہر اہل الکتاب، یعنی وہ لوگ جو قرآن اور تورات و انجیل و زبور کو نہیں مانتے مگر وہ خود انکے علاوہ کسی سہائی کتاب  
پر ایمان لانے کے مدعی ہیں جیسے ماہی جو ایک آسمانی کتاب رکھنے کے دعویٰ کے باوجود ستاروں کو پوجتے تھے اور جو س یعنی  
پاری جو ایک آسمانی کتاب رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور تھہ بن سورج، آگ اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرتے ہیں ترکستان  
اور سندھ کی فتح کے موقع پر علمائے اسلام نے انہی پر قیاس کر کے ہندوؤں اور بودھوں وغیرہ کو بھی اسی صنف میں  
داخل کیا، مسلمان ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے اور ان کا ذبیحہ نہیں کھا سکتے، ان دو باتوں کے علاوہ اہل  
کتاب کے بقیہ تمام حقوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا کیے ہیں، وہ اسلامی حکومتوں میں ادا لے جزیرہ کے بعد ہر  
قسم کے ملکی حقوق میں شریک ہیں، انکی جان و مال و آبرو اور انکے مہبودوں کی حفاظت اسلامی حکومتوں کا فرض ہے۔

۴۔ کفار و مشرکین، یعنی وہ لوگ جنکے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ وہ کسی دین الہی کی طرف منسوب ہیں



انکو چند شرائط کے ساتھ امن دیا جاسکتا ہے، لیکن حقوق حاصل کرنے کیلئے انکا جائیگا کہ وہ کسی کسی آسمانی مین کے لئے اپنے کو داخل کرالیں، جیسا کہ عیسائیوں کے ابتدائی زمانہ میں خرائی عرقیوں نے اپنے کو صابیوں میں داخل کرکے اپنے لیے حقوق حاصل کیے تھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم نے دنیا میں امن دہانی اور مسلمانوں میں مذہبی رواداری کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے، یہی وہ نظریہ تھا جسے مسلمانوں کو اپنے مذہبی عقائد و شریعت کی سخت پیروی کی باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ مشارکت اور میل جول کیلئے آمادہ کیا، انہد مجوسیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی ان میں قوت پیدا کی۔

**وحدة الادیان** | تمام رسولوں اور انکے صحیفوں کی تصدیق کا لازمی نتیجہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی تعلیم ہو کہ آدم سے لیکر محمد علیہا السلام تک جتنے بے مذہبیت کی طرف سے گئے وہ سب ایک تھے، چنانچہ درحقیقت آپ کی یہی تعلیم تھی، اسلام ہی ایک مذہب کا نام ہے، جو آدم سے محمد علیہا السلام تک باری باری پیغمبروں کے ذریعہ آتا رہا اور انسانوں کی تعلیم بیکاری رہی۔ صحیفہ محمدی نے ہمارے سامنے دو لفظ پیش کیے ہیں، ایک دین اور دوسرا شرع، ملک اور مہاج، شرع اور مہاج کے معنی راستہ کے ہیں، اور ملک کے معنی طریق عبادت کے ہیں، دنیا میں یہ راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک پر منکشف ہوا کہ دین الہی ہمیشہ سے ایک تھا، ایک رہا اور ایک ہی ہے، نور و معرفت ایک ہے، خواہ وہ کتنی ہی مختلف شکل و رنگ کی قدیلوں میں روشن ہو، اصل دین میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی، ایک ہی دین تھا جس کو لیکر اول آخر تک تمام بنیاد آتے رہے اس میں زمانہ و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہ تھا اور قوم و ملک کے اختلاف سے اس میں کوئی اختلاف پیدا ہوا و غیر زمانہ اور ہر مقام میں یکساں آیا، اور وہ ملک کے ہر پیغمبر نے اسکی یکساں تعلیم دی۔ یہ دائمی حقیقت اور یکساں تعلیم کیا ہے، یہ مذہب کے اصلی اصول ہیں، یعنی خدا کی ہستی، اس کی توحید، اس کے صفات کا ملکہ انبیاء اور مرسلین کی بعثت، خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی، اخلاق فاضلہ، اچھے اور برے اعمال کی باز پرس اور جزا و سزا، یہ تمام مذاہب کے وہ بنیادی امور ہیں جن پر جملہ مذاہب حقہ کا اتفاق ہے، اگر ان میں کسی ہمت سے کوئی اختلاف ہے، تو طریقہ تعبیر کی غلطی ہے اور یا باہر اگر اس تعلیم میں کوئی نقص مل ہو گیا ہے۔ دوسری چیز جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی تر جہان نے شرع مہاج اور ملک کہا ہے وہ جزئیات احکام اور متفقہ مقصد کے حصول کے جدا جدا راستے ہیں جو ہر قوم و مذہب کی لسانی و مکانی خصوصیات کے سبب بدلتے رہتے ہیں، مثلاً عبادت الہی ہر مذہب کا جز لازم ہے، لیکن طریق عبادت میں تھوڑا بھٹکا اختلاف ہر مذہب میں موجود ہے، عبادت کے لیے کوئی خاص سمت ہر مذہب نے مقرر کی ہے، مگر وہ سمت خاص خاص مصلحتوں کے لحاظ سے مختلف مقرر کی ہے، اسی طرح اعمال قبیحہ کا انداد تمام مذاہب کا متفقہ نصب العین ہے مگر اس انداد کے راستے اور طریقے جدا جدا ہیں، غرض یہ راستے اور طریقے مختلف پیغمبروں کے زمانے میں اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے، تو بدلتے رہے، مگر اصل دین جو انکی بچانی اور ہمہ جہت ہے ناقابل تبدیل اور ناقابل تغیر رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں وقتاً فوقتاً ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا کہ وہ اس انلی ہدی صدف کو ہمیشہ اہل دنیا

یہ سامنے پیش کرتے رہیں اور دین کو اس کے اصل مرکز پر ہمیشہ قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی اپنی قوم و ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جو قوم کے مناسب حال ہوں وہ اسکو بتائیں اور رکھائیں، انبیاء کے سوانح پر نظر کرنے سے اس کی چرخی تصدیق ہوتی ہے کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اسی وقت مبعوث ہوا ہے جبکہ انکا صحیفہ وحی جو دین و شریعت کا حافظہ تھا، کھو گیا، یا انسانی نسبت برآیا بدل گیا کہ اس کی اصلیت مشتبہ ہو گئی، صحیفہ ابراہیم کے گم ہونے کے بعد جبکہ نہایت ناقص غلام توراہ کے سفر تکوین میں ہے، صحیفہ موسیٰ نازل ہوا، صحیفہ موسیٰ کے نو پیدا اختلاف ہو دور کرنے کے لیے زبور وغیرہ مختلف صحیفے لکھے گئے، پھر انجیل آئی، اور انجیل میں انسانی تصرفات کے لئے پائے گئے بعد قرآن آیا، چونکہ قرآن دنیا کے آخر تک کے لیے آیا ہے، اس لیے ہر تحریف اور انسانی تصرف سے اس کی حفاظت کی گئی ہے، اور قیامت تک کی جائے گی اس لیے کے بعد کسی اور صحیفہ کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ کسی پیغمبر کی بعثت کی حاجت ہے، البتہ اسکے معانی کی مسیح تشریح اور بدعات و احداثات کے انداد کے لیے آئمہ، خلفاء، مجددین، محدثین اور علمائے زعمین پیدا ہوتے رہے ہیں ہوتے رہیں گے، اور ان کی اصلاح کی صداقت کی سپان سنت نبوی کا احیاء اور بدعات کا قلع و قمع ہے۔ اب ہم کو پھر ادھر سے چلنے ہے، اور اپنے ایک ایک دعویٰ کو وحی محمدی کی روشنی میں دیکھنا ہے۔ وحدت دین کی حقیقت کو وحی اسلامی کے آخری تر جہان نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے :-

شَرَعَ لَكُم دِينَ الْيَوْمَ وَمَا وَصَّي بِهِ لَوْحًا وَ  
الَّذِي آوَحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ  
أَبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا  
الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ  
مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ مَا اللَّهُ بِجَبِّ  
إِلَيْهِ مَنْ تَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ  
يُنَاصِبُ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ  
مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا بَيْنَهُمْ  
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ  
رَبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى لَفُتِنَ بَيْنَهُمْ  
وَأَنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ  
بَعْدِهِمْ لَنْ يَشْكُرُوا مِنْ رَبِّهِمْ  
فَلِذَلِكَ فَازِعٌ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ  
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ  
أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ مَنْ يَشْكُرْ  
مَنْ يَنْسَى مَنْ يَنْسَى مَنْ يَنْسَى مَنْ يَنْسَى

اُس نے دین میں تمہارے لیے وہی راہ مقرر کی جو نوح کے  
حق اور ہم نے تیرے پاس جو حکم سمجھا اور جو کلمہ ہم نے ابراہیم  
اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے یہ کو دین کو قائم رکھو اور اس میں  
تفرقہ نہ ڈالو دشمنوں کو بعد ہر توجہ تیرے، وہ ان پر گراں  
گذا تیرے، اور خدا اپنی طرف جس کو چاہتا ہے جن لبتا ہے اور  
اپنی طرف اس کو راہ دیتا ہے، جو اس کی طرف رجوع  
ہوتا ہے اور یہ تفرقہ لوگوں نے وہی کا علم (حق) لینے کے  
بعد آپس کی ضد اور تعصب پیدا کیے ہیں اور اگر تیرے رب  
کی طرف سے ایک بات وقت مقررہ تک کے لیے نہ ہو چکی  
ہوتی تو دشمن حقیقت کر کے، انکے اختلافات کا فیصلہ کر  
دیا جاتا اور جن کو ان اگلوں کے بعد کتاب وراثت میں  
ملی، وہ اس امر حق کی طرف ایسے شک میں ہیں جو ان کو  
چین نہیں لینے دیتا، سو تو سب کو اسی حقیقت کی طرف  
بلا اور اس پر استوار کسی قائم رہ جیہ کہ تجھ کو حکم دیا گیا  
ہے اور ان تفرقہ اندازوں کی غلط خواہشوں کی پیروی نہ کر



لَا عُدْلَ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ  
لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ  
لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ  
اللَّهُ يَحْبِبُ بَيْنَنَا ج. وَإِلَيْهِ  
الْمَصِيرُ (شوری: ۲۰)

اور کہہ کہ میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو خدا نے اتاری اور  
مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہاری جگہ میں انصاف کروں ہمارا رب  
اور تمہارا رب وہی ایک اللہ ہے ہم کو ہمارے کاموں کا بدلہ  
ملے گا اور تم کو تمہارے کاموں کا ہم میں تم میں کچھ جھگڑا  
نہیں اللہ سب اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف پھر جائے۔

ان آیات مبارکہ میں کس خوبی کے ساتھ اس حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ  
وہی ایک دین ہے جو نوح کو، ابراہیم کو، موسیٰ کو اور تم کو اے محمد (صلوات اللہ علیہم) عطا کیا گیا ہے، اگلوں کے  
بعد پھلوں نے جن کو یہ کتاب ملی اپنے ذہنی تحریفات اور ذہنی تصرفات سے اس میں تفرقے پیدا کیے اور آپس کی عداوت اور  
تعبات سے فرقہ داری کی الگ الگ راہیں نکالیں پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس وحدت دین کی حقیقت کا یقین  
اہل کتاب کو نہیں ہے، حالانکہ وہ شکوک و شبہات کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، پھر حکم ہوتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ  
تم اس حقیقت کی طرف لوگوں کو بلاؤ اور استواری کیساتھ اپنی اس دعوت اور دعویٰ پر قائم رہو اور یہ اعلان کرو کہ میرا  
مسک یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کتاب بھی دنیا میں آئی ہے میں اس کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں اور تم سے اہل کتاب جو  
مختلف فرقوں اور مذہبوں میں بٹ گئے ہیں تمہارے ساتھ انصاف کروں یعنی جس میں جو سچائی ہے اس کو قبول کروں  
یا معاملات میں تمہارے ساتھ عدل و انصاف کروں، پھر فرمایا ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے، دونہیں، اگر اتحاد  
چاہو تو اس لفظ پر ہم تم متحد ہو سکتے ہیں، البتہ ہمارے راستوں میں جو اختلاف ہے، اس کے ذمہ دار ہم تم  
خود ہیں، نہ تم ہمارے کاموں کے جوابدہ ہو اور نہ ہم تمہارے کاموں کے، اب ہمارا تمہارا درمیان کوئی جھگڑا نہیں،  
اسی وحدت کی دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی نے ایک اور آیت میں دی ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ  
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا  
نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا  
بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا  
فَقُولُوا أَشْهَدُ وَأَبَا قَوْمِ مُسْلِمُونَ (آل عمران: ۷۰)

یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ داریوں سے اصل دین میں تفریقیں پیدا کر دی تھیں، ان کی طرف  
اشارہ کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا  
كَانُوا مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ أَلَمَّا أُمِرُوا إِلَى اللَّهِ  
فَعَرَّيْتَهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (انعام: ۲۰)

پھر دونوں کو اس کے بعد ہی اصل دین قیم کی جو ابراہیم کا تھا، دعوت دی گئی:

وَأَنْتَ إِتَنَّى هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ الْيَهُودِ فَاسْتَقِيمْ  
يَنِي نَافِيًا قِلَّةً إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا  
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (انعام: ۶۰)

عز من اسلام وہ دین قیم ہے جو ہمیشہ انبیاء کا دین رہا، اور موجودہ دین اسلام یہود و نصاریٰ کی تحریفات  
و تہذیبات اور فرقہ پروریوں کو مٹا کر اسی ایک متحد دین کی پکار ہے جس کی طرف تمام انبیاء اپنے اپنے زمانوں میں ہمیشہ لوگوں  
کو بلا رہے، اسی لیے اکثر انبیاء علیہم السلام نے انہوں کو گناہ کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی  
أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَّ اللَّهُ  
اقتداء (انعام: ۱۰۰)

بعض اسلامی حدود و شرائع کی تشریح کے بعد فرمایا گیا۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الَّذِي  
كُنْتُمْ مِنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (نساء: ۵)

اس کے بعد معلوم ہوا کہ اسلام اپنے حدود و شرائع میں سب لگے پیغیروں کی تعلیمات کے ساتھ آملا رکھتا ہے  
اور یہ امر واقع ہے، جو لوگ قرآن کا اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ کوئی الگ صحیفہ، ان سے کہا گیا:  
إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ الْقُدُّوسَ الَّذِي  
إِنْبِرَاهِيمَ وَمُوسَى (اعلیٰ: ۱)

ایک اور آیت میں کہا گیا:  
وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ (شعراء: ۷)

ایک مقام پر یہ فرمایا گیا:  
مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ  
قَبْلِكَ (حکم السجدہ: ۵)

اس اعلان میں یہ ظاہر کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی کہا گیا جو اگلے پیغیروں سے کہا  
جا چکا تھا، ان معنوں میں قرآن کوئی نئی دعوت لے کر نہیں آیا ہے، بلکہ یہ اسی پرانی دعوت کی تکرار ہے جس کی آواز  
دنیا سے گم ہو چکی تھی، یاد گئی تھی، اگر فرقہ ہے تو اجمال و تفصیل، یا نقص و تکمیل کا کلا سلام گذشتہ اجمال کی  
تفصیل اور دین سابق کی تکمیل ہے۔

اس لیے اسلام یہ ہے کہ اس پر یقین کیا جائے کہ وحی کے آغاز سے آخر تک ایک ہی پیغام تھا جو آثارِ ہدایت  
ایک ہی دین تھا جو سکھایا جاتا رہا، اور ایک ہی حقیقت تھی، جو دہرائی جاتی رہی، لیکن وہ بار بار انسانوں کے  
نسیان و تغافل اور تصرف و تحریف سے بدلتی اور گم ہوتی رہی اور آخری دفعہ دنیا کے کمال بلوغ کے زمانہ میں وہ  
پوری حفاظت کے وعدہ کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے مفصل اور کامل ہو کر نازل ہوئی اور قیامت



ایک محفوظ و باقی رہے گی۔

دوسری چیز جس کی مذہب میں ثانوی حیثیت ہے، اور جو اصل مقصد نہیں، ذریعہ ہے، وہ بدلتی رہتی ہے اور عہد محمدی تک برابر بدلتی رہی ہے، اس کا نام شریعہ، منہاج اور مذہب ہے، یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض تھا کہ آپ یہودی شریعت کے جزئیات میں کیوں تبدیلی کرتے ہیں، قرآن نے اس کے جواب میں یہی ہمیشہ کہا کہ یہ مقصود نہیں ذرائع ہیں، اصول نہیں فروع ہیں، ہر قوم کی مناسبت سے ان میں تغیر ہوتا رہا ہے، اور ہوتا رہے گا، اس کی ایک مثال قبلہ ہے کہ مقصود اصلی نماز ہے، اور سمت کا تعین ایک فرعی اور ثانوی چیز ہے، بنی اسرائیل کو اپنی آبائی مسجد (بیت المقدس) سے گردیدگی تھی، وہ ان کا قبلہ ہوئی، ابراہیمی عربوں کو اپنی مرکزی مسجد (مکہ) سے ہی وابستگی اور لگاؤ تھا، اس لیے یہ ان کا قبلہ بنی، چنانچہ قرآن نے تعین قبلہ کے موقع پر کہا:

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا  
الْخَيْرَاتِ (بقرہ: ۱۸۱)

یعنی سمتوں اور جستوں کی نیکیوں کو اہمیت کی چیز نہ سمجھو، بلکہ نیکیوں کو اصلی اہمیت دو، اس لیے فرمایا:

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ لِلْمَشْرِقِ  
وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ

اسی طرح خانہ کعبہ کا حج یہودیوں میں تھا، اسلام نے جب اس کو رائج کیا تو کہا ہر گروہ اپنے عام مذہبی اجتماع اور قومی عبادت گاہ کیلئے کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر کیا ہے اور اسلام نے خانہ کعبہ کے حج کو ایسے تجویز کیا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَاسِكًا لِّهٖمۡ نَاسِكُوْهُ فَلَا  
يُنَازِعُكَ فِيْهَا مَرِءًاۤ اِلٰى رَبِّكَ ؕ

انک لکلی ہڈی ہڈی مستقیم،  
وَ اِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ  
بِمَا تَعْمَلُوْنَ (حج: ۹)

سورہ مائدہ میں عدل و انصاف اور قانونی جزا و سزا کے طریقوں کے ضمن میں ان یہودیوں اور عیسائیوں سے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، یہی کہا گیا کہ وہ اپنی اپنی کتابوں ہی کے احکام پر عمل کریں جنکو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

پہلے یہودیوں سے کہا:

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْهَا هُدًى وَ نُورٌ ؕ  
يُخْلِكُمْ بِهَا الْيَٰسِرُوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ  
هَادُوْا وَاَلَّا يَنْتُوْنَ وَاَلَّا يَنْتُوْنَ بِمَا اسْتَحْفِظُوْا  
مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شٰهِدًا ؕ (مائدہ: ۷)

ہم نے توراۃ اتاری، اس میں ہدایت اور روشنی تھی  
پیغمبر جو حکم دیتے تھے وہ یہود کا فیصلہ کرتے اور ان کے عالم  
اور فقیہ کہ ان کی کتاب پر وہ نگہبان تھے، اور وہ تھے  
اس پر خبردار۔

پیغمبر عیسیٰ شریعت کی نسبت کہا:-

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ اَنْفَارِهِمۡ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ  
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ؕ

وَ اَتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَ نُورٌ وَ مُصَدِّقًا  
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ؕ وَ هُدًى وَ

مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ وَاٰتَيْنَاكَ اَهْلَ الْاِنْجِيْلِ  
بِمَا اَنْزَلْنَا اللّٰهُ فِيْهِ ؕ

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا  
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيِّمًا

عَلَيْهِ فَاُخْلِكُمْ بَيْنَهُمۡ بِمَا اَنْزَلْنَا اللّٰهُ  
فَلَا تَتَّبِعِ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ

مِّنَ الْحَقِّ ؕ (مائدہ: ۷)

دیکھو کس خوبی کیساتھ صحیفہ محمدی نے اگلی کتابوں کی تصدیق اور مدح و تعریف کی اور ان اہل مذہب کو جو اسلام پر

ایمان نہیں لائے، اپنی اپنی کتب منزلہ پر عمل کرنے کی دعوت دی اور پھر یہ دعویٰ کیا کہ قرآن تمام گزشتہ کتابوں پر امن و محافظ

بن کر آیا ہے اور اس میں ان سب کتابوں کی سہائیاں کجا ہیں لیکن ان لوگوں نے اپنی کتابوں کو چھوڑ کر اموات و غلط خیراتوں

کی پیروی شروع کر دی، یہ اسو کیا ہیں، کتاب الہی میں تحریف و تصرف کر کے آسانیاں پیدا کرنا اور احکام الہی

کے مقابلہ میں انسانی اجتہادات کی آمیزش قول للذین یکتبون الکتب یا کذبہم ثم یقولون هذا من عند اللہ

افسوس ہے ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب بناتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے (بقرہ: ۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ شریعت الہی کو چھوڑ کر ان اہل کتاب کی اسو کی پیروی نہ کریں اس کے بعد

حدود و جزا و سزا میں ان خفیف اختلافات اور تبدیلیوں کو جو تورات، انجیل، اور قرآن میں بھی غیر مسلم بتا گیا، فرمایا:

اور ہم نے ان پیغمبروں کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا  
بدعا بتانا ہوا اس کو جو اس کے پہلے تھے، یعنی تورات اور

ہم نے اس کو انجیل دی، اس میں ہدایت اور روشنی (ہے)،  
اور تصدیق کرتی ہوئی اپنے پہلے کی یعنی توراۃ کی اور

ہدایت اور نصیحت پر ہیزگاروں کے لیے، اور عابضیہ کہ  
انجیل دالے اس کا حکم دیں جو اس میں خدا نے اتارا،

اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب بچائی کے ساتھ اتاری  
جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور امانت کے

ساتھ اس پر شامل ہے، سو تو ان کے درمیان اسکے مطابق  
فیصلہ کر جو خدا نے اتارا اور تیرے پاس بچائی آئی ہے،

اسکو چھوڑ کر، ان خواہشوں کی پیروی نہ کر،  
وہاں سے (مائدہ: ۷)

اسی طرح خانہ کعبہ کا حج یہودیوں میں تھا، اسلام نے جب اس کو رائج کیا تو کہا ہر گروہ اپنے عام مذہبی اجتماع اور قومی عبادت گاہ کیلئے کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر کیا ہے اور اسلام نے خانہ کعبہ کے حج کو ایسے تجویز کیا ہے۔

انک لکلی ہڈی ہڈی مستقیم،  
وَ اِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ  
بِمَا تَعْمَلُوْنَ (حج: ۹)

سورہ مائدہ میں عدل و انصاف اور قانونی جزا و سزا کے طریقوں کے ضمن میں ان یہودیوں اور عیسائیوں سے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، یہی کہا گیا کہ وہ اپنی اپنی کتابوں ہی کے احکام پر عمل کریں جنکو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

پہلے یہودیوں سے کہا:

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْهَا هُدًى وَ نُورٌ ؕ  
يُخْلِكُمْ بِهَا الْيَٰسِرُوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ  
هَادُوْا وَاَلَّا يَنْتُوْنَ وَاَلَّا يَنْتُوْنَ بِمَا اسْتَحْفِظُوْا  
مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شٰهِدًا ؕ (مائدہ: ۷)

ہم نے توراۃ اتاری، اس میں ہدایت اور روشنی تھی  
پیغمبر جو حکم دیتے تھے وہ یہود کا فیصلہ کرتے اور ان کے عالم  
اور فقیہ کہ ان کی کتاب پر وہ نگہبان تھے، اور وہ تھے  
اس پر خبردار۔

ہم نے توراۃ اتاری، اس میں ہدایت اور روشنی تھی  
پیغمبر جو حکم دیتے تھے وہ یہود کا فیصلہ کرتے اور ان کے عالم  
اور فقیہ کہ ان کی کتاب پر وہ نگہبان تھے، اور وہ تھے  
اس پر خبردار۔

اور انہوں نے کہا کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے،  
ارشاد ہوا کہ تم دونوں اپنے الگ الگ راستوں کو چھوڑ کر آؤ اور اصل دین ابراہیمی پر متفق ہو جاؤ۔

ارشاد ہوا کہ تم دونوں اپنے الگ الگ راستوں کو چھوڑ کر آؤ اور اصل دین ابراہیمی پر متفق ہو جاؤ۔



قُلْ بَلْ مَلَكَةٌ ابْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قُلُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ج (دبقہ: ۱۶)

یسود اور نصاریٰ کو یہ دعویٰ تھا۔

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ (دبقہ: ۱۳)

جواب دیا گیا :-

تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ دَبَقَرَهُ (۱۳)

بلکہ :- بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (دبقہ: ۱۳)

تمام اہل مذاہب کو یکساں خطاب کر کے فرمایا :

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (دبقہ: ۸)

کہہ بلکہ ابراہیم کے بن کی پیروی کرو جو موجد تھا، مشرک نہ تھا، تم لوگ کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف آتا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اتارا گیا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا، اور جو سب نبیوں کو ان کے مذہب کی طرف سے دیا گیا اور سب پر ایمان لائے، ہم ان رسولوں میں فرق نہیں کرتے، اور ہم اس ایک خدا کے تابع ہیں تو اگر یہ بھی اسی طرح لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو انہوں نے ہدایت پائی اور اگر روگردانی کریں تو وہی ہیں خدا اور مٹا لفت پر۔

یسود و نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔

یہ ان کی باطل آرزوئیں ہیں۔

لوں جس نے بھی اپنے خدا کا مطیع بنایا اور وہ نیکو کار ہے، تو اس کی مزدوری اس کے خدا کے پاس ہے نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ غم۔

بیک جو ایمان لائے (یعنی مسلمان، جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئی، جو بھی خدا پر اور آخری ن پر ایمان لایا اور نیک عمل کیا تو ان کی مزدوری ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اب جو ایمان لائے یعنی مسلمان اور جو یہودی ہے اور نصاریٰ اور صابئین ان میں جو بھی اپنے اپنے دین پر خدا کی توحید پر روز آخر کی صداقت پر ایمان لایا، اور اپنے عمل کی، ان کو اپنے کام کا پورا ثواب ملیگا، یعنی جسے بھی اپنے اپنے پیغمبر کی اصلی تعلیم اور سچی شریعت کے مطابق جو مشرک و کفر اور بت پرستی سے یقیناً پاک سچی عمل کیا، اس کو اس کا ثواب ملیگا، خدا کی توحید اور روز آخر کی صداقت پر ایمان لانا اور اچھے کام کرنا صرف عقل کی ہدایت سے نہیں ہو سکتا، بلکہ کسی رسول کی تعلیم ہی سے ہو سکتا ہے اور اس پر تمام اہل مذاہب کا اتفاق ہے اس لیے سالت کی تصدیق بھی اسکے ضمن میں داخل ہے کہ بیک جو اللہ اور اسکے رسولوں کا انکار کرتے ہیں، چاہتے ہیں انہوں اس کے رسولوں میں جدائی کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو ماننے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ وہ اس میں بیان

ذٰلِكَ سَبِيلًا، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ الْجُزْءَ هُمْ وَكَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا (۲۱)

دوسری آیت میں ہے :-

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ (دبقہ: ۹) مومن وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اس بنا پر ان آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ قبول عمل کے لیے ایمان شرط ہے، دوسری یہ کہ ایمان و عمل کے علم کے لیے نبی کی تصدیق ضروری ہے، اسی لیے اوپر جن چار فرقوں کا ذکر ہوا، وہ چاروں میں جو کسی نہ کسی پیغمبر کے ماننے والے ہیں ان پر کامل اسلام یہ ہے کہ تمام رسولوں کو صادق مان جائے، چنانچہ اس کی تفصیل سورہ مائدہ میں ہے : کہد اے کتاب والو! تم کچھ نہیں، جب تک تم توحید اور انجیل کو اور جو کچھ ہماری طرف آتا گیا، اسکو قائم رکھو، اور اے پیغمبر جو میری طرف آتا ہے، وہ انکی کشتی اور انکار کو اور بڑھانے کا تو ان منکروں کا غم نہ کرو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو مسلمان ہوئے اور جو یہودی ہوئے، اور صابئی اور عیسائی جو خدا پر اور روز قیامت پر ایمان لایا، اور اچھے کام کیے، تو ان پر کوئی خوف نہیں، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس کے بعد ہی اس کا ذکر ہے کہ یہودیوں نے ہمیشہ رسولوں کا انکار کیا اور نصاریٰ توحید کو چھوڑ کر تثلیث اور الوہیت مسیح میں مبتلا ہو گئے، اس لیے اصل اسلام سے یہ دونوں ہٹ گئے ہیں، فرمایا : بیک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور انکی طرف کئی رسول بھیجے، کبھی انکے پاس کوئی رسول ان کی نفسانی خواہشوں کے خلاف احکام لیکر آیا، تو انہوں نے کشتوں کو بھٹایا اور کشتوں کا خون کرنے لگے اور خیال کیا کہ اس کے کچھ خرابی نہ ہوگی، سو اندھے ہو گئے اور بہر بہر ان پر جوع ہوا، پھر نبی بہترے اندھے اور بہر ہو گئے، اور اللہ دیکھتا ہے وہ جو کرتے ہیں بے شہدہ کافر ہوئے، جنہوں نے یہ کہا کہ مریم بٹیا مسیح ہی اللہ ہے، مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کو پوجو جو میرا اور



رَبِّكُمْ طَائِفَةٌ مِّنْ تَشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ خَرَجَ  
 اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا لَهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ  
 مِنْ أَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ تَأْلَوْا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ  
 ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ وَاحِدٌ قَرْنٌ لَّهُ  
 يَتَّبِعُوهَا عَمَّا يَقُولُونَ لَيْسَ لَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا  
 مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (دائدہ ۱۰۱)

تمہارا رب ہے، بیشک جو اللہ کا شریک بنائے گا تو اللہ نے  
 اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور  
 گنہگاروں کی کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے شبہ وہ کافر ہے  
 جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ہے حالانکہ کوئی اللہ  
 نہیں، مگر وہی ایک گروہ اپنے ہی قول سے باز نہ آئے تو ان  
 میں سے کافروں کو یقیناً دردناک عذاب چھوئے گا

یہ تو ان یہود و نصاریٰ کے ایمان کا حال تھا، اس کے بعد اسی رکوع میں ان کے حسن عمل کا جائزہ لیا  
 گیا ہے، اور اسی کے بعد ہی ان سے کہا گیا ہے :  
 وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا  
 أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا هُتَمًا وَلَا يَأْتُوا  
 وَلَكِنْ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ (دائدہ ۱۱)

اسلام یعنی تمام نبیوں اور رسولوں کے واحد و مشترک دین کا اصل الاصول دو باتیں ہیں، توحید کامل  
 اور رسالت عمومی یعنی اللہ تعالیٰ کو توحید کی تمام صفات میں کامل بلا شریک ماننا اور اس کے تمام پیغمبروں اور  
 رسولوں کو یکساں صادق اور راست باز تسلیم کرنا، چنانچہ فرمایا :

کیا وہ دین الہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں حالانکہ وہی کا  
 میں اور زمین میں وہ خوشی یا مجبوراً خدا کا مسلم یعنی فرمانبردار  
 ہے اور اسی کی طرف سب لوگ مائل ہائیں گے (پیغمبر، کہہ کہ اللہ  
 پر اور جو اس ہم پر آئندہ اور جو پہلے پر اسامیل پر اور اسحاق پر  
 اور یعقوب پر اور بائبل اور لاوی اور داود اور عیسیٰ اور  
 عیسیٰ اور سب پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے سلام سب  
 کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں، ہم انہیں سے کسی میں کوئی فرق  
 نہیں کرتے ہم اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں اور جو اسلام کے  
 سوا اور کوئی دین چاہے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا  
 اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔

أَفَغَيْرِ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي  
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ  
 يُرْجَعُونَ قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا  
 وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَ  
 إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ  
 مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ  
 لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ  
 لَهُ مُسْلِمُونَ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْوَسِيلَةِ  
 مِنَّا فَلَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْأَخِرَةِ  
 مِنَ الْخَسِرِينَ (آل عمران: ۹)

اسی آیت سے ظاہر ہے کہ خدا پر اور تمام رسولوں کا ایمان لانا دین اللہ ہے، اور اسی کا نام اسلام ہے جسنا اصول  
 کو قبول نہیں کیا وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا، آل عمران میں ہے کہ یہود و نصاریٰ تاویلات، باطلہ اور اتباع  
 مشابہات کی وجہ سے گمراہ ہو گئے، یعنی دین اسلام سے روگرداں ہو کر اختلافات میں پھنس گئے، فرمایا :  
 إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ  
 بَيْنَكُمْ فِي شَيْءٍ مِّنْهُ إِلَّا مِمَّا تَخْتَلَفُ فِيهِ  
 مِن بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ وَمَا يَخْتَلِفُ فِيهِ إِلَّا فِي  
 شَيْءٍ مِّنْهُ وَمَا يَكُونُ فِيهِ لَكُم مِّنْ شَيْءٍ  
 مِّنْهُ إِلَّا مِمَّا تَخْتَلَفُ فِيهِ مِن بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ  
 وَمَا يَكُونُ فِيهِ لَكُم مِّنْ شَيْءٍ مِّنْهُ إِلَّا مِمَّا  
 تَخْتَلَفُ فِيهِ مِن بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ (آل عمران: ۱۰)

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مَن أَبْغَىٰ مَا جَاءَهُ هُمْ  
 الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ  
 فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ فَإِنْ خَافُوا  
 قَتْلَ أَنْسَلَمَتْ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَمِنْ  
 أَتْبَعَتْ (آل عمران: ۷۲)

انہوں نے علم آنے کے بعد اس میں آپس کی حد کے سبب  
 سے اختلاف کیا اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا  
 تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، تو اگر دے پیغمبر، یہ تجھ  
 کج بھی گمراہ تو کہہ کہ میں نے اور میرے پیروؤں نے  
 تو اپنے کو خدا کا تابع فرمان دے دیا ہے۔

اسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے سوال کریں کہ وہ اسلام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں ؟  
 اور اے پیغمبر ان سے جن کو کتاب دی گئی اور حق کے جاہلوں  
 سے کہہ کہ کیا تم نے بھی اسلام قبول کیا، اگر کیا تو انہوں  
 نے سیدھی راہ پائی اور اگر انکار کیا تو تجھ پر صرف سبھا  
 دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔

یہود و نصاریٰ کو اس اسلام کے قبول کرنے پر ہدایت نامہ ملنے کی بشارت ہوتی ہے، اس معلوم ہوا کہ  
 اسلام ہدایت نامہ ہے یہی دین ہے جس کو یہود و نصاریٰ اور تمام اہل مذاہب نے جو کسی گزشتہ پیغمبر کی امت  
 ہوں کھودیا تھا، اور اب جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دوبارہ دنیا میں پیش کیا گیا ہے،  
 اس لیے جو ہدایت ان قوموں کے پاس تھی، وہ ناقص تھی، اور اسلام جس کو لیکر آیا وہ کامل ہے، نیز یہ معلوم ہوا  
 کہ جن آیتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ اب جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئی جو بھی خدا اور یوم آخر  
 پر ایمان لایا، اور اس نے نیک کام کیا، اس کو خوف و غم نہ ہوگا۔ ان میں خدا پر ایمان لانے سے مقصود توحید کامل  
 ہے، اور اسکا یہ منشا نہیں کہ یہود و نصاریٰ اور صابئی وغیرہ اپنے موجودہ گمراہ عقیدوں کے باوجود نجات کے مستحق ہیں  
 یہود و نصاریٰ کیا مسلمان بھی اس توحید کامل کے بغیر نجات کے مستحق نہیں، جب تک مسلمانوں کا ایمان اور عمل صالح ٹھیک  
 اس تعلیم کے مطابق نہ ہو جو ان کے رسول کے ذریعہ سے دنیا میں آئی ہے، یہ اصول ہر ایک کے لیے ہے، خواہ وہ مسلمان  
 ہو یا یہودی، عیسائی ہو یا صابئی، غرض کسی نبی کی پیروی کا مدعی ہو۔

نبوت محمدی کا یہ دعویٰ نہیں کہ وہ ہی ایک ہدایت ہے، اور اس کے سوا سب ضلالت ہے، بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ وہی ایک کامل  
 ہدایت ہے، اور بقیہ مذاہب سابقہ موجودہ حالت میں ناقص ہیں یعنی وہ ایک کامل ہدایت جو اپنے اپنے وقتوں میں سب ہی لیکر آتے  
 رہے چونکہ ان کے پیرو اپنے تاویلات، تحریفات، تصرفات اور اختلافات سے اس کو برباد کر چکے تھے، اس لیے محمد  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو لیکر آخری دفعہ تشریف لائے اور اب ہدایت ہیبت کامل رہے گی، کبھی ناقص نہ  
 ہوگی، کیونکہ اس کا صحیفہ ہدایت (قرآن) تحریف و اختلافات اور تصرف سے محفوظ و پاک رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو نبوت محمدی کی دعوت جہاں دی گئی ہے ہدایت کی بشارت بھی سنائی  
 گئی ہے، چنانچہ اسی آیت میں جو اوپر گزری یہ ہے :-  
 وَلِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
 اے پیغمبر! ان سے جن کو کتاب دی گئی اور جن کے جاہلوں سے کہہ کیا







جواوپر سے سنا بہوں اور آخر زمانہ نبوت کے ختم پر وحی الہی نے اس کی زبان سے یہاں اعلان عام کیا۔  
 الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ  
 آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر  
 دی اور تمہارے لیے اسلام کا دین پسند کیا۔  
 نِعَمَتِي وَ رَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا (ماہ ۱۰)

اسی تکمیل کا یہ اثر تھا کہ اسے یہود کے بعض سخت فقہی احکام کو جو انکی سخت گیر کیلئے ان پر عائد تھے اور اصل میں ابراہیمی میں داخل نہ تھے یا انانوں کے اضافے اور تصرفات تھے، بدل کر ایسے مناسب آسان احکام عطا کیے جو نہ ہلکے نہ بھاری ہو سکتے ہیں، اسی لیے اس نے اپنے بعد کسی آئیوالے پیغمبر کی پیشین گوئی نہیں کی، نہ کسی نئے کلام کے نزول کی خبر دی، نہ کسی نئی شریعت کا منتظر کیا، نہ تکمیل کے بعد اب کسی نئے آئیوالے، کسی نئے کلام اور کسی نئی شریعت کا موقع کہا، اور اسی بناء پر قرآن نے ہر جگہ وَمَا أَنزَلَ مِن قَبْلِكَ (جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل کیا گیا) پر ایمان لانے کی تاکید کی لیکن وَمَا أَنزَلَ مِن بَعْدِكَ کے قبول کرنے کا کہیں اشارہ تک نہیں کیا۔

قرآن میں کتبہ | اس دینِ کامل کا عجیفہ تمام اگلی کتابوں کا مصدق ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (مائدہ : ۷۰)  
وہ تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں پر مشتمل ہے اس لیے جو کوئی اس صحیفہ کو قبول کرتا ہے، وہ تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں کو قبول کر لیتا ہے، یہ حیثیت قرآن کے سوا کسی دوسرے صحیفہ کو حاصل نہیں، فرمایا :  
وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (مائدہ : ۷۰)  
اور ہم نے (محمدؐ) تیری طرف سچائی کے ساتھ یہ کتاب باری جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اس پر شاہد بخا دی ہے۔

لفظ مہین کی تفسیر اہل زبان مفسروں نے یہ کی ہے۔  
ابن عباسؓ، شاہد اور امین، قرآن اپنے پہلے کی ہر کتاب کا امین ہے۔

قتادہ، قرآن سے پہلے جو کتابیں تھیں ان کا وہ امین اور شاہد ہے۔

قرآن محفوظ ہے اور رہے گا | پیغمبر کی تعلیم کی حفاظت اسکے صحیفہ الہی کی حفاظت پر موقوف ہے قرآن پہلے کوئی کتاب الہی  
 ناسخ اور ناسخ لفظی تحریفات اور تصرفات سے پورے طور پر بری نہیں رہی، لاکھوں پیغمبروں کے چند کے سوا کسی کا صحیفہ  
 دنیا میں باقی نہیں اور جو باقی ہے وہ فنا ہو ہو کر نئے نئے قالب میں بدلتا رہا، توراۃ جل جلالہ کھا کر ہوئی، پھر ن سوختہ اور اق  
 سے تحریر کی گئی، اور ترجموں کی تحریفات سے اپنی اصل کھو بیٹھی، انجیل میں تحریف و جعل تو ایسی ماز میں شروع ہو چکا تھا  
 پھر ترجموں کی کتب بیعت نے حقیقت بالکل مشتبہ کر دی، زرتشت کا صحیفہ سکندر کے نذر ہوا، اب صرف گاتھا کا ایک حصہ بچا  
 کچھ مارہ گیا ہے انکی کتابوں کا یہ حال اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دائمی اور آخری کتابیں بنا کر نہیں بھیجا تھا، انکی  
 بنا پر انکی دائمی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا گیا، لیکن قرآن کی نسبت یہ وعدہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے باقی اور محفوظ رہے  
 گا، اسکی بقا اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی اور فرمایا اور کس شوق سے فرمایا :

لَهُ دِكْهُوَايَاتُ كُلِّ الطَّعَامِ كَانَ حِزَابُ رَبِّكَ اسْمًا لِلَّهِ أَحْرَمَ اسْمًا لِلَّهِ أَعْلَى نَفْسِهِ الْآيَةُ (آل عمران ١٤)



وَاٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ۚ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كَاْفِرِيْهِ ۚ  
اور جو کتاب ہم نے اب اتاری جو تمہارے پاس الی کتاب کو پکارتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور تم ہی پہلے کافر نہ ہو۔

لیکن ان کی حالت یہ ہوئی کہ :-

وَ اِذْ اٰتَيْنَا لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا  
نُوْمِنُ بِمَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْنَا وَنُكْفِرُوْا بِمَا وَّرَاۤءُ ۚ  
اور جب سے کہا گیا کہ خدا نے جو بھی اتارا، اسے ایمان لاؤ تو جواب دیا کہ جو ہم سے  
اترا ہم سکوٹتے ہیں اور وہ اسکے سوا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہی فرق  
حق ہے اور جو انکے پاس اس کی تصدیق کرنا ہے۔ (بقرہ: ۱۱)

اس کے برخلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین کو پیش کیا، اسکی بنیاد تمام اگلی نبوتوں اور کتابوں کی صداقت کے تسلیم کرنے پر رکھی گئی یہی سبب کہ اسلام نے مسلمان ہونے کیلئے قسری نہیں قرار دیا کہ وہ تنہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائے بلکہ یہ بھی قرار دیا کہ وہ تمام اگلی نبوتوں اور صحیفوں پر بھی ایمان لائے چنانچہ خود قرآن کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اسی کی تکلیف نہ تھی کہ آپ کے ہم وطن آپ کے صحیفہ کو نہیں مانتے تھے بلکہ اس کی بھی تھی کہ وہ اگلی صحیفوں کو بھی نہیں مانتے تھے، سورہ سباء میں ہے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَالَّذِيْنَ تُؤْمِنُ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ  
وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ (سباء: ۳)  
اور نہ اس اگلی کتاب پر (یعنی تورات پر)

اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کیساتھ فرمایا کہ جو میری عبدیت اور رسالت کیساتھ عیسیٰ بن مریم کو بھی خدا کا بندہ اور اس کا رسول و کلمہ و خدا کی طرف سے آئی ہوئی روح تسلیم کر لیا، وہ جنت میں جائیگا (بخاری کتاب الانبیاء ذکر عیسیٰ) الغرض وہ ازلی ابدی دین صرف ایک ہی تھا، اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی ایک پیغام کو لیکر دنیا میں گئے تھے، یہی وحدت دین کی وحقیقت ہے جس کو قرآن نے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا  
صَالِحًا ۚ اِنِّیْۤ اَتٰی بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلَیْمٌ ۚ وَاِنَّ هٰذِهِۦ  
اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَاَنَا۠ بِكُمْ فَاتِقُوْنَ  
فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ  
بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (مومنون: ۴)  
اے پیغمبر! استقوی چیزیں وادرجلا کام کرو میں تمہارے کاموں سے آگاہ ہوں اور بیشک تم سب کی امت ایک امت ہے اور میں تم کا (ایک) پروردگار ہوں تو مجھ سے ڈرتے رہو، تو ان کے پیروں نے اپنے مذہب کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، ہر فرقہ اپنے پاس کے خیال پر نازاں ہے۔

اس حقیقت کی مزید تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں فرمائی ہے :-  
اَلَاۤ اَنْبِیَآءُ اِخْوَةٌ لِّعَلٰتٍ اُمَمٰہَا تَهْتَفُ شَتًی  
وَدِیْنُہُمْ وَاحِدٌ (بخاری کتاب الانبیاء ذکر عیسیٰ)  
تمام انبیاء ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے، اور مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔

## پچھلے دن اور پچھلی زندگی پر ایمان

وَالْیَوْمَ الْاٰخِرِ (بقرہ: ۲۲۱) ————— وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ (بقرہ: ۱)  
اسلام کے سلسلہ ایمانیات کی آخری کڑی ایک پچھلے دن اور پچھلی زندگی یا پچھلی دنیا پر یقین کرنا ہے سورہ بقرہ کے پہلے ہی رکوع میں ہدایت یاب اور کامیاب انسانوں کے ایمانیات کی آخری دفعہ یہ بیان کی گئی ہے :  
وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ (بقرہ: ۱)  
اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔  
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (توبہ: ۲۲)  
جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا۔  
الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ( )  
جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے ہیں۔

»اخیرۃ« کے معنی پچھلی کے ہیں اور یہ لفظاً صفت ہے، عربی میں اوصاف کو موصوف کا قائل تمام کر کے اکثر موصوف کو حذف کر دیتے ہیں، مثلاً ذنیا کے لفظی معنی قریب ترین کے ہیں اور یہ صفت ہے، اس کا موصو الحیاۃ (زندگی) یا الدار (گھر) ہے، اس لیے الدنیا کا مفہوم الحیاۃ الدنیا (قریب ترین زندگی، یعنی اس عالم کی موجودہ زندگی) یا الدار الدنیا (قریب ترین گھر یعنی موجودہ عالم ہے) اسی طرح الاخرۃ کا مفہوم الْیَوْمَ الْاٰخِرِ وَالْحَیٰوۃُ الْاٰخِرَةُ وَالْاٰزِلِ الْاٰخِرَةُ، پچھلا دن اور پچھلی زندگی اور پچھلا آئیوا لا گھر ہے (یعنی موجودہ زندگی کے بعد آنوالی دوسری دنیا کی زندگی اور گھر اور قرآن پاک میں یہ لفظ اسنی مومنوں میں ایک سوتیرہ مقام پر آیا ہے اور ہر جگہ اس کا محذوف موصوف حیاۃ (زندگی) یا دار (گھر) ہے۔

چنانچہ حسب ذیل آیتوں کے پڑھنے سے یہ حقیقت منکشف ہوگی۔  
وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَہِی الْحَیٰوَانِ (عنکبوت: ۲۴)  
اور بیشک آخری گھر اصلی زندگی ہے۔  
وَلِلدَّارِ الْاٰخِرَةِ حَیٰوٌ (انعام: ۳۲)  
اور بیشک آخری گھر بستر ہے۔  
ان دونوں آیتوں میں دار (یعنی گھر) کا لفظ موجود ہے۔

اَرْضِیْنِیْ تُسَبِّحُ بِالْحَیٰۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ (توبہ: ۶)  
کیا پچھلی زندگی کو چھو کر اس جودہ زندگی پر تم راضی ہو گئے۔  
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَکَلَّاۤ بُوۤا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتُوْا فَنُفِثُوْهُمْ  
فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (مومنون: ۳۳)  
جنہوں نے انکار کیا اور پچھلی (زندگی) کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے موجودہ زندگی میں ان کو نعمت دی۔

ان آیتوں میں الحیاۃ الدنیا یعنی موجودہ دنیا کے تقابل سے ظاہر کہ الاخرۃ سے مراد الحیاۃ الْاٰخِرَةُ یعنی پچھلی زندگی ہے، اور اس لفظ کے عموم میں وہ تمام منازل و مقامات داخل ہیں جو ابتداء موت سے لیکر

لے قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان کے تفصیلات ذکر کیے گئے ہیں وہاں یوم آخر پر ایمان سب سے آخر میں بیان کیا گیا ہے نہ دنیا اور آخرت کا یہ تقابل قرآن پاک کی بیشتر آیتوں میں مذکور ہے، حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کہ جِئْنَا فِی الدُّنْیَا (بقرہ ص ۱۲۷)



حشر و نشر اور اس کے بعد پیش آتے ہیں، یا آئیں گے، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اس آیت میں :-

يُنْتَبِهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (ابراہیم ۶۰) اس کی کئی بات (کلمہ توحید) پر مضبوط رکھے گا۔

اس آیت میں آخرت سے مراد عالم برزخ ہے، اور قرآن بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ قیامت میں قول ثابت پر قائم رہنا کوئی بڑی بات ہوگی، جبکہ ہر چیز اس وقت واضح اور نمایاں ہوگی، اس لیے اس آیت میں "آخرۃ" سے مراد عالم برزخ کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا، ایک اور حدیث میں تصریحاً بیان ہے کہ قبر یعنی برزخ آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔

یوم آخر اور حیات آخرت ایمان ماسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے، اور قرآن پاک میں ایمان باللہ کے بعد اسی کی اہمیت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے، کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور ان کے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد اسی آئندہ دنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے، اگر یہ بنیاد متزلزل ہو جائے تو اعمال انسانی کے نتائج کا ریشہ لٹ بیٹھ جائے، اسی تمام مذہب نے کسی نہ کسی رنگ اور کسی نہ کسی اصطلاح میں دوسری زندگی کو متفقاً تسلیم کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس آئندہ زندگی کو دو دوروں میں تقسیم کیا ہے، ایک موت سے لے کر قیامت تک اور دوسری قیامت سے لیکر ابد (بیشمار) تک، جس میں پھر موت و فنا نہیں، پہلے دور کا نام برزخ اور دوسرے کا نام بعثت "یا حشر و نشر اور قیامت ہے، اور ان سب کے معنی جی اٹھنے، اکٹھے کیے جانے اور کھڑے ہونے کے ہیں، لیکن ان سب مقصود ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور وہ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد دوسری دنیا کی زندگی ہے اور اسی لیے اس دوسری زندگی یا اس کے عالم کا نام قرآن میں آلاءِ الْآخِرَةِ اور عَقَبَى الدَّارِ وغیرہ ہے، جس کے معنی دوسرے یا پچھلے گھر کے ہیں۔

دقیقہ حاشیہ: وَالْآخِرَةُ دَالِ عَمْرَان: ۵) دنیا اور آخرت میں معزز، سلسلہ دعا میں ہے: وَنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (بقرہ: ۲۰) پرونگار ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرت میں نیکی دے۔ کفار کے بطلان عمل کے ذکر میں ہے:

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (بقرہ: ۲۴) اسْتَحْبَبُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ (نحل: ۱۳) نَحَبْتُ أَوْلِيَاءَ كُفَرٍ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ رَهْمَ السَّجْدَةِ (۴۰) ان کے عمل دنیا اور آخرت میں گر گئے۔ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی۔ ہم میں تمہاری شریب کی زندگی اور پچھلی زندگی کے دوست۔

اور کبھی دینکے بجائے "اولی" (پہلی زندگی) کا لفظ اختیار کیا گیا ہے، مندرمایا، فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى (زناعات: ۱) وَأَنَّ لَنَا الْآخِرَةَ وَالْأُولَى (دلیل: ۱) اور ہمارے لیے ہے، پچھلی اور پہلی زندگی۔ (صفحہ ہذا) ابن ماجہ و حاکم بحوالہ کنز العمال جلد ۸ ص ۹۵۔ حمد آباد دکن (ترندی)

توراة و انجیل میں برزخ و قیامت کی تفصیل نیز یہ کہ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے انسان کی روح اس حالت اور کیفیت میں ہوگی، مذکور نہیں ہے، لیکن اسلام میں یہاں بھی گنجشک اور ابہام نہیں، بلکہ اس نے اس کی پوری تفصیل کی ہے اور بتایا ہے کہ موجودہ عالم کے علاوہ عالم برزخ اور میدانِ قیامت ہمارے سزا و جزا کے دو مقام ہیں، شخصی موت کے بعد ہر شخص عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں اس کے معاملات سر کیا ہو جاتے ہیں، پھر اپنے مقررہ وقت پر جس کو خدا نے اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کے لحاظ سے طے کر لیا ہے، سلسلہ خلق کے خاتمہ پر جب موجودہ دنیا پر عام موت اور فطاری ہوگی، دوسری زندگی کی دنیا شروع ہو جائے گی جو تمام تر ہماری پہلی دنیا میں ہمارے اچھے یا بُرے اعمال کا سراپا عکس، اور ظل ہوگی، چنانچہ سورۃ توبہ کی حسب ذیل آیت میں ہمارے ان تینوں دور ہائے حیات کا ذکر ہے۔

سَعِدَ بِهٖمْ صَوْرَتَيْنِ تَسْوِيْرُ دُوْنِ اِلٰی عَذَابٍ عَظِيْمٍ (توبہ: ۱۳) ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے، پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ عذاب کی یہ تین منزلیں دنیا، برزخ اور قیامت ہیں۔

ان تینوں عالموں میں جو فرق ہے، وہ یہ ہے کہ اس موجودہ دنیا میں جسم (مادہ) نمایاں اور روح پوشیدہ ہے، اور روح کو جو کچھ مسرت و تکلیف یہاں پہنچتی ہے، وہ صرف اس مادی جسم کے واسطے پہنچتی ہے، ورنہ درحقیقت اس کی براہِ راست راحت و لذت کا اس مادی دنیا میں کوئی امکان نہیں، دوسرے عالم میں جس کو برزخ کہا گیا ہے، روح نمایاں ہوگی اور جسم چھپ جائے گا وہاں جو راحت و تکلیف پہنچے گی، وہ دراصل روح کو پہنچے گی اور جسم اس کی تبعیت میں مٹنا اس سے متاثر ہوگا، لیکن اس تیسرے عالم میں جہاں سے حقیقی اور غیر فانی زندگی شروع ہوتی ہے، روح اور جسم دونوں نمایاں ہوں گے اور دونوں کی لذت و تکلیف کے مظاہر بالکل الگ الگ ہوں گے۔



## برزخ

برزخ کا لفظ قرآن پاک میں تین دفعہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پر وہ حاجب اور حائل مراد ہے، چنانچہ سورہ رحمان میں دو دریاؤں کا ذکر ہے، جن میں ایک میٹھا اور دوسرا کھاری ہے، اور ان کے بیچ میں ایک پردہ حائل ہے جو ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا۔

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ (رحمان: ۱) ان دونوں کے بیچ میں ایک پردہ ہے جس سے ایک دوسرے پر بڑھ کر نہیں جاتا۔ اسی عجیب و غریب بحر منظر کا ذکر سورہ فرقان میں ہے اور وہاں بھی یہی لفظ واقع ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا (فرقان: ۵) اور اسی نے دو دریاؤں کو ملا کے چلایا اور یہ میٹھا اور پیاں بھاتا ہے، اور وہ کھاری کڑوا ہے، اور ان کے بیچ میں ایک پردہ اور ردی ہوئی اوٹ بنائی ہے۔

اسی بنا پر موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی کے درمیان جو مقام حائل اور حاجب ہے اس کا نام برزخ ہے، سورہ مومنوں میں نزع کے وقت کے بیان میں ہے کہ:-

وَمِنْ ذُنُوبِهِمْ يَوْمَئِذٍ أَنَّهُمْ حَبَّبُوا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي حَيَاتِهِمْ لَكُمْ وَيَضَعُوا عَنْكُمْ أَصْلَابَهُمْ فَهُمْ فِي حَقِّ عَذَابِهِمْ عَاقِبُونَ (مومن: ۶) اور ان کو ان کے بچے لپکتے ہیں اس تک جبکہ وہ قیامت میں اٹھائے جائیں گے۔ عربوں بلکہ کل سامی قوموں کے رسم و رواج اور شہادت کی بنا پر اسی دویانی منزل دبرزخ کا نام قبر ہے، خواہ وہ خاک کے اندر یا قبر دریا میں یا کسی درندہ یا پرند کے پیٹ میں، اسی لیے فرمایا:-

وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (مجادلہ: ۱) بے شبہ اللہ ان کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ بحث صرف انسانی مرنے کے لیے مخصوص نہیں جو توفہ خاک کے اندر دفن ہوں بلکہ ہر میت کے لیے ہے، خواہ کسی حالت اور کسی عالم میں ہو، اسی لیے ہرے مقصود ہر مقام ہے، جہاں مرنے کے بعد جسم خاکی نے جگہ حاصل کی۔

موت و حیات کی منزلیں | قرآن پاک میں دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر ہے، ایک جگہ دو چیزوں کی بات لگایا ہے: رَبَّنَا آمَنَّا اَلْاٰثِنَيْنِ وَاٰخِرَتَيْنِ فَغُفِّرْ بِنَا عَلٰی مَا كَفَرْنَا فَاَنزِلْنَا سَبِيْلًا (مومن: ۲۱) ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ مارا اور دو دفعہ چلایا ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، پھر کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے۔

ان دو موتوں اور دو حیاتوں کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمائی ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاثًا فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ يَقُوْلُكُمْ ثُمَّ يَحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ مِّنْهَا ثُمَّ يُرْجِعُوْنَ (بقرہ: ۲۷) کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم پہلے مردہ تھے، پھر تم کو اس نے زندہ کیا (انسان بنا کر پیدا کیا)، پھر تم کو مار دے گا پھر تم کو چلائے گا، پھر اسی کی طرف لوٹانے جاؤ گے۔

پہلی موت تو ہر انسان کی خلقت سے پہلے کی ہے، جب وہ مادہ یا عنصر کی صورت میں تھا، پھر زندہ ہو کر اس دنیا میں پیدا ہوا، یہ اس کی پہلی زندگی ہے، پھر موت آئی روح نے مفارقت کی اور جسم اپنی اگلی مادی صورت میں منتقل ہو گیا، یہ دوسری موت ہوئی،

پھر خدا اس کی روح کو جسم سے ملا کر زندہ کر دیا، یہ اس کی دوسری زندگی ہوئی جس کے بعد پھر موت نہیں، قرآن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا،

اِنَّ اِيَّكَ مَتَّيْتُ كَمَا اَتَيْتُكَ مَّيْتُوْنَ، ثُمَّ اَنْتَ كُنْتَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكَ تَخْتَصِمُوْنَ، (زمر: ۳۱) بیشک تو بھی مرنا لایا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں پھر قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے دعویٰ پیش کر دے گا، پھر تم اس کے مترجما نہ والے ہو، پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

اب سوال یہ ہے کہ برزخ کے عالم میں کیا کیفیت ہوگی، اس کے سمجھنے کے لیے ایک مختصر سی تہید کی ضرورت ہے۔ نیند اور موت کی مشابہت | اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں روحانی عالم کی باتوں کے سمجھنے کے لیے ایسی عجیب و غریب قدرت سے ہم کو ایک چیز عنایت کی ہے، جس کو ہم نیند کہتے ہیں روح کو اپنے جسم سے و قسم کا تعلق ہے ایک اور اک احساس کا اور

دوسرے نیند پر تغذیہ کا، نیند کا وہ عالم جس میں ہمارا تمام آلات اور اک احساس اس دنیا سے بے خبر ہو کر اپنے گرد و پیش کی مادی دنیا سے یکسر بیگانہ بن جاتے ہیں تاہم ہمارا نفس یا روح کا تعلق ہمارا جسم باقی رہتا ہے اور اس حالت میں بھی جسم کی مادی زندگی نشوونما اور بقا کی تدبیریں رفل و دماغ اور دیگر اعضا نے رئیس کے غذا سازی اور خون کے دوران میں مصروف رہتی ہے، اسکی نام روح کا جسم سے تدبیری تعلق ہے، اب نیند اور موت میں فرق ہے تو یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جسم سے

نفس کا تدبیری تعلق قائم رہتا ہے، اس لیے جسم باقی اور زندہ رہتا ہے، لیکن موت کی حالت میں جسم کا روح کا تدبیری تعلق بھی اکثر منقطع ہو جاتا ہے، اس لیے جسم کے اجزاء کچھ دنوں میں منتشر ہو جاتے ہیں، موت اور نیند کی یہی مشابہت ہے، جسکی بنا پر علم انسان کو زبانوں میں تو کو نیند کی تشبیہ ہے، لیکن دنیا بھر کی زبانوں کا توافق الہام طبعی کی خبر تیار، قرآن پاک میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں لکھا ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَالْيَوْمِ مَا جِئْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ اٰجَلُ مُّسَمًّى (انعام: ۷۰) اور وہی ہے جو تم کو رات میں مارتا ہے اور صبح تم کو تم فتن میں کیا پھر تم کو دن میں چلائے گا، تاکہ مقررہ وقت پورا کیا جائے۔

اس سے زیادہ تفصیل سورہ زمر میں ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّاكُمۡ اِذَا نَفَسْتُمْ حَيۡثُ مَوۡتُہَا وَ اَلَّتۡیۡ لَکُمۡ مُّمَاتٌ فِیۡ مَوۡتِہَا ج فَمِیۡسِلُکُمۡ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ وَ یُؤۡمِلُ اِلَیۡہَا خَوَاصِیۡ اِلَیۡ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ (زمر: ۵۰)

یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی نے برزخ کی زندگی کو نیند کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، قرآن پاک میں اگر قیامت میں جب لوگ دوسری زندگی پا کر قبروں میں اٹھیں گے تو گنگاروں کی زبانوں پر یہ فقرہ ہوگا۔

یٰۤاٰیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَدْ نَادٰیۡنَہُمۡ (یٰسین: ۴۰) اے ہماری خرابی، کس نے ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے اٹھا دیا۔ غزوہ احد کے موقع پر ہے کہ جن کو مرناتھا، ان کی موت اٹل سنیں سکتی تھی، اگر وہ میدان جنگ کے بجائے گھروں میں بھی ہوتے تو نکل نکل کر اپنے مقتل میں خود آجاتے، اس غم کو قرآن نے یوں ادا کیا ہے۔







یتیموں کا مال ناجائز طریق سے کھانے کو بیٹ میں آگ بھرنے فرمایا :

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَهُمْ لَا يَبْلُغُونَ سَعْيًا (نساء) وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم کر کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔

وہ خود غرض لوگ جو یکسوں کے کام نہیں آتے، قیامت میں ان کے بھی کوئی کام نہ آئے گا اور جو خود سیر ہو کر کھاتے ہیں اور غریبوں کے در و گرسنگی سے بے خبر رہ کر اپنے مال کا میل پھیل (ذکوۃ) بھی ان کو کھانے کو نہیں دیتے، دوزخ میں انکو زخموں کا دھوون کھانے کو ملے گا، فرمایا :

إِنَّهُ كَانَ ذَا بُلُوءٍ مِنَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَلَا يَخِشُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ فَلَئِنْ لَّمْ يَرَوْهُ الْيَوْمَ هُمْ لَبِئْسَ طَعَامًا إِلَّا مِنْ غَنٍّ لَّهُمْ لَا يَأْكُلُوهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ (حق: ۱) بیشک اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہے اور مسکین کے کھانے پر امانت دیتا تھا، تو آج اس کلمہ بھی یہاں کوئی دوست نہیں اور زخموں کے دھوون کے سوا کوئی کھانہ ہے، اسکو وہی گنہگار کھائیں گے۔

بے لوث مخلصانہ فیاضی کی تمثیل سرسبز و شاداب باغ سے دی :  
وَمِثْلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بَتًا ذَوَاتِ اللَّهِ وَتَشْتَاتٍ مِّنْ أُنْفُسِهِمْ كَتَلٍ بِرَبِّهِمْ (بقرہ: ۲۶۱) اور انکی مثال جاپنے دولت خدا کی خوشنودی چاہنے اور اپنے لوں کی مصیبت کے لیے خرچ کرتے ہیں، ایک باغ کی ہے جو ایک ٹکڑے پر ہے۔

خدا کی راہ میں جان دینے والوں اور مرنے والوں کو جان نوا اور حیات دہاں کی خوشخبری دی گئی فرمایا :  
وَلَوْ تَقَوَّلَ لَوْا لَمْ يَنْفَعِ فِي شَيْءٍ إِلَّا تَقْوَىٰ اللَّهِ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَكُفُ عَنْ عَوَاقِبِ الْأَعْمَالِ (بقرہ: ۱۷۷) جو خدا کی راہ میں مارا جائے، اسکو مردہ نہ کہو وہ لوگ زندہ ہیں۔

اسی طرح یہ ہے جو خدا کو قربن دینا، خدا اسکو بڑھا کر دینا جو دوسرے کو معاف کر دینا، جو دوسروں کی عیب پوشی کر دینا، قرآن و احادیث اس قسم کی بالمعاوضہ جزا و سزا کے ذکر سے بریز ہیں۔  
جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال نہیں دیتے، انکی نسبت فرمایا :

سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (آل عمران: ۱۸۰) جس مال کا بخل کیا تھا، قیامت میں اس کا ان کے گلے میں طوق پڑے گا۔  
يَوْمَ يَكْفِي عِلْمًا نَّارُ جَهَنَّمَ تَلَكُورًا كَالْهَيَاءِ يَنْفَعُ لَمْ يَكُنْ لَهَا بِيَنَافَعَةٍ (نور: ۱۷) جس دن اس نے دوزخ کو دوزخ کی آگ میں کیٹا، پھر اپنے لیے بیفایا اور پہلو اور پیٹ میں آگ جلیں گی کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے گار رکھا تھا تو اب تم اسکا مزہ چکھو جس کو تم گار کر رکھتے تھے۔

دنیا میں اللہ کے نور بصیرت سے روگردانی آخرت میں ظاہری نابینائی کی صورت میں رونما ہوگی، اور اسی طرح جو خدا کو یہاں بھولے گا، خدا اس کو وہاں بھولے گا، چنانچہ حضرت آدمؑ سے جنت سے نکلنے وقت یہ فرمایا گیا تھا :  
وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ (اعلمی، قال) اور جس نے میری یاد سے روگردانی کی تو اس کیلئے تنگ گذران، اور ہم قیامت کے دن اس کو اندھا اٹھائیں گے وہ گمراہ

پروردگار تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا، خدا کیلئے اسی طرح تیرا بس جاری نشانیاں تھیں رہیں تو انکو تو نے بھلا دیا اور اسی طرح تیرا توحید بھلا جائے گا،

وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تَنْسَىٰ (طہ: ۷۷)

یسی مفہوم اور زیادہ اختصار کیساتھ اس آیت میں ہے :

وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذَا عَمَلٍ فَعَلَهُ فِي الْآخِرَةِ (اعلمی) جو کوئی دنیا میں (دل کا) اندھا تھا، وہ آخرت میں اندھا ہے اور راستہ سے بہت بھٹکا ہوا۔

اس باب میں سب سے زیادہ مرتب وہ حدیث صحیح ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بخیل کا مال سانپ کی صورت میں گلے کا لہر ہو کر نظر آئیگا، یعنی وہ مال سونے اور چاندی کے سانپ کی صورت میں سرگیا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ آقَاهُ اللَّهُ مَالَهُ فَلَمْ يُوَدِّ زَكَاتَهُ فَمِثْلُ لَهِّ مَالِهِ نَجَاعًا اقْوَعُ لَهُ زَيْبَتَانِ يَطْوِقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَأْخُذُ بِلَهْزٍ مَّتِيهِ اِي شَدَقِيهِ يَقُولُ اِفَا مَالِكَ اِفَا كُنْزُكَ (بخاری تفسیر آل عمران ج ۲ ص ۵۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال عطا کیا اس نے اس کی زکوۃ ادا نہیں کی تو اس کا مال اسکو اٹھل کر ڈسنے والے سانپ کی صورت میں کھایا جائیگا جسکا سر زکات سے گنجا ہوگا اور اس کے منہ میں دو دانت ہوں گے، ورنہ اس کے گلے میں قیامت کے دن پڑا ہوگا اور وہ اس کے دونوں جھروں کاٹنے کا درگتے میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ۔

اسی طرح دو حدیثیں ہیں جن میں مختلف اعمال کا مختلف شکلوں میں آنا بیان کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ مرنے کے بعد قبر میں نماز روزہ وغیرہ اعمال، عذاب سے بچنے کے لیے ڈھال بنکر دہانے بائیں سے نمودار ہوں گے، یہی حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد جب ایک دفعہ فرشتہ الہی مردہ کو بیدار کرے تو اس کو آفتاب ڈوبتا ہوا دکھایا جاتا ہے (مثلاً الشمس عند غروبها) نیک مرد مسلمان اس تنگ وقت کو دیکھ کر نماز کی تیاری کرنا چاہتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ دنیا والا آفتاب وہاں نہیں بلکہ اس کی تمثیل ہوئی ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں

یعنی یہ کہ اس مردہ کو ایسا نظر آتا ہے، اور وہ درحقیقت آفتاب نہیں بلکہ آفتاب کی مثالی صورت ہوتی ہے۔  
گناہوں کی تمثیلی سرانیں | اوپر کے بیانات سے ہویدا ہے کہ غیر مجسم اعمال اور معانی اپنے جن تمثیلی پیکروں میں نظر آتے ہیں۔ وہ درحقیقت ان اعمال و معانی سے تمثیلی مشابہت رکھتے ہیں، مثلاً ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مشہور مجاہد حضرت عثمان بن مظعون کی وفات کے بعد ایک صحابی نے خواب میں دیکھا کہ ان کے لیے ایک سرسبز پہاڑی ہے، اور جب اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے اس کی تعبیر میں فرمایا :

ذَٰلِكَ عَمَلُهُ (بخاری کتاب التبعیر) یہ نہراں کا (نیک) عمل ہے۔

اس تمہید کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس روئے صادق پر غور کرو، جو ظاہر ہے کہ قیامت کا نہیں کہ ابھی وہ آئی نہیں، بلکہ برزخ ہی کا مرتب پیش کرتا ہے، جواب بھی قائم ہے، آیت کے ایک صبح کو فایا کہ رات میں کھیا کہ دو آئی والے آنے اور انہوں نے مجھے جکا دیا میں نے کھیا ساتھ چل کھڑا ہوا تو میں نے کھیا کہ ایک آدمی لیٹا ہے اور دوسرا اس کے سر پر ایک بڑا پتھر لیے کھڑا ہے، اور وہ اس پتھر کو اس کے سر پر اس طرح دھارتا ہے کہ اس کا سر چپکا چور ہو جاتا ہے اور پتھر لڑھکے لگتا ہے وہ اس کے پیچھے جا کر اس کو اٹھا لاتا ہے اور اتنی دیر میں اس کا سر درست ہو جاتا ہے، اور

سہ ابن جنبل نے سن ماجہ ذکر البقرہ ص ۳۶۶



پھر وہ مارتا ہے اور پھر وہی صورت پیش آتی ہے، ہم آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۲) ایک شخص اوندھا پڑا ہے، او دوسرا تو بے ایک آنکس لیے کھڑا ہے اور وہ اس سے اس کے چہرے کو پھر پھٹنے کو پھر آنکھوں کو گدی تک چیر ڈالتا ہے، پہلے ایک طرف بعد ازیں دوسری طرف، پھر آگے بڑھے تو دیکھا کہ (۳) خور کی قسم کی ایک چیز دیکھ ہی ہے اور کچھ مرد اور عورت اس میں ننگے پڑے ہیں، اور اس کے شعلے بھڑک بھڑک کر ان تک پہنچتے ہیں، اور وہ چیختے ہیں، آگے بڑھے تو نظر آیا کہ (۴) ایک خون کی جیسی سرخ نہر بہہ رہی ہے اور ایک آدمی اس میں تیر رہا ہے، نہر کے کنارے ایک آدمی کھڑا ہے، جس کے پاس بہت سے پتھر رکھے ہیں، وہ تیرنے والا آدمی تیر کر جب اس شخص کے قریب آتا ہے تو یہ ایک پتھر اٹھا کر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پتھر اس کے منہ میں جا کر پیٹ میں اتر جاتا ہے۔

اس کے بعد ہم آگے بڑھے تو ایک سرسبز و شاداب جین نظر آیا، جس میں بہار کی ہر کھل رہی تھی باغ کے سامنے ایک دروازہ آدمی کو دیکھا جس کا سر آسمان میں تھا اور اس کے چاروں طرف بہت چھوٹے چھوٹے پتے آگے بڑھے تو ایک بہت بڑا باغ دیکھا، جس کا زیادہ بڑا اور خوبصورت باغ میں نے نہیں دیکھا تھا، یہاں پہنچ کر اپنے دلوں ہمراہیوں کے کہنے سے اوپر چڑھا تو ایک شہر ملا جس کی دیوار میں سونے کی ایک ایک اور چاندی کی ایک ایک اینٹ لگی تھی، ہم لوگ دروازہ کے پچانگ پر پہنچے، دروازہ کھلایا، دروازہ کھلا تو اس کے اندر گھسے تو اس میں کچھ لوگ ملے جن کا آدھا دھڑٹھناہٹ ہی خوبصورت اور آدھا بہت ہی بدصورت تھا، میرا ہر ہونے ان ایک نہر کی طرف جوج میں نہایت صاف و شفاف بہہ رہی تھی اشارہ کر کے کہا کہ اس میں جا کر غوطہ لگاؤ، وہ غوطہ لگا کر گئے تو انکی بد صورتی کا حصہ جاتا رہا اور وہ پورے دھڑے خوبصورت ہو گئے، میرے ہمراہیوں نے مجھ سے کہا کہ یہ جنت عدن ہے اور وہ آپ کا دولت خانہ ہے جس کی نظر اٹھا کر دیکھا سپید لکڑی کا طرح ایک محل کھائی دیا۔ پھر میں نے ان ہمراہیوں کو کہا کہ آج تو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں، لو بتاؤ میں نے کیا کیا دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہلا شخص جس کا سر پتھر سے پچلا جا رہا تھا، وہ جو قرآن پڑھ کر اس کی تعمیل سے انکار کرتا ہے اور صبح کی مفرود نماز سے غافل ہو کر سو رہتا ہے اور دوسرا شخص جسے گلے پھڑے اور نکتے اور آنکھیں پھاڑی جاتی تھیں، وہ ہے جو جھوٹ بول کر تمام دنیا میں اس کو پھیلاتا ہے اور تنور میں جو مرد اور عورتیں نکلی جل رہی تھیں وہ بدکار مرد اور عورتیں ہیں اور جو شخص خون کی نہر میں تیر رہا تھا، اور منہ سے پتھر نکلتا تھا وہ سود خوار ہے اور اس سدا بہار چمن میں جو دروازہ آدمی آپ نے دیکھا وہ ابراہیم تھے اور ان کے گرد جو بچے تھے وہ ننگے اور کس بچے جو غفلت پر مرے تھے، کسی مٹائی نے پوچھا یا رسول اللہ! مشرکوں کے بچے؟ فرمایا اور مشرکوں کے بچے بھی، وہ لوگ جن کا آدھا دھڑٹھناہٹ اور آدھا بدصورت تھا وہ ہیں جنہوں نے کچھ جیسے کام بھی کیے تھے، تو خدا نے ان کے گناہ دھو دیے۔

برزخ کی ان تمام سنڑوں پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایسی نوعیت اور کیفیت ایسا اعمال کے بالکل منافی تھا قرار دیکھی ہے، نماز صبح سے غافل ہو کر بالین راحت نہ اٹھانے والے کا سر کھلایا، جھوٹے کلمے پڑھانا، نافی اور زانیہ کا برہنہ تنور کی آگ میں جلنا، خون چہنہ والے سوخڑا کا انسان لہو کے خون کے دریا میں تیرنا، اپنا دوا بالشت کا پیٹ بھرنے کے لیے ساگر حلوں کی مددی چہن چہن کر جمع کر نیوالے کا پتھر کے ٹکے کھانا، سرسبز کے دنیاوی اعمال کی تشیل و تصویر

ہے، اور آخر میں نصف حسن عمل سے آدھے دھڑکی خوبصورتی اور نصف سوء عمل سے آدھے دھڑکی بد صورتی پوری مشابہ ہے، اور صاف و شفاف نہر کی صورت میں رحمت و مغفرت الہی کا ظہور بھی اسی قیاس پڑتا ہے۔

ابھی تک دنیا نے جو کچھ ترقی کی ہے وہ نفس سے باہر آفاقی ذمہ یعنی اپنے سے باہر کی بیرونی مادی دنیا کی اشیا کے خواص و صفات کے جاننے میں کی ہے، جن سے سائنس کی ایجادات و اختراعات کا تعلق ہے، لیکن ابھی اس سے بھی زیادہ ایک وسیع دنیا اپنے اندر کی پڑی ہے، جس کو قرآن نے النفس کہا، ان النفس یا ارواح کے وصال و خصائص کا ابھی تک بہت کم علم ہوا ہے، ہمارے سائنس کا جو علم النفس ابھی اپنی ابتدائی منزل میں ہے، اور اس پر جو پلیمز و علم رواج ابھی ظلم فریب کے عجائبات میں سیڑج گرفتار ہے، جس طرح موجودہ عہد پہلے آج کے معمولی سائنٹیفک تجربے سحر و جادو کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے، بہر حال ابھی تک علم نفس و روح کے عجائبات پر پورے پورے ہونے ہیں، ایک ہی مسئلہ کہ شے کے یقین اور اس کے خارجی وجود میں کیا تعلق ہے؟ ایک معما ہے، بہت سے ہندو اہل فلسفہ اور بعض مسلمان صوفیوں اور موجودہ زمانہ کے مشہور فلاسفر برکے کے نزدیک کسی شے کے یقین اور وجود، یا یوں کہو کہ ذہنی اور خارجی وجود میں بہت کم فرق ہے، بلکہ گویا نہیں ہے۔

بہر حال نفس انسانی کے اندرونی قوی کا علم گویا ابھی بہت کچھ محتاج تکمیل ہے، تاہم اتنا ثابت ہے کہ کسی کے تصور ی یقین، اور خارجی وجود میں بہت سی شدید تعلق ہے مگر یزیم نے جو سراسر اصول پر مبنی ہے، اس حقیقت کو فنی واضح کر دیا ہے، اسی معلوم ہو گا کہ مذہب کے سبب ایمان پر جو یقین ہی کا دوسرا نام ہے، اس قدر زور بے سبب نہیں دیا ہے۔ قرآن پاک نے یقین کی دو قسمیں کی ہیں، علم الیقین اور عین الیقین کسی شے کی دلیلوں کو سن کر یا بعض علامتوں کو دیکھ کر اس کے وجود کا اقرار کر لو، تو یہ علم الیقین (یقین جانا) ہے، اور اگر وہ شے خود تمہارا احساس اور مشاہدہ کے سامنے آجائے جس میں پھر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی تو وہ عین الیقین (خود یقین) ہے قرآن پاک نے یقین کی ان دونوں صورتوں کو سورہ نکاثر میں بیان کیا ہے :-

الْهَلْکُمُ الْکَاثِرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ، کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ، لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عِیْنُ الْیَقِیْنِ، (نکاثر: ۱) تم کو دولت و نعمت کی بہتات نے غفلت میں مبتلا کر دیا، یہاں تک کہ تم نے قبروں کو جا دیکھا، ابھی نہیں، تم آگے جان لو گے پھر ابھی نہیں، تم آگے جان لو گے، ہرگز نہیں، اگر تم یقین کا جانا جانتے تو البتہ دوزخ کو دیکھ لیتے پھر البتہ عین الیقین سے اس کو دیکھ لو گے۔ بنا برآں اگر انسان اندر علم یقین حاصل کرتے جو کمال الہی کا اعلیٰ درجہ، تو وہ اپنے باطن کی آنکھوں سے اپنی دوزخ میں دیکھ لے۔ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ (نکاثر)

کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب کے عین مشاہدہ کا فوری مطالبہ کرتے تھے، وحی الہی نے اس کے جواب میں کہا: لَتَعْلَمُونَکَ بِالْعَذَابِ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌۢ بِاَنْکُمْ فَرِیْنٍ (عنکبوت: ۶) وہ تجھ سے عذاب مانگتے ہیں حالانکہ دوزخ گھر ہی ہے منکروں کو۔

ایک دوسری آیت میں ہے کہ منافقین بزم خود آ زمانہ کے ڈر سے حماد کی شرکت سے عذر دیتے ہیں اس کے لئے حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ذکر واقعات حشر :-



جواب میں ان سے فرمایا گیا کہ وہ تو ابھی آزمائش میں مبتلا ہیں، اور دوزخ انکو گھر سے ہوئے ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ اُنْذُنِي لَا تَفْتِنَنِي ۚ  
اور ان میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (جہاد میں ہم شرکت کی) اجازت دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالے، ہاں وہ تو آزمائش میں پڑ چکے اور دوزخ منکروں کو گھر ہی ہے۔

بَا لْكَفْرِ يُنِ ۝ (توبہ: ۷۰)

لیکن یہ علم یقین جس کے حصول کا ذریعہ صرف ایمان ہے، شخص اس سے اس دنیا میں بہرہ ور نہیں ہوتا، بلکہ بہرہ اس کے منکر ہیں، ایسے انکو یہ اپنے پاس کی دوزخ اس وقت نظر نہیں آتی، لیکن موت جسکا آنا ایک دن یقینی ہے، جب آئے گی تو مادہ کا یہ حجاب جو آنکھوں پر پڑا ہے، اٹھ جائے گا، اس وقت اس عالم غیب کے کچھ اسرار ان پر منکشف ہو جائیں گے، اور اعمال کے تشکیلات اور ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ کے بعض مناظر ان کے سامنے آجائیں گے، اور اسی وقت وہ اپنے یقین کی آنکھوں سے کسی قدر واقعات کا مشاہدہ کر لیں گے۔

ثُمَّ لَنَرَوْهُمْ نَحْوَ عَيْنِ الْيَقِينِ (تکاثر: ۱۰)

پھر تم دوزخ کو عین یقین سے دیکھ لو گے۔  
یہ موت کے بعد کا سامان ہوگا، جس کو برزخ کا عالم کہتے ہیں۔ اسکے بعد جب قیامت آئیگی تو ہر راز فاش ہو جائے گا۔  
يَوْمَ تُبْلَى السَّوَابُ ۚ وَجَمِيعُ الْاَشْيَاءِ يُرْجَى ۚ  
اور بہشت و دوزخ اپنی ظاہر صورتوں میں اس طرح سلنے آجائیں گی کہ پھر شک و شبہ کا شائبہ بھی باقی نہ رہے گا، وہ علم حقیقی اور یقین تحقیقی کا دن ہوگا، قرآن میں قیامت کے موقع پر ہے۔  
وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ۚ فَكُفِّنَّا عَنْكَ  
اور زنگ کا پھونکا گیا، یہ ہے ڈر کا دن، تو ہم نے تیرا بڑا بھروسہ  
عِظَامُكَ فَبُصِّرْ ۚ الْيَوْمَ حَذِيدٌ ۚ (رق: ۱۲)

اس پردہ کے مٹنے ہی اس دن انسان کے تمام اعمال ایک ایک کر کے اسکے سامنے آجائیں گے، اور دوزخ منظر علم پر آجائیں گی، فرمایا:  
فَاِذَا جَاءَتْ السَّاعَةُ الْكُبْرَىٰ ۚ يَوْمَ  
جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا، جس دن انسان کو جو کچھ اس  
يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعَىٰ ۚ وَبُورَتْ الْحُجُجُ  
نے کیلئے، یاد آجائے گا، اور دوزخ دیکھنے والے کے سامنے  
بَاہر لائی جائے گی۔

بَلَسْنُ تَرَىٰ (رازمات: ۲۰)

احوال برزخ کا عین یقین ایک طرف شاعر (ابوالعتاس) نے حیر کے عالم میں کیا خوب کہا ہے:  
الموت بابٌ وکل الناس یدخله  
یلبس شعری بعد الباب ما الذار۔  
موت کا ایک سوانہ ہے اور تمام انسان اس سوانہ میں داخل ہوں گے۔  
کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس دروازہ کے بعد کون گھر ہے۔

یہ علم جس کی حسرت اس شاعر نے ظاہر کی ہے، اس زندگی میں صرف علم یقین کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے، البتہ موت کے وقت جب وہ دوسرے عالم کے دروازہ پر کھڑا ہوگا تو اس کو پس پردہ کا نظارہ حقوڑا بہت ہو جائے گا اور وہی برزخ کا عالم ہے، مندرمایا:

حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ  
لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّا ۚ اِنَّهَا  
کَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَآئِهِمْ  
جب ان گنگاروں میں کسی ایک کو موت آتی ہے تو وہ، (زندگی کے پس پردہ کے بعض مناظر کو دیکھ کر) کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے ایک بار اور دنیا میں لوٹا دے تاکہ دنیا میں جو ماحول چھوڑ کر آیا ہوں

بُورَتْ ۚ اِلَىٰ يَوْمٍ مَّيْبُتُوْنَ ۝ (مومنون: ۶۱)  
اس شاید کوئی نیک کام کروں، ہرگز نہیں، یہ بات ہی بات ہے،  
جو وہ کہتا ہے اور دابہ ان گنگاروں کے پیچھے اس دن تک ایک پردہ (برزخ) ہے جب وہ موت کے بستر سے جگا کر اٹھائے جائیں گے۔  
ظاہر ہے کہ اگر موت کے وقت اور بعد کوئی نئی غیبی کیفیت اس کے مشاہدہ میں نہیں آجاتی، تو اس کا شک و شبہ دفعہ یقین سے کیسے بدل جاتا ہے، مندرمایا:

فَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ مَا  
کُنْتَ مِنْهُ تَحِيضُ ۚ (رق: ۱۱)  
اور موت کی بے ہوشی حقیقت کو لیکر آگئی، یہی ہے وہ جس سے تو ہٹا کرتا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سکرات کے وقت حقیقت کا کوئی منظر سامنے ضرور آجاتا ہے، اہل تفسیر نے بھی اس آیت سے یہی سمجھا ہے، ابن جریر طبری لکھتے ہیں:-

بالحق من امر الاخيرة فتبينه  
للانسان حتى تثبته وعرفه،  
حق یعنی آخرت کا کچھ حال تو موت کی سکرات انسان پر کھول دیتی ہے،  
یہاں تک کہ انسان اس کو یقین کر لیتا ہے اور جان لیتا ہے۔

حافظ ابن کثیر محدث اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:  
يقول عز وجل و جاءَتْ اِيَهَا اِلَ نَسَانِ  
سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اِي كَشْفَتِهِ لَكَ  
عن اليقين الذي كنت تمتري فيه،  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان موت کی بیہوشی حق کو لیکر  
آگئی یعنی تیرے اس یقین کے پردہ کو کھول دیا، جس میں تو  
شک کرتا تھا۔

قاسمی شوکانی محدث کی تفسیر میں ہے:  
ومعنى بالحق انه عند الموت تصفح الحق  
ويظهر له صدق ما جاء به الرسول من الاخبار  
بالبعث والوعود والوعيد (ج ۵ ص ۷۳)  
اور حق لے کر آنے کے معنی یہ ہیں کہ موت کے وقت حق بات کھل  
جاتی ہے، اور پھر جس قیامت اور جزاء و سزا کی خبریں لیکر  
آئے تھے، ان کی سچائی ہو رہی ہو جاتی ہے،

مفسر آلوسی حنفی کی تفسیر کی عبارت یہ ہے:  
والمعنى احضرت سكرة الموت حقيقة الامر  
الذي لطقت به كتب الله تعالى ورسله  
عليهم السلام،  
اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ موت کی مدہ ہوشی اس حقیقت  
امر کو سامنے کر دیتی ہے جس کو اللہ کی کتابوں اور اس کے  
رسولوں نے بیان کیا ہے

زمخشري معشری کی تفسیر (کشاف ج ۲ ص ۱۳۰۲، کلکتہ) اور ابو حیان اندلسی مالکی کی تفسیر (بکرم محیط ج ۸ ص ۱۲۴ مصر) میں بھی یہی ہے،

یہ مفسرین مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ان سب کی متفقہ تفسیر یہی ہے، اس تفسیر کی صحت کی مزید دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ہی قیامت کے ذکر میں ہے:

فَكُفِّنَّا عَنْكَ عِظَامَكَ ۚ الْيَوْمَ حَذِيدٌ ۚ (رق: ۱۲)  
ہم نے آج تجھ سے تیرا پردہ کھول دیا تو آج تیری نظر تیز ہے۔  
لہ تفسیر ابن جریر طبری جلد ۲ ص ۹۱ لہ تفسیر ابن کثیر بر فتح البیان ج ۹ ص ۱۹۸







تَنْظُرُونَ وَخِشُوا إِلَيْهِ مَكْرُومًا وَلَكِنَّ  
لَهُ أَبْصَارٌ فَلَوْلَا أَنْ كُنْتُمْ غَيْرَ  
مَدِينِينَ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ  
فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ فَرَوْحٌ وَ  
رَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٌ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ  
أَصْحَابِ الْيَمِينِ فَسَلَامٌ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ  
الْيَمِينِ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمَكْدُوبِينَ  
الضَّالِّينَ فَأَنْزَلُ مِنْ حَشِيمٍ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ  
إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ (واقعه: ۳۱)

وقت دیکھ رہے ہوتے ہو، اور ہم اس ستمباری نسبت زیادہ تر  
نزدیک ہوتے ہیں، لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا، تو اگر تم کسی اور  
کے حکم کے نیچے نہیں ہو، تو کیوں نہیں اس روح کو پھر بلاتا دیتے  
ہو، اگر تم (اپنے انکار و تکذیب میں) سچے ہو، تو اگر وہ (مرنوالا)  
مقرب بندوں میں سے ہو تو خوشی و آرام اور نعمت کی بہشت  
ہے اور اگر وہ (اس کے کچھ کم درجہ) دہنے والوں میں ہو تو تجھ پر سزا  
دہنے والوں میں سے! ادا کردہ حق کو جھٹلانے والے گمراہوں  
میں سے ہو تو گرم پانی کی ممانی اور دوزخ میں بیٹھا ہے،  
بے خبریہ بات یقین کے لائق ہے۔

یہ تمام سماں موت کے بعد اور عالم برزخ ہی کے مناظر ہیں۔

برزخ کا عذاب و راحت | ادھر کی آیتوں سے پوری طرح ہویدا ہے کہ روح و جسم کی مفارقت کے بعد ابھی روحوں کے سامنے رحمت کے اور بری روحوں کے رو بر عذاب کے منظر گذرتے ہیں، قرآن پاک میں کچھ اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ یہ منظر نہ صرف روح کے سامنے ہی سے گذرتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی وہ اپنے اعمال کے مدارج کے مطابق رحمت یا زحمت کے اندر بھی داخل کر دی جاتی ہے، منافقین کی نسبت قرآن میں ہے :

سُعَذِبُ بِهِم مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلَى عَذَابٍ عَظِيْمٍ (توبہ: ۱۳)

عَذَابِ عَظِيمٍ“ سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے، اب اس عذاب دوزخ سے پہلے عذاب کے دودھ ان پر اور گزر چکے ہوں گے، ایک تو یہ دنیاوی عذاب ہے، اور دوسرا موت کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے، قرآن میں آل فہرغون کے ذکر میں ہے :

وَحَاقَ بِالْفِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ النَّارُ  
يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ  
تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلْنَ آلَ فِرْعَوْنَ  
أَشَدَّ الْعَذَابِ (مومن: ۵)

اور فرعون والوں پر بُدی طرح عذاب الٹ پڑا، آگ کہ  
اس پر وہ صبح اور شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس سے قیامت  
کی گھڑی گھڑی ہوگی دندا ہدگی کہ، فرعون والوں کو پہلے  
سے بھی، بڑھ کر عذاب میں ڈالو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ گنہگار کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم میں بھی عذاب کا کچھ ذائقہ مزاحیہ کیا جاتا ہے، ایسا ہی نیکو کاروں کو بہشت کے عیش و آرام کا منظر دکھایا جاتا ہے، اسی آیت پاک کی تشریح میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، تم میں جب کوئی مرتا ہے تو اس پر صبح و شام اسکا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت میں ہوتا ہے تو جنت اور اہل دوزخ سے ہوتا ہے، تو دوزخ، پھر اس کا جلتا ہے کہ یہ تیرا مقام، اس وقت تک کے لیے کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے، ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ جنتی مردہ کے سامنے جنت و دوزخ دونوں کے منظر سامنے

۱۷ (یہ حاشیہ کمال مصفیٰ ہے)

يَوْمَ يَوْمُذِ الْمَلِكَةِ لَا بُشْرَى يَوْمَئِذٍ  
لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا  
وَقَدْ مَنَّآ إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ  
هَبَاءً مَّنْشُورًا، أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ  
خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا، وَيَوْمَ تَشَقُّقُ  
السَّمَاءُ بِالسَّعَامِ وَنُزُلُ الْمَلِكَةِ نَزِيلًا  
الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ الْخَبِيرُ لِلرَّحْمَنِ  
وَكَانَ يَوْمَئِذٍ عَلَى الْكَافِرِينَ  
عَسِيرًا (سُورَةُ قُلُوبَانِ: ٣)

کر کے کہتے ہیں کہ اگر تو اچھے عمل نہ کرتا تو تیرا یہ مقام نہ ہوتا، مگر تیرے نیک عمل کے سبب سے اب یہ جنت تیرا مقام ہے اور اس دن تک کے لیے کہ لوگ اٹھانے جائیں، اس پر سرسبز ہی بھر دی جاتی ہے،

مشرکوں اور قیامت کے منکروں کا سوال تھا کہ اگر یہ پیغام الہی پہنچے تو ہم کو فرشتے یا خدا نظر کیوں نہیں آتے، جواب میں کہا گیا کہ فرشتے جس دن نظر آئیں گے، اس دن ایمان بالغیب کہاں؟ اور اوپر کی آیتوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتے موت کے وقت نظر آتے ہیں یا پھر قیامت میں نظر آئیں گے، اس لیے ارشاد ہے:

جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن ان گنہگاروں کو کوئی خوشخبری نہیں، اور کہیں گے دکر یہ ڈراؤنا منظر جو ہم کو نظر آ رہا ہے اب اوٹ میں دکھائے اور ہم خدا فرما جائے کہ اسے ہونے کا یوں کے پاس پہنچے اور انکو آتا عہد بنا دیا (یعنی بیکار ہو بے سود و معدوم) جنت والے لوگ (یعنی جنت جنکو ملنے والی ہے) اس دن ان کے لیے خوب ٹھکانا اور دہ پہر کے سونے کا مقام ہوگا اور جس دن آسمان بادل سے پھٹ جائیگا اور فرشتے آہستہ آہستہ اتارے جائیں گے، اس دن راج سچا خدا کا ہوگا، اور وہ دن کافروں پر سخت ہوگا۔

کھلی بات ہے کہ آسمان کا بادل سے پھٹنا، اور فرشتوں کا اترنا قیامت کا نقشہ ہے، اب اس سے پہلے فرشتوں کے دکھائی دینے کا وہ دن جس میں گنہگاروں کے لیے کوئی خوشخبری نہیں، اور وہ کہیں گے کہ کاش یہ ڈراؤنا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا، اور جنت کے مستحقین کو ایک چھا مستقر (قرار گاہ) اور دوپہر کی دھوپ سے بچانے والی خواب گاہ بنی ہوگی، قیامت سے پہلے اور موت کے بعد ہی کی کیفیت ہے۔

سورہ محمد میں موت کے وقت کا حال بیان ہوتا ہے کہ جب فرشتے ان گنہگاروں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر ضرب لگاتے ہیں، فرمایا :

کَلَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَكَةُ يُضْرَبُونَ  
لُجُوجًا لَهُمْ وَأَذْبَارُهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا  
مَّا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ  
فَأُحْضِرُوا أَعْمَالَهُمْ (محمد: ۳۰)

پھر کیا حال ہوگا جب فرشتے انکو وفات دیں گے اکیلے چہرہ اور پیٹھوں کو  
مارتے ہوئے یہ ایسے کہ انہوں نے اسکی پیروی کی جس نے خدا کو  
ان سے ناخوش کر دیا اور جنہوں نے خدا کی خوشنودی کو پسند نہ کیا  
تو عدل نے ان کے کاموں کو بے نتیجہ کر دیا۔

یہ غیبی ضرب خواہ اسی مادی جسم پر پڑتی ہو یا اس کے مثالی جسم پر یا روح پر جو بھی کیے، بہر حال اس کا ثابت ہے کہ گنہگار مردہ پر موت کے وقت ہی سے عذاب کا ایک رنگ شروع ہوتا ہے۔

صحیح مسلم کتاب الجنۃ والنار باب عرض مقعد المیت جلد ۲ ص ۴۸۸ مصر جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر حدیث حسن صحیح بخاری  
ابن الجنائز باب عذاب القبر ص ۸۸۳ و سکرات الموت ص ۹۶۳ صحیح بخاری کتاب الجنائز ص ۳۸۳ صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت ص ۴۹۰ مصر

---



سورۃ انفام میں اس سے زیادہ ہے :

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ  
وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ  
الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ (انعام ۱۱۱)

اور اگر تو دیکھے جب گنہگار موت کی سکرات میں ہوں اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوں کہ نکالو اپنے جسم کے اندر سے اپنی روح کو آج تم کو ذلت کی سزا ملے گی۔

الْیَوْمَ جس کے معنی آج کے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سے یہی زمانہ مراد ہے جس وقت سے فرشتے بدن سے روح نکالتے ہیں، اس آج سے مقصود ہمارا دنیاوی آج نہیں ہے جو ۲۴ گھنٹوں میں ختم ہو جاتا ہے، بلکہ برزخ کا پورا زمانہ ہے۔ دیکھو فتح القدیر شوکانی و تفسیر البوسعدی و تفسیر روح المعانی (الوسی) :

تو م نوح کے غرق ہونے کے بعد ہی دوزخ میں جانے کا حکم ہے :  
أَنزَلْنَاهُ فَاذْخُلُوا أَنَا فَلَمْ يَجِدْ يَصْعَدُ وَالسُّحُورُ  
فَمِنْ دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا (نوح : ۲)

حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی کافر بیویوں کی موت کے بعد ہی عذاب کا ذکر ہے :  
وَقِيلَ ادْخُلُوا النَّارَ مَعَ الدَّاهِلِينَ (تحریم ۱)  
اور کہا گیا کہ داخل ہونا لوگوں کے ساتھ تم دونوں بھی آگ میں داخل ہو جاؤ۔  
یہ قیامت سے پہلے اور دنیا کے عذاب ہلاکت کے بعد کے واقعات ہیں، اور اسی وقفہ کا نام برزخ ہے۔  
سورۃ یسین میں ایک خیر خواہ قوم کا ذکر ہے، جو عمر بھر اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کرتا رہا تھا، اور پھر وہ غالباً اسی حق کی راہ میں شہید ہوا، مرنے کے بعد جب اس کو بہشت ملی، تو اس نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد خدا نے کس طرح مجھے معاف فرمایا اور عزت بخشی، تاکہ وہ بھی ایمان سے میری طرح بہرہ ور ہو کر اس مغفرت اور عزت سے سرفراز ہوتی :

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۚ قَالَ يَلَيْتُ كُنتُ مِنَ الْعَالَمِينَ  
بِمَا عَفَوْتَ لِي رَبِّي ۖ وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ  
وَمَا أَنزَلْنَاهُ عَلَىٰ قَوْمٍ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ  
مِّنَ السَّمَاءِ ۚ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ (یسین : ۲۰)

شہیدوں کی نسبت تو خاص طور پر ہے :  
بَلْ أَحْيَاكَوَعِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (ال عمران : ۱۶)  
اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کو برزخ ہی میں کامل زندگی کے ساتھ جنت کی روزی ملتی ہے اور عام میکہ کاروں کا یہ حال ہے کہ انکو فرشتے اس وقت سلامتی اور جنت کی خوشخبری سنا تے ہیں، فرمایا :

الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ  
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اذْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ  
تَعْمَلُونَ (نحل : ۳)

جن کو فرشتے (گناہوں سے پاک صاف حالت میں وفات پاتے ہیں، کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کاموں کے بدلہ جنت میں چلے جاؤ۔

قبر کی اصطلاح | سطور بالا میں عالم برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں، جو قرآن کی آیتوں میں نظر آتے ہیں۔ براہِ حدیث و مسموع میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں، وہ عموماً قبر کی اصطلاح کیساتھ بیان ہوتی ہیں لیکن اس لفظ قبر سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں، بلکہ وہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں، اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے، مادی عناصر کی نہیں، اسی لیے قرآن پاک نے اس عالم کے تعلق سے ہمیشہ ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے، اور ان ہی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر ہے، اس عالم میں جو جسم نظر آتا ہے، وہ مرنے والوں کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے، جو ہر جہاں کے خاکی جسم کا مثالی ہوگا، تم فیند میں ہو، اور تمہارا نیم مردہ بے حس جسم بستر پر دراز ہے، مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کہ بعد میں تمہارا جسم آگ میں جل رہا ہے، یا باغ و بہار کی لذتوں میں معروف ہے، اور تم کو اس سے وہی تکلیف اور راحت مل رہی ہے، جو بیداری میں اپنے بستر پر پڑے ہوئے جسم کی تکلیف و راحت سے مل سکتی ہے، اس خواب میں جس طرح تمہارے مادی جسم کے علاوہ تم کو اپنا ایک خیالی جسم نظر آتا ہے جو ہر ہر ہر مادی جہاں میں ہے، اسی طرح موت کے خواب میں بھی تم کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئے گا، جو اکثر حالتوں میں ہو ہو تمہارے اس خاکی جسم کے مطابق ہوگا اور تمہاری روح اسی جسم مثالی کے عذاب و راحت سے متاثر ہوگی اور اعمال کی اصل ذمہ دار روح انسانی ہے، جسم خاکی نہیں، فرمایا :  
لَنفُسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةً (مائدہ ۱۰) یعنی ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھوں گروہ ہوگی، اس لیے اصل مکلف روح ہے جسم نہیں، جسم بمنزلہ آلہ کا ہے، دنیا میں اس کا ایک جسم خاکی تھا، برزخ میں اس کا ایک اور جسم ہوگا جو مادہ و مادیات سے پاک و بری ہوگا، تاہم اس کو اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی، اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال میں جاری ہے، کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مردوں کو اسی قبر میں جلتے دیکھتے ہیں، قرآن پاک کی یہ آیت اوپر گزر چکی ہے :-

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ  
يُسْمِعُونَ وُجُوهَهُمْ رَأَوْا ذُنُوبَهُمْ وَعُذُّوا  
عَذَابَ الْحَرِيقِ (انفال : ۷)

اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں، مارتے ہیں، ان کے منہ اور پیٹ پر اور رکھتے ہیں، جھکھو جلتے کا مڑہ،  
اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگاروں پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مارا ان کے منہ اور پیٹ پر پڑتی ہے، مگر یہ منہ اور پیٹ وہ نہیں ہے جو بے جان لاشہ کی موت میں ہمارے سامنے ہے بلکہ اس آیت میں کافر کی روح کو جانور سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح جانور کو تیز ہٹاتے وقت کسی آگے (شرعی) لے لیجئے معتزلہ مذہب قبر کے قائل نہ تھے، اور انکی دلیل یہی تھی کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں یہ غلط فہمی انکو ایسے پیش آئی کہ قرآن میں لفظ قبر و قبور کیساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بعد موت اور قبل قیامت ارواح انسانی کے عذاب و ثواب اور رحمت امت کا ذکر موجود ہے تو انکو اس انکار کی جرأت نہ ہوتی اور قرآن میں اسی قسم کی متعدد آیتیں موجود ہیں، لہٰذا اس سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ جسم سامنے پڑتا نظر آتا ہے لیکن اس پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہیں آتا اور نیز اس شبہ کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر میں جب جسم ستر گل جاتا ہے تو پھر عذاب و ثواب کا احساس اس کو کیسے ہوتا ہے،







کی جس کیفیت پر زندگی کا خاتمہ ہوا ہوگا، وہی بعد کو سوال و جواب میں نمایاں ہوگی۔

برزخ میں ارواح کا مسکن [آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) میں ارواح انسانی کا مسکن کہاں ہوگا؟ قرآن پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں میں ملتا ہے، سب سے پہلی آیت تو ان مذکورہ بالا آیات کے بعد ہے جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال و جواب کر چکیں گے تو خدا انکی روحوں کو حکم دے گا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں، اس کے بعد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا  
عَنَّمَا كَانَتْ تَتْلُوهُمْ أَنبَاءُ السَّمَاوَاتِ  
وَالْأَرْضِ يَخْلُفُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يُلَاحِظَ فِي  
سَرَ الْخِيَاطِ (اعراف: ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آیات الہی کے منکروں اور جھٹلانے والوں کی روہیں منکر کے بعد آسمانی بادشاہی کے حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی، اور وہ فضائے زمین میں آوارہ پھر سکیں گی، یا اپنے خاکی جسم کے لگاؤ سے جہاں وہ سپرد خاک ہوئے ہوں منڈلاتی رہیں گی، اور وہیں دوزخ کا منظر دیکھیں گی، اور تکلیف اٹھائیں گی۔

اس کے برخلاف ہم تن پاک یا مومن روح کا یہ حال ہوتا ہے کہ موت ہی کے وقت رحمت الہی کا فرشتہ، بلکہ خود زبان رحمت اس کے کانوں میں یہ صدا دیتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ  
رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِي  
فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (فجر: ۱)

ان سے بڑھ کر وہ پاک باز روہیں ہیں، جنہوں نے اپنے خاکی جسموں، فانی زندگیوں، مادی خوشیوں اور زوال پذیر عشرتوں کو خدا کی راہ میں قربان کیا، تو انکو خدا کی طرف سے ایک تیشالی جسم، غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و مسرت کی لازوال دولت اسی وقت عنایت کر دی جاتی ہے، فرمایا:

وَلَا تَقُولُوا لِمَن قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ  
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (بقرہ: ۱۹)

یہ پرمسرت زندگی کیسی ہوگی، اس کی دوسری سورہ میں ہے:

وَلَهُ خَاسِبَاتٌ لَّذِيْنَ قَاتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ  
أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُورَثُوْنَ  
لَا يَرْجِعْنَ بِمَا أَلْهُمَهُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَلَيْسَ لَهُنَّ  
بِالدِّينِ لَمْرٌ ۚ لَّحَقَّوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ  
أَنَّهُمْ خُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

اور تو انکو جو خدا کی راہ میں مار گئے، مردہ نہ مان کر، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انکو روزی بجاتی ہے، خدا نے اپنی مہربانی سے انکو جو دیا ہے، اس پر خوش ہیں اور جو ابھی ان کے پیچھے سے ان تک نہیں پہنچے ہیں، انکی طرف سے بھی خوش ہیں کہ انکو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ فَفُضِّلَ وَأَنَّ  
اللّٰهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (دال عمران: ۱۷۱)

یہ پرمسرت زندگی شہداء کو ملے گی، اسی زندگی کا مقاصد خدا کے پاس، بتایا گیا ہے، احادیث صحیحہ میں ہے کہ ان زندہ شہیدوں کی روہیں قفس عنصری سے پڑا کر کے جب اُڑتی ہیں تو وہ سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی سیر کرتی ہیں، اور عرش الہی کی قندیلیں ان کا نشیمن بنتی ہیں، اس کے بعد غالباً ہر ذی عقل تسلیم کرے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مدارج و مراتب شہداء سے بہر حال اعلیٰ و برتر ہیں، اس لیے ان کا مقام بھی اسی احاطہ قدس کے اندر ہوگا، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر معراج اور اپنے رویائے صادقہ میں بعض پیغمبروں کو آسمان اور بہشت کے مختلف مدارج میں دیکھا۔

بعض وہ سعید و صیں ہیں، جو یہاں سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو جاتی ہیں، جیسا کہ حضرت جعفر طیار کے متعلق احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد اپنے دونوں بازوؤں سے فرشتوں کے ساتھ عالم ملکوت میں اُڑ رہے تھے، عالم برزخ کے یہ دو اٹانے والے بازو درحقیقت ان کے ان دونوں جسمانی بازوؤں کی مثال ہیں، جو اس جنگ میں ان کے جسم سے کٹ کر گر گئے تھے، اور وہ اس پر بھی اسلام کے علم کو اپنے بقیہ کٹے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے سے پکڑے تھے، عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیت ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہو:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا  
تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا  
تَحْزَنُوا وَالْبَشْرُ ابْأَبَا الْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ  
تُوعَدُونَ خَوْفٌ أَوْ لِيَاءٌ كُنتُمُ فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ج. (جم السجہ: ۴۰)

یہ آوازہ بشارت اور فرشتوں کی رفاقت، اسی برزخ کا دلکش سماں ہو سکتا ہے،

بیشک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے

پھر ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے یہ خوشخبری لیکر اترتے

ہیں کہ خوف نہ کھاؤ اور نکلین نہ ہو اور اس جنت کی بشارت

سنو، جسکا تم سے وعدہ کیا تھا، ہم دنیا کی زندگی میں

تمہارے رفیق ہیں، اور آخرت میں بھی۔

تمہارے رفیق ہیں، اور آخرت میں بھی۔

تمہارے رفیق ہیں، اور آخرت میں بھی۔

تمہارے رفیق ہیں، اور آخرت میں بھی۔



## ۲۔ آخرت کی دوسری حقیقی منزل قیامت اور جزائے اعمال

موت تو افراد کا معاملہ ہے، ایک مرتبہ ہے، اور دوسرا اس کی جگہ پیدا ہوتا ہے، تو میں بھی باری باری اس بازیگاہ کے تختہ پر آتی ہیں اور ایک قوم اپنا کھیل ختم کر کے کسی دوسری کیلئے جگہ خالی کر جاتی ہے، یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے اور اب تک چل رہا ہے، کائنات جس انتظام پر پیدا ہوئی تھی وہ بعینہ قائم ہے، اور اس محفل کی جو رونق اول روز تھی وہ اب تک اسی طرح باقی ہے، غرض

ہزار شمع بکشتند و انجمن باقی است

لیکن کیا کوئی ایسا دن بھی آئیگا، جب یہ باری بساط ہستی الٹ جائیگی، کائنات کی مجلسیں برہم ہو جائیگی، اور آسمان وزمین کے کترے ٹکرا کر چور چور ہو جائیں گے، اور پھر وہ خلاق عالم اپنی صفات خلق و احسان و جبرائے نئے منظر دکھائے گا، اور نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہو کر ایک اور عالم کسی نئے نظام پر جوڑ پڑیر ہو گا۔

دنیا کے وہ تمام لوگ جو حال کو دیکھ کر مستقبل کا پتہ لگاتے ہیں کسی طرح اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح یہ افراد آتے اور فنا ہوتے ہیں اسی طرح ایک دن آئے گا جب اس پوری نیائے حیات پر موت طاری ہوگی، سب زیادہ اس سوال کے جواب میں کہ یہ بلکہ انکار کا حق فلسفہ اور سائنس کے محققوں (سائنٹسٹس) کو ہو سکتا ہے، اہل فلسفہ کا بڑا گروہ اس ممکن پر یقین رکھتا ہے، اور اہل سائنس بھی اس کو بہر حال محال نہیں سمجھتے بلکہ طبیعت و مہیت جدید کے مختلف محققوں کے خیالات اس باب میں مکان سے آگے بڑھ کر وقوع کی سرحد تک پہنچ چکے ہیں، وہ اس ناک دن کی آمد کے متعلق اپنے علم کے زور سے پیشین گوئیاں کرتے رہتے ہیں اور اس عالمگیر متو کے مختلف اسیاب ظاہر ہوتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ نظام عالم کی پوری گڑی جس انجن سے چل رہی ہے، وہ گرم فتاب جسکی یہ گرمی روز بروز کم ہوتی جاتی ہے، آخر ایک دن آئیگا، جب یہ انجن بالکل ٹھنڈا ہو جائیگا اور ساری گڑی ٹوٹ پھوٹ جائیگی، ایک سب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پورا نظام کائنات جذب و کشش کے ستون پر قائم ہے، اور فضلے ہستی کے تمام سیارے روز بروز کھینچے چلے آتے ہیں تو ایک دن وہ بھی آئیگا جب باہمی توازن باقی نہیں رہے گا، اس وقت تمام کترے ایک دوسرے سے قریب ہو کر ٹکرا جائیں گے، اور یہ تصادم ان کو چور چور کر دے گا،

ایک اور خیال یہ ہے کہ اس فضا میں کڑڑوں ستارے تیر رہے ہیں، انیس بہت کم کا علم ہم کو ہوا ہے، بہت ممکن ہے کسی زمانہ میں ہمارے زمین کسی نئے ستارے سے ٹکرا کر چور چور ہو جائے، اور اسکی ساری بادی ہباؤ منتور ہو کر رہ جائے۔ بہر حال اسباب طبعی کچھ ہیں، مگر ایسا ہونا اہل سائنس کے نزدیک بھی ممکن بلکہ وقوع کی امید خالی نہیں۔

اہل مذاہب میں یہ عقیدہ کسی نہ کسی نوع سے ہر جگہ موجود ہے، اور اس کا مجمل تذکرہ تمام آسمانی کتابوں میں ہے، تورات میں اس کے اشارے پائے جاتے ہیں، زبور میں اس کی تصریحات ہیں، اور اس میں اس کو طالت کا دن، کہا گیا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے میں یہود کے دو فرقے تھے، ایک صدوقی، جو یونانیوں کے اثر سے آنا خیال کیا جاتا تھا اور قیامت کا منکر تھا، مگر دوسرا فرقہ جو فریسی کہلاتا تھا، بدستور اپنے پرانے عقیدے پر قائم تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ میں جو یہودی تھے، وہ قیامت، جنت و نشت اور بہشت و دوزخ کے قائل تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ جب قیامت آئیگی تو اللہ تعالیٰ ایک انگلی پر آسمانوں کو اور دوسری پر زمینوں کو، تیسری پر رختوں کو، چوتھی پر پانی کو اور اندھکی نرمی کو، اور پانچویں پر تمام مخلوقات کو رکھیں گا، اور نڈاؤیگی کہ میں ہوں بادشاہ، انجیل میں یہ عقیدہ پوری تصریح کیسا تھا مذکور ہے، حضرت عیسیٰ نے صدوقیوں کے مقابلہ میں تورات کی ایک آیت سے حیات اخروی کا ثبوت پیش کیا ہے اور مکاشفات یوحنا میں قیامت کے احوال و احوال کی پوری تفصیل و تشریح مذکور ہے، ہندو پرلے کے نام سے اس عقیدہ (دنائے عالم) پر یقین رکھتے ہیں، لیکن اس حقیقت کی کامل تشریح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انجام کو پہنچی ہے۔

قیامت کے نام [کسی نئے کی حقیقت کی اولین گرہ کشائی، اس کے ناموں کی تشریح سے ہوتی ہے، قرآن پاک میں قیامت کو بیسیوں ناموں سے یاد کیا گیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک نام اس کے ایک خاص پہلو کو نمایاں اور ظاہر کرتا ہے، قرآن میں اس کا سب سے پہلا نام جو سب سے پہلی سورہ میں، وہ یوم الدین ہے، یعنی جزا کا دن، جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمومی جزا اور جزائی عدالت کا دن ہوگا، اس کے علاوہ اس کے اور بھی بہت سے نام قرآن میں جا بجا ہیں:

السَّاعَةُ	وہ گھڑی (وہ مقررہ وقت)	يَوْمُ الْقِيَامَةِ	کترے ہونے کا دن (مرکز کترے ہونے کا دن)
الْيَوْمُ الْحَقُّ	پہچان دن جسکے آنے میں کوئی شک ہے	يَوْمٌ مُّغْلُومٌ	جانا ہوا دن، یا مقررہ دن۔
	اور جسکے فیصلہ میں کوئی غلطی ہوگی،	الْوَقْتُ الْمَعْلُومُ	جانا ہوا وقت یا مقررہ وقت۔
الْيَوْمُ الْمَوْعُودُ	موعودہ دن۔	الْيَوْمُ الْآخِرُ	پچھلا دن۔
يَوْمُ الْوِزْقَةِ	قریب آنی والی مصیبت کا دن۔	يَوْمٌ عَسِيرٌ	ایک سخت دن۔
يَوْمٌ عَظِيمٌ	ایک بڑا دن	يَوْمٌ عَصِيبٌ	سخت دن۔
يَوْمُ الْبَعْثِ	جی اٹھنے کا دن		
يَوْمُ التَّلَاقِ	باہم ملنے کا دن	يَوْمُ التَّنَادِ	پکار کا دن
يَوْمُ الْجُمُعِ	اکٹھے ہونے کا دن	يَوْمُ الْحِجَابِ	حجاب کا دن
يَوْمُ الْحُسْرَةِ	حسرت کا دن	يَوْمُ الْخُرُوجِ	قروں سے نکلنے کا دن
يَوْمُ الْفُصْلِ	فیصلہ کا دن	الْقَارِعَةُ	کتر کھڑانے والی
الْيَوْمُ الْآخِرُ	چھا جانے والی	الْطَّامَةُ الْكُبْرَى	بڑی مصیبت
النَّارُ الْعَظِيمُ	بڑی خبر	الْحَاقَّةُ	ہزوا آنی والی گھڑی

لہ زبور ۱۰۹-۱۱۰، ۱۱۱-۱۱۲، ۱۱۳-۱۱۴، ۱۱۵-۱۱۶، ۱۱۷-۱۱۸، ۱۱۹-۱۲۰، ۱۲۱-۱۲۲، ۱۲۳-۱۲۴، ۱۲۵-۱۲۶، ۱۲۷-۱۲۸، ۱۲۹-۱۳۰، ۱۳۱-۱۳۲، ۱۳۳-۱۳۴، ۱۳۵-۱۳۶، ۱۳۷-۱۳۸، ۱۳۹-۱۴۰، ۱۴۱-۱۴۲، ۱۴۳-۱۴۴، ۱۴۵-۱۴۶، ۱۴۷-۱۴۸، ۱۴۹-۱۵۰، ۱۵۱-۱۵۲، ۱۵۳-۱۵۴، ۱۵۵-۱۵۶، ۱۵۷-۱۵۸، ۱۵۹-۱۶۰، ۱۶۱-۱۶۲، ۱۶۳-۱۶۴، ۱۶۵-۱۶۶، ۱۶۷-۱۶۸، ۱۶۹-۱۷۰، ۱۷۱-۱۷۲، ۱۷۳-۱۷۴، ۱۷۵-۱۷۶، ۱۷۷-۱۷۸، ۱۷۹-۱۸۰، ۱۸۱-۱۸۲، ۱۸۳-۱۸۴، ۱۸۵-۱۸۶، ۱۸۷-۱۸۸، ۱۸۹-۱۹۰، ۱۹۱-۱۹۲، ۱۹۳-۱۹۴، ۱۹۵-۱۹۶، ۱۹۷-۱۹۸، ۱۹۹-۲۰۰، ۲۰۱-۲۰۲، ۲۰۳-۲۰۴، ۲۰۵-۲۰۶، ۲۰۷-۲۰۸، ۲۰۹-۲۱۰، ۲۱۱-۲۱۲، ۲۱۳-۲۱۴، ۲۱۵-۲۱۶، ۲۱۷-۲۱۸، ۲۱۹-۲۲۰، ۲۲۱-۲۲۲، ۲۲۳-۲۲۴، ۲۲۵-۲۲۶، ۲۲۷-۲۲۸، ۲۲۹-۲۳۰، ۲۳۱-۲۳۲، ۲۳۳-۲۳۴، ۲۳۵-۲۳۶، ۲۳۷-۲۳۸، ۲۳۹-۲۴۰، ۲۴۱-۲۴۲، ۲۴۳-۲۴۴، ۲۴۵-۲۴۶، ۲۴۷-۲۴۸، ۲۴۹-۲۵۰، ۲۵۱-۲۵۲، ۲۵۳-۲۵۴، ۲۵۵-۲۵۶، ۲۵۷-۲۵۸، ۲۵۹-۲۶۰، ۲۶۱-۲۶۲، ۲۶۳-۲۶۴، ۲۶۵-۲۶۶، ۲۶۷-۲۶۸، ۲۶۹-۲۷۰، ۲۷۱-۲۷۲، ۲۷۳-۲۷۴، ۲۷۵-۲۷۶، ۲۷۷-۲۷۸، ۲۷۹-۲۸۰، ۲۸۱-۲۸۲، ۲۸۳-۲۸۴، ۲۸۵-۲۸۶، ۲۸۷-۲۸۸، ۲۸۹-۲۹۰، ۲۹۱-۲۹۲، ۲۹۳-۲۹۴، ۲۹۵-۲۹۶، ۲۹۷-۲۹۸، ۲۹۹-۳۰۰، ۳۰۱-۳۰۲، ۳۰۳-۳۰۴، ۳۰۵-۳۰۶، ۳۰۷-۳۰۸، ۳۰۹-۳۱۰، ۳۱۱-۳۱۲، ۳۱۳-۳۱۴، ۳۱۵-۳۱۶، ۳۱۷-۳۱۸، ۳۱۹-۳۲۰، ۳۲۱-۳۲۲، ۳۲۳-۳۲۴، ۳۲۵-۳۲۶، ۳۲۷-۳۲۸، ۳۲۹-۳۳۰، ۳۳۱-۳۳۲، ۳۳۳-۳۳۴، ۳۳۵-۳۳۶، ۳۳۷-۳۳۸، ۳۳۹-۳۴۰، ۳۴۱-۳۴۲، ۳۴۳-۳۴۴، ۳۴۵-۳۴۶، ۳۴۷-۳۴۸، ۳۴۹-۳۵۰، ۳۵۱-۳۵۲، ۳۵۳-۳۵۴، ۳۵۵-۳۵۶، ۳۵۷-۳۵۸، ۳۵۹-۳۶۰، ۳۶۱-۳۶۲، ۳۶۳-۳۶۴، ۳۶۵-۳۶۶، ۳۶۷-۳۶۸، ۳۶۹-۳۷۰، ۳۷۱-۳۷۲، ۳۷۳-۳۷۴، ۳۷۵-۳۷۶، ۳۷۷-۳۷۸، ۳۷۹-۳۸۰، ۳۸۱-۳۸۲، ۳۸۳-۳۸۴، ۳۸۵-۳۸۶، ۳۸۷-۳۸۸، ۳۸۹-۳۹۰، ۳۹۱-۳۹۲، ۳۹۳-۳۹۴، ۳۹۵-۳۹۶، ۳۹۷-۳۹۸، ۳۹۹-۴۰۰، ۴۰۱-۴۰۲، ۴۰۳-۴۰۴، ۴۰۵-۴۰۶، ۴۰۷-۴۰۸، ۴۰۹-۴۱۰، ۴۱۱-۴۱۲، ۴۱۳-۴۱۴، ۴۱۵-۴۱۶، ۴۱۷-۴۱۸، ۴۱۹-۴۲۰، ۴۲۱-۴۲۲، ۴۲۳-۴۲۴، ۴۲۵-۴۲۶، ۴۲۷-۴۲۸، ۴۲۹-۴۳۰، ۴۳۱-۴۳۲، ۴۳۳-۴۳۴، ۴۳۵-۴۳۶، ۴۳۷-۴۳۸، ۴۳۹-۴۴۰، ۴۴۱-۴۴۲، ۴۴۳-۴۴۴، ۴۴۵-۴۴۶، ۴۴۷-۴۴۸، ۴۴۹-۴۵۰، ۴۵۱-۴۵۲، ۴۵۳-۴۵۴، ۴۵۵-۴۵۶، ۴۵۷-۴۵۸، ۴۵۹-۴۶۰، ۴۶۱-۴۶۲، ۴۶۳-۴۶۴، ۴۶۵-۴۶۶، ۴۶۷-۴۶۸، ۴۶۹-۴۷۰، ۴۷۱-۴۷۲، ۴۷۳-۴۷۴، ۴۷۵-۴۷۶، ۴۷۷-۴۷۸، ۴۷۹-۴۸۰، ۴۸۱-۴۸۲، ۴۸۳-۴۸۴، ۴۸۵-۴۸۶، ۴۸۷-۴۸۸، ۴۸۹-۴۹۰، ۴۹۱-۴۹۲، ۴۹۳-۴۹۴، ۴۹۵-۴۹۶، ۴۹۷-۴۹۸، ۴۹۹-۵۰۰، ۵۰۱-۵۰۲، ۵۰۳-۵۰۴، ۵۰۵-۵۰۶، ۵۰۷-۵۰۸، ۵۰۹-۵۱۰، ۵۱۱-۵۱۲، ۵۱۳-۵۱۴، ۵۱۵-۵۱۶، ۵۱۷-۵۱۸، ۵۱۹-۵۲۰، ۵۲۱-۵۲۲، ۵۲۳-۵۲۴، ۵۲۵-۵۲۶، ۵۲۷-۵۲۸، ۵۲۹-۵۳۰، ۵۳۱-۵۳۲، ۵۳۳-۵۳۴، ۵۳۵-۵۳۶، ۵۳۷-۵۳۸، ۵۳۹-۵۴۰، ۵۴۱-۵۴۲، ۵۴۳-۵۴۴، ۵۴۵-۵۴۶، ۵۴۷-۵۴۸، ۵۴۹-۵۵۰، ۵۵۱-۵۵۲، ۵۵۳-۵۵۴، ۵۵۵-۵۵۶، ۵۵۷-۵۵۸، ۵۵۹-۵۶۰، ۵۶۱-۵۶۲، ۵۶۳-۵۶۴، ۵۶۵-۵۶۶، ۵۶۷-۵۶۸، ۵۶۹-۵۷۰، ۵۷۱-۵۷۲، ۵۷۳-۵۷۴، ۵۷۵-۵۷۶، ۵۷۷-۵۷۸، ۵۷۹-۵۸۰، ۵۸۱-۵۸۲، ۵۸۳-۵۸۴، ۵۸۵-۵۸۶، ۵۸۷-۵۸۸، ۵۸۹-۵۹۰، ۵۹۱-۵۹۲، ۵۹۳-۵۹۴، ۵۹۵-۵۹۶، ۵۹۷-۵۹۸، ۵۹۹-۶۰۰، ۶۰۱-۶۰۲، ۶۰۳-۶۰۴، ۶۰۵-۶۰۶، ۶۰۷-۶۰۸، ۶۰۹-۶۱۰، ۶۱۱-۶۱۲، ۶۱۳-۶۱۴، ۶۱۵-۶۱۶، ۶۱۷-۶۱۸، ۶۱۹-۶۲۰، ۶۲۱-۶۲۲، ۶۲۳-۶۲۴، ۶۲۵-۶۲۶، ۶۲۷-۶۲۸، ۶۲۹-۶۳۰، ۶۳۱-۶۳۲، ۶۳۳-۶۳۴، ۶۳۵-۶۳۶، ۶۳۷-۶۳۸، ۶۳۹-۶۴۰، ۶۴۱-۶۴۲، ۶۴۳-۶۴۴، ۶۴۵-۶۴۶، ۶۴۷-۶۴۸، ۶۴۹-۶۵۰، ۶۵۱-۶۵۲، ۶۵۳-۶۵۴، ۶۵۵-۶۵۶، ۶۵۷-۶۵۸، ۶۵۹-۶۶۰، ۶۶۱-۶۶۲، ۶۶۳-۶۶۴، ۶۶۵-۶۶۶، ۶۶۷-۶۶۸، ۶۶۹-۶۷۰، ۶۷۱-۶۷۲، ۶۷۳-۶۷۴، ۶۷۵-۶۷۶، ۶۷۷-۶۷۸، ۶۷۹-۶۸۰، ۶۸۱-۶۸۲، ۶۸۳-۶۸۴، ۶۸۵-۶۸۶، ۶۸۷-۶۸۸، ۶۸۹-۶۹۰، ۶۹۱-۶۹۲، ۶۹۳-۶۹۴، ۶۹۵-۶۹۶، ۶۹۷-۶۹۸، ۶۹۹-۷۰۰، ۷۰۱-۷۰۲، ۷۰۳-۷۰۴، ۷۰۵-۷۰۶، ۷۰۷-۷۰۸، ۷۰۹-۷۱۰، ۷۱۱-۷۱۲، ۷۱۳-۷۱۴، ۷۱۵-۷۱۶، ۷۱۷-۷۱۸، ۷۱۹-۷۲۰، ۷۲۱-۷۲۲، ۷۲۳-۷۲۴، ۷۲۵-۷۲۶، ۷۲۷-۷۲۸، ۷۲۹-۷۳۰، ۷۳۱-۷۳۲، ۷۳۳-۷۳۴، ۷۳۵-۷۳۶، ۷۳۷-۷۳۸، ۷۳۹-۷۴۰، ۷۴۱-۷۴۲، ۷۴۳-۷۴۴، ۷۴۵-۷۴۶، ۷۴۷-۷۴۸، ۷۴۹-۷۵۰، ۷۵۱-۷۵۲، ۷۵۳-۷۵۴، ۷۵۵-۷۵۶، ۷۵۷-۷۵۸، ۷۵۹-۷۶۰، ۷۶۱-۷۶۲، ۷۶۳-۷۶۴، ۷۶۵-۷۶۶، ۷۶۷-۷۶۸، ۷۶۹-۷۷۰، ۷۷۱-۷۷۲، ۷۷۳-۷۷۴، ۷۷۵-۷۷۶، ۷۷۷-۷۷۸، ۷۷۹-۷۸۰، ۷۸۱-۷۸۲، ۷۸۳-۷۸۴، ۷۸۵-۷۸۶، ۷۸۷-۷۸۸، ۷۸۹-۷۹۰، ۷۹۱-۷۹۲، ۷۹۳-۷۹۴، ۷۹۵-۷۹۶، ۷۹۷-۷۹۸، ۷۹۹-۸۰۰، ۸۰۱-۸۰۲، ۸۰۳-۸۰۴، ۸۰۵-۸۰۶، ۸۰۷-۸۰۸، ۸۰۹-۸۱۰، ۸۱۱-۸۱۲، ۸۱۳-۸۱۴، ۸۱۵-۸۱۶، ۸۱۷-۸۱۸، ۸۱۹-۸۲۰، ۸۲۱-۸۲۲، ۸۲۳-۸۲۴، ۸۲۵-۸۲۶، ۸۲۷-۸۲۸، ۸۲۹-۸۳۰، ۸۳۱-۸۳۲، ۸۳۳-۸۳۴، ۸۳۵-۸۳۶، ۸۳۷-۸۳۸، ۸۳۹-۸۴۰، ۸۴۱-۸۴۲، ۸۴۳-۸۴۴، ۸۴۵-۸۴۶، ۸۴۷-۸۴۸، ۸۴۹-۸۵۰، ۸۵۱-۸۵۲، ۸۵۳-۸۵۴، ۸۵۵-۸۵۶، ۸۵۷-۸۵۸، ۸۵۹-۸۶۰، ۸۶۱-۸۶۲، ۸۶۳-۸۶۴، ۸۶۵-۸۶۶، ۸۶۷-۸۶۸، ۸۶۹-۸۷۰، ۸۷۱-۸۷۲، ۸۷۳-۸۷۴، ۸۷۵-۸۷۶، ۸۷۷-۸۷۸، ۸۷۹-۸۸۰، ۸۸۱-۸۸۲، ۸۸۳-۸۸۴، ۸۸۵-۸۸۶، ۸۸۷-۸۸۸، ۸۸۹-۸۹۰، ۸۹۱-۸۹۲، ۸۹۳-۸۹۴، ۸۹۵-۸۹۶، ۸۹۷-۸۹۸، ۸۹۹-۹۰۰، ۹۰۱-۹۰۲، ۹۰۳-۹۰۴، ۹۰۵-۹۰۶، ۹۰۷-۹۰۸، ۹۰۹-۹۱۰، ۹۱۱-۹۱۲، ۹۱۳-۹۱۴، ۹۱۵-۹۱۶، ۹۱۷-۹۱۸، ۹۱۹-۹۲۰، ۹۲۱-۹۲۲، ۹۲۳-۹۲۴، ۹۲۵-۹۲۶، ۹۲۷-۹۲۸، ۹۲۹-۹۳۰، ۹۳۱-۹۳۲، ۹۳۳-۹۳۴، ۹۳۵-۹۳۶، ۹۳۷-۹۳۸، ۹۳۹-۹۴۰، ۹۴۱-۹۴۲، ۹۴۳-۹۴۴، ۹۴۵-۹۴۶، ۹۴۷-۹۴۸، ۹۴۹-۹۵۰، ۹۵۱-۹۵۲، ۹۵۳-۹۵۴، ۹۵۵-۹۵۶، ۹۵۷-۹۵۸، ۹۵۹-۹۶۰، ۹۶۱-۹۶۲، ۹۶۳-۹۶۴، ۹۶۵-۹۶۶، ۹۶۷-۹۶۸، ۹۶۹-۹۷۰، ۹۷۱-۹۷۲، ۹۷۳-۹۷۴، ۹۷۵-۹۷۶، ۹۷۷-۹۷۸، ۹۷۹-۹۸۰، ۹۸۱-۹۸۲، ۹۸۳-۹۸۴، ۹۸۵-۹۸۶، ۹۸۷-۹۸۸، ۹۸۹-۹۹۰، ۹۹۱-۹۹۲، ۹۹۳-۹۹۴، ۹۹۵-۹۹۶، ۹۹۷-۹۹۸، ۹۹۹-۱۰۰۰، ۱۰۰۱-۱۰۰۲، ۱۰۰۳-۱۰۰۴، ۱۰۰۵-۱۰۰۶، ۱۰۰۷-۱۰۰۸، ۱۰۰۹-۱۰۱۰، ۱۰۱۱-۱۰۱۲، ۱۰۱۳-۱۰۱۴، ۱۰۱۵-۱۰۱۶، ۱۰۱۷-۱۰۱۸، ۱۰۱۹-۱۰۲۰، ۱۰۲۱-۱۰۲۲، ۱۰۲۳-۱۰۲۴، ۱۰۲۵-۱۰۲۶، ۱۰۲۷-۱۰۲۸، ۱۰۲۹-۱۰۳۰، ۱۰۳۱-۱۰۳۲، ۱۰۳۳-۱۰۳۴، ۱۰۳۵-۱۰۳۶، ۱۰۳۷-۱۰۳۸، ۱۰۳۹-۱۰۴۰، ۱۰۴۱-۱۰۴۲، ۱۰۴۳-۱۰۴۴، ۱۰۴۵-۱۰۴۶، ۱۰۴۷-۱۰۴۸، ۱۰۴۹-۱۰۵۰، ۱۰۵۱-۱۰۵۲، ۱۰۵۳-۱۰۵۴، ۱۰۵۵-۱۰۵۶، ۱۰۵۷-۱۰۵۸، ۱۰۵۹-۱۰۶۰، ۱۰۶۱-۱۰۶۲، ۱۰۶۳-۱۰۶۴، ۱۰۶۵-۱۰۶۶، ۱۰۶۷-۱۰۶۸، ۱۰۶۹-۱۰۷۰، ۱۰۷۱-۱۰۷۲، ۱۰۷۳-۱۰۷۴، ۱۰۷۵-۱۰۷۶، ۱۰۷۷-۱۰۷۸، ۱۰۷۹-۱۰۸۰، ۱۰۸۱-۱۰۸۲، ۱۰۸۳-۱۰۸۴، ۱۰۸۵-۱۰۸۶، ۱۰۸۷-۱۰۸۸، ۱۰۸۹-۱۰۹۰، ۱۰۹۱-۱۰۹۲، ۱۰۹۳-۱۰۹۴، ۱۰۹۵-۱۰۹۶، ۱۰۹۷-۱۰۹۸، ۱۰۹۹-۱۱۰۰، ۱۱۰۱-۱۱۰۲، ۱۱۰۳-۱۱۰۴، ۱۱۰۵-۱۱۰۶، ۱۱۰۷-۱۱۰۸، ۱۱۰۹-۱۱۱۰، ۱۱۱۱-۱۱۱۲، ۱۱۱۳-۱۱۱۴، ۱۱۱۵-۱۱۱۶، ۱۱۱۷-۱۱۱۸، ۱۱۱۹-۱۱۲۰، ۱۱۲۱-۱۱۲۲، ۱۱۲۳-۱۱۲۴، ۱۱۲۵-۱۱۲۶، ۱۱۲۷-۱۱۲۸، ۱۱۲۹-۱۱۳۰، ۱۱۳۱-۱۱۳۲، ۱۱۳۳-۱۱۳۴، ۱۱۳۵-۱۱۳۶، ۱۱۳۷-۱۱۳۸، ۱۱۳۹-۱۱۴۰، ۱۱۴۱-۱۱۴۲، ۱۱۴۳-۱۱۴۴، ۱۱۴۵-۱۱۴۶، ۱۱۴۷-۱۱۴۸، ۱۱۴۹-۱۱۵۰، ۱۱۵۱-۱۱۵۲، ۱۱۵۳-۱۱۵۴، ۱۱۵۵-۱۱۵۶، ۱۱۵۷-۱۱۵۸، ۱۱۵۹-۱۱۶۰، ۱۱۶۱-۱۱۶۲، ۱۱۶۳-۱۱۶۴، ۱۱۶۵-۱۱۶۶، ۱۱۶۷-۱۱۶۸، ۱۱۶۹-۱۱۷۰، ۱۱۷۱-۱۱۷۲، ۱۱۷۳-۱۱۷۴، ۱۱۷۵-۱۱۷۶، ۱۱۷۷-۱۱۷۸، ۱۱۷۹-۱۱۸۰، ۱۱۸۱-۱۱۸۲، ۱۱۸۳-۱۱۸۴، ۱۱۸۵-۱۱۸۶، ۱۱۸۷-۱۱۸۸، ۱۱۸۹-۱۱۹۰، ۱۱۹۱-۱۱۹۲، ۱۱۹۳-۱۱۹۴، ۱۱۹۵-۱۱۹۶، ۱۱۹۷-۱۱۹۸، ۱۱۹۹-۱۲۰۰، ۱۲۰۱-۱۲۰۲، ۱۲۰۳-۱۲۰۴، ۱۲۰۵-۱۲۰۶، ۱۲۰۷-۱۲۰۸، ۱۲۰۹-۱۲۱۰، ۱۲۱۱-۱۲۱۲، ۱۲۱۳-۱۲۱۴، ۱۲۱۵-۱۲۱۶، ۱۲۱۷-۱۲۱۸، ۱۲۱۹-۱۲۲۰، ۱۲۲۱-۱۲۲۲، ۱۲۲۳-۱۲۲۴، ۱۲۲۵-۱۲۲۶، ۱۲۲۷-۱۲۲۸، ۱۲۲۹-۱۲۳۰، ۱۲۳۱-۱۲۳۲، ۱۲۳۳-۱۲۳۴، ۱۲۳۵-۱۲۳۶، ۱۲۳۷-۱۲۳۸، ۱۲۳۹-۱۲۴۰، ۱۲۴۱-۱۲۴۲، ۱۲۴۳-۱۲۴۴، ۱۲۴۵-۱۲۴۶، ۱۲۴۷-۱۲۴۸، ۱۲۴۹-۱۲۵۰، ۱۲۵۱-۱۲۵۲، ۱۲۵۳-۱۲۵۴، ۱۲۵۵-۱۲۵۶، ۱۲۵۷-۱۲۵۸، ۱۲۵۹-۱۲۶۰، ۱۲۶۱-۱۲۶۲، ۱۲۶۳-۱۲۶۴، ۱۲۶۵-۱۲۶۶، ۱۲۶۷-۱۲۶۸، ۱۲۶۹-۱۲۷۰، ۱۲۷۱-۱۲۷۲، ۱۲۷۳-۱۲۷۴، ۱۲۷۵-۱۲۷۶، ۱۲۷۷-۱۲۷۸، ۱۲۷۹-۱۲۸۰، ۱۲۸۱-۱۲۸۲، ۱۲۸۳-۱۲۸۴، ۱۲۸۵-۱۲۸۶، ۱۲۸۷-۱۲۸۸، ۱۲۸۹-۱۲۹۰، ۱۲۹۱-۱۲۹۲، ۱۲۹۳-۱۲۹۴، ۱۲۹۵-۱۲۹۶، ۱۲۹۷-۱۲۹۸، ۱۲۹۹-۱۳۰۰، ۱۳۰۱-۱۳۰۲، ۱۳۰۳-۱۳۰۴، ۱



الْوَعْدُ، وَعْدَهُ، الْوَقِيعَةُ، وَقُوعٌ بِذِي، أَمْرُ اللَّهِ، خُذَا كِبَاتِ، الصَّاحَّةُ، بِهَرَاكِرُنِي وَالْغُفْرِي،  
قیامت کے اوصاف | یہ تو وہ نام ہیں جو اسم مفرد یا صفت، یا صفت کی صورت میں ہیں، ان کے علاوہ  
 فقروں اور جملوں کی ترکیبوں کے ساتھ اس کے اور بھی بکثرت نام قرآن میں پائے ہیں، مثلاً،

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ دُفْعًا وَنَحْلُ وَطَلْعُ جِسْمٍ دَنُورِيٍّ كَمَا

يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ (مائدہ: ۳) جس دن بچوں کو ان کی سچائی کام دے گی۔

مَلَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (شعراء ۵۱) جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد۔

وَيَوْمَ يَعْصِيُ الْإِنسَانُ أَمْرًا عَلَىٰ يَدَيْهِ (فرقان: ۲۱) اور جس دن گنہگار اپنے دونوں ہاتھ چبائے گا۔

وَيَوْمَ تَشْقُقُ السَّمَاوُ (فرقان: ۳) اور جس دن آسمان پھٹے گا۔

﴿يَوْمَ يَقُومُ آلُ شِمَادٍ﴾ (مومن: ۶) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔

لَيَوْمَ لَا رَيْبَ فِيْهِ دَالِ عَمْرَانِ (۳۱) جس دن میں کوئی شک نہیں .

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مَدَنِيًّا، جس دن ہم ہر قوم سے ایک گروہ کو اکٹھا کریں گے۔

یَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (مطفئین) جس دن لوگ جہان کے پروردگار کے لیے کھڑے ہوں گے۔

يُخْرِجُونَ مِنْهُ الْأُجْدَافَ (قمر ۱۱) (جس دن) لوگ قبروں سے نکلیں گے

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَسَوْسِطَتِهِ وَوَلَدِهِ وَبَنَاتِهِ وَمَنْ جُلِيَ مَثَلُهُ بِذُنُوبِهِ يَصْحَبُ الْعَذَابُ أَلَيْسَ ذَلِكَ جَعَلَ لَهُمْ آيَةً

وَأَيُّهُمْ وَصَلَيْتُمْ وَبَنِيهِ عِيسَى (۱۱) اپنے بیٹوں سے جدا کیا۔

يَوْمَ لَا يَجْزِي الْفُلُ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا (بقبرہ ۱۲) جس دن کوئی شخص کسی کے کچھ بھی کام نہ کرے گا۔

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ رِئُوسُهُمْ (۳) جس دن ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا (انفطار: ۱۱) جس دن کوئی دوسرے کے لیے کچھ بھلا نہ کر سکے گا۔

یَوْمَ لَهُ يُعْطِي مَوْلٰی عَنْ مَوْلٰی شَيْئًا (دخان ۲۱) جس دن کوئی دوست کسی دوسرے دوست کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

الغرض یہ اور اسی قسم کے دوسرے اوصاف اس ہونا کہ دن کے بیان کیے گئے ہیں، جن سے اس عظیم الشان دن میں انسان

کی بیکسی، عاجزی اور اپنے اعمال کے سوا کسی دوسری چیز سے کام آنے سے قطعی مایوسی ظاہر کی گئی ہے۔

**قیامت میں فسادِ نظام ہوگا** | قیامت کے متعلق بعض متکلمین کو یہ شبہ ہوا ہے کہ وہ مادہ کے فنائے محض

یہ عدم محض کا نام ہے، حالانکہ یہ بات قرآنی تصریحات کے خلاف ہے قرآن پاک کی بیسیوں آیتوں میں قیامت کی جو

مصور چینی کسی ہے وہ تمام تر فنائے حیات اور آسمان و زمین کے نظام کی برہمی اور انکی تباہی کے خاکہ کے سوا کچھ اور

نہیں ہے، چنانچہ حسب ذیل آیات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ خود بخود سامنے آجائے گا۔

الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَا أَذْرَكَ مَا الْقَارِعَةُ

متنبہ کرنے والی اور کیا چیز ہے متنبہ کرنے والی، اور تم کو کس نے تیار

یَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ وَتَكُونُ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَأَخْرَجَتِ  
الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا  
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (زلزال: ۱)

جب زمین خوب ہلائی جائے گی، اور وہ اپنا بوجھ نکالے گی،  
اور انسان کہے گا، زمین کو کیا ہوا، اس دن وہ اپنی حالت  
بیان کرے گی۔

اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ، وَاذِنْتَ لِرَبِّهَا وَ

حَقَّتْ، وَإِذَا لَهُ رُضٌ مُدَّتْ، وَالْقَتَّ مَا فِيهَا

وَنَخَلْتُ، (انشقاق: ۱) ہے اسکو والد سگی اور خالی ہو جائے گی۔

اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكُوَاكِبُ  
 جَبَّ اَسْمَانُ مَجْجَجًا مِثْلَ سَوَابِقِ

اَلتَّحَرُّثُ، وَاِذَا الْبَحَارُ فَجُورَتْ، وَاِذَا الْقُبُورُ

بُعْثِرْتُ، عَلِمْتُ نَفْسٌ تَهَادَّتْ  
 کیے جا میں گئے، اس وقت روح نے جو کچھ پہلا اور نیچے بھیجا

وَأَخْرَجَ (الفطار: ۱) ہے اس کو جان لے گی۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَ اِذَا النُّجُومُ اُنْكَدَرَتْ  
جب آفتاب اندھیرا کیا جائے گا، جب ستارے تاریک

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (تکویر: ۱)

إِنَّمَا تُؤْنَسُونَ لَوَاقِعُ، فَإِذَا النُّجُومُ

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَآخَرَجَتْ

الْأَرْضِ أَتَقَالِمَهَا، وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۚ



فَاِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً  
كَالِدِّهَانِ (رحمن: ۲۰)  
اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَئِيسَ لَوْفَعَتِهَا كَاذِبَةٌ  
خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ  
رُجًّا وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً  
مُتَّبَعًا (واقعه: ۱۱)

وَفِي تَحْتِ السَّمَاءِ فَكَانَتْ اَبْوَابًا وَسُيِّرَتِ  
الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (نبأ: ۱۱)

غرض اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت صرف نظام عالم کی درجہ بندی اور دنیا کی حیات موجودہ کی تباہی کا نام ہے جس کے بعد ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنے گا اور پچھلی دنیا کے نتائج پر اس دنیا کی حکومت کا قانون جاری ہوگا۔

يَوْمَ يُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ  
السَّمَوَاتُ وَبُورُ وَابِلُهُ الْوَاحِدِ الْعَقَّارِ  
(ابراہیم: ۴۷)

**قیامت کی حقیقت** اگرچہ قرآن پاک میں متفرق طور پر اس ہولناک دن کے احوال و کیفیات کا ذکر گونا گوں آیتوں سے کیا گیا ہے، تاہم ایک خاص سورہ بھی اس نام سے اسمیں موجود ہے، جس میں نہایت اختصار و ایجاز کے باوجود انتہائی لمبغاز و وسعت ہے، چھوٹے چھوٹے فقرہ میں بڑے بڑے اور اہم سے اہم مطالب کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عقل ساکت اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے، اس سورہ کا آغاز ان آیتوں سے ہوتا ہے،

لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا اُقْسِمُ  
بِالنَّفْسِ الْوَّاهِمَةِ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ  
اَنْ لَّنْ جُمُعٌ عِظَامُهُ بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰی  
اَنْ نُّسَوِّیْ بَنَانَهُ بَلْ یُرِیدُ الْاِنْسَانُ لَیَفْجُرَ  
اَمَامَهُ یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمِ الْقِیَمَةِ فَاِذَا بَرَأَ  
الْبَصَرُ وَخَفَّتِ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ  
یَقُولُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفْرُ کَذَرَ لَا  
کَذَرَ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ  
یَنْبُئُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ  
وَآخَرَ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهِ

میں قیامت کے دن کی اور مٹا کر نیا لے نفس کی قسم کھاتا ہوں کہ کیا (انسان) سمجھتا ہے کہ ہم (اس کے مرنے کے بعد) اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکتے، کیونکہ نہیں، ہم تو اس کے پوروں کو درست کر سکتے ہیں، یہ نہیں بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ خدا کے سامنے ڈھٹائی کرے، پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے؟ تو جب نگاہ جو منہ لگے اور جانے نہ پوچھتا ہے، جلتے اور سونچا اور چاند لگتے کر دینے جائیں انسان اس دن کے گلاب کمان جگہ کی جگہ ہرگز نہیں کہیں بجا و نہیں اس دن تیرے پاس ہے جائے، اس دن انسان کو جو اس کے گئے بھیجا (عمل) اور جو بھیجے گا (مال و دولت) وہ بتایا جائیگا، بلکہ انسان اپنے حال کو آپ دیکھتا ہے،

بَصِيرَةً اَلَوْ لَوْ اَلْفَى مَسَا ذِیْنَا (رقیاضہ: ۱۱) اگرچہ وہ زبان سے بہانے تراشا کرے، ان میں سے پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے روز قیامت اور نفس توامہ کی کیے بعد دیکھ کر قسم کھانی ہے، نفس توامہ یعنی ملامت کر نیا لے نفس سے معصوم انسان کے اندر کا منیر ہے جو اس کے ہر بُرے کام کے وقت اندر ملگن و نامدم ہوتا ہے، اور اس کو اس کے اس کام پر ملامت کرتا ہے، آخری آیت میں اسی کیفیت منیر کو ان لفظوں میں ادا فرمایا، بلکہ انسان اپنے حال کو آپ ہی خوب جانتا ہے، اگرچہ وہ زبان سے اپنی برائیوں اور کوتاہیوں کے لیے سینکڑوں بہانے تراشا کرے انسان کی اس قلبی کیفیت کا نام نفس توامہ ہے۔

(۱) اجتماعیات کے عالم اچھی طرح جانتے ہیں کہ فرد اور جماعت کے احوال میں ایک خاص قسم کی مناسبت ہے جس طرح آدمی پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، بیمار ہوتا ہے، تندرست ہوتا ہے، گنگنا رہتا ہے، کھڑا ہوتا ہے، لیٹا ہوتا ہے، کھنٹا کرتا ہے، لکڑیاں ہوتا ہے، بنام ہوتا ہے، خاص طبعی قوانین کی مطابقت سے وہ قوت حاصل کرتا ہے اور انکی مخالفت وہ بیمار اور کمزور ہوتا ہے، پھر ایک خاص عمر کو پہنچ کر رفتہ رفتہ اس کے قوائے عمل مڑ پڑتے جاتے ہیں اور وہ مر جاتا ہے، بعینہ یہی تمام احوال جماعتوں اور قوموں کو بھی پیش آتے ہیں، وہ بھی پیدا ہوتی ہیں، بڑھتی ہیں، تندرست ہوتی ہیں، کمزور ہو جاتی ہیں، گنگنا رہتی ہیں، نیکو کار بنتی ہیں اور ایک خاص وقت اور عمر کو پہنچ کر ان کے عملی قوی کمزور و ضعیف جاتے ہیں اور وہ فنا ہوتی ہیں، دنیا میں اسی اصول پر ہزاروں قومیں پیدا ہو کر فنا ہو چکی ہیں، جن کے نام بھی تاریخ کے صفحات پر آج موجود نہیں ہیں تو جس اصول پر انسانی اور اشخاص کا مجموعہ جماعتیں اور جماعتوں کا مجموعہ اقوام پیدا ہوتی ہیں اور فنا ہوتی ہیں، کیا اسی اصول کے تمام اقوام عالم کا یہ مجموعہ جو پیدا ہوتا بڑھتا اور ترقی کرتا چلا جاتا ہے، کیا ایک دن فنا نہ ہو گا؟ محض کے آغوش میں جا کر رہنا ہو گا؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے قیامت کے ثبوت میں اکثر مادی و مادی و آل فرعون وغیرہ قوموں کی تباہی سے قیامت کی عمومی تباہی پر استدلال کیا ہے، اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

بہر حال اب جس طرح شخص کے اندر ایک نفس توامہ، یا منیر یا احساس ہے جو اس کے ہر بُرے فعل کے وقت اس کو ملامت کرتا اور اس کو گنگنا رہتا ہے اور جب کبھی وہ اپنے تمام مجموعی کارناموں پر نگاہ ڈالتا ہے، تو اپنے کو قصور وار جانتا اور گنگنا رہتا ہے، اسی طرح قوموں کا منیر بھی اپنے گناہوں پر پچھتا تا اور اپنی تقصیر کا نامدم اور کوتاہیوں پر مرنده ہوتا ہے، اور ٹھیک اسی طرح ہر پوری انسانیت بھی ایک دن اپنے افراد کے مجموعی کارناموں پر نامدم و پشیمان ہوگی اور اس کا منیر نفس توامہ بھی اس کو ملامت کرے گا، کائنات انسانی سے بڑھ کر خود کائنات ہی بھی اس پر جو اس کے اندر کیا گیا، اپنے خالق کے سامنے اپنی پشیمانی و ندامت کا اظہار کرے گی، اسی عمومی اعتراف قصور اور کلی ندامت و پشیمانی کا نام قیامت ہے اور اسی مناسبت سے سورہ بالا میں نفس توامہ در قیامت کو باہم ایک قسم یعنی شہادت میں کیجا کیا گیا ہے، اب اس تفصیل کی روشنی میں سوڈ مذکور کی آیتوں کو دوبارہ پڑھیے۔

۲۔ اس عالم کی ہر چیز پر اگر غور سے نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ وہ مستفاد عناصر و قوی کا مجموعہ ہے، ایسی ساری و گرمی، بیماری و تندرستی، بقا و فنا، اور دیگر ہر قسم کی مستفاد قوتیں و دلیت رکھی گئی ہیں، ان مستفاد قوتوں میں جب تک اعتدال قائم رہتا ہے، وہ چیز زندہ رہتی ہے، اور جب وقت یا اعتدال جاتا رہتا ہے، اسی لمحہ وہ فنا ہو جاتی ہے، ایک سخت میں ایک پھول



کھلا، سڑی و گرمی اور موسم کی تاثیر نے اس پر عمل کیا، جب تک ان متضاد و متاثرات و استعدادات میں اعتدال کی کیفیت رہی وہ پھول شگفتہ رہا، جس آن کسی ایک قوت نے شکست کھائی، پھول کی بہتی معرعن فنا میں گئی، یہی حال دنیا کی ہر چیز کا ہے اور اسی اصول پر افراد خاندان، جماعتیں، قومیں، بلکہ حیوانات، شجر، حجر، عرض دنیا کی ہر چیز چل رہی ہے۔

پوری کائنات بہتی کو لیجئے، اس کو خلاق عالم نے ان ہی متضاد عناصر و اخلاط پر قائم فرمایا ہے دن رات روشنی، تاریکی، سردی، گرمی، پانی، آگ، بہار، خزاں، تندہستی، بیماری، دولت، افلاس، حیات، موت، آسمان، زمین، نیکی، بدی، خیر، شر، غرض جس کو بھی دیکھو، یہی معلوم ہوگا کہ یہ اربع عناصر کی چار دیواری، متضاد قوی اور حالات کی بنیادوں پر قائم ہے ان میں جب تک اعتدال قائم ہے، اس نیکی کل چل رہی ہے، جس نے ان کے اعتدال میں فرق آیا وہی اس کی فنا کا دن ہوگا۔ لیکن جس طرح افراد و اشخاص میں بیماری کے بعد تندہستی اور تندہستی کے بعد بیماری کی صلاحیت موجود ہے، اسی

طرح اس نظام کائنات میں بھی تندہستی کے بعد بیماری اور بیماری کے بعد تندہستی کی صلاحیتیں باقی طاق ہیں کتنی دفعہ یہ اقدار پیش آیا ہے کہ دنیا ظلم و جور کبریز ہو گئی اور کشت و خون کے سیلاب اس کے امن کو غرق کر دیا کہ دفعہ وہ پھر ابھری، اور اس کا غرق شدہ امن و امان کشتی نوح بن کر کرہ ارضی کو بچا لیا، ہار ہا اس بارغ ہستی میں خزاں آئی، اور پھر بہار کا موسم اس پر چھا گیا، اجرام سماوی کی باہمی مسابقت میں ہماری زمین کئی دفعہ ٹکرا جانے کے قریب پہنچی اور پھر بال بال بچ گئی، یہ کترے اپنی رفتار میں بسا اوقات گرنے کے قریب پہنچے، کہ پھر سنبھل گئے، مگر فساد و صلاح کا یہ نظام اسی وقت تک چل رہا ہے، جب تک ان متضاد قوی اور کائنات کے استعدادات میں اعتدال قائم ہے، جس نے اعتدال فنا ہوگا نظام ارضی کا پورا کارخانہ بھی درہم برہم ہو جائے گا، اس وقت زمین اپنی عمر کی پوری تاریخ اور کارناموں کے ساتھ اپنے خالق کے سامنے کھڑی ہوگی اور اپنے اوپر کی ہر کوتاہی و قصور کی شہادت اپنی زبان سے دے گی۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَ اَخْرَجَتْ  
الْاَرْضُ اَنْفُسَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ  
تُخْرِجُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحَى لَهَا  
يَوْمَئِذٍ يُصْذَرُ النَّاسُ تَشْتَاتِلِبَرُ اَعْمَالُهُمْ  
فَمَنْ يَعْصِمْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْصِلْ  
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (زلزال: ۱)

جس وقت زمین ہلانی جائیگی، اور جبہ اندر کے بوجھ کو اگل  
دیگی، اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے، اس دن وہ  
اپنی باتیں بیان کریگی کہ اس کے پروردگار نے اس کو حکم  
دیا ہے، اس دن لوگ لوٹیں گے کہ اپنے عمل دیکھیں، تو جس  
کسی ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے  
ذرا برابر بدی کی ہے، وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔

**صور قیامت** | قرآن میں قیامت کے ذکر میں صور بھونکنے کا بار بار ذکر ہے، قَدْ اَفْخَحَ فِي الصُّورِ جِب  
صور بھونکنا جائیگا، صور کے لفظی معنی نرسنگھا کے ہیں، اصل یہ ہے کہ قدیم الایام میں بالیوں، کنفانیوں، آرمیوں اور جرنیلوں  
وغیرہ تمام بلتی قوموں میں بادشاہی جلال و جلوس اور اعلان جنگ کے موقع پر نرسنگھا بھونکا جاتا تھا، اسلئے نرسنگھا بھونکنے کے معنی  
شاہی جلال کا اظہار یا غیر معمولی خطرہ کا اعلان ہے، چنانچہ تورات میں یہ ماحورہ بکثرت استعمال کیا گیا ہے، قرآن میں ہے کہ  
اس دن مذا ہوگی لَمَنْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ آج کس کی بادشاہی، پھر اللہ تعالیٰ جو لہر لیکارِ اللہ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، اس ایک  
سبب غالب آئیوالے کی، غرض وہ دن آسمان و زمین و نظر کائنات کے شنشہ مطلق کے اظہار جلال اور شدید خطرہ حسا کے

اعلان کا ہوگا، اسلئے نفع صور اور نرسنگھا بھونکنے کا قدیم محاورہ اس کے لئے استعمال کیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ  
واقعہ اس دن اپنی شنشہ ہی کا نرسنگھا بھونکنے کا حکم دے اور اس کی تعمیل ہو، جیسا کہ صور کے لفظی معنی دلالت کرتے ہیں،

**عربوں کا انکار** | اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ قیامت اپنے اندر کتنی عظیم الشان حقیقت رکھتی ہے، لیکن اہل  
عرب کو توحید کے بعد جس عقیدے شدت کے ساتھ انکار تھا جسکے ماننے پر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے تھے، افغان  
کی عقل میں کسی طرح نہیں سماتا تھا، وہ یہی قیامت اور حشر و نشر کا مسئلہ ہے، جاہلی عرب حیات بعد الموت، خدا کے  
آگے اپنے اعمال کے مواخذہ و پریش اور سزا و جزا سے قطعاً لاعلم تھے، اسی لیے انکو اعمال کے غیر تیز و زنجی و بدین تیز بھی جس پر  
اخلاق معاش کا تمام تر دوار و مدار ہے، عرب کا شاعر انحضرت (علیہ السلام) کی اس تعلیم کو سن کر تعجب سے کہتا ہے کہ

اَمَوتَ ثُمَّ بَعَثَ ثُمَّ حَشَرَ، حدیث خرافہ یا اہمور، کیا موت ہے، پھر جی اٹھتا ہے، پھر اٹھا ہوتا ہے، اے ام عمر  
دشاعر کی ہوی کا نام، یہ سب خرافات باتیں ہیں، قریش کا ایک اور شاعر کہتا ہے، - يَحْذَرُ النَّاسُ النَّبِيَّ بَانَ سَخِيحٍ،  
وکیف حیات اصداء و کھام، یہ نبی ہم سے کہتا ہے کہ ہم پھر زندہ کیے جائیں گے، حالانکہ صدا اور بام کوکر پھر زندگی کیسی؟  
(انکا عقیدہ تھا کہ انسان مر کر پھر زندہ ہو جاتا ہے، اور آواز دیتا ہے، اسی کا نام انکے لوگوں صدہ اور لم تھا)  
قرآن مجید میں بھی ان کے یہ اقوال بکثرت نقل کیے گئے ہیں، مثلاً۔

اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَلِكُمْ رَجْعٌ لَّيْسَ  
اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَلِكُمْ رَجْعٌ لَّيْسَ  
عِظًا مَّا نَحْنُ بِرَبِّهِمْ (نزلت: ۱۰)  
اِذَا كُنَّا عِظًا مَّا وَرَفَانَا اِنَّا لَبُغُوتُونَ  
خَلْقًا جَدِيدًا (اسرائیل: ۵۰)

کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے یہ لوٹنا بہت دور ہے  
کیا ہم دوبارہ اٹے پاؤں لوٹنے جائیں گے کیا جب ہم  
سڑی ہوئی مٹی ہوں پھر رب کے پاس  
کیا جب ہم مٹی ہوں اور چورا ہو جائیں گے تو ہم بنا کر پھر  
اٹھائے جانے والے ہیں۔

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (یس: ۵)  
ان میں بعضوں کا عقیدہ دھریوں کی طرح تھا کہ یہ دنیا اسی طرح قائم رہے گی، موت و حیات کا یہی سلسلہ  
اسی طرح برابر جاری رہے گا اور اس دنیا وی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا  
وَمَا يُمْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ: ۲۰)  
وَقَالُوا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ  
بِصَبُوحِ شَيْءٍ (انعام: ۲۰)

انہوں نے کہا کہ یہی ہماری موجودہ زندگی ہے، دوسری  
نہیں، مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور زمانہ ہی ہم کو رہا ہے۔  
اور انہوں نے کہا یہی ہماری موجودہ زندگی ہے، ہم  
دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

انہیں اپنے اعمال کے حساب و مواخذہ کا بھی یقین نہ تھا،  
اِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا (بنہ: ۱۰۶)  
خدا، بن اللہ نہایت قدیم مسلمانوں میں ہیں، یہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے، ان کے کچھ دام قریش کے  
ایک شخص عاص بن دائل پر واجب الادا تھے، وہ جب جا کر تقاضا کرتے تو عاص کہتا جب تک تم محمد کا انکار نہ



کمر و گے میں تم کو کچھ زدوں گا۔ انہوں نے کہا یہ اس وقت نہیں ہو سکتا جب تک تم مرکز پھر جیو نہیں۔ اس نے کہا کیا مرکز مجھے پھر جینا بھی ہے؟ انہوں نے کہا "بیشک" اس مذاق سے کہا "تو ابھا پھر وہیں میرا مال و دولت اور سر و سامان ہوگا، وہیں تم دام بھی لے لیتا۔" اس سے اندازہ ہوگا کہ اس بارہ میں اہل عرب کا کفر کتنا شدید تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے توحید کے بعد جس عقیدہ کو سب سے زیادہ زور کے ساتھ پیش کیا وہ یہی تھا، قرآن مجید کی کئی سورتوں میں سب سے زیادہ اسی مضمون کو مختلف تعبیروں اور موثر طریقوں سے روزمرہ کے عینی مشاہدات اور دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ان میں ہیبت الہی، ہنگامہ قیامت اور حشر و نشر کے رستخیز کی ایسی تصویر کشی ہے کہ سننے والا ستر ہا اثر ہو جائے، انسان کے عجز و عقل کے قصور، خدا کی عظمت و قدرت اور کائنات کی حیرت انگیز خلقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ سامع ہر قدم پر لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے، پھر کائنات کی حیات ابدی، نعم جنت اور بہشت کی مسرتوں کا دوسرا منظر موت کی بے بسی، دنیا کی فنا، دوزخ کی ہشت اور عذاب الہی کی شدید کا ایسا ہولناک نقشہ کشی ہے کہ نفس انسانی اپنے تاثر کو چھپانے پر قادر نہیں رہتا۔

وحی الہی نے قیامت اور بہشت و دوزخ کے حالات و مناظر کو سب سے پہلے جن اسباب سے پیش کیا ہے ان کا اہل نظر صحابہؓ ناواقف تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے ایک بڑی سوتل نازل ہوئی، جس میں جنت و دوزخ کا بیان ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے، تب حلال حرام کے احکام نازل ہوئے اور اگر پہلے ہی یہ حکم اُترتا کہ شراب نہ پیو، بیکاری نہ کرو تو لوگ نہ مانتے، یہ آیت کہ قُلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اُذْهِبْ وَآهْمُ رَبُّكَ اَنَّهُ وَعْدُهُ كَاثِرٌ قِيَامَتِ كِي گھڑی ہے، اور قیامت کی گھڑی نہایت مصیبت کی اور تلخ ہوگی، مکہ معظمہ میں اُترتی اور میں اس وقت کس نے بھی سچی کھینچی تھی، بقرہ اور نساء کی سورتیں جن میں احکام ہیں، اس وقت اُتریں جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے لگی تھی۔

اس تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم محمدؐ نے اس حقیقت کو ایمان کے اصول و اساس میں کیوں داخل کیا ہے اگر یہ تعلیم عقائد میں داخل نہ ہوتی، تو دلوں میں اعمال کی جزا و سزا کی ہیبت اور عظمت نہ بیٹھتی اور نہ احکام الہی کی تعمیل کی طرف دلی بجا اور میل ہوتا بلکہ یہودیوں کی طرح جن کے صحیفوں میں زیادہ تر دنیاوی ہی جزا و سزا کا ذکر باقی رہ گیا ہے، دوسرا اہل ایمان کے دل بھی سخت اور تاثر سے خالی ہو جاتے ہیں، چنانچہ اس فلسفہ کو خود قرآن مجید نے بیان کیا ہے،

قَالَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ (نمل: ۳) تو جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے ان کے دل نہیں مانتے، اور وہ غرور میں مبتلا ہیں۔

اسی لیے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کریں جس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے، مَا لَكَ يَوْمَ الدِّينِ رُودِ جَزَاكَ مَا لَكَ "اسلام چاہتا ہے کہ یہ حقیقت اسکے پیروں کے دلوں میں پوری طرح گھر کر لے۔ قیامت پر قرآنی دلائل قرآن نے قیامت کی ضرورت پر تمام دوسری دلیلوں کو قطع نظر کر کے عموماً دو باتوں سے استدلال کیا ہے۔ اول یہ کہ انسان بے کار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا، اگر اس کے اعمال کا مواخذہ اور جزا و سزا نہ ہو تو خیر و شر اور نیکی و بدی کا فطری امتیاز لغو، اور انسانی زندگی تمام تر بے مقصد اس کے تمام کام بے نتیجہ ہو جائیں، اَحْسِبْتُمْ اَنَّا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَاَنَّا نَكْفُكُمْ (اسے لوگو!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا اور

لے صحیح بخاری تفسیر کیلئے صفحہ ۶۶۱ صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۴۸، باب تالیف القرآن :

اَلْاِنَّا نُرْجِعُكُمْ، (مومنون: ۶۶) تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنَّا يُتْرَكُ مُسَدًى (قیامہ: ۲۰) کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔

دوسری بات جو روز جزا کی ضرورت کے ثبوت میں قرآن نے پیش کی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عادل اور منصف ہونا ہے، اگر اچھے اور بُرے انسانوں کے اعمال کی جزا و سزا نہ ہو تو دونوں کا درجہ برابر ہو جائے، اور نیکی و بدی اور گناہ و ثواب کے کوئی معنی نہ رہیں، بلکہ خود باللہ خدا ظالم اور غیر منصف قرار پائے، اس موجودہ مادی دنیا میں بھی انسانوں کے اپنے اعمال کی کچھ نہ کچھ جزا ملتی ہے، تاہم یہ صاف نظر آتا ہے کہ بہت سے گنہگار، سیکار اور ظالم یہاں آرام اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں اور بہت سے نیکو کار، پرہیزگار اور اچھے لوگ مہینتیں اور تکلیفیں جھیلتے ہیں، اس لیے یقیناً یہ موجودہ زندگی اعمال کی جزا و سزا کی اصلی جگہ نہیں ہو سکتی، اس بنا پر دوسری زندگی کا ماننا ضروری ہے، جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا نتیجہ مل سکے، اس موجودہ دنیا میں دنیاوی حکام اپنے ناقص علم کے مطابق اچھل و بڑوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دیتے رہتے ہیں، پھر کتنا ضروری ہے کہ پوری دنیا کا عالم الغیب حاکم اپنے صحیح علم کی مطابق لوگوں کو جزا و سزا دیکر اپنے عدل و انصاف کا ثبوت دے، سورہ والتین میں اسی استدلال کی طرف اشارہ ہے۔

اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ، فَمَا  
يُكَذِّبُكَ بِالَّذِينَ اَلَيْسَ اللّٰهُ  
بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ، (التین: ۱۰)

لیکن جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے، ان کیلئے نہ خود ہو نوا لا اجر ہے، پھر اسکے بعد تمہ کو کیا چیز جزا پر یقین لانے نہیں دیتی، کیا اللہ تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں تمام فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں، اسی لیے قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ نیکے بڑا نتیجہ عمل کیسا نہیں ہو سکتا، ایک جگہ فرماتا ہے :-

اَمْ يَحْسَبُونَ اَنَّا نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص: ۲۱) کیا انکو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، انکی طرح کر دیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں، دوسری جگہ ارشاد ہوا :-

اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنَّا نَجْعَلُهُمْ كَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً  
لَحْيَاهُمْ وَمِمَّا تَهْتَفُ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (جاثیہ: ۲۰)

کیا انہوں نے جنہوں نے گناہ کلمے پر خیال کیا ہے، کہ ہم ان کو انکی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے، اور نیک کام کیے، ان دونوں کی زندگی اور موت برابر ہوگی، ان کا یہ خیال بُرا ہے، لوگوں کو روز جزا اور قیامت پر یقین کرنے سے جو وہم مانع تھا وہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد پھر کوئی جیسا نہیں تو قیامت کے دن کیونکر جلائے جائیں گے، یہ حقیقت میں استبعادی شہد ہے، یعنی چونکہ مکرر دوبارہ دنیا اب تک انسان کے تجربہ میں نہیں آیا اس لیے اسکو دوبارہ زندگی کا خیال مستبعد معلوم ہوتا ہے، ورنہ اسکے ان ہونی اور محال ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہیں ہے، وحی محمدیؐ نے اس گتھی کو اس طرح سلجھایا کہ کفار کے استبعاد کے وہم کو حسبِ بل مختلف طریقوں سے دور کر دیا۔

۱۔ مکرر جینے کے بعد تاریخی مثالیں پیش کیں، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت عزیرؑ اور اصحاب کعبہ کے قصوں میں مذکور



ہیں اور ان سے استدلال کیا، کہ جب چند آدمی یا پرندہ مکر جی سکتے ہیں تو پوری دنیا بھی مکر جی سکتی ہے۔

۲۔ جس طرح زمین گرمیوں میں خشک اور بے حیات ہو جاتی ہے، اور پھر دفتنا بارش کے ایک پھینٹے سے اس میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے، سبزہ نکل آتا ہے۔ کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، اسی طرح قدرت الہی کی ایک بارش زمین انسانی و فینوں کو اگلا دے گی، وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَنْثًا لَهَا وَاورِزِیْنِ اپنے اندر کے بوجھوں کو باہر نکال دے گی، اور دوبارہ نئی زندگی پیدا کر دے گی۔

۳۔ دوبارہ زندگی پر تعجب اور استبعاد اس لیے ہے کہ خدا کے دائرہ قدرت کی پوری وسعت ہماری سمجھ میں نہیں آئی، جس نے آسمان بنائے، زمین بنائی، آسمان سے پانی برسایا، مردہ زمین سے زندہ کھیتیاں، سبزہ اور درخت اگلے، اور پانی کے ایک قطرہ سے انسان بنایا، کیا وہ ان کے فنا کے بعد دوبارہ انکی ایجاد پر قادر نہیں؟

۴۔ حیات کا یہ تمام کارخانہ پہلے نیست و معدوم تھا، خدا نے اس کو ہست و موجود کیا، پھر رفتہ رفتہ اس کو معدوم کر دیا تو جس نے پہلے بغیر کسی سابق مثال کے اس کارخانے کو پیدا کیا، وہ کیا دوبارہ اس کو پیدا نہیں کر سکتا، جس نے نقش اول بنایا، نقش ثانی کھینچنے پر اس کو قدرت نہیں؟

۵۔ دنیا میں باری باری بہت سی قومیں وجود میں آئیں اور قوانین الہی کے مطابق انہوں نے جہانی زور و طاقت، مالی وسعت، اجتماعی اور تمدنی عظمت اور سیاسی قوت حاصل کی، بڑی بڑی عمارتیں بنائیں، عظیم الشان تمدن کی بنیاد ڈالی، قوموں کو اپنا محکوم بنا کر حکومت و سلطنت قائم کی، پھر جب انہوں نے غرور و نخوت ظلم و ستم اور دیگر قوانین الہی کی جو قوموں کی ہستی اور عظمت کی بقا کے لیے ضروری ہیں، مخالفت کی، تو وہ فنا کر دی گئیں اور ان کا نام و نشان بھی صفحہ ہستی سے مٹ گیا، عربوں سے سوال کیا کہ تمہارے عابد و ثمود جو کبھی بنو سام کے مالک عراق و شام و مصر و عرب پر چھائے ہوئے تھے، کیا ہوئے؟ سبا اور تبع کی عظیم الشان حکومتیں کیا ہوئیں؟ فرعون اور اس کی سلطنت کا کیا حال ہوا؟ قوم لوط اور قوم مدین کو زمین کیونکر نکل گئی؟

اَوَلَمْ یَسِیْروْا فِی الْاَرْضِ فِیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَنْزَلْنَا فِی الْاَرْضِ مِنْهُمْ اَلَمْ یَا تَكْفُرْ تَابَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَوْجٍ وَّ غَادَوْا ثَمُوْدَ وَاَلَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا یُفْلِحُوْنَ اَلَا اِنَّ اِلٰهَكُمْ دَاۤیْمًا یَّمُیْمٌ ۝۲۰

کیا زمین میں پہلے پھر نہیں کر دیکھتے کہ ان پہلوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے قوت اور زمین میں یادگاروں کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے۔

کیا نوح کی قوم اور عاد و ثمود کی اور جو ان کے بدلے، جنکو خدا ہی جانتا ہے، ان کی خبر تم کو معلوم نہیں ہوئی؟

یہ تو وہ قومیں ہیں جن کا قرآن نے ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں کتنی قوموں کے عروج و فنا کی داستانیں محفوظ ہیں، باقی اسیری، اکادمی اور مصری قومیں جو کبھی روئے زمین پر کوس لمن الملک بجاتی تھیں، ہزار ہا سال سے بے نشان ہیں، نارمن جیسے فاتح کیا ہوئے، یونانی اور رومی جو کبھی دنیا کے تنہا مالک بن گئے تھے، اب ان کا کہیں وجود ہے؟ مجوس جو رومیوں کے مقابل صدیوں تک برسر پیکار رہے، اب ان کی تعداد

چند ہزار سے زیادہ نہیں، امریکہ کے قدیم باشندے جو کبھی اس براعظم کے مالک تھے، اب فنا کے قریب ہیں۔ الغرض جس طرح افراد جی کر مر جاتے ہیں، جماعتیں وجود میں آ کر مٹ جاتی ہیں، قومیں پیدا ہو کر فنا ہو جاتی ہیں، اسی طرح پوری دنیا نے مخلوقات بھی ایک دن آئے گا، جب قانون الہی کے مطابق معدوم ہو جائے گی۔ جس طرح عوام جو قوموں کی تاریخ سے واقف نہیں، صرف افراد کو جیتے اور مرتے دیکھتے ہیں، وہ گویا افراد کی فنا کا یقین رکھتے ہیں، لیکن قوموں کی فنا کے مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے، اور اس میں شک کرتے ہیں، اسی طرح جن کی نظر دنیا نے خلق کی تاریخ پر نہیں وہ اس کے فنا کے کامل پر اپنی جہالت اور نادانی سے اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ ایک وہ دن آئے گا، جب پوری دنیا اپنے وجود کی صلاحیت سے محروم ہو کر فنا ہو جائے گی، کائنات کا نظام بدل جائے گا، اس موجودہ عالم کا قانون طبعی ایک دوسرے قانون طبعی سے منسوخ ہو جائے گا اور جیسا کہ سائنس کتاب اور قرآن نے نقشہ کھینچا ہے، آفتاب و مہتاب، ستارے اور تمام اجرام فلکی مٹ کر چور چور ہو جائیں گے، اور پوری دنیا کی عدالت قائم ہو کر نئی زمین اور نیا آسمان بنے گا۔

اَبُوْمُ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ یَبْرُزُ ذُو الْاِلٰہِ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ دَاۤیْمًا ۝۲۱

جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی اور مخلوق اکیلے زبردست خدا کے سامنے نکل کھڑی ہوگی،

سورہ ق میں قیامت پر استدلال ان ہی دلیلوں سے کیا گیا ہے :

ق۔ وَاَلْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ بَلْ یَعْجَبُوْنَ اَنْ یَّجَاۤءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ اِنَّا اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا جِذَاۤیْكَ رَجَعُۢمُ لَیْسَ عَلَیْنَا مَا نَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَاَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌۢ بَلْ كَذَّبُوْا بِاَلْحَقِّ لَمَّا جَاۤءَهُمْ فَهُمْ فِیْ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلٰی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنَاهَا وَرَبَّیْنَاهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ وَاَلَا رُءُوسُ مَذٰدِفُهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوٰسِیْ وَاَنْبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَہِیْجٍ تَبْصِرَةٌ وَّ ذِکْرٌ لِّی لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مُبٰرَکًا فَاَنْبَتْنَا بِهٖ حَبَّ وَاَلْحَصِیْدِ وَالتَّخْلُۢمُ بَسِیْطٌ لِّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ اَرَزَقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلَدًا مَّیْمَنًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ كَذٰلِكَ بَلَّغْنَاهُمْ قُوْمًا نُّوْجٍ وَّاَصْحٰبُ

قسم ہے اس بڑی شان والے قرآن کی جو مردہ دلوں کو زندہ کرے، ان کافروں کو عقلی انکار نہیں ہے، بلکہ ان کو اس پر تعجب ہے کہ ان میں ایک آدمی آکر ان کو قیامت کا ڈر سنا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ تعجب کی بات ہے کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہونگے) یہ دوبارہ لوٹنا تو دوزخ و عقل ہے خدا کہتا ہے یہ تعجب کی کیا بات ہے، محکوم معلوم کہ زمین ان (مردہ جنوں) کی کرتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ ہے، بلکہ بات یہ کہ ان کافروں کی سمجھنا دی، جب ان کے پاس آئی، پس وہ الجھی باتوں میں پڑ گئے کیا انہوں نے اپنے اوپر کے آسمانوں کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسکو کیا بنایا، اور کس طرح اسکو سجایا ہے کہ اس میں کس طرح نہیں اور زمین پھیلا ہے اور اس میں پہاڑ کے ٹکڑے لے اور اس میں قسم قسم کی رونق کی چیزیں اگائیں کہ ہر جوئے ہوئے والے بندہ کو اس سے سوچ ہو اور یاد آئے اور آسمان برکت پانی برسایا، پھر اس بارگاہ کے کھیت کا ناچ اگلے



الرَّسْمِ وَفَمُودُ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنٌ وَ  
إِخْوَانُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ ثَمُودَ  
كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدُ، أَفَعَبْنَا  
بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ  
خَلْقٍ جَدِيدٍ، (رق: ١١)

اور کھجور لڑکے لہجے درخت جن کے خوشنما و پرتلے ہیں یہ  
بندوں کو روزی پہنچانے کیلئے ہے، اور اس پانی سے  
مردہ آبادی کو ہم زندہ کرتے ہیں اسی طرح (قبروں سے)  
نکلنا ہوگا، اور کافروں پہلے نوح کی قوم، رس والوں اور  
ممود و عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے اور  
کے ہر ایک نے پیغمبر کو جھٹلایا، تو میری دھمکی پوری اُتر گیا، ہم  
ان کافروں کو از سر نو پیدائش میں خاک ہے۔

سورہ قیامت میں بھی اس کا بیان ہے، اس کی آخری آیتیں یہ ہیں :

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى  
الْمُيَكِّ نُلْفَةً قَبْلِ مِثْقَلِ ذَرَّةٍ  
ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُخَلَّاقِ سُوءٍ مُّجَعَلٍ مِنْهُ  
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ أَلَيْسَ ذَلِكَ  
بَقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَحْشِيَ الْمَوْتَىٰ (رقية: ٢١)

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی بیکار چیوڑا دیا جائے گا، کیا وہ پانی کی ایک ٹپکی ہونی بوند نہتی، پھر وہ بندھا ہوا خون ہوا، پھر خدائے اس کو بنایا اور اس کو ٹھیک کیا، پھر اس کو جوڑا کیا، یعنی نر اور مادہ کیا، کیا وہ خدا اس پر قادر نہیں کہ مرد و عورت کو دوبارہ جلائے۔

وَقَالُوا آءِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا  
أَلَمْ نُقَمِّ ثُنًى خَلَقْنَا جَدِيدًا أَوَلَمْ نَسِرُوا أَنَّا  
إِلَهُهُ الذِّكْرُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
قَالُوا عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ (بَنِي إِسْرَآئِيلَ: ١١)

اور وہ بولے کہ جب ہم ٹہری اور چورا ہو جائیں گے تو کیا پھر نئے بنا کر اٹھائے جائیں گے؟ کیا یہ سنیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ ان لوگوں کے مثل کو دوبارہ بھی بنا سکتا ہے،

[illegible]

اور خدا وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ خلق کر لیتا اور یہ دوبارہ خلق کرنا اس کے لیے آسان ہے، لوگو! اگر تم کو دوبارہ زندگی میں شک ہے تو ہم تو پہلے تم کو اسی مردہ مٹی سے پیدا کر چکے ہیں (پھر دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتے) شبہات کا کتنا مختصر جواب ہے۔

وہ بولا کون ان شرعی کھوکھلی ٹہریوں کو جلائے گا،

عرضِ وحی محمدی نے ہر پہلو سے کفار کے اس استعجاب اور استبعاد کو دور کیا، اور ان کو دوبارہ زندگی کا یقین دلایا۔  
حشرِ جسمانی | اس بحث پر لوگوں نے قیامت برپا کر رکھی ہے کہ یہ دوبارہ زندگی اسی گوشت و پوست کی حالت  
 میں، یا صرف روحانی ہوگی، جہاں جسم و جسمانیت کا مطلق گزرنہ ہوگا؟ قرآن پاک کی مختلف آیتیں مختلف پہلوؤں

کو پیش کرتی ہیں جن میں اشارۂ ہر قسم کی باتیں آجاتی ہیں تاہم قیامت کے متعلق اوپر کی آیتوں میں سے الکی ایک یہ نہ پر غور کرو، کفار کو تعجب ہے کہ کیا ہمارے جسم مر کر پھر جنے گا، کیا ہماری ان سٹری گلی ہڈیوں میں دوبارہ جان پڑے گی اور ہم قبروں سے نکل کر پھر اٹھ کھڑے ہوں گے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی زندگی کے علاوہ زندگی کا کوئی دوسرا مفہوم ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا، مگر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم تعجب کرو، اور انکار پر آمادہ نہ ہو کہ تمہارے یہ فنا شدہ جسم نہیں اٹھائے جائیں گے، اور زہتمداری ان بوسیدہ ہڈیوں میں روح چھوڑی جائے گی، بلکہ وہ تو سرسراہ روحانی زندگی ہوگی، کیونکہ جب دوبارہ جسمانی زندگی کا تخیل ان کے لیے ناقابل فہم تھا تو خالص روحانی زندگی کا تخیل تو اور بھی ان کے فہم سے بالاتر تھا اور اب بھی ہے کہ ہم اس مادی زندگی کے جلنے والے سرتاپا روحانی زندگی کے تصور سے بالکل عاجز ہیں، اس لیے مصلحتِ الہی اسی کی مقتضی تھی کہ وہ اصل واقعہ پر زور دے کہیے اور کیوں تعزیر نہ کرے، اور صاحبِ فہم کو اس کے فہم کے مطابق اس راز کو سمجھنے دے چنانچہ قرآنِ پاک کے اس اسلوب بیان کو اگر سمجھنا ہے تو ان آیتوں پر غور کرنا چاہیے :

وَقَالُوا عِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ بَلْ هُمْ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ كَفُورُونَ (سجہ: ۱)

اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں کھو جائیں گے کیا ہم نئی پیدائش میں پھر ہوں گے (خدا فرماتا ہے یہ کچھ نہیں بلکہ) یہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں۔

غور کرو کہ ان کی مادی معدومیت کے بعد مادی پیدائش کے پُر تعجب انکار پر اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ یہ  
شکوہ و شبہات اس لیے انکو پیش آتے ہیں کہ مرنے کے بعد خدا کی ملاقات اور اس کے سامنے ہونے سے ان کو انکار ہے  
اور خواہشی کو چھوڑ کر اصل مقصود یہی ہے کہ موت کے بعد اور آخرت میں خدا کے سامنے ہونے پر یقین رکھا جائے، اس سے  
ان کو کما مطلب کہ وہ کس طرح سوگا، خائیا اس کے بعد ہی فرمایا :

قُلْ يَتُوبُ إِلَهُكُمْ مُلْكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ  
فَإِنَّكُمْ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ (سجده: ۱۱)

جواب میں کہہ کہ ملک الموت جو تم پر متعین ہے وہ تمکو موت  
دینگا، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔

یہی ملاقات اور رجوع الی اللہ، اس عقیدہ مشترک کی اصل روح ہے،  
بات یہ ہے کہ ہم انہی باتوں کو سمجھ بوجھ سکتے ہیں، جن کی مثالیں اور نظیریں اس مادی دنیا میں ہماری نگاہوں سے  
گزر رہی ہیں، اور وہ عالم جو نگاہوں سے مستور بلکہ تصوّر سے بھی دور ہے، اس کی باتوں کو اس طرح سمجھنا  
کہ ہر سوال اور تذکرہ سوال سے ہم بے نیاز ہو جائیں، تقریباً ناممکن ہے، ان کے متعلق جو کچھ کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ  
اس دیدہ شہرستان وجود یعنی دنیا کے قیاس پر اس نادیدہ شہرستان بقا یعنی آخرت کا ہر نقشہ اور خاکہ بنایا اور سمجھایا  
جائے اور سی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم لے کیا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی قدرت پر یقین رکھتے ہیں، ان سے تو کچھ کہنا ہی نہیں، لیکن جو شخص حسابی حشر کا تصور اس لیے محال سمجھتا ہے کہ عام انسان نے کسی مردہ جسم کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا، تو اس کے نزدیک تنہا روحانی زندگی کا تخمیل تو اور بھی زیادہ محال ہونا چاہیے کیونکہ کسی انسان نے آج تک کسی انسان کو روحانی وجود میں نہیں دیکھا، بلکہ وہ سکا



تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں انسان زندگی کا تصور کرے تو جسم و شکل و اعضا کے ساتھ ہی کر لگائے مجھد ہو کر نہیں کرے گا۔  
موت جسم سے روح کی مفارقت کا نام ہے، اس لیے اگر یہ سچ ہے کہ قیامت میں نئی زندگی ملے گی تو ظاہر ہے کہ موت کے بعد کی کیفیت اور صورت سے کوئی انگ صورت اور کیفیت ہوگی، جس کا نام حیاتِ ثانیہ رکھا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ روح کا دوبارہ تعلق جسم کے ساتھ تسلیم کیا جائے، ورنہ غیر جسمانی زندگی تو قیامت کے پہلے بھی تھی، اب نئی بات کیا بڑھ گئی، جس کا نام حیاتِ ثانیہ رکھ دیا گیا۔

گور روح انسانی جسم کے اندر ہر فعل کی فاعل ہے، مگر فاعل کے فاعل بننے کے آلات اور اوزار کی بھی ضرورت ہوتی ہے جبکہ بغیر وہ اپنے فعل کے بجالانے سے مجبور رہتا ہے، اسی طرح روح اپنے فعل لذت والہ کے انجام دینے کے لیے جسمانی آلات اور اوزار کی محتاج ہے کہ لذت والہ کو کوئی روحانی احساس جسمانی شکل سے متبرک ہو کر ہو ہی نہیں سکتا، اس بنا پر روح محض کائنات کی تسبیح و تہلیل یا دوزخ کی تکلیفوں سے متاثر ہونا، کسی جسمانی وساطت کے بغیر تصور میں نہیں آتا، خواب میں دیکھ کر روح کو جلدت یا تکلیف پہنچتی ہے، اس میں بھی جسمانی پیکر و ہیکل کی صورت نمودار ہوتی ہے۔

**جسم و جسد** | حشر جسمانی ماننے کے بعد یہ بحث بے سود ہے کہ آیا وہی جسم دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائیگا، جسکے قاسمیں وہ روح پہلے دنیا میں رہی تھی، یا کسی دوسرے جسمانی پیکر میں وہ روح پھونکی جائیگی گی، یا یہ کہ آئندہ جسم اپنی مادیت اور ترکیب میں اسی دنیاوی جسم کے مماثل ہوگا جبکہ یہ حقیقت ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اعمال کی ذمہ داری روح پر ہے، جسم پر نہیں، اور اسی طرح جزا و سزا کی راحت و تکلیف کا اصلی مورد روح ہے جسم نہیں تو پھر اب وہ کسی قالب میں بھی ہو اور کسی رنگ میں بھی ہو، روح پر مواخذہ اور ثواب و عذاب کی لذت والہ کا احساس یکساں ہوگا، البتہ یہ ضروری ہے کہ جو جسم ہم کو دوسری دنیا میں ملے گا اس کی خصوصیات و لوازم اس خاکی جسم کے خصوصیات و لوازم سے بالکل الگ ہوں گے، چنانچہ خود ہمارے تخیل اور تصور اور نیز خواب و رویا میں جو جسم ہم کو نظر آتا ہے، وہ جسم ہو کر نظر آنے کے باوجود مادی جسمانیست سے سراسر یک ہو تا ہے، اس لیے لفظ جسم کے بولنے سے ان ہی خصوصیات کا جسم سمجھ لینا ضروری نہیں ہے، اور نہ اس جسم پر قیاس کر کے اس جسم پر اشکالات وارد کیے جاسکتے ہیں۔

**خلق جدید** | چنانچہ جو جسم قیامت میں منیت ہوگا، وہ نئی خلقت اور نئی آفرینش کا ممنون ہوگا، اسی لیے قرآن نے منکروں کے جواب میں یہ کہلے کہ، **بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ** (ق: ۱۱) بلکہ یہ لوگ نئی آفرینش سے تشک میں ہیں، منکرین کی زبان سے کھلوا یا:

**وَإِنَّا لَمُبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا** (اسراء: ۵۱) کیا ہم درحقیقت نئی آفرینش کر کے اٹھائے جائیں گے، ایک دوسری سورہ میں یہ یقین ہے:

**نَلْعَمُ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ** (سبا: ۱۱) بیشک تم ایک نئی آفرینش میں ہونے والے ہو۔

پھر تمہیں دے کر نسر پایا:

**كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ ثَبِيرًا** (انبیاء: ۱۰۷) جس طرح ہم پہلی پیدائش کا آغاز کیا، اسی طرح ہم سکو بار پائیں گے، اسی لیے اس عالم کی اس نئی خلقت و پیدائش والے جسم کو بعینہ اسی جسم کے مطابق سمجھنا صحیح نہیں ہے، اور نہ

اس خاکی جسم کے تمام خصوصیات کا بعینہ اس جسم میں ہونا ضروری ہے اس کو اگر اس عالم کے لفظ جسم سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس لیے کہ ہماری زبان میں روح کے خلاف و قالب کے لیے جسم سے بہتر، قریب تر اور مشابہ تر، کوئی دوسرا لفظ نہیں۔

یہ بات کہ حشر میں بعینہ گذشتہ گوشت و پوست کا ہونا اس لیے ضروری سمجھا جائے کہ وہ بھی عذاب و ثواب میں شریک ہوں، تصریح قرآنی پر اضافہ ہے، قرآن میں تو یہ تصریح ہے کہ

**إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ** بے شبہ جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے، ہم انکو آگ میں ڈالیں گے، جب انکی کھالیں یک جائیں گی ہم انکو در کھالیں گی گے جو پہلی کھالوں کی غیر ہوں گی تاکہ وہ عذاب چکھیں بیشک **غَيْرِ هَٰلَٰئِكَ وَفُتُوهُ الْعَذَابُ طَارَاتٍ** اللہ غالب اور حکمت والا ہے

جب کھالیں یکے بعد دیگرے بدلتی جائیں گی، تو یہاں حصہ جسم جو گناہ میں شریک تھا، کہاں باقی رہا، بسطرح یہ تصریح ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھالیں اس کے اعمال پر شہادت دیں گی، اس سے معلوم ہوا وہ اصلی مجرم جو ان اعمال کا ذمہ دار اور اس مقدمہ کا مدعا علیہ ہے، ان جسمانی اعضاء کے علاوہ ہے، اور وہ روح انسانی ہے۔

**ذمہ داری روح پر ہے** | یہی سبب ہے کہ موت و حیات، عذاب و ثواب اور اعمال کے مواخذہ کا اسلام نے جس سے تعلق بنایا ہے، وہ نفس یعنی روح ہے:

**أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسُرُنِي عَلَىٰ مَا قَرَّرْتُ** تو قیامت میں، کوئی نفس یہ کہنے لگے کہ اے افسوس **فِي جَهَنَّمَ** (نمل: ۶۱) اس پر کہ میں نے اللہ کے پہلو میں کمی کی،

**وَلَيَنْظُرَنَّ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِخَدِّهَا** اور چاہیے کہ ہر نفس دیکھے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے کیا آگے بھیجا،

**عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ** (زکویر: ۱) (اس دن) ہر نفس جان لیگا جو اس نے حاضر کیا،

**عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ** (انفطار: ۱) (اس دن) ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا،

**فَلَا تَظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا** (انبیاء: ۴۰) (تو اس دن) کسی نفس پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔

**عنت کی نسبت ہے:** **فَلَوْ تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُ مِنَ** کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے (جنت میں) کیا **قُرَّةِ أَعْيُنٍ** (سجدہ: ۲۰) آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔

ان آیتوں میں دیکھو کہ عمل کی ذمہ داری اور اس کے اچھے اور برے نتیجوں کا بار جسم پر نہیں بلکہ روح و نفس پر ڈالا گیا، اور اسی کو تکلیف و لذت سے آشنا کیا گیا ہے، جنت میں داخلہ کی خوشخبری بھی اسی کو دی گئی ہے۔

**فَأَوَّلُ خَلْقٍ ثَبِيرًا** اے مصلحین روح! میرے بندوں میں شامل امیر میری



## جَنَّتِ وَجَدَ (۱)

جنت میں داخل ہوجا

دنیاوی جسم بدلتے رہنے پر | عز من اعمال اور ان کے نتائج کی اصل ذمہ دار اور جنت و دوزخ کی لذت و بھی وہی جسم رہتا ہے | الم کی اصل احساس کرنے والی ہستی صرف روح ہے، اور جسم کی حیثیت صرف ایک لباس و آلہ احساس کی ہے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں یہ جسم لاکھ بار بدلے، مگر روح اگر وہی ہے تو وہ انسان وہی ہے، اور اسی کو اپنی ذمہ داری کی جزا و سزا مل رہی ہے،

لوگ اپنی ظاہر بینی سے اصل زور جسم پر دیتے ہیں، حالانکہ اس مٹی کے ڈھیر میں اگر روح کا خزانہ چھپا ہوا ہو تو پھر اس مشت خاک میں دھرا کیا ہے، دیکھو انسان بچپن سے لیکر بڑھاپے تک وہی ایک شخص ہے جو پہلے تھا حالانکہ اس کی جسمانی ہیئت اور اس کے جسم کا فائدہ ہر آن اور ہر لمحہ فنا ہو کر بدلتا رہتا ہے، بیماریوں میں وہ سوکھ کر کاشا ہو گیا، پھر تندرستی کے بعد نئے ذرات داخل ہو کر لہلاہے، تم غلطی سے یہ سمجھتے ہو کہ ہر حال میں وہی جسم یکساں طور پر قائم ہے، حالانکہ حکیم سے پوچھو تو وہ بتائے کہ اس کے ذرے کیونکر ہر آن جھڑتے اور گھستے رہے اور جو خوراک وہ کھاتا رہا وہ خون ہو کر کیونکر بدل مایہ تحلیل بنی، ان کی جگہ لیتی رہی، پھر کیا ایسے ہر آن فنا ہوتے رہنے والے اور چند سال کے بعد بالکل بدل جانے والے کو دائم الوجود اعمال کا ذمہ دار اور ان کے نیک و بد کی اصلی جزا یا سزا پانے کا مستحق ٹھہرایا جاسکتا ہے، لیکن جس طرح دنیا میں اگر کوئی مجرم آج بھاگ گیا اور چند سال کے بعد پکڑ کر جب لایا گیا تو یہ عذر نہیں کر سکتا کہ چونکہ وہ ہاتھ جس سے اس نے جبری کی تھی اور وہ پاؤں جن سے وہ مال لیکر بھاگا تھا، اس عرصہ دراز میں بدل گئے ہیں، اس لیے وہ لائق تعزیر نہیں، کیونکہ وہ روح جس نے اپنے ارادہ و نیت سے اس کام کو اس کے ہاتھوں اور پاؤں کے ذریعہ کرایا تھا، جس طرح کل تھی بعینہ آج بھی ہے، اور جو تکلیف اس کو اپنے پہلے جسم کے ذریعہ کل پہنچ سکتی تھی، بعینہ آج بھی پہنچ سکتی ہے اور اس جسمانی تغیر سے اس کی روحانی شخصیت میں اصلاً کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا، اس لیے پہلے ہی جسم کے ضروری ہونے پر مذکور دنیا بے سود ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جسم اگر بدل بھی جائے تو اعضاء کی شہادت کا مسئلہ اپنی جگہ پر صیح ہوگا، جسم کے اعضاء دنیا میں بدلتے جاتے ہیں، مگر جو بیماری اگلے اجزاء میں پیدا ہو گئی تھی، وہ انکے فنا ہوجانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے، مٹ نہیں جاتی، بلکہ وہی ان کے بعد کے آنے والے اجزاء میں برابر مرایت کرتی رہتی ہے۔

آخر دی جسم کیسا ہوگا | روحوں کو آخرت میں جو جسم ملیں گے وہ حقیقت میں ان کے اعمال ہی کے نکل و عکس ہوں گے یعنی جیسے اعمال ہوں گے، ویسے ہی ان کو جسم عنایت ہوں گے، چنانچہ اس دنیا کے جسمانی رنگ کے لحاظ سے خواہ کوئی کالا ہو یا گورا، مگر اس دنیا میں اس کا یہ کالا پن اور گورا پن اعمال کی سیاہی و پسیدی کی موت میں بدل جائے گا، خدا نے فرمایا :-

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفَرَةٌ مُّنَاجَاةٌ  
مُسْتَبْشِرَةٌ وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ

کتنے چہرے اس دن روشن ہوتے اور شاد ہوں گے اور  
کتنے چہروں پر اس دن کدورت ہوگی، اور ان پر سیاہی

## تَرَهَّتْهَا قَتَرَةٌ (عس: ۱۰)

چھائی ہوگی۔

یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ج  
فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ فف  
اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ  
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ فَاَمَّا الَّذِينَ  
ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ ففِئْتِ رَحْمَةً اللّٰهِ  
هُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ (۱۱)

صحیح حدیثوں میں ہے کہ جنت میں سب لوگ جوان بن کر داخل ہوں گے، اور جسم پر کبھی بڑھاپا نہیں آنے گا، ان کا قد حضرت آدمؑ کے اولین بہشتی قد کے مطابق ہوگا، دوزخیوں میں کسی کا سر پہاڑ کے برابر ہوگا، کسی کا ایک پہلو مفلوج ہوگا، کسی کے ہونٹ نکلے ہوں گے، دل کے اندھے، آنکھوں کے اندھے بن کر اٹھیں گے، سزاؤں کے بعد جب ان کے جسم چور چور ہو جائیں گے، تو پھر صحیح و سالم نئے جسم نمودار ہوں گے اور پھر ان کی وہی کیفیت ہوگی، یہ بھی آیا ہے کہ جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں وہ جیونٹی بن کر قیامت میں اٹھیں گے، ان تمام شواہد سے ہو رہا ہے کہ اس دنیا کے جسمانی قالب ہمارے اس دنیاوی جسم کی مطابق نہیں بلکہ ہمارے دنیاوی اعمال کے مطابق ہوں گے۔

+



## جزا اور سزا

”یوم آخر“ یا ”یوم دین“ پر ایمان لانے سے اسلام کا حقیقی منشا یہ ہے کہ لوگ اس کا یقین کریں کہ ان کے ہر عمل کا بدلہ ہے، کچھ اس دنیا میں اور پورا دوسری دنیا میں، اسی کا نام جزا و سزا ہے، دنیا کے دوسرے مذاہب بھی اس مسئلہ میں اسلام کے ہمنوا ہیں۔

جزا اور سزا دیگر مذاہب میں | درحقیقت مذاہب کا حقیقی تعلق اس عقیدہ سے ہے کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، اور اچھا یا بُرا جیسا کام اس سے صادر ہوتا ہے، اس کے مطابق اچھا یا بُرا معاوضہ اس کو دوسری دنیا میں ضرور ملے گا، اس عقیدہ کا نشان مصر و بابل جیسی دنیا کی قدیم قوموں میں بھی ملتا ہے، ہندوستان کے مذاہب میں اس دوسری دنیا کو دوسرے جہنم سے تعبیر کیا گیا ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کے اچھے یا بُرے کاموں کے مطابق اس کی روح کسی جانور یا گھاس پھوس یا درخت کے قالب میں جا کر اپنے عمل کا نتیجہ بھگتی ہے، اور پھر انسانوں کے قالب میں لانی جاتی ہے، اور کام کرتی ہے، اس کے بعد جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اس کو ہم لوگ میں جانا پڑتا ہے، جہاں نرک (دوزخ) ہیں، وہاں وہ ہر قسم کی سزا بھگتی ہے، بعد ازیں اپنے بعض اچھے کاموں کی بدولت چند لوگ دھانڈ کی دنیا میں جاتی ہے، جس روح کے کچھ کام اب بھی باقی ہیں وہ اس دنیا میں ہوا، بادل اور بارش کے ذریعہ دوبارہ آتی ہے، اور اپنے کام کے مطابق حیوانات یا نباتات کے روپ میں سزا پاتی ہے، اور پھر چھوٹ کر انسان بنتی ہے، یہاں تک کہ اس کے کام اتنے اچھے ہو جائیں کہ وہ سزا کے قابل نہ رہ جاتے، اس وقت وہ مادی قالبوں کی قید سے نجات پا کر سورج لوک اور چند لوک وغیرہ اجرام سماوی کی دنیاؤں میں جا کر آرام کرتی ہے اور پھر اپنے علم و عمل کی کسی کمی کے سبب بادل ہوا، اناج یا کسی دوسری مخلوقات کے قالب میں ہو کر اس کو اس دنیا میں پھر آنا پڑتا ہے، اور پھر وہی عمل شروع ہوتا ہے، یعنی وہ نئے نئے جنموں میں سزا بھگتی ہے، اور اس وقت تک آمد و رفت اور آواگون کے چکروں میں پھنسی رہتی ہے، جب تک اس سے اچھے یا بُرے کاموں کا صدور ہوتا رہتا ہے، اس لیے کامل اور دائمی نجات کی صورت میں یہ کہ انسان سے اچھا یا بُرا کوئی کام صادر نہ ہو، یہی ترکِ عمل روح کو مادہ کی قید سے آزاد کر کے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا (مکش) دلاتا ہے، یہاں تک کہ موجودہ مادی دنیا پر لے (قیامت) کے بعد پھر جب نئے سرے سے بنے گی تو پھر وہی عمل اور سزا یعنی آواگون کا چکر شروع ہوگا، اور پھر اس طرح چھٹکارا پائے گی اور پھر دوسری پرلے کے بعد نیا دور اس طرح شروع ہوگا، یہ چکر اسی طرح ہمیشہ رہے گا۔

یہ وہ چکر ہے جس کا انسان کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا، الایہ کہ ہمارے چرٹی یا غار میں بیٹھ کر ترکِ عمل کے ذریعہ سے خود اپنے وجود سے ہاتھ دھو لیا جائے، لیکن اگر اس اصول نجات پر دنیا عمل کرے تو یہ بہارستانِ دم کے دم میں خلستان بن جائے، ہر قسم کا کاروبار بند ہو کر دنیا آپ سے آپ فنا کے قریب آجائے، بدی کے ساتھ

نیکی کا وجود بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے، اور بااِینہم دائمی وابدی نجات یا سرنہ ہو، کیونکہ ہر پرلے کے بعد وہی جنم، اور کرم اور آواگون پھر شروع ہوتا ہے۔

لیکن دنیا کے دوسرے مذاہب نے اس چکر اور بے عملی سے انسان کو نجات دلائی ہے، انہوں نے موجودہ دنیا کے بعد ایک ہی دنیا اور تسلیم کی ہے، جس میں لوگوں کو اچھے اور بُرے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی، مختلف زردشتی فرقوں نے آریہ نسل ہونیکے باوجود ہندوؤں کے تنازع کے بجائے مختلف سامی مذاہب کے خیالات کی نقالی کی ہے اور خصوصاً بعد والوں نے اسلام کے عقائد کو ”ارداسے ویراف“ کے عجیب و غریب مشابہات کا رنگ دے کر اور اس کی کتاب کو اسلام سے بھی پہلے کی قرار دیکر تمام تر قبول کر لیا ہے۔

صحیفہ ابراہیم یعنی سفر تکوین میں دنیا کی محنت و مشقت اٹھانے کے بعد پھر جنت میں فطرۃ کا اشارہ ہے (تکوین ۲-۱۹)، علی ہذا حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں اخروی جزا و سزا کے اصول مذکور ہیں، نیکو کاروں کے لیے ایک ستھری آبادی کا ذکر ہے، جس میں دودھ اور شہد کی نرہیں بہتی ہیں، بدکاروں کے لیے ہلاکت، بربادی اور دردناک غذاؤں کی خبر ہے، مگر مترجموں نے ہر جگہ اس کو دنیاوی ثواب و عذاب بلکہ افسانہ موعودہ کی ظاہری سلطنت کے معنوں میں کھایا ہے، حالانکہ بعض مقامات میں یہ بے جوڑی بات ہو کر رہ گئی ہے، حضرت آدم کی جنت عدن اور اسکے چار دریاؤں کا ذکر تکوین کے دوسرے باب میں ہے، علاوہ ازیں تورات میں موت کے بعد کی زندگی کی تصریح ملتی ہے، حضرت ابراہیم (سپیش ۲۵-۸) اور یعقوب علیہما السلام (سپیش ۳۹-۲۳) کی موت کی تعبیر ان لغظوں میں کی گئی ہے کہ جال بقی ہوا اور وہ اپنے لوگوں میں جا ملا، ساتھ ہی ہمیشہ کی بھلائی (استثنا ۶-۲۴) کا بھی تذکرہ ہے اور جہنم کی آگ (استثنا ۲۲-۲۲) کا بھی بیان ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیے جانے کی بھی تصریح ہے (یرمیا ۱۱-۱۱) روح کی بقا اور آسمان پر چڑھنے کی تعلیم بھی ان صحیفوں میں موجود ہے (واعظ ۲۱-۲۱) مرنے کے بعد روح کے خدا کے پاس واپس پھر جانے کا بھی تذکرہ ہے (واعظ ۱۲-۱۲) اور انسان کے اپنے ابدی مکان میں جانے کی بھی تصریح ہے، آخر میں خدا سے ڈراؤر اسکے حکموں کو مان کہ انسان کا فرض کلی یہی ہے، کیونکہ خدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کے ساتھ خواہ بھلی ہو، خواہ بُری، عدالت میں لائے گئے۔“ (واعظ ۱۲-۱۳-۱۳) زبور میں خدا کی عدالت کے دن کی تصریحات بار بار ہیں، مثال سلیمان میں ہے کہ انسان کی راہیں خداوند کی آنکھوں کے سامنے ہیں، اور وہ اسکی ساری روشوں کو جانتا ہے، شرمیر کی کبریاء اسکو بچائیں گی اور وہ اپنے ہی گناہوں کی رسیوں سے جکڑ جائیگا، وہ بے تربیت پائے مر جائیگا اور اپنی جہالت کی شدت میں بھٹکتا پھر لیگا۔“ (۵۱-۲۱) وانیال میں ہے کہ اس وقت بہتر سے جو زمین میں خاک پر سوسے ہیں، جاگ اٹھیں گے، بعض جیاد کی لیے اور بعض رسوائی اور ذلت کیلئے۔“ (۱۲-۲۰) خرقیال (۲۸) میں جنت کی طلائی اور جہنم کی بنی ہوئی عمارتوں کے اشارے ہیں۔

حضرت مسیح سے پہلے یہودیوں میں صدیقی نام ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے حکمران یونانیوں کا اقرب حاصل کرنے کے لیے انکی بعض باتیں قبول کر کے یہودی تعلیم میں شامل کیں، منجملہ انکے وہ قیامت اور حیاتِ اخروی کا بھی منکر ہوا، مگر اس کے علاوہ تناسخ کے رد میں اللہ وہ مئی و جون کے مہینوں میں ایک مضمون ہے کہ جہاں مذاہب کا مصنف جو زردشتی مذہب سے پوری واقفیت رکھتا تھا، اسنے اپنی کتاب میں اسکی پوری تفصیل درج کی ہے کہ برٹش اناسیکلو پیڈیا مضمون صدیقی و صد و کیز:



مقابل کا دوسرا فرقہ جس نے اپنے کو فریسی (علیحدہ رہنے والا) کہا اپنے پرانے عقیدوں پر قائم رہا اور قیامت، جیسا آخری اور جنت و دوزخ کے عقائد کو بدستور مانا رہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فریسی ہی اعتقاد رکھتے تھے کہ جنت مادی ہوگی، اور وہاں بہشتیوں کو انکی بیویاں و ایسے ملیں گی (مرقس ۱۲-۲۴) یہودیوں کی پچھلی کتابوں میں جزا و سزا کی تفصیل موجود ہے، چنانچہ اسلام کے زمانہ میں بھی ستر کے یہودی اس پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے اور یہودیوں کی ہی گندکار ہو، مگر چند روز کے بعد دوزخ میں نہیں رہیں (بقرہ ۸۰ و آل عمران ۳۰) یہ چند روز باخلاف ریتا تین روز چالیس روز یا گیارہ مہینے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہودیوں کے ان دونوں فرقوں کے درمیان سخت اختلافات برپا تھے اور دونوں ایک دوسرے کی تردید و ابطال میں مصروف تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اگر صمد و قیوم کے اس عقیدے کی تردید کی تو قیامت اور جزا و سزا پر ایمان لانے کی تعلیم دی، حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یوحنا نے اپنے مکاشفہ جنت و دوزخ کی پوری تصویر کھینچی۔

حضرت عیسیٰ کے اس جواب کو انہوں نے ایک صدوقی کے سوال کا دیا کہ "اس دنیا میں لوگ شادی اور بیاہ نہیں کریں گے، بلکہ فرشتوں کے مانند رہیں گے" ایسا سمجھا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جنت کو فطر و جانی و جو بختا ہے، مگر درحقیقت ایسا نہیں، حضرت عیسیٰ اپنی زندگی کی آخری شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھ کر جب انکو کافرشہ پیتے ہیں تو کہتے ہیں:-

"میں تم سے کہتا ہوں کہ انکو کے پھل کا رس پھر نہ پیوں گا، اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی دشاہت میں نہ ہوں۔" (متی ۲۶-۲۹)

وہ یہودی علماء کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:-

"اے سانیو! اور اے سانیوں کے بچو! تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بچاؤ گے؟" (متی ۲۳-۲۴)

اپنے ایک وعظ میں دوزخ کا منظر دکھاتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

"اس نے دوزخ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں، اور ابراہیم (حضرت ابراہیم)،

کو دور سے دیکھا اور اس کی گود میں لھر زکو، اور اس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہیم! مجھ پر رحم کر اور لھر زکو بھیج

کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان ٹھنڈی کرے، کیونکہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں۔" (لوقا ۱۶-۲۳)

مکاشفات یوحنا میں دوزخ کو آگ اور گندھک کہا گیا ہے (۱۴-۱۵) اور متی کی انجیل میں اس کے دروازے بھی بتائے

گئے ہیں (متی ۱۶-۱۸) اسی طرح جنت اور اس کی طمانی اور جزا و سزا پر ایمان اور نہایت کا ذکر مکاشفات کے کیسوں میں آیا ہے

ہے اور وہاں کے انکوئی افشرہ گنہگار کی (۱۹-۲۶) وہاں کے آپ سر دکا ذکر بھی انجیل میں آیا ہے (لوقا ۱۶-۲۳)

اسی طرح ہر ایک کے عمل کا حساب لیجانے اور عمل کے مطابق بدلہ لینے کا ذکر بھی حواریوں کے خطوط میں موجود ہے،

"مبارک وہ مرد ہے جس کے گناہوں کا حساب خداوند نے لے گا" (رومیون ۸۰-۲)

"سو ہر ایک ہم میں سے خدا کو اپنا حساب آپ دے گا۔" (رومیون ۱۴-۱۱)

"لیکن دے اس کو جو زندوں اور مردوں کا حساب کرنے کو تیار ہے، حساب دیں گے" (اول پطرس ۴-۵)

اس باب میں اسلام کا تکمیلی پہلو یہ ہے کہ اس نے اس عقیدہ کو نہ ضروری تفصیل کیساتھ بیان ہی کیا

لے کتب سیر میں ان آیتوں کی تفسیر کھولتے ہیں کہ ترجمہ قرآن حاشیہ زیر ترجمہ آیت بقرہ رکوع ۸ :-

بلکہ اس کے تمام ضروری اجزاء فراہم کیے، گذشتہ مذہب کے تشذبات پر سیر حاصل بخشیں گیں، ان کے نقائص کی تکمیل کی، اور جزا و سزا کے اصول اس صفائی سے بیان کیے کہ اس عقیدہ کا ہر پہلو سکوک و شہادت سے پاک ہو گیا۔ آئندہ مباحث کے سمجھنے کے لیے پہلے چند اصول ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

عالم آخرت کا فہم ادراک | اس عالم آخر میں جو کچھ ہو گا وہ اگرچہ ہمارے اس ریغز بہ اوزیر شائد مادی عالم

بالکل الگ ہو گا، تاہم چونکہ انسانی فہم کی مجبوری وجہ وہ اسی زبان و محاورات میں ادا کیا گیا ہے جو اس مادی عالم کے ساتھ

مخصوص ہیں، اس لیے یہ الفاظ جن مادی خصائص کو مستلزم ہیں، باہم آئے دیکھنے اور سننے کے اس دنیا میں دی ہو گئے ہیں ان

لفظوں کو سنکر بعینہ وہی سمجھنا چاہیے جس میں جو اس دنیا میں ان لفظوں سے سمجھتے رہے ہیں، اسی سبب بعض کم فہم لوگوں

کے وقائع وحوال کا بیاں سن کر ان میں بعض کو محال اور ناممکن کہہ اٹھتے ہیں، اور بعض انکی تشریح و تاویل اس طرح کرتے

ہیں کہ لفظ و معنی میں دنیائے اشتراک بھی باقی نہیں رہتا یہ دونوں راستے سخت خطرناک ہیں، اسی لیے محمدی نے ان

نازک و دقیق اسرار کے بیان میں انسانی فطرت کی کمزوریوں کا پورا لحاظ رکھا ہے، اس نے نہ تو یہودیوں کی طرح ان

واقعات کو سرتاپا مادی کہہ کر عالم آخرت کو بھی عالم آب گل بنا دیا ہے اور نہ عقل و خرد کے بعض نادان مدعیوں کی طرح

انکو مادہ اتنا بلند و برتر کر دیا ہے کہ انکا وجود ہی موهوم و فرعی ہو گیا ہے بلکہ انسانی عقول کے اختلاف مراتب کا لحاظ

کر کے بزم کے اہل نظر اور تماشاویوں دونوں کی تشفی و تسکین کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

ان اخروی وقائع کے مختلف مفہموں اور مصداقوں کا لحاظ کر کے وحی محمدی نے ایسے چھتے الفاظ اختیار کیے

ہیں جن سے ایک فلسفی بھی بہرہ یاب ہو سکتا ہے اور ایک عامی بھی، اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے ایمان کا لطف اٹھا سکتے

ہیں اور ایک ایسے مذہب کے لیے جو سارا انسانی طبقوں کو اپنا منیٰ طلب بنانے کا دعویٰ کرتا ہے، ایسی ہی مسعت کی

ضرورت تھی تاکہ وہ سب کیلئے اپنی جگہ پر تشفی کا باعث ہو سکے، ان تمام اخروی واقعات کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے وہ

ظاہر ہے کہ طبعاً وہی الفاظ ہو سکتے ہیں، جسکے چاروں طرف اس دنیا کا مادی حوالہ، مادی مفہوم و مصداق اور جہانی خیالات

ہوئے ہیں، ان لفظوں کے سننے کے ساتھ جو مفہوم ہمارے ذہن میں آتا ہے، وہ سرتاپا انسانی دی فیتہ و لازم کیسا آتا ہے، ہم جب

آگ کا لفظ سنتے ہیں تو معاً اس دنیاوی آگ کا مفہوم ذہن میں آتا ہے، جسکو ہم یہاں دیکھتے ہیں، جو انسانوں و درختوں اور ہر

اس چیز کو جو اس کے اندر ہوتی ہے، بلاتینز کیا جلا دیتی ہے، مگر خدای آگ ایسی نہ ہوگی، اس کے اندر بعض درخت ہونگے

جو نہیں جلیں گے، وہ ضرور گندھارا انسانوں کو جلانے کی، کسی کے پاؤں کو جھونے کی، کسی کی کمر تک آنے کی، کسی کے

گلے تک پہنچنے کی، اور وہ ایسی تیز و گرم ہوگی کہ یہ دنیاوی آگ اس کے مقابلہ میں ٹھنڈک ہے، وزن لفظ سننے کے ساتھ

اس عالم میں تولنے کی ساری خصوصیتیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں، ترازو، پانگ، پلے، ڈنڈی اور تولی جانوالی چیز

میں جمیت اور ثقل کا ہونا، اسی طرح نامہ عمل کے لکھنے کا مفہوم جب ہم سمجھنا چاہیں تو کاتب کی انگلیاں، قلم، دولت،

سیاہی، کاغذ اور حشو کی ساری قیدیں ہمارے ذہن میں آئیں گی، اس بنا پر ان الفاظ کے لغوی معنی اور ہر ایک کے مفہم

جمادی معنوں کے سمجھنے میں اختلاف آرا کی بڑی گنجائش ہے، اس لیے حق تو یہ ہے کہ ان پر بلا مزید تشریح اس طرح ایسا

لایا جائے کہ ہماری تشریح سائے الفاظ کے مفہوم کی وسعت تنگ نہ ہو جائے، بایں ہر ان لوگوں کو بھی دائرہ سے خارج نہ



کیا جائے، جو ان الفاظ سے وہ مفہوم سمجھ کر تسلی پا جائا چاہتے ہیں، جن کے وہ الفاظ متحمل ہو سکتے ہیں کہ اگر مراد الہی ہی تھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انسانی عقول کے اختلاف و مراتب کا لحاظ کیے بغیر اپنے مفہوم کو اس وسعت کے بجائے تنگ سے تنگ الفاظ میں ظاہر فرما سکتا ہے، مگر ایسا نہیں کیا تا کہ اسلام مختلف العقول انسانوں کیلئے عالمگیر ثابت ہو سکے۔

ایک دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ عالم آخرت کے وقائع اور حالات کے سمجھنے میں اشکالات و اعتراضات اس لیے پیش آتے ہیں کہ ہم وجود اور اس کے موجودہ تمام قوانین فطرت کو اس طرح لازم و ملزوم سمجھتے ہیں کہ جب کسی شے کے وجود کا تذکرہ کیا جائیگا تو معاً اس کے وہی خصوصیات و لوازم سامنے آئیں گے، جن کے دیکھنے کے ہم اس دنیا میں عادی ہیں حالانکہ ارباب عقل نے یہ طے کر دیا ہے کہ اس موجودہ دنیا کے معلولات و مسببات اور اس کے موجودہ علل و اسباب میں جو لزوم ہیں، وہ محض عادی ہے، یعنی اس لیے ایسا ہے کہ ہم ایسا دیکھتے ہیں یہ نہیں کہ اس لیے ایسا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

اس بنا پر اگر صرف اتنی سی بات ذہن نشین کر لی جائے کہ موجودہ مادی دنیا میں جو قوانین فطرت اور علل و اسباب اور ان کے نتائج کار فرما ہیں، وہ صرف اسی عالم اور موجودہ دنیا کے قوانین ہیں، اگر خدائے تعالیٰ کوئی دنیائے دوسری یا نیا عالم خلق کرے، تو ضروری نہیں کہ وہی قوانین فطرت و علل بھی کار فرما ہوں، بلکہ بالکل ممکن ہے کہ اس نئے عالم میں نئے قوانین پر عمل ہو، نئی خصوصیات کے جسم ہوں، نئی قسم کی زندگیاں ہوں، نئی قسم کی آگ ہو، نئی قسم کے پانی اور ان کے پھیل ہونے، نئی قسم کے موجودات و مخلوقات ہوں، نئے علل و اسباب ہوں اور نئے قوانین فطرت ہوں، وحی محمدی نے اسی نئے عالم کے متعلق کہا ہے: **يَوْمَ تَبْدِلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتِ بَآخَرِينَ**، جس دن زمین نئی زمین سے بدل جائیگی اور آسمان دئے آسمانوں سے، اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس نئی زمین اور نئے آسمان میں بھی وہی مادی قانون جاری ہوں گے، جو اس موجودہ زمین و آسمان میں جاری ہیں، اس بنا پر جسمانیات و مادیت کے وہ تمام اعتراضات اور آئندہ حیات کے متعلق وہ تمام اشکالات جو اس دنیا اور اس کے قوانین کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں، بالکل بے بنیاد اور بے حقیقت ہیں۔

اس ضروری تمیز کے بعد جزا و سزا کی اسلامی تشریحات کی جانب قدم ٹھایا جاتا ہے، **وَهُوَ الْهَادِي إِلَى الصَّوَابِ**، اصول جزا و سزا اللہ تعالیٰ نے جس طرح موجودہ عالم کو اپنے خاص نظام اور قانون پر بنایا ہے، جسکو اہل فلسفہ قانون قدرت اور اہل مذہب تقدیر اور اندازہ الہی کہتے ہیں، اسی طرح اس نے اپنے ہر عالم کے لیے ایک نظام اور تقدیر قائم کی ہے جسکے مطابق اس عالم کا روبرو انجام پاتا ہے، انسان غلطی سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ اصول فطرت صرف مادیات تک محدود ہیں حالانکہ مادیات ہوں یا روحانیات، ذہنیات ہوں یا عملیات، ہر ایک میں یہ یکساں جاری و ساری ہیں، جس طرح یہ قانون فطرت ہے کہ زہر کھانے سے انسان کا جسم مر جاتا ہے، اسی طرح یہ بھی اصول فطرت ہے کہ گناہ سے اس کی روح مر جاتی ہے اور جس طرح امور حفظان صحت کی عدم پیروی سے انسان بیمار ہو جاتا ہے، اسی طرح اصول تزکیہ نفس کی عدم متابعت سے بھی وہ مریض ہو جاتا ہے، پھر جس طرح دوا اصول حفظان صحت کی پابندی سے وہ اپنی جسمانی بیماری کے آلام سے نجات پاتا ہے، ایسا ہی روحانی تدابیر علاج کے ذریعہ سے وہ شفا یاب بھی ہوتا ہے۔

اعمال کے لوازم و نتائج | غرض جس طرح دنیا میں ہر چیز کی ایک خاصیت ہے، اور وہ جب یہاں وجود پذیر ہوتی

ہے، تو اس کے ساتھ اس کے خواص و آثار بھی پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح انسان کی اندرونی کیفیات و اعمال کے بھی کچھ آثار و لوازم ہیں جو اس الگ نہیں ہو سکتے، غرض اور خفا کساری، بغل اور فیاضی، انتقام اور غضب، شجاعت اور بزدلی، لغوی اور فسق ایمان اور کفر ہر ایک کا ایک نہ ایک اثر و نتیجہ ہے، اور ہر ایک کے کچھ نہ کچھ خاصائص و لوازم ہیں، جو اس سے اسی طرح الگ نہیں ہو سکتے جس طرح شکھیہ سے سمیت، شکر سے شماس اور آگ سے حرارت جدا نہیں ہو سکتی، اور ان معنوی، روحانی و نفسی چیزوں میں علت و معلول کا وہی لزوم ہے جو جسمانی، مادی و طبیعیاتی اشیاء میں ہے۔

اشخاص کی نیکی و بدکاری و بدکاری اور افراد کی سعادت و شقاوت کے جو اصول ہیں وہی جماعتوں و قوموں کی صلاح و فساد، اور سعادت و شقاوت پر بھی حاوی ہیں، جس طرح ایک سائنسٹ و حکیم کا کام ان مادی و فزیکل اصول کو جاننا اور بتانا ہے اور ان کی تعلیم کا نام ہماری اصطلاح میں حکمت (سائنس) ہے، اسی طرح ان روحانی اسباب و علل اور آثار و نتائج کو جاننا اور بتانا، انبیاء علیہم السلام کا کام ہے، اور انکی اس تعلیم کا نام شریعت ہے، انبیاء کی اس تعلیم کے مطابق ہم کو اعمال کے روحانی آثار و نتائج کا وہی یقین ہونا چاہیے، جو ایک حکیم کی تعلیم کے مطابق ہیکو جسمانی اشیاء کے خواص اور آثار کا ہوتا ہے، سائنس کا لوجی (علم النفس) اور سوشیالوجی (علم الاجتماع) کی وسعت تحقیق نے اس مفہوم کے سمجھنے میں بہت کچھ رات پیدا کر دی ہے۔

**عقاب و ثواب رد عمل ہے** | الغرض یہ مادی جسمانی دنیا علت و معلول اور عمل و رد عمل کے جن اصول پر مبنی ہے، اس کی وسعت کے دائرہ میں انسان کا ہر قول اور ہر عمل شامل اور داخل ہے، یہی سبب گناہ کے لازمی نتیجہ کا نام سلامتی عقاب اور اعمال صالحہ کے لازمی نتیجہ کا نام ثواب کھا گیا ہے، قرآن نے ان ہی دونوں اصطلاحوں کو بار بار استعمال کیا ہے عقاب کا لفظ عقب سے نکلا ہے، جس کے معنی پیچھے کے ہیں، اس لیے عقاب اس اثر کا نام ہے، جو کسی فعل کے کرنے کے بعد لازم آجاتا ہے اور ثواب کا لفظ ثوب سے لیا گیا ہے، جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اس لیے یہ کسی اچھے کام کے لوٹنے والے کے نتیجہ اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے،

اسی ایک مسئلہ کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو جزا اور سزا کے شرعی اصول کے سمجھنے میں کوئی وقت نہ ہو، چنانچہ قرآن پاک میں یہ کئی دفعہ فرمایا گیا ہے،

**الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ** (جاثیہ ۱۰) جو تم کرتے تھے وہی آج بدلہ پاؤ گے۔  
اس سے معلوم ہوا کہ جزا و سزا ہر ایک اعمال کے رد عمل (دری ایجنش) کا نام ہے، ایک اور جگہ ہے:  
**لَتَجْزِيَنَّ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ** (ظہ ۱۰) تاکہ ہر جان کا اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کرتی ہے،

ان آیتوں میں یہ صاف تصریح ہے کہ یہ جزا و سزا تمام تر ہمارے دنیاوی اعمال کے آثار و لوازم ہیں،  
**فَأَمَّا بَعْضُهُمْ لَبِثًا فَمَا عَمِلُوا** (حقاقی ۲۸) تو ان کے برے کام ان پر پڑے، اور ان کا شٹھا کرنا ان پر لٹ پڑا۔  
**كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ** (نحل ۷۰)

غرض جزا و سزا انہی اعمال کے نتائج کا دوسرا نام ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اسی اصول کی تشریح میں یہ اشارہ فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے میرے بندو! یہ تمہاری اعمال ہیں جو میں تم کو لوٹا کر یہاں سے رہا ہوں، تو جو کوئی جزائے خیر پاوے، وہ خدا کا شکر ادا کرے، اور جس کو برائی ملے وہ خود کو ملامت کرے،







کبھی اس کو اعمال کی تحریر و کتابت کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے،

أَمْ يَحْسِبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سُرُسَهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ (زخرف: ۷)

کیوں نہیں! بلکہ ہمارے فرستادہ ان کے پاس اعمال کو لکھتے ہیں،

إِن رُّسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَكْفُرُونَ (یونس: ۳۱)

کبھی اللہ تعالیٰ ہر عمل کے موقع پر خود اپنی حاضری اور دائمی علم و شہادت کو ظاہر کرتا ہے،

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ

قرآن وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ

شُهُودًا ذُنُوبَكُمْ فِيهِ (یونس: ۷۷)

تم اس میں لگے ہوتے ہو،

کبھی یہ کہا ہے کہ ہر انسان کا نامہ عمل اس کی گردن میں لٹکا ہے، قیامت کے دن وہی فرد عمل کی صورت میں انسان کے سامنے پھیلا دیا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ تم خود پڑھ لو۔

فسر یا :-

وَكُلُّ إِنْسَانٍ لَّزُجْمًا ۖ وَأَوَّلَ رُخَصَةٍ فِي عُنُقِهِ طَوَّ

مُخْرَجٌ لَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا،

إِنَّمَا كُنْتُ لَكَ يَوْمَ الْيَوْمِ عَلَيْكَ حَسِيبًا،

(نحی: سرائیل ۲۱)

اور ہم نے ہر انسان کا نتیجہ عمل، اس کی گردن میں چپکا

دیا ہے، اور قیامت کے دن ہم دفتر کر کے نکالیں گے

جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا کہ اپنا دفتر پڑھ لے، آج تیرا

نفس خود ہی مناسب ہو تو کافی ہے۔

اس آیت کا ایسا محمل ہے کہ نامہ عمل کو اگر کوئی واقعی کاغذ کا دفتر یا حساب کتاب کا رجسٹر نہ سمجھے تو سمجھ سکتا

ہے اور کہہ سکتا ہے کہ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی کہ جس طرح کاغذ اور رجسٹر میں قلمبند حساب کوئی بھول نہیں سکتا

اور ایک چیز اس میں درج ہوتی ہے اسی طرح یہ اعمال انسانی فراموش نہ ہوں گے، بلکہ لکھے ہوئے رجسٹر کی طرح محفوظ رہیں گے، فسر یا :-

وَوَضِعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفَعِينَ

جَمَاعَتِهِ وَيَقُولُونَ يَوْمَئِذٍ هَذَا الْكِتَابُ

لَوْ بَغَادٍ وَصَفِيرَةٍ وَلَوْ كَيْفَوتَةٍ إِلَّا أَحْصَاهَا

وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَنْظُرُونَ رَبَّنَا

أَحَدًا (ذکھف: ۷۶)

ہاں ہم اگر کوئی ٹھیک لفظوں کا پابند ہو کر نامہ اعمال کو واقعی کاغذوں کا دفتر سمجھتا ہے تو اس میں شک نہیں

الفاظ کے ظاہری معنی اس کی تائید کریں گے، مگر کون سمجھا سکتا ہے کہ یہ کیونکر ہوگا، اسی لیے اس پر بحث فضول ہے کہ

یہ کیونکر ہوگا، چاہے یہ ہو یا وہ، بہر حال ہمارے اعمال کا ایک ایک نقطہ محفوظ رہے گا، اور وہ خدا کے سامنے پیش ہوگا، اور یہی

اس عقیدہ کا اصل مقصد ہے۔

اعضاء کی شہادت | انسان کا ہر عمل اپنے پیچھے اپنے کرنے والے کے اندر اپنا اچھا یا بُرا اثر چھوڑ جاتا ہے، اگر

دل کا آئینہ صاف ہو، تو اس کو اپنے عمل کا چہرہ اس میں صاف دکھائی دے، فرمایا :-

بَلَىٰ إِلَهُ نَسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۚ

وَلَوْ أَن لَّقِيَ مَعَآذِيرُهُ (قیامہ: ۱۱)

بلکہ انسان کو اپنے نفس کا حال آپ دکھائی دیتا ہے، اگرچہ

وہ اپنے عذر تراشتا ہے۔

یہی وہ آئینہ ہے جو گناہ کے میل سے رنگ آلود ہو جاتا ہے،

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ (تطہیف)

نہیں بلکہ ان کے دلوں پر رنگ بیٹھ گیا ہے۔

گویا اسی آیت کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جب انسان پہلے پہل گناہ کرتا

ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ و انابت کرتا ہے اور آئندہ اس سے باز رہتا

ہے تو وہ مٹ جاتا ہے، اور اگر اسی طرح گناہ کئے جاتے ہیں تو اس نقطہ کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک

کہ ایک دن پورے دل پر چھا جاتا ہے،

اسی طرح وہ اپنے جن اعضا سے جو بُرا کام کرتا ہے، اس کا اثر ان پر چھا جاتا ہے، یہاں تک چہرے

پر اس اثر کے نقوش ابھر آتے ہیں، آنکھوں میں اس کی لکیریں پڑ جاتی ہیں اور ہاتھ پاؤں پر اس کے نشان

نمایاں ہو جاتے ہیں، عالم غیب کو چھوڑ کر اسی عالم ظاہر میں تاڑنے والوں کی نگاہیں، انسانوں کے چہروں،

آنکھوں اور ہاتھ پاؤں کے عنوان بیان سے انسان کے اندر کی تحریریں پڑھ لیتی ہیں، اسی طرح قیامت میں

انکے اعمال کے آثار رونما ہوں گے ان کے ایک ایک عضو سے نمایاں ہوں گے۔

يُكَفِّرُ الْمُجْرِمُونَ بِسَبْحِهَا هُمْ (رحمان: ۲۱)

گنہگار اپنی پیشانی سے پہچان لے جائیں گے۔

ایسی حالت میں اس وقت جب انسان کی زبان قال پر خداوند عدالت کے رعب جلال سے ہرکوت

پڑ جائے گی، اگر انسان کے ہاتھ پاؤں اور کھال تک اس کے اعمال بدہر گواہی دیدیں تو تعجب کی کیا بات ہے؟ فرمایا :-

وَأَمَّا زُلْزُلُومَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ هَ الْيَوْمَ

نُخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَنُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ

وَنُلْقِيهِمْ فِي النَّارِ هَ الْيَوْمَ

نُخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَنُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ

وَنُلْقِيهِمْ فِي النَّارِ هَ الْيَوْمَ

نُخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَنُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ

وَنُلْقِيهِمْ فِي النَّارِ هَ الْيَوْمَ

نُخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَنُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ

وَنُلْقِيهِمْ فِي النَّارِ هَ الْيَوْمَ

نُخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَنُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ

وَنُلْقِيهِمْ فِي النَّارِ هَ الْيَوْمَ



زیادہ یا دونوں برابر، دو مادی چیزوں کے درمیان تفاسل اور گھٹ بڑھ کر علم ہم کو تولنے یا گننے سے ہوتا ہے، اس لیے وزن اور حساب سے عموماً عدل و انصاف، حق اور ٹھیک ٹھیک کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے، اعمال انسانی کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ انکو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ ملے گا، فرمایا:

جَزَاءُ أَوْفَاتًا، (ربنا ۱۱)

پورا پورا بدلہ

اس پر بری اور کمال عدل و انصاف کے مفہوم کو ترازو کی ناپ اور عدالت کی میزان کے استعارے سے ادا کیا، فرمایا:

فَلَنُفَعِّنَ عَنْهُمْ يَوْمَ مَا كُنَّا غَايِبِينَ وَالْوِزْنَ  
يَوْمَ يُبْعَثُونَ الْحَقُّ كَمِثْلِ ذَرِّبَةٍ قَالُوا لَيْسَ  
هُوَ إِلَّا مَثَلُ جَوْنٍ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ  
الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ (اعراف: ۳۱)

پھر ہم احوال سنائیں گے اور ہم کہیں غائب نہ ہوں گے، اور وزن اس دن حق ہے، پھر جس کی تولیں بھاری ہوئیں تو وہ ہیں، جن کا بھلا ہوا اور جس کی تولیں ہلکی ہوئیں، سو نہ ہی میں جو اپنی جانیں ہار بیٹھے۔

تو جس کی تول بھاری ہوئی تو وہ خوش خوش پیش میں ہوگا اور جس کی تول ہلکی ہوئی تو اس کی ماں دوزخ ہے۔ ان دونوں آیتوں میں تول کے بھاری اور ہلکے ہونے سے مقصود، اعمال خیر کی کمی بیشی ہے، پہلی آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے کہ وزن سے مراد حق و عدل ہے، اور یہ کہ انسان کا ہر عمل علم الہی میں موجود ہوگا، اور کلمہ حرج میں ذکر ہوگا۔

اس مفہوم میں یا استعارہ قرآن میں بکثرت مستعمل ہوا ہے، ایک جگہ ہے،

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ (شوری: ۱۷)

یعنی کتاب الہی، حقانیت کیساتھ اتاری ہے، اور اسی کیساتھ میزان بھی جس مراد عدل ہے (دوسری تفسیر آیت مذکورہ) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام کائنات کی ہر چیز میں جو اعتدال کامل کما ہے، اسکو بھی میزان کی گنت اور اوزان کیا ہے،

وَوَضَعَ الْمِيزَانَ (رحمن)

اور خدا نے ترازو رکھی ہے۔

حساب | کمی بیشی کے علم کا دوسرا طریقہ حساب ہے، دوسری آسمانی کتابوں کی طرح قرآن میں بھی یا استعارہ استعمال ہوا ہے، اور بار بار فرمایا ہے کہ ہم قیامت میں تمہارے عمل کا حساب لیں گے مگر اس حساب بھی وہی مقصود ہے جو وزن سے ہے، چنانچہ سورۃ انبیاء میں یہ مفہوم مزید تصریح کیساتھ مذکور ہے، اور جس سے میزان کی حقیقت بھی پوری طرح سمجھ میں آتی ہے، فرمایا:

وَنُفَعِّلُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ  
فَلَا تَظْلِمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَنْ كَانَتْ مِثْقَالَ حَبَّةٍ  
مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكُنَّا بِهَا حَسِيبِينَ (انبیاء: ۴۷)

اور ہم قیامت کے دن کیلئے ترازوئیں یعنی انصاف رکھیں گے پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اگر دانی کے انداز کے برابر بھی کچھ ہوگا تو ہم نے آئیں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔

اس آیت سے دو باتیں سمجھی جاسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ وزن سے مقصود انصاف اور عدم ظلم ہے، اور دوسری یہ کہ حساب سے مقصود یہ ہے کہ عمل انسانی کا کوئی وزن معاوضہ میں چھوٹنے نہ پائے گا، اور نہ وہ خدا کے علم سے غائب ہے، لیکن ہر حال وزن و حساب کے مادی ہی مفہوموں کو اگر کوئی صحیح باور کرتا ہے، تو وہ بھی حق پر ہے،

جنت و دوزخ | اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اعمال کی تکلیف اور ذمہ داری سے مقصود الہی کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ ارواح انسانی کو سعادت ابدی اور ترقیات غیر متناہی عطا کی جائیں، مگر اس سعادت و ترقی کی بنیاد خدا نے اعمال نیک کے حصول اور اعمال بد پر پھیر رکھی ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ خلقت انسانی کی غرض یہ ہے کہ وہ احکام الہی کی تعمیل کرے تاکہ وہ اپنی مقدرہ سعادت اور موعودہ ترقی کو حاصل کرے اور اسی عالم کا نام جہاں یہ سعادت ابدی اور ترقیات غیر متناہی ملتی ہیں، بہشت ہے، اور اس عالم کا نام جہاں جا کر دنیاوی کیوں کی تلافی اور گذشتہ حیات فانی کے اعمال بد کے نتائج سے پاکی حاصل ہوگی، دوزخ ہے، اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جنت ہی انسان کا اصلی گھر ہے، مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

جنت انسان کی وراثت ہے | حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ جو تورات اور قرآن پاک میں مذکور ہے وہ آغاز خلقت کی محض تاریخ نہیں وہ حقیقت انسانی کی سچی اور حقیقی تفسیر ہے، عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے فضل سے جس جنت میں جگہ دی تھی وہ پہلے انکو اور انکی نسل کو ہمیشہ کے لیے دیدی گئی تھی، مگر چونکہ اطفال ان سے گناہ سرزد ہوا اس لیے وہاں نکال کر زمین میں بھیج دیئے گئے، مگر ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام کا زمین میں آنا تو ان کی پیدائش سے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ انکی خلقت سے پہلے ہی فرشتوں کی نظر پر کرچکا تھا کہ

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (بقرہ: ۳۵)

میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں،

حضرت آدم کا زمین میں خلیفہ ہونا ان کے زمین میں سکونت پذیر ہونے کی پیشین گوئی ہے، مگر زمین میں بھیجنے سے پہلے انکو جنت میں رکھنا، پھر گناہ کے بعد وہاں سے ان کو نکال کر زمین میں بھیجنا یہ اشارہ رکھتا ہے کہ آدم اور انکی نسل کی اصل جگہ ہی جنت ہے، مگر اس سے دُوری ان کے گناہ کی وجہ سے ہے، اور اس کا حصول خدا کی اطاعت اور نیکو کاری کے ذریعہ ہوگا، چنانچہ ان کے زمین میں اترتے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا:

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَوْ خَوْفٌ مِّنِّي عَلَيْهِمْ  
وَلَاحُفَظُهُمْ يَحْزَنُونَ، وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا  
بِآيَاتِنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (بقرہ: ۳۵)

ہم نے کہا کہ تم سب اس جنت سے اترو، پھر کہیں تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو اس کو نہ ڈر ہوگا نہ غم، اور جنہوں نے نہ مانا اور ہمارے حکموں کو جھٹلایا، تو وہی ہیں دوزخ والے وہ اس میں رہا کریں گے،

خدا نے کہا کہ اس جنت سے تم دونوں ایک ساتھ اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو تو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا، اور نہ بخت ہوگا، اور جس نے میری یا دس نہ پھرا، تو اس کیلئے تنگ سانس ہوگی، اور قیامت میں ہم اسکو اندھا اٹھائیں گے۔

توراة میں ہے کہ جنت میں دو درخت تھے، ایک نیک بد کی پہچان کا اور دوسرا زندگی جاوید کا، توراة کی رو سے آدم



کو اسی نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا ہے، لیکن آدم نے اس کو کھالیا، اور اس کی وجہ سے سب سے پہلے ان کو اپنی برائی کی کا علم ہوا، آخر خدا نے انکو جنت سے نکال دیا کہ وہ زندگی کے درخت کا پھل کھا کر خدا کی کا دعویٰ نہ کر سکیں، جب وہ جنت سے نکلے گئے تو ان سے کہا گیا (سفر تکوین ۲۰)

اور اس درخت سے کھایا جس کی بابت میں نے تجھ سے حکم کیا کہ اسے مت کھانا، زمین تیرے سبب لعنتی ہوئی، اور تکلیف کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس سے کھائے گا، اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹن کا رے اگائے گی، اور تو کھیت کی نبات کھائے گا اور تو اپنے منہ کے پسینہ کی روٹی کھائے گا، جب تک کہ زمین میں پھر نہ جائے۔

قرآن پاک میں اس درخت کا نام جس کے پھل کھانے سے آدم کو روکا گیا تھا، تصریحاً مذکور نہیں لیکن ایک آیت سے اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیک و بد کی شناخت کا درخت تھا۔ اور شیطان نے یہ کھانا کھلایا کہ یہ حیات جاوید اور ملک جاوید کا درخت ہے، مگر اس کے کھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انکی برائی کا علم ہو گیا، جو نیک و بد کی تمیز کا نتیجہ ہے، فرمایا:

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةٍ كُنَّا تَهَاوُونَ ۖ وَلَوْ لَخَلَاكُمُ الْمَوْتُ لَتَبَدَّلَ اللَّهُ عَنَّا ذَٰلِكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (طہ: ۷۶)

اب سوال یہ ہے کہ حیات جاوید اور غیر فانی بادشاہی سے مقصود کیا ہے، ظاہر ہے کہ جنت ہے، شیطان کا مقصود یہ تھا کہ اس جنت میں تم اب ہو، بے دوسرے ہمیشہ رہنے کا نسخہ تم کو بتاؤں، انسان کے خواہش کی تو اس نے نیک و بد کی تمیز کے درخت کا پھل بتا دیا، یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ نیک و بد کی تمیز ہی پر انسان کی شرعی تکلیف اور مواخذہ کی بنیاد ہے، ہر وہ مخلوق بلکہ ہر وہ انسان جو اس اور اک سے خالی ہے، وہ شرعی تکلیف اور مواخذہ سے گریز کرنا نہیں، غرض اس خبر و شرعی معرفت کا لازمی نتیجہ شریعت کی تکلیف تھی، چنانچہ وہ اس کے سرکاری گمنام اور پیر

نسل آدم میں یہ نیک و بد کی تمیز فطری الہام کے ذریعہ عنایت ہوئی، فرمایا: - وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَمَرًا ۚ لَمَّا خَلَّصْتُمُ الْبَارِئِينَ مِنْ دَاوُودَ إِسْمٰعِيلَ وَكَانَ مُسْلِمًا ۚ وَإِلَىٰ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَكَانَ نَسِيرًا ۚ وَإِلَىٰ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَكَانَ نَسِيرًا ۚ وَإِلَىٰ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَكَانَ نَسِيرًا ۚ

عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۚ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَاهِلًا ۝ (احزاب: ۷۲)

انسان نے اپنی جہالت سے اس تکلیف شرعی کی امانت کو اٹھالیا، جو نیک و بد کی معرفت کا لازمی نتیجہ تھا، اور وہ اس تکلیف شرعی کا لازمی نتیجہ جزا اور سزا تھی، لیکن خدا کی ہدایت مندی یہی تھی کہ اس کے سب بندے اس کی راہ

اور مغفرت کے مستحق ٹھہریں، کہ اس کی رحمت و شفقت کا اقتضا یہی ہے کہ گنہگاروں کو معاف کرے اور نیکو کاروں کی اپنی خاص رحمت نازل کرے، لیکن اگر کاشفکار اپنے کھیتوں کو ابر رحمت سے مستفید ہونے کے قابل نہ بنائے تو وہ اس کی برکت سے مستفید نہ ہوگا، اسی طرح جو بندہ شرک و نفاق میں مبتلا ہو جائے اسے اپنے آپ کو اس کی رحمت کے قابل نہ بنائے، تو وہ بھی اس کی رحمت کی بارش سے حیران نہ ہو سکے گا،

غرض اس طرح وہ مصلحت الہی جو انسان کی پیدائش سے تھی پوری ہوئی اور وہ حیات جاوید اور غیر فانی دنیا جس کا حصول فضل الہی نے انسان کی محنت، جدوجہد و سعی و عمل پر موقوف رکھا تھا، اور جسے شیطان نے آدم کو بلا سحر و محنت، محض بخت و اتفاق سے دلوانا چاہتا تھا، بالآخر اس کا ملنا تقدیر الہی، جدوجہد و سعی و عمل اور نظام ربانی کے مطابق شریعت کی پیروی کے ذریعہ سے مقرر ہوا، جیسا کہ پہلے سے طے شد تھا، فرمان آیا:

إِهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ سَاحِلٌ يُمْسِي وَأُصْبَحٌ ۚ فَمَنْ تَبِعَ هَدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (بقرہ: ۳)

یہاں سے تم سب اترو، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی، تو ان کو نہ ڈر ہوگا، نہ غم، تم دونوں یہاں سے نیچے اترو تم ایک دوسرے دشمن ہو، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے رہنمائی آئے تو جس نے میری رہنمائی کی پیروی کی، تو وہ نہ گمراہ ہوگا، اور نہ بد بخت۔

جب انسان کا اصل مقام وہی حیات جاوید اور مملکت ابدی ہے تو اسی کا حصول اس کی تمام کوششوں کا محور ہونا چاہیے، اور اسی حیات فانی اور لازوال بادشاہی کی دولت کو اپنی اس فانی زندگی اور زوال پذیر بادشاہی کے تمام کاموں کے مزد و معاوضہ میں حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے باپ کی اس آسمانی بادشاہی کو پہلے جس کی صفت یہ ہے۔

فَلَا يُخْرِجُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى ۚ إِنَّ لَكُمْ أَلْجُورَ فِيهَا وَلََّا تَعْرَى ۚ وَأَلَّكَ لََّا تَطْمَئِنُّوا فِيهَا وَلََّا تَعْرَى ۚ (طہ: ۷۷)

تو شیطان تم کو جنت سے باہر نہ کرے تو پھر تو مشقت میں پڑ جائے اور جنت میں تجھ کو یہ ملے کہ اس میں تو نہ بھوکا ہوگا اور نہ تنگنا، پیاسا ہوگا اور نہ درپ کی تیش اٹھائے گا۔ آدم اس جنت سے نکلے تو انکو بھوک بھی لگی، تنگ بھی ہوئے، پیاس بھی معلوم ہوئی، اور دھوپ کی تیش کی تکلیف بھی ہوئی، اور زمین میں آکر ان ہی چار چیزوں کی مشقت میں گرفتار ہوئے، کھانا، پینا، پہنا، رہنا، یہی انسان کی چار مختصر ضروریات ہیں، ان ہی کو اس نے اپنی ہوا و ہوس سے پھیلا کر ضروریات کا ایک عالم پیدا کر لیا، جس کے مہیا کرنے، ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے اور عمدہ بنانے میں اپنی موجودہ زندگی کی تمام تر توجہ کو مصروف کر کے اصل جنت کی طلب سے لہ متہ دھو بیٹھا یہیں شریعت کی تکلیف عائد ہوئی، اور جائزہ اکل، جائزہ شرب، جائزہ لباس اور جائزہ مسکن کے حصول کے طریقوں کی تعلیم اور ناجائز طریقوں سے احتراز کا حکم ہوا، اسی شریعت اصول، معاملاً اور اخلاق انسانی کی فہم

دلیا پیدا ہوئی، اور پھر پہلے تاکہ اس حیات فانی میں پھنس کر حیات غیر فانی کی طلب کو وہ بھول نہ جائے، عرفان الہی و عقائد صحیح اور عبادات الہی اور اطاعت الہی کی تلقین ہوئی، جو جنت کی اصلی غذا اور روزی ہے:

وَمَا تَنْهَىٰ عَنْهُ الْمَلَائِكَةُ وَالْأَنْبِيَاءُ إِلَّا أَنْ يَحْمِلُوا ذُنُوبَهُمْ ۚ خُذْ زِينَتَكَ ۚ وَكُلْ وَشَرِبْ وَلَا تُفْسِدْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (احزاب: ۷۱)



أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ  
الْأَمْوَالَ وَالْأَنْفُسَ فِيهَا خِلْدٌ وَنَهْ (مومن: ۱۰)  
لیکن یہ وراثت انسان کو اپنے اعمال خیرہ کی فریضہ ملیگی، چنانچہ اہل جنت کو جنت کے داخلہ کی وقت یہ بشارت ملے گی،  
وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ  
وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي  
أُورِثُ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (زخرف: ۳۵)  
اور ان ہی کو منادی غیب یہ ندا دے گا،  
وَنُودُوا أَنَّ تِلْكَ الْجَنَّةُ أُورِثُ الْمُؤْمِنِينَ  
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اعراف: ۵۰)  
ملت توحید کے مبلغ ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ایک فقرہ یہ بھی تھا:

وَأَجْعَلُنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ (شعراء: ۵۰)  
اور مجھے کو باغِ نعمت کے وارثوں سے بنا،  
ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ اسلام نے انسان کا اصلی مقام وہی قرار دیا ہے، جہاں نہ بھوک ہے، نہ پیاس، نہ  
برنگی ہے نہ دھوپ کی تکلیف، جہاں کی بادشاہی لازوال اور جہاں کی زندگی غیر فانی ہے، لیکن اس کے حصول  
کا ذریعہ صرف انسان کا نیک عمل اور صحیح عرفان ہے، جن کے مجموعہ کا نام تقویٰ ہے۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْهُ جَنَّاتٍ  
مَنْ كَانَ يَتَّقِي (مريم: ۴۰)  
یہ وہ بہشت ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے ہم اس  
کو بنائیں گے جو تقویٰ والا ہوگا۔

انسانی جزا و سزا کے تین گھر انسان کے تین گھر ہیں، ایک موجودہ فانی عالم جس کو دنیا کہتے ہیں اور دوسرا  
درمیان عالم موت یا عالم برزخ ہے، اور تیسرا اس غیر فانی زندگی کا گھر جس کو دارِ آخرت کہتے ہیں، یہودیوں کے یہاں  
اصلی زور اسی دنیا کی جزا و سزا پر ہے، ان کے ملن تیسرے کا ذکر بہت کم، اور دوسرے کا مطلق نہیں اور عیسائیوں  
میں پورا اور تیسری منزل کی جزا و سزا پر ہے، اور پہلی اور دوسری منزلوں کے ذکر سے خاموشی ہے لیکن وحی  
محمدی کی تکمیل نے ان تینوں گھروں کو انسانی جزا و سزا کا مقام قرار دیا۔ انسان کو اپنے اعمال کی پہلی جزا و سزا تو  
اسی دنیا میں کامیابی و ناکامی کی صورت میں ملتی ہے، گو اس کیابی و ناکامی کے سمجھنے کا معیار مختلف ہو، اسکے بعد جب  
انسانی روح دوسری منزل میں قدم رکھتی ہے تو یہاں بھی وہ اپنے اعمال کی تھوڑی بہت جزا و سزا کا منظر دیکھتی  
ہے، اس کے بعد جب موجودہ دنیا کے پورے کاروبار کا خاتمہ ہو کر اس فانی کائنات کا ہر نقش و نگار مٹ جائیگا اور پھر نئی زمین  
و دنیا آسماں بنے گا، تو فانی انسان کو دوسری زندگی کیلئے بیدار کیا جائیگا، اور اس وقت وہ اپنے اعمال کی پوری جزا و سزا پائیں گے۔

انسان کا پہلا دارالجزا عرفان انسان کا پہلا دارالجزا اسی دنیا ہے، گویا اسکے ہر نیک و بد فعل کی پوری جزا و سزا تو دوسری دنیا  
کی زندگی میں ملتی ہے، لیکن اس کے نیک و بد فعل کے مائل اس موجودہ دنیا کی زندگی میں بھی اسکو کچھ کچھ جزا مل کر رہتی ہے، انسان  
کی عزت، شہرت، ناموری، ہر دلعزیزی، محبوبیت، تسکین، اطمینان، سرور، فارغ البالی، حکومت، یہ سب اس زندگی کے

اعمال خیر کے نتائج ہیں، ان کے برخلاف، ذلت، رسوائی، بے عزتی، کسرِ پرستی، پریشان حالی، بے اطمینانی، غم، خوف، حکومت  
اس کے اعمالِ بد کے اثرات ہیں۔

یہودیوں کی توراۃ میں اعمال کے نتائج میں زیادہ اہمیت اسی دنیاوی دارالجزا کو دی گئی ہے، بلکہ توراۃ میں یہی  
خیال سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ خدا کی فرمانبرداری اور نافرمانی کی جزا اسی دنیا کے رنج و راحت کی صورت میں اسی زندگی میں ہے، خدا  
خدا کے حکموں پر عمل کرو گے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز ہوں گی، اولادیں برومند ہوں گی، جانور جنیں گے،  
درخت پھل دیں گے اور دشمن مغلوب ہوں گے، اور اگر خدا کی نافرمانی کرو گے تو تم پر وبا پڑے گی، قحط پڑے گی،  
اولادیں جیتی نہ رہیں گی، جانور مر جائیں گے، شہر تباہ ہو جائیں گے، باغ پھل نہ دیں گے، اور دشمن تم پر چھا جائیں گے،  
عیسائیت نے اس کے بالمقابل سارا زور زمین کی مملکت پر نہیں بلکہ آسمان کی بادشاہت پر دیا ہے، اور اس ظاہری زندگی  
کے فوز و فلاح کو اپنے مقصد سے خارج قرار دیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس دعوت کو لیکر آئے وہ یہودیت اور  
عیسائیت کے افرات و تقریب دونوں سے پاک ہے، اس نیا ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ اس دنیا کی بادشاہی بھی قرار دی  
اور اس دنیا کی بھی، زمین کی حکومت بھی اور آسمان کی جنت بھی، یہاں کی سرسبزی و شادابی بھی، اور دوسری باغ  
بہار بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نیکو کار مسلمانوں کے ذکر میں فرمایا:

كَانَتْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ أَجْرُ النَّبِيِّينَ وَكَانَتْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ أَجْرُ النَّبِيِّينَ  
وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آل عمران: ۱۵)  
تو خدا نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا، اور آخرت کے ثواب کی  
خوبی بھی، اور اللہ نیکو گروہوں کو زیادہ کرتا ہے۔

ایمان اور عمل صالح والوں سے یہ وعدہ تھا کہ  
وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ  
مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (فتح: ۴۰)  
اور یہ بھی اُن ہی سے وعدہ ہے،

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا  
اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور: ۵۵)  
خدا نے ان سے جو تم میں سے ایمان لئے اور اچھے کام کیے،  
وعدہ کیلئے کہ وہ ان کو ملک میں حاکم بنائے گا، جس طرح  
ان سے اگلوں کو حاکم بنایا تھا۔

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جس طرح اس دنیا کی فانی زندگی سے اس دنیا کی باقی زندگی زیادہ پائیدار  
ہے، اسی طرح اس دنیا کے ثواب سے اس دنیا کے ثواب کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہے، اور اسی دنیا کے حسن عمل کی  
کوشش سے اس دنیا کی بہتری بھی ملتی ہے، فرمایا:

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ  
وَلِكُلِّ ظَالِمٍ لَّهْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (نمل: ۲۴)  
جنم نے نیک کام کیے، اس دنیا میں ان کے لیے بھلائی ہے، اور  
بے شہر آخرت کا گھر بہتر ہے، اور ہر مہر کا رو کا گھر کیا اچھا ہے۔

اسی طرح ہر گروہ کی جزا جہاں اس دنیا کی دوزخ اور گناہ کو فرمایا، اسی طرح اس دنیا کی دولت خوری اور رسوائی کو بھی فرمایا:  
خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ دَجًّا (جمع: ۲۵)  
اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا۔



لَهُمْ فِي الدُّنْيَا جُزْءٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سفرہ: ۱۳)

ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں بڑی مار ہے۔

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ  
ان کے کام دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے۔  
یہ بھی منسوب ہے :-

کَاْعَدَ بِهِنَّ عَذَابًا مَّشَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالَّذِينَ هُمْ اِلٰهٌ مِّنْ دُونِهَا هُمُ السَّوْغَاتُ فِي سَعَتٍ مُّطْمَئِنَّةٍ لِّمَنْ هُمْ شُرَكَاءُ فِيهَا ذُرِّيَّتُهُ خَالِدُونَ فِيهَا وَلَهُمْ فِيهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا قَاعٌ مُّتَمَتِّعُونَ  
شکلی اور بد حال کی سزا بھی یہیں ملتی ہے :-

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ  
مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
أَعْمًى (طہ: ۷۷)

اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھیرا تو اس کے لیے تنگ  
گزران ہے، اور قیامت میں میں اس کو اندھا اٹھاؤں گا کہ  
وہ دنیا میں وہ دل کا اندھا بناتا تھا۔

انہا یہ ہے کہ خود محابہ کو جب اُحد میں فتح نہیں ملی، اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی انکی بعض فر و گزاشتوں کا ثمرہ بتایا ،  
 اِنَّ الدِّينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ اِنَّمَا  
 اسْتَرْزَقَهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۗ وَذَالِ لَئْلَانٍ ۝۶۷  
 ایک اور مقام پر عام طور سے فرمایا گیا :

وَمَا أَمَّا بَكُمْ مِنْ مَّيْمَنَةٍ فَيُمَا كَبِتَ أَيْدِيَكُمْ  
وَيُغْفَوُ عَنْ كَثِيرٍ (شوری: ۱۳)

جو مصیبت تم کو پہنچی، وہ تمہارا بائیں ہاتھ کر تو قتل کے باعث اٹھانے والی  
بہت سی باتوں سے دہکاؤں کر رہی ہے۔

یہود کے ذکر میں قرآن نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، عذاب کے موقع پر فرمایا :-  
 ضَرَبَتْ عَلَيْهِمُ الدِّالَةُ اَيْمَنَ مَا تَقِفُوْا اِلَّا  
 بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ وَجَلَّ مِنَ النَّاسِ وَبِالْوِ اِنْضَبِ  
 مِّنَ اللّٰهِ وَضَرَبَتْ عَلَيْهِمُ الْمُسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا  
 يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَلَقَتْلُوْنَ الرُّسُلَ اَوْ يَفْتَرُوْنَ حَقِّ ذٰلِكَ  
 بِمَا عَصَوْا وَاَكَانُوْا يَتَكَبَّرُوْنَ (ال عمران ۱۲۰)

ان پر ذلت ماری گئی جہاں پائے گئے، لیکن رجاء عزت حاصل ہے  
 وہ خدا کے ذریعہ لوگوں کے سہارے اور اللہ کا غصہ کالائے  
 اور ان پر قوی، محتاجی ماری گئی، یہ اس لیے کہ وہ خدا کے  
 حکموں کا انکار کرتے تھے، اور پیغمبروں کو مار ڈالتے تھے، یہ  
 اس لیے کہ وہ نافرمان ہیں، اور عدوِ الہی سے آگے بڑھتے ہیں۔

اس کے بالمقابل عام اہل کتاب سے کہا گیا :  
وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ  
إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَكُنُوا مِنْ فَوْقِهِمْ  
وَمَنْ تَحْتَ الذُّلِّ عَلَيْهِمْ ط (مائدہ : ۹۰)

اور ان آبادیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور یرمیاہ کی کام کرتے  
تو ہم ان پر آسان اور نیک برکتوں کو کھولتے ہیں انہوں نے خدا کی کام

25 جَمَاعَتَانِ الْكُفْرَانِ، داعی مراف: (۱۲) کو جھٹلایا تو ہم نے انکے اعمال کی پاداش میں ان کو کپڑا دیا۔

مگر یہ دارالجزاء فانی ہے | لیکن یہاں ایک لغزش گاہ بھی ہے جس سے اہل ہوش کو باخبر بنانا چاہیے۔ اس دنیا میں گنوا انسان کو اعمال کی جزا و سزا کسی کسی رنگ میں ضرور ملتی ہے، مگر کیا بخشی زندگی اور کیا جماعتی حیات کے لحاظ سے یہ دارالجزاء جس کا نام دنیا ہے۔ عارضی اور فانی ہے، یہاں کا غم بھی فانی اور یہاں کی خوشی بھی عارضی ہے، ایسے صرف اسی دنیا کی کامیابی کو اپنی زندگی کا اصلی مطلوب و مقصود اور غایت و منتہا نہیں بنانا چاہیے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اس سے بھی زیادہ ایک اور وسیع آسمانی ملکیت اور لازوال ربانی سلطنت ہے، جو فنا و زوال کے ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے اور جہاں کی نعمتیں اس دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور غیر فانی ہیں، اس لیے اس فانی دنیا کی لذتوں میں بڑھ کر اس کو بھول نہیں جانا چاہیے، اس مسافر کی عقل سلیم کی داد کو نہ دیگا، جو راستہ کی عارضی خوش منظریوں اور سفر کی فانی دلچسپیوں میں بڑھ کر اپنے خوش سوا اور سدا بہار وطن کو فراموش کر بیٹھے،

بَلْ تَوَسَّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ  
 خَيْرٌ وَّاَبْقٰی (اعلیٰ و )

بلکہ تم دنیاوی زندگی کو بڑھ کر چاہتے ہو۔ حالانکہ آخرت کی زندگی  
 اس سے بہتر اور اس سے زیادہ پائیدار ہے ۔

وَلَا جُزْءَ الْاُخْرٰی خَیْرٌ دِیوسف ۷۱) اور بیشک آخرت کی مزدوری (پہا کی مزدوری) بہتر ہے۔  
اسی طرح گنہگاروں کے لیے یہاں کی دولت اور رسوائی سے بڑھ کر ایک اور دولت و رسوائی کا مقام ہے۔

فَاذْكُمُ اللّٰهَ الْخَيْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ  
الْآخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (ذمر: ۳)

تو خدائے ان کو اس دنیاوی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھایا،  
اور شہید نہیں کہ آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے اگر وہ جانتے،

اس دنیا کی ذلت و رسوائی تو شاید سبھی لیجانے لگے، مگر وہاں کے عذاب کی سختی کو کون سہہ سکتا ہے کہ  
وَالْعَذَابُ الْآخِرَةُ أَشَدُّ وَأَبْقَى، (طہ: ۷۷) اور آخرت کا عذاب البتہ زیادہ سخت اور زیادہ دیر پا ہے۔

اس لیے اس فانی دنیا میں انسان کو اپنے حسنِ عمل کے بدولت جو زور و قوت، جاہ و جلال، نعمت و مال، اور حکومت و سروری ملے، ان کو بھی آخرت کی لازوال نعمتوں اور وہاں کی غیر فانی بادشاہی کے حصول میں صرف کرنا چاہیے کہ اس سے خود ان دنیاوی نعمتوں کو بھی بقا اور پائداری حاصل ہوگی، اسی فلسفہ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحیِ حقیقت طراز نے قارون کی نصیحت کے ضمن میں ان لفظوں میں ادا کیا ہے :

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ ط (قصص ۸۱)

اور خدا نے جو کچھ کو دیا ہے اس سے آخرت کا کچھ تلاش کرو اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول، اور جس طرح خدا نے تجھے پر احسان کیا، تو بھی خدا کے بند پر احسان کرو اور (اس آیت سے) زمین میں خرابی نہ بچاؤ۔

چنانچہ مخالف یہودی رہنما ہی اسی لیے آئی کہ وہ دنیاوی زندگی کی دولت و جائیداد کی محبت میں ایسے پھنسے کسان

کواپنے کاروبار میں آخرت کے سودا کا خیال بھول کر بھی نہ آیا،  
فَخَلَفَ مِنْ أَفْئِدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَلْخُذُونَ  
عَرَضَ هَذَا الْأَوْفَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا جَ وَإِنْ

تو ان کے بعد کچھ ناخلف کتاب کے وارث نہ ہوئے جو اس نیکے سامانِ نسیا  
کو لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف ہوگا اور اگر ویسا ہی سامان نہ



يَا أَيُّهَا الْعَوْنُ، مِثْلُهُ، يَأْخُذُوهُ مَا لَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِثْلُ الْكَتَبِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ الْوَالْحَقُّ وَذَرُّوا مَا فِيهِ وَاللَّهُ أَدْنَىٰ حَرِّ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (اعراف: ۲۱)

اسباب پھرتے تو پھریں، کیا ان کتاب کے حق میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ وہ خدا پر حق کے سوا کچھ اور نہ بولیں، حالانکہ جو اس میں ہے وہ اس کو بڑھ چکے ہیں، اور آحشر کا کچھ بیزگاروں کے لیے بہتر ہے کیا تم سمجھتے نہیں،

یہ دو الفاظ اور اصلاح بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و شفقت سے انسان کو پیدا کیا، اور اس ہمیشہ کی زندگی کا مقام بھی دکھایا اور بتا دیا کہ اس مقام کا دائمی وابدی استحقاق خود تمہارے عمل سے تم کو حاصل ہو سکتا ہے، اور یہ دنیاوی زندگی اسی لیے اس کو دی گئی کہ وہ اس زمانہ میں اس سدا بہار سرزمین کی ملکیت کو اپنے عمل کی قیمت سے خرید سکے، پھر چونکہ انسان دوسری مصلحتوں کے لحاظ سے طبعاً کمزور، زود فراموش اور بھولنے والا بھی پیدا ہوا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی اسی مستعار زندگی میں بار بار اپنے سنہلے، سدھرنے اور کامیاب بننے کے مواقع عنایت کیے، رسولوں کی بعثت، معلوموں کی آمد، شریعت کی تعلیم، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ گناہوں پر حسانی سزا و تعزیر عمل خیر بر روحانی لذت اور عمل شر بر روحانی عذاب و کدورت کے لوازم اسی لیے مقرر ہوئے کہ اس کو ہر قدم پر اپنے اعمال پر متبذرا رہے اور اپنی غلامی رومی کا احساس ہوا، اور ان سب علاوہ اس نے اپنی غایت رحمت سے انسانوں کی تہذیب و اصلاح کے لیے حسبِ اہل مرتبہ مقرر کیے، انکی سے برائی کا کفارہ، چونکہ انسان کتنی ہی کوشش کرے اپنی فطری کمزوریوں کی حد باہر نہیں نکل سکتا، اس لیے جس طرح اس دنیا میں اس نے انسانوں کے دلوں میں یہ فطری اصول و دیعت کر دیا ہے کہ جبلی نیکیوں کا بدلہ بھاری ہو، اس کی معمولی برائیوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے، مایہ کہ آخر میں اس کا کوئی ایک نیک کام اتنا زبردست ہو جاتا ہے کہ اس سے اس کی تمام اگلی برائیوں کی فرد و صل جاتی ہے، اسی کا نام کفارہ عمل ہے، چنانچہ وحی محمدی نے اصولی طور پر یہ حقیقت ان الفاظ میں ملحقین کی ہے۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (مائدہ: ۲۶) بے شبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، اس آیت کا یہ بھی منشاء ہے کہ نیکیوں کی تدریجی ترقی بالآخر برائیوں کو کم کر دیتی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ پورا نیکو انسان بن جاتا ہے اور یہ بھی خوشخبری اس میں پوشیدہ ہے کہ یہی نیکیاں اس کی پہلی برائیوں کے نتیجہ کو بھی انشاء اللہ مٹا دیں گی، اس معنی کی اور آیتیں بھی قرآن پاک میں ہیں۔

إِنْ جَاءَتْكُمْ كِبَارُ تَوَّابُونَ عَنْهُ فَكُفِّرُوا عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخِلَ الْجَنَّةِ (نساء: ۵) تم کو جن باتوں سے منع کیا گیا ہے، اگر ان میں کی بری باتوں سے تم بچتے رہو گے تو ہم تمہاری تقصیر سے تم سے اتار دیں گے اور تم کو عزت کے مقام میں داخل کریں گے۔

لَنْ نَقْبَلَهُمُ الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ وَأَنْتُمْ بِأَعْيُنِنَا (مائدہ: ۶۱) البتہ اگر تم نماز کھڑی کرو، اور زکوٰۃ دو اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ، اور انکی مدد کرو گے، اور اللہ کو اچھی طرح کا قرص دو گے تو میں تمہارے گناہوں کو اتار دوں گا، اور تم کو ان جہنوں میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نرس بہتی ہیں،

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (مائدہ: ۶۱)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَقَبَلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَجَاوَزْنَا عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ (احقاف: ۲۲) یہ وہ ہیں جن کے اچھے عمل کو ہم قبول اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے،

۲۔ توبہ کفارہ ہے، انسان کے تمام کار و بار میں اصل شے اس کا دل ہے، اسی سے وہ پاک ہو سکتا ہے اور اسی سے ناپاک بنتا ہے، انسان کا دل اگر خلوص کے ساتھ کسی وقت خدا کی طرف رجوع کرے اور اپنی تقصیرات کو گناہوں پر اس کی بارگاہ میں نام و شرمسار ہو کر اپنی پچھلی زندگی سے بیزار ہو کر آئندہ کے لیے نیکو کاری کا خدا سے مستحکم وعدہ کرے تو اس کا نام توبہ ہے، یہ توبہ گنہگار سے گنہگار انسان کو بھی خدا کی آغوشِ محبت میں لا کر ڈال دیتی ہے آدم علیہ السلام کا قصور، اور پھر ان کی توبہ، اور رحمتِ الہی کا رجوع، واقعہ کے علاوہ اس بات کی ایک مثالی صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت، کس طرح گنہگار انسان کو واپس لینے کے لیے ہمیشہ وار ہوتی ہے، رحمتِ الہی کے اس پر جو شش نظارہ کی جو کیفیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفہ وحی اور پیام نبوت میں نظر آتی ہے اس سے ہندوستان کا ہر مت اور دھرم قطعاً محروم، تورات خاموش، زبور کی سرلی آواز مدہم، اور انجیل کی خوشخبری مبہم ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیام ربانی میں اس کی کیفیات اور اصول و شرائط کو جس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، وہ گویا رب العالمین کی طرف سے رحمت لقا لین کا خاص حصہ تھا، فرمایا:

إِنَّ مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ نُورٌ وَلِئِكَ يُدْخِلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ط (مریم: ۳۳) مگر جس نے توبہ کی، اور ایمان لایا، اور نیک کام کیے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔

اس سے آگے بڑھ کر یہ کیا ایک توبہ کی بھلائی، اس کے گناہوں کے سارے دفتر و ہوکرا کی جگہ آپ لے لے گی۔

إِنَّ مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ نُورٌ وَلِئِكَ يُدْخِلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ط (مریم: ۳۳) مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا، اور اچھے کام کیے تو یہ وہ ہیں، جن کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں میں بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ، أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (مائدہ: ۶۱) اور جس نے اپنے پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کی اور اپنے کو سدا رتو بیشک اللہ اس پر رجوع ہو گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، کیا تجھے نہیں معلوم کہ آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے، جس کو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے ف کرے، اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قطعی اصول ظاہر فرما دیا کہ وَأَنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (طہ: ۳۳) اور بیشک میں اس کو بخشنے والا ہوں جسے توبہ کی، اور ایمان لایا، اور نیک کام کیے اور پھر راہ پر چلا،



لیکن تو بہ کس کے لیے ہے، اور کس شرط کے ساتھ ہے :

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ  
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ  
يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا  
وَلَسْتَ التَّوْبَةَ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ  
حَتَّىٰ إِذَا أَحْضَرَ أَحَدُهُمُ الْمَوْتَ قَالَ إِنِّي تُبْتُ  
إِلَيْكَ يَا رَبِّ ۚ وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا (نساء: ۳۰)

اللہ کو ان کی توبہ قبول نہ کرے جو نادانی سے برا کام کرتے  
ہیں، پھر جلد توبہ کرتے ہیں تو یہی وہ ہیں جن کو اللہ معاف کرے گا  
اور اللہ سب جانتا ہے، اور حکمت والا ہے اور ان کی توبہ نہیں  
ہے، جو بُرے کام کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں  
سے کسی کو موت آئی تو اس نے کہا اب میں نے توبہ کی،  
اور نہ ان کی توبہ ہے جو کافر ہو کر مرے۔

مقصود یہ ہے کہ توبہ کے بعد اس بندہ کے دل میں آئندہ تلافی اور تدارک کا احساس بھی موجود ہو، اور ظاہر  
ہے کہ موت کے وقت یہ احساس ممکن ہی نہیں، ہاں اگر وہ توبہ اپنا احساس کے اثر سے کر لے، اور اس کے بعد تلافی  
موت آجائے تو یقیناً رحمت الہی اس کے قبول کرنے میں تامل نہ کرے گی۔

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ كَانُوا مِنْ  
بَعْدِهَا وَآمَنُوا أَنَّ رَبُّكَ مِنْ بَعْدِهَا  
لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (اعراف: ۱۹)

اور جنہوں نے بُرے کام کیے پھر اس کے بعد باز آئے (توبہ  
کی) اور یقین کیا تو بیشک تیرا پروردگار اس کے بعد بخشنے  
والا اور رحم کرنے والا ہے۔

وَمَنْ يُعْمَلْ سُوءٌ أَوْ يَظْلَمْ نَفْسُهُ ثُمَّ  
يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا (نساء: ۱۶)

اور جو کوئی برا کام کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ سے اپنے  
گناہ کی معافی چاہے تو وہ اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پائے گا۔

۳۔ مصائب کی تنبیہ اور کفارہ، دنیا میں انسان کو مصائب سے زیادہ بُری اور تکلیف دہ چیز کوئی دوسری نہیں  
معلوم ہوتی، لیکن یہ حقیقت بھلانے کے لائق نہیں کہ افراد بلکہ جماعتیں اور قومیں بھی مصائب ہی کی تنبیہ اور  
سرزنش سے متنبہ اور ہوشیار ہو کر آمادہ اصلاح ہوتی ہیں، چنانچہ اکثر اخلاقی محاسن کے جوہر کو مصیبتوں کی آگ نکھار کر  
کندن بناتی ہے، صبر استقلال، تواضع، شکر محبت، اور رحم ان تمام اخلاقی فضائل کی تربیت ان ہی مصائب کے زیر سایہ  
ہوتی ہے، مغرور سے مغرور انسان بھی جب کسی اتفاقی مصیبت کی ٹھوکر کھاتا ہے، تو سنبھل جاتا ہے، اس لیے غافل  
انسانوں اور خود فراموش سرمستوں کو ہوش میں لانے کیلئے کبھی کبھی مصیبتوں سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہیں  
کہ ان کی بدولت ملحد ملحد انسان بھی ایک دفعہ بے قرار ہو کر خدا کا نام لے لیتا ہے۔

دولت و نعمت اور کامیابی و مسرت وہ شراب ہے جس کے نشہ کا اتار اتفاقی مصائب ہی کی ترشی سے ہو سکتا ہے انسان  
خدا کو کتنا ہی بھولا ہو اور اپنی دولت و ثروت پر کتنا ہی نازاں ہو، لیکن جب وہ کسی افتاد سے دوچار ہوتا ہے، تو دفعۃً  
اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، بیماری، تنگدستی، غریبوں کی موت، آرزوؤں کی ناکامی ان میں ہر چیز وہ ٹھوکر ہے جن کو  
کھا کر سرمست سے سرمست راہگیر بھی ایک دفعہ چونک کر ہشیار ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے راستہ کی غلطی معلوم ہو جاتی  
ہے، اس لیے ان مصائب میں انسانوں کے اعمال بد اور گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ اس  
تھوڑی تکلیف سے بندہ میں جو احساس پیدا ہوتا ہے وہ بڑی بیش قیمت چیز ہے۔

قرآن پاک نے اس نکتہ کو جا بجا بیان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو اس پہلے کہ ان کو ہلاک  
کرے، مصائب کی آزمائشوں میں ڈالتا ہے، تاکہ شاید وہ اپنے بھولے ہوئے مالک کو یاد کریں، اور اپنی غلط فہمی  
پر متنبہ ہو کر اپنی بدایت و اصلاح کی فکر کریں، فرمایا :-

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصِ  
الْثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ (اعراف: ۱۶)

اور بیشک ہم نے فرعون والوں کو قحطوں اور پھلوں کی کمی  
کی مصیبت میں گرفتار کیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

بنی اسرائیل کے متعلق ہے :

وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ  
يَرْجِعُونَ (اعراف: ۲۱)

اور ہم نے ان کو نیکوئوں اور مصیبتوں کے ساتھ آزمایا  
تاکہ وہ شاید باز آئیں۔

اسی سورہ میں ایک اور جگہ اس اصول کو ایک کلیہ کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے :

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قُرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا  
أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَآءِ لَعَلَّهُمْ  
يَضُرَّعُونَ (اعراف: ۱۳)

اور ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی بھیجا لیکن وہاں  
کے رہنے والے کو سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار کیا  
تاکہ وہ شاید گمراہی سے فرمایا گیا :

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصِ  
مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۚ وَ  
بَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمْ مُصِيبَةٌ  
قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۚ وَأُولَٰئِكَ  
عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ  
هُمُ الْمُهْتَدُونَ (دہش: ۱۹)

اور البتہ ہم تم کو تھوڑے خوف، بھوک اور دولت کی اور  
جانوں کی اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور ان  
کو خوشخبری سنا کہ جن کو جب کوئی مصیبت ساتی ہے تو کہتے  
ہیں ہم خدا کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے ہیں  
یہ وہ ہیں جن پر اللہ کی برکتیں اور رحمتیں ہوں گی اور یہی سیدھی  
راہ پائے ہوئے ہیں۔

اس اصول کے تحت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعدد جزئیات بیان فرمائے ہیں، حضرت عائشہ  
سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ (نساء: ۱۸) جو کوئی برائی کرے گا، اس کا بدلہ اس کو  
دیا جائے گا، تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب پوچھا، فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بند پر عتاب ہے،  
اس کا بدلہ دنیا میں بندہ کی ہر تکلیف سے پورا ہو جاتا ہے، جیسے اس کو بیمار آجائے، یا وہ کسی اور مصیبت سے دوچار ہوئے،  
یہاں تک کہ جب میں کوئی چیز رکھ کر بھول جائے اور اس سے جو تکلیف اس کو پہنچے، وہ تکلیف بھی کفارہ بن جاتی ہے،  
یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے اس طرح صاف ہو کر نکلتا ہے، جیسے بھٹی سے سونا۔ دوسری حدیثوں میں ہے کہ آپ نے  
فرمایا کہ مسلمان کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی ہے، لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، یہاں  
تک کہ اگر اس کے کوئی کاٹا چبھ جائے تو وہ بھی کفارہ بن جاتا ہے، تیسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان  
اگر اس کی ہم معنی حدیثیں اکثر کتب حدیث میں مثلاً ترمذی، تفسیر خازن، سنن ابی داؤد، اہل کتاب، الجائزہ ۴



کو کوئی تکلیف یا بیماری یا غم، یا اذیت نہیں پہنچتی، لیکن یہ کہ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر اس کے کوئی کاٹا چھب جائے تو وہ بھی، جو تھی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف کاٹا چھنے سے لیکر اوپر تک جتنی بھی پہنچے، اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جیسے رخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں، پانچویں روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دنیا میں جو مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا، اور اس کی سزا اس کو بیس مل گئی، تو وہ اس کے لیے کفارہ، اور اس کو اس گناہ سے پاک و صاف بنانے والی ہے۔

سطور بالا سے ہوتا ہے کہ کوئی انسان جو اقرار توحید کے بعد گناہ سے ملوث ہو گیا ہو دنیا میں توبہ اعمال نیک اور مصائب پر صبر و شکر کے ذریعے بجات پاسکتا ہے اور اس دنیا سے اسی طرح پاک و صاف ہو کر نکل سکتا ہے کہ موت کے بعد اس کو کسی نئے کفارہ گناہ کی ضرورت پیش نہ آئے۔

اسی لیے قرآن پاک میں ہے:

وَلَنَذِقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأُولَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَوْثَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سجہ: ۲۰)

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ عذاب الہی کا مقصد انتقام اور نفس سزا اور عقوبت نہیں بلکہ تشریف نفس کو راہ راست پر لانا ہے، اسی لیے ایک روایت میں فرمایا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا (نساء: ۲۱)

الغرض یہ عذاب اس دنیا میں آئندہ گناہوں سے بچانے اور گزشتہ گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہوتا ہے اور عالم برزخ اور عالم بعثت چونکہ نئے عمل کے محل نہیں، اس لیے ان دونوں مقاموں میں آئندہ کوئی سوال نہیں پیدا ہو سکتا، صرف گزشتہ بد اعمالیوں کی سزا بھگت کران کے نتائج سے نجات مل سکتی ہے، اور یہی عالم برزخ اور عالم بعثت کے عذابوں کا مقصد ہے، آئیہ کہ پروردگار عالم خود اپنی رحمت سے نوازے، اور معاف فرمائے،

عذاب برزخ بھی کفارہ ہے لیکن اگر کسی انسان کے اندر گناہوں کی ناپاکیاں اتنی زیادہ ہیں کہ اسکی دنیاوی زندگی کے تمام کفارے بھی اس کو دھوکہ کر پاک و صاف نہ بنا سکے تو اس کو اپنے مرنے کے بعد بھی برزخ کے عالم میں اپنے اعمال بد کی مناسب سزائوں کی صورتوں میں تکلیفیں اٹھانا پڑیں گی، یہی عالم برزخ کا عذاب ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ عالم برزخ کی یہ سزائیں اس لیے ہیں کہ ہم نے دنیا میں اپنی ناپاک خواہشوں اور ناپاک کاموں سے احتراز کرنے کی جو رحمت نہیں اٹھائی اور اچھے کاموں کے کرنے سے جو تھوڑی تکلیف پیش آتی ہے، اسکو بڑاشت کر کے اچھے کام جو نہیں کیے ان دونوں کے معاوضہ میں عالم برزخ میں آکر عذاب کی تکلیفیں اٹھائیں، تاکہ حیات ثانی کے دروازہ پر پہنچ کر بھی اگر ہم ان سزائوں کے ذریعہ پاک و صاف ہو سکیں تو پاک و صاف ہو کر اپنی موردی بہشت کے قابل بن سکیں، جو صرف پاکوں اور بے گناہوں کی جگہ ہے، یعنی انکی ہے جو یا سہ سے کسی گناہ کے مرتکب

لے صحیح بخاری اوائل کتاب المرضی میں یہ تینوں روایتیں ہیں تہ صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیۃ

نہ ہوئے ہوں یا یہ کہ گناہ کے مرتکب ہوئے، مگر اعمال نیک، توبہ اور مصائب میں صبر و شکر کر کے یا برزخ میں سزا پاکر وہ گناہوں کے داغ سے بجات پائے،

یہ بات کہ عذاب برزخ بھی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے، اسلام کے اس اصول سے مترشح ہے کہ ایک مسلمان کی ہر تکلیف اس کے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہے، اس بنا پر عذاب برزخ بھی اس کے گناہ کا کفارہ ہوگا، قرآن پاک کی بعض آیتوں سے یہ بات بھی کنایت نکلتی ہے:

گنہگار حشر کے دن کہیں گے،

وَبَلَعْنَا أَوْلَادَنَا الَّذِي أَجَلَّتْ لَنَا دَانَامُ (۱۵)

اور ہم مقررہ وقت جبکو تو نے ہمارے مقرر کیا تھا، پیچ چکے،

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حشر سے پہلے عذاب کے ایک دورے کو ختم کر چکے، بعض حدیثوں میں بھی اس کنایہ کی تصریح ملتی ہے، کنز العمال میں ایک حدیث ہے،

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ طَوْلَ مَقَامِ أَمِّي فِي قَبْرِهِمْ تَحْيِيضٌ لِّذُنُوبِهِمْ دَكُنْزِ الْعَمَالِ، اب عذاب القبر جلد ۸ ص ۹۶ ابن عمر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کا اپنی قبروں میں طول قیام ان کو گناہوں سے نالغ کرتا ہے،

اسی لیے ایک اور حدیث میں آیا ہے:

أَكْثَرُ عَذَابِ أُمِّي فِي قَبْرِ رَهْلِهِ، میری امت کے لوگوں کو زیادہ تر عذاب نکی قبروں میں ہوگا۔

اس حدیث کا اگر وہ ثابت ہو تو، منشا یہ ہے کہ امت محمدیہ کے اکثر افراد اسی برزخ کے محدود زمانہ عذاب نکھر کر اور پاک و صاف ہو کر جنت کے قابل ہو جائیں گے اور عذاب دوزخ کی ضرورت ان کو پیش نہ آئے گی، حافظ ابن قیم ایک موقع پر لکھتے ہیں :-

فَإِنْ دَفِنَ بِالْخَلْصِ مِنْهَا فِي هَذِهِ الدَّارِ وَالْآخِرَةِ، فان دفن بالخلوص مني والد فني

موقف القيامة واهوالها ما يخلصهم من تلك البقيعة، موقف القيامة واهوالها ما يخلصهم من تلك البقيعة

روایت برزخ کی حدیث میں جو پہلے مفصل گزر چکی ہے، وہ منظر دکھایا گیا ہے، جہیں گنہگار عذاب کے درمیان گھر اور نہ حیات میں نئی زندگی پاکر بہشت کے مستحق قرار پائے ہیں، غالباً انہی نجات پانے والے مومنوں کو دیکھ کر مشرکین بھی قیامت میں یہ کہیں گے،

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا، يَمَحُشُرُ الْجَنَّةِ قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ مِّنَ الْإِنسِ، وَقَالَ أَوْلِيَاءُ هُمْ مِّنَ الْإِنسِ كَرَبْنَا اسْتَحْسَنَ بَعْضًا بَعْضًا وَبَلَعْنَا أَوْلَادَنَا الَّذِي

اس حدیث کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے حجتہ اللہ بالغہ باب الوقائع الحشریہ میں نقل کیلئے لیکن مجھے اس کا اصل ماخذ معلوم نہ ہو سکا لہذا شفاء العلیل لابن القیم مطبوعہ حینیہ مصر ص ۲۲۲ تہ صحیح بخاری کتاب التبعیر



أَجَلْتُمْ لَنَا، (انعام: ۱۵) اور ہم مقررہ وقت کو جس کو تو نے ہمارے لیے ٹھہرایا تھا، پہنچ چکے۔ یہ الفاظ کہ ہم اپنے مقررہ وقت کو جس کو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا، پہنچ چکے۔ یہ معنی رکھتے ہیں کہ عالم برزخ کا مقررہ دورہ عذاب ہم ختم کر چکے، اور اب حشر و نشر کے عذاب دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اس لیے بعض دوسرے نیک بختوں کی طرح ہم کو بھی اب چھٹکارا ملے، جواب ملے گا،

قَالَ النَّارُ مَثَلُكُمْ خَلِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (انعام: ۱۵) فرمایا، آتش دوزخ تمہارا ٹھکانا ہوا اس میں سدا رہو گے، لیکن یہ کہ جو اللہ چاہے بیشک تیرا رب حکمت اور علم والا ہے، اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تمہارا دورہ عذاب ختم نہیں ہوا ہے اور تمہاری پاکیزگی ابھی کامل نہیں ہوئی، اس لیے ابھی اس دوسرے عالم کا عذاب بھی تم کو سہل ہے، پھر جب خدا چاہے گا، تم کو اس نجات دیگا، اس کا ہر کام علم و حکمت پر مبنی ہے، اس کے علم و حکمت اور مصلحت کا جب تقاضا ہوگا، تم کو نجات ملے گی۔

عذاب دوزخ کفارہ گناہ ہے | ابھی یہ آیت اوپر گزر چکی ہے، مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِكُمْ إِنَّكُمْ تَشْكُرُونَ وَأَمَّا الَّذِينَ ظَنُّوا أَنَّهُم كَانُوا أَكْبَرُ عِلْمًا، (نساء: ۲۱) خدا کو تمہارا عذاب سے کیا کام، اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ کہ خدا تمہاری شکر گزاری کو قبول کرے تو اولا اور تمہارا دلوں کے حال کو جاننے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو گنہگاروں کے عذاب سے کوئی خوشی نہیں حاصل ہوتی، نہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے گنہگار بندے اس عذاب میں مبتلا ہوں، لیکن ازل سے اسے اپنے جو قانون مقرر کر دیے ہیں، وہ انکو توڑتا بھی نہیں جو وقت اوٹم کو جنت کی سر زمین سے نکال کر اس دنیا میں اس لیے بھیجا گیا کہ وہ اپنے عمل کے استحقاق سے اس جنت کو دوبارہ میرے کے لیے حاصل کریں، اسی وقت یہ قانون بھی ان کو سنا دیا گیا تھا۔

أَهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ، (بقرہ: ۳۱) یہاں سے تم سب ترو، تو اگر تمہارا پاس میری طرف کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، تو ان پر نہ کوئی خوف نہ اور نہ غمگین ہونگے، اور جو نبیوں نے ناشکری کی، اور ہمارے نشانوں کو جھٹلاتے ہوئے دوزخ والے ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں مستحق دوزخ ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں، ایک کفران اور دوسری تکذیب، دیکھو کہ اوپر کی نساء والی آیت میں عذاب دوزخ سے نجات پانے کی دو شرطیں شکر اور ایمان ان کے بالمقابل ہیں، اس سے ظاہر ہوا کہ شکر اور ایمان استحقاق جنت کی شرطیں اور کفران اور تکذیب استحقاق دوزخ کے اسباب ہیں، بقیہ تمام یکیاں شکر اور ایمان کے فروع اور تمام برائیاں کفران اور تکذیب کی شاخیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لیے نہیں بنایا کہ وہ ان کو پیدا کر کے دوزخ کا ایندھن بنائے، بلکہ اس نے تو ان کو اپنی رحمت کے ظہور کے لیے پیدا کیا، غیظ و غضب کے اظہار کے لیے نہیں، فرمایا :-

إِنَّا عَرَضْنَا الْأُمَمَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا اللَّهُ تَعَالَى (نساء: ۷۸) ہم نے یہ امت آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو ان نے اگلے اٹھانے سے انکار کیا اور در سے اور انان نے انکو ٹھایا

لے حسب تفسیر ابن عباس، ابن جریر طبری ج ۸ ص ۲۳ مصر:

أَلَيْسَ لَنَا طَائِفَةٌ مَّا جَعَلُوا، لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا، (احزاب: ۹) کہ وہ ظالم اور نادان تھا، تاکہ اللہ نفاق کرنے والوں کو نیکو لیلوں اور شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو سزا دے، اور ایمان دانوں اور ایمان دانیوں پر وہ اپنی رحمت کے ساتھ رجوع ہو اور اللہ تو بخشنے والا اور رحمت والا ہے۔

اس آیت پاک سے صاف ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی اصلی صفت یہی ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے، یعنی بخشش و رحمت اس کی صفت ذاتی ہے، اب اگر کوئی اپنے آپ پر ظلم کر کے گناہ کرتا ہے، اور اپنے وہ اپنے کو رحمت الہی سے دور کر لیتا ہے، تو یہ خود انسان کا فعل ہے، فصَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ، (توبہ: ۹) اللہ نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے ہیں۔

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلَمًا لِلْبَاطِلِ (مومن: ۴۱) اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ غرض جو کچھ ہے وہ اپنے اعمال کا نتیجہ ہے، لِيَجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى (طہ: ۱) کہ ہر جان کو اپنے ہی کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔

اس لیے بہشت یا دوزخ جو کچھ ہے انسان کے اپنے ہی عمل کا لازمی نتیجہ ہے، جس طرح دنیا کے ہر عمل کا کوئی نہ کوئی لازمی نتیجہ ہے، مثلاً کھانے کا نتیجہ شکم سیری، پیسے کا سیرانی، بھوک کا تکلیف، بیمار کا بے آرامی، گرنے کا پتھر، زہر کا موت، شہد کا مسٹھاس، غرض ہر اچھے بُرے فعل کا ایک لازمی جسمانی نتیجہ ہے، جو دنیا میں ہمارے عمل کے بعد ہم کو ملتا رہتا ہے ماسی طرح ہم کو اپنے اعمال کا ایک روحانی نتیجہ بھی لازمی ملنے والا ہے، جو ہم کو اس دوسرے عالم میں ملے گا تو جس طرح زہر کھا کر مرنے کی فریاداری خود ہم پر عائد ہوتی ہے، اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم زہر کھا کر مر گئے یا گرنے سے ہم کو چوٹ کیوں آئی اسی طرح ہم یہ سوال بھی نہیں کر سکتے کہ ہم کو نیک اعمال کے بعد دوزخ کی سزا کیوں ملی، کہ دونوں ہمارے اعمال کے یکساں لازمی نتیجے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی غایت رحمت سے ہم کو اعمال کے نتیجوں سے قبل از وقت مطلع فرمادیا ہے، ہم کو اس نے نیک بُد کی تیز کا احساس بخشا، عقل عنایت کی ہم پر عطا کیا، پھر نبی اور رسول بھیجے، شریعت دی کتاب مرعت فرمائی، اس پر سچی اگر ہم باز نہ گئے اور ان اعمال کا ارتکاب کیا تو اب ہم کو ان اعمال کے نتائج سے کون بچا سکتا ہے،

رُسُلًا قَبَشِيرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَلْذَكَّ يَكُونُوا لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةً، (نساء: ۳۲) یہ رسول بھیجے، نیکوں کو خوشخبری سننے والے اور بدکاروں کو ہشیار کر نیوالے تاکہ خدا پر انسان کی حجت باقی نہ رہے۔

پھر اپنی رحمت سے سب سے آخر میں اپنی رحمت کے کامل مظہر کو دنیا میں بھیجا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء: ۱۰۷) ہم نے تجھ کو دے پیغمبر ساری نیکائے رحمت بنا کر بھیجا۔

لیکن ظالم نادان انسانوں نے اس رحمت کے قبول سے انکار کیا، اور طرح طرح کی بدعتا دیو اور جادو سے اپنے کو برباد

کیا، اور جس غرض سے خدا نے انکو پیدا کیا تھا، اس امرض کیا اور اپنے کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت و بربادی میں مبتلا کیا،

وَمَا كَانَ نُبُكَ لِيُظْلِمَ الْقُرْآنَ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً

اور نہ تھا تیرا رب جو آدمیوں کو ظلم کرے برباد کرنا، اور نہ تھا کہ ان کے رہنے والے نیکو ہوتے اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو نیک کر دیتا



وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُ تُنْخَلِفُ فِيهِ  
إِلَّا مَنْ رَجِمَ رَجْمًا وَلَا إِلَا  
خَلَقَهُمْ (ہود: ۱۰۰)

ایک راہ پر کر دیتا، لیکن وہ ایسی زبردستی نہیں کرتا اور وہ یونہی ہمیشہ اختلافات میں رہتے ہیں، مگر جن پر تیرے رب کا رحم ہوا، اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو رحمت کے لیے بنایا ہے، عذاب کیلئے نہیں، لیکن انسان خود اپنے عمل سے خدا کی رحمت کے بجائے اکے عذاب کا سزاوار اپنے کو ٹھہر لیتا ہے، اس آیت کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، لِلرَّحْمَةِ خَلَقَهُمْ وَلَمْ يَخْلُقْهُمْ لِلْعَذَابِ (طبرک جلد ۱۲ ص ۱۸۷) خدا نے انسانوں کو رحمت کے لیے پیدا کیا عذاب کے لیے نہیں، لیکن اگر ظالم و نادان انسان نے خدا کی ان بے دریغ رحمتوں کے باوجود اپنے کو افس کی رحمت کا مستحق نہ بنایا تو کیا وہ خدا نے رحمان و رحیم جس کا یہ اعلان ہے،

كُتِبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ (ط: الانعام: ۲۰)  
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ نَفْسُهُ الرَّحْمَةُ (ط: الانعام: ۲۱) تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے رحمت کو اپنے اوپر فرض ٹھہرایا ہے، وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف: ۱۵۹)  
وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ (کہف: ۸)  
وَرَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي (ص: صبح بخاری)  
اور میری رحمت نے ہر چیز کو سبیل ہے، اور تیرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے، اور میری رحمت پر غصہ سے سبق لے گئی۔  
وہ اپنے گنہگار و سیکار بندوں سے ہمیشہ کیلئے اپنا منہ موڑ لیکر حالانکہ اس کی رحمت کسی غرض سے نہیں بلکہ بے غرض ہے، فرمایا، وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ (انعام: ۱۶)  
اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا ہے،

اور تسلی دی ہے:  
يُغَاوِرُ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا  
مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا  
إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (زمر: ۶)

اے میرے وہ ہندو! جنہوں نے اپنا و پر آپ ظلم کیا ہے، خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو، خدا سب گناہوں کو معاف کرتا ہے، بلیک وہی بخشنے والا رحمت والا ہے۔

اس کی رحمت کا تصور جس طرح اس دنیا میں ہوا ہے، اس دنیا میں بھی ہوگا، اور وہاں اس کی رحمت کا سب سے بڑا منظر اکے مقام لعنت (دوزخ) سے دوری، اور اکے مقام رحمت (بہشت) سے قرب ہے۔  
مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَجِمَهُ وَنَزَلَ بِهِ  
الْفُورُ الْمُبِينُ (انعام: ۲۱)

جس سے خدا کا عذاب ہٹایا گیا وہی ہے جس پر اس نے اپنی رحمت کی اور اس کی رحمت کا یہ حصول ہی کھلی کامیابی ہے۔  
اللہ تعالیٰ کی ان بے دریغ رحمتوں کا یہ تقاضہ ہے کہ وہ گنہگاروں کو زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان کے نتائج عمل کے بھگت لینے کے بعد آخر کار اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے اور وہ ان کو اپنی بخششوں سے سرفراز فرمائے۔

دوزخ قید خانہ نہیں شفا خانہ ہے | انسان جب عدم حفظِ صحت کی غلط کاریوں کے سبب سے بیمار ہو جاتا ہے تو اکثر یہی سمجھ جاتا ہے کہ فطرت نے اس کو ان کے معاوضہ میں بیماری کی تکالیف کی سزا نہیں دی ہیں، مگر واقعہ یہ نہیں ہے کہ ان غلط کاریوں کے جو بڑے نتائج انسان کے جسم کے اندر پیدا ہو گئے ہیں، ان کو دور کرنے کے لیے جسم جہد و جد کرتا ہے

اس لڑائی کا نام بیماری اور اس لڑائی کی کشمکش کا نام بیماری کی تکالیف و آلام ہے جن کو ہم دردمبر، درد کشم، اعضا شکنی اور بے خوابی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں یہی روحانی بیماریوں کا حال ہے جن کو ہم اصطلاح شمری میں گناہ اور جن کے نتائج بد کو عذاب کہتے ہیں یہ نتائج آتش دوزخ اور اس کے شدائد و آلام کی صورت میں ظاہر ہوں گے، اور جن کا منشاء یہ ہوگا کہ روح انسانی اپنی غلط کاریوں کے نتائج بد کو دور کرنے کے لیے جہد و جہد میں مصروف ہوگی، وہ آگے بڑھ کر ہوگی، خدا کی رحمت سے سرفرازی یا اگر اس عذاب سے نکل کر اپنی موروثی بہشت میں داخل ہوگی۔

اس تمہید سے یہ ظاہر ہے کہ دوزخ کی مثال یہ نہیں ہے کہ وہ مجرموں کیلئے قید خانہ ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ بیمار کو کیلئے شفا خانہ ہے، بیمار کو شفا خانہ کا اندر بھی قسم کی تکلیفیں محسوس ہوتی ہیں، درد، اعضا شکنی، شدت تشنگی، سوزش جسم و ہاں کوڑی کوڑی لڑائی پلائی جاتی ہے، بد مزہ سے بد مزہ کھانا کھلایا جاتا ہے، ضرورت ہوتی ہے تو اس کو شتر دیا جاتا ہے اس کا کوئی عضو کاٹا جاتا ہے کوئی دانا جاتا ہے، اور ان سب کی تکلیفیں ان کو اٹھانی پڑتی ہیں، مگر یہ ساری ایذا رسانی، کسی انتقام اور تکلیف اور تکلیف ہی کی غرض سے نہیں ہوتی بلکہ عدم صحت کی غلط کاریوں کے بڑے نتائج سے اس کے جسم کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کی جاتی ہے، اس کو تو تکلیفیں دہل محسوس ہوتی ہیں، وہ گوشا خانہ کے اندر ہی محسوس ہوتی ہیں، مگر ان کا سبب شفا خانہ نہیں بلکہ خود اس بیمار کا اصول صحت دانستہ یا نادانستہ انحراف کرنا اور اس کی وجہ بیماریوں میں مبتلا ہونا ہے۔

یہ اصول ان آیتوں اور صحیح حدیثوں سے پوری طرح کچھ میں آتا ہے، جن میں بالآخر عذاب دوزخ سے نجات پانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے دنیاوی آلام و تکالیف کی نسبت قرآن نے یہ اصول پیش کیا ہے،  
وَلِيْمَحْصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيُصْحَوْ  
الْكَافِرِينَ، ذال عمران: ۱۳۰

اور تاکہ خدا ایمان والوں کو پاک خالص کرے، اور کافروں کو مٹائے۔

یہی اصول عذابِ آخری پر صادق آتا ہے، کہ اس سے بھی مقصود گنہگار اہل ایمان کی پاک و صفائی ہے چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ حقوق عباد کے بعد حجتی یا ذَا هَذِهِ بُوَاوْنَقُوا اذْنُ لَهْمُ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ (صحیح بخاری، باب القصاص) یوم القیامت ص ۹۶، یہاں تک کہ جب گنہگار چھٹ جائیں گے اور پاک صاف ہو جائیں گے تب ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی، اس حدیث میں یہ دو لفظ هَذِهِ بُوَاوْنَقُوا ذرا تشریح طلب ہیں، هَذِهِ بُوَاوْنَقُوا کا مصدر تہذیب ہے تہذیب کے لغوی معنی یہ ہیں کہ درختوں کی خراب شاخیں اس لیے چھانٹ دی جائیں تاکہ ان میں سرسبزی و شادابی پیدا ہو، اور ترقی کی نئی زندگی ان کو مل جائے، اور نَقُوا کا مصدر تنقیہ ہے، تنقیہ کے اصلی معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے اندر سے خراب فاسد مادہ کو الگ کر دیا جائے تاکہ وہ پوری طرح نکھر جائے، اس تشریح سے صاف کھل گیا کہ گنہگاروں کو جنت کے داخلہ کے لیے کیا دگر ہے، اسی لیے قرآن پاک میں ہے کہ اہل جنت جب جنت کے قریب پہنچیں گے تو مذائے گی۔

طِبَّتُمْ فَأَدْخَلُوا خُلْدِيْنَ (زمر: ۸۱) تم پاک و صاف ہو چکے تو جنت میں سدا کے لیے آجاؤ، الغرض جب اس طیب و پاکیزگی کا دور آنے کا تو گنہگاروں کو بھی نجات ملے گی، اسی لیے ہر گنہگار کے لیے دوزخ سے نکلنے کی مدت خواہ کتنی ہی طویل ہو مگر بہر حال اس کی انتہا ہے، فرمایا:  
لَوْ بَشِينِ فِيْهَا أَحْقَابًا (نبا: ۱)

دوزخ میں وہ صد ہا سال تک پڑے رہیں گے۔



لیکن ہاں آخر ان صد ہا سال کا بھی ایک دن خاتمہ ہوگا، اور خدا نے چاہا تو ان کو بھلا کر دے گی۔  
حدیث روایت ہے کہ آپ نے دوزخ میں کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جنہوں نے کچھ اچھے اور کچھ برے کام کیے تھے، ان کا وہاں نہایت خوبصورت اور آدھا سخت بدصورت تھا، جب انکی سزا کی مدت ختم ہوتی تو فرشتوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اور اس منہ میں جا کر پڑ جاؤ، سامنے وہ نہر تھی، جس میں خالص سپید پانی بہہ رہا تھا، وہ اس میں جا کر پڑ گئے پھر نکل کر آئے تو ان کی وہ بدصورتی جاتی رہی اور نہایت خوبصورت ہو گئے، اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی رحمت کیونکر گنہگاروں کو سرفراز فرماتے گی۔

کیا دوزخ بھی ایک نعمت ہے | اس تفصیل کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ قیامت اور دوزخ کی ہولناکیاں اور سزائیں بھی گنہگاروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح نعمت ہیں جس طرح اس دنیا میں شفا خانوں کا و جو بیماریوں کے لیے نعمت ہے، اگر دوزخ نہ ہوتی تو گنہگاروں کی پاکیزگی، اور پاکوں کی جنت میں ان کے داخل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اس رحمان و رحیم کی رحمت و کرم نے گوارا نہ کیا کہ ان بد بختوں کو ان کی نافرمانیوں کے باوجود ہمیشہ کے لیے محروم رکھا جائے، اس لیے ان کی صفائی کے لیے پہلے دوزخ کا حام مقرر کیا اور جو اس سے بھی پاک نہ ہو سکیں ان کے لیے دوزخ کی آگ مقرر کی کہ وہ اپنی ہر قسم کی بد اعمالیوں کے میل کچیل کو جلا کر نکھر کر پاک ہو جائیں، اور کندن بن کر بالآخر اپنی آبائی اور فطری وراثت (جنت) پائیں، اس نظریہ کو پیش نظر رکھ کر قرآن پاک کی ان آیتوں کو پڑھیے، جن میں قیامت اور دوزخ کی ہولناکیاں اور مصیبتوں کو بھی نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے، فرمایا:

يَوْمَ نُسَلِّطُ عَلَيْكُمْ شَوْاظِمِنْ تَارٍ وَنُحَاسٍ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ فَاِذَا الشَّقَاتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ سُودًا ۚ فَبِأَيِّ نِعْمَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ فَيَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْ ذُنُوبِهِمْ اِنْسٌ وَّلَا جَانٌ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ يَعْرِفُ الْجُحْرُمْوْنَ بِسَمِيحِهِمْ فَيُوْخَذُ بِالْاُتْمٰى وَالْاَقْدَامِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۚ يَطُوفُوْنَ فِيْهَا وَابَسٍ ۚ وَجِوْءٌ ۙ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۚ (رحمن: ۲۱)

ان آیتوں کی تفسیر کسی پہلو سے بھی کیجئے، یہ بات بہر حال ماننی پڑے گی کہ قیامت اور دوزخ کے ہولناک احوال، مجرموں کی حق میں نعمت ہیں اس لیے بھی کہ دنیا میں وہ ان کے دوسرے برائیوں کو چھوڑ کر راہ راست پر آتے ہیں، اور اس لیے بھی کہ آخرت میں وہ انہی کے ذریعہ سے اپنے گناہوں کے نتائج بد سے بری ہو کر بہشت ربانی کے لائق بن سکیں گے۔

دوزخ رحمت الہی کا ظہور اور نجات | انسان اور وہ بھی اللہ کی توحید کا قائل اور رسولوں کی صداقت کا معترف خواہ کی قدر گمراہ اور گنہگار ہو تاہم اس کے نامہ اعمال میں کچھ نہ کچھ نیکیاں ضرور ہوں گی، قیامت کو اللہ تعالیٰ کے عذاب جلال کا

روز ہوگا، جس میں ہر گنہگار کو اپنی گنہگاری کا ملزم ہونا پڑے گا، مگر بالآخر اس رحمان و رحیم کی شان رحیمی کا ظہور ہوگا اور نہایت سَبَقَتْ غَفْبَتِی، (اور میری غفرت میری رحمت سے قبل تھی) کے اعلان کا مصداق شفاعت کی صورت میں جلوہ گر ہوگا، اور گنہگاروں کو اسکی بدلت گناہوں کے داغ سے پاک عاف ہو کر پاکوں کی بہشت میں داخلہ کی اجازت ملے گی، فرمایا:

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ دُفُنًا ۖ وَآخِرُونَ اَعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلَهُ صَالِحًا وَآخِرُ سَيِّئَاتِهِ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يُؤْتِيَهُمْ طَائِفَةٌ اِنْ اللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ۝ (توبہ: ۱۳)

اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے، اس اُس کی نیکیاں بھٹا دے گا، اور اُس کو جنت میں داخل کرے گا۔  
اور دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور طایا ایک کام نیک اور دوسرا بد، شاید اللہ ان کو معاف کرے، بیشک اللہ بخشنے والا رحم والا ہے۔

اس معافی کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ وہ بالکل یعنی عذاب کے بغیر ہی معاف کر دے، دوسری یہ کہ وہ دوزخ میں کچھ دن جا کر خدا کی معافی سے سرفراز ہو کر اس سے نکلیں، فرمایا:

وَ اِنْ مِنْكُمْ اِلَ وَا رُدُّوْا حَتّٰى عَلٰى رَبِّكَ حَسَنًا ۚ مَّقْصُودًا ۚ ثُمَّ نُنَجِّيْ الذِّیْنَ اَتَقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِیْنَ ۚ فِیْهَا جَنَّتٌ ۝ (مریم: ۵)

اور تم میں کوئی نہیں جو جہنم میں وارد نہ ہو تیرے رب کا یہ مقصد فیصلہ ہے، پھر ہم انکو جو خدا سے ڈرے، نجات دیں گے اور مشرکوں کا فساد کو ہم سب سے گھٹے کے بل کرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

احادیث صحیحہ میں اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ذیل تصریحات مذکور ہیں۔  
۱۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شفاعت کے ذریعہ لوگ دوزخ چھوٹی لکڑیوں کے مانند نکلیں گے، صحیح بخاری، کتاب الشفاعت۔

۲۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ سے کچھ لوگ اسکی مجلس کھا کر نکلیں گے، اور جنت میں داخل ہوں گے، صحیح بخاری کتاب الشفاعت۔

۳۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو چکیں گے، تو خدا فرمائے گا، کہ جس کے دل میں رانی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال دو تو وہ کوٹلے ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیئے جائیں گے، تو وہ اس طرح اوگیں گے جس طرح سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانہ اگتا ہے، صحیح بخاری کتاب الشفاعت۔

۴۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے قیامت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا، پھر میں بعد میں گر پڑوں گا، اور پڑا رہوں گا، تو آواز آئے گی کہ اے محمد! سر اٹھا، مالک، دیا جائیگا، تو میں سر اٹھاؤں گا، اور اس حمد سے جو خدا مجھے سکھائے گا، اس کی حمد کروں گا اور سفارش کروں گا، تو خدا ایک حد مقرر فرمائے گا تو میں انکو دوزخ سے نکالوں گا، اور جنت میں داخل کروں گا، پھر لوٹ آؤں گا اور سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر وہ کچھ لوگوں کو بخش دے گا، اسی طرح تیسری، پھر چوتھی بار کروں گا، یہاں تک کہ دوزخ میں پھر وہی رہ جائے گا، جس کو قرآن نے روک رکھا ہے، صحیح بخاری کتاب الشفاعت۔



۵۔ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمدؐ کی شفاعت سے کچھ ایسے لوگ دوزخ سے نکلیں گے اور جنت میں داخل ہونگے جن کا نام جہنم والے ہوگا۔ (ایضاً)

۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے سوال پر آپؐ نے فرمایا کہ میری سفارش سے سر فراز ہونے کی خوش قسمتی اس کو حاصل ہو گی جس نے غلو ص قلب سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا ہو، (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

۷۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فراغت پائے گا، اور چاہے گا کہ ان کو جہنم میں اس کی توحید کی گواہی دی تھی، دوزخ سے نکالے تو فرشتوں کو ان کے نکالنے کا حکم دیگا، فرشتے ان توحید والوں کو اس علامت سے پہچانیں گے کہ ان کی پیشانیوں میں سجدہ کے نشان ہوں گے کہ غلو ص آدم کے بیٹے کی پیشانی کے نشان سجدہ کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیا ہے، تو وہ ان کو جہنم سے لے کر آگے فرشتے جب انکو نکالیں گے تو وہ جلے جلے ہوں گے، پھر ان پر آب حیات چھڑکا جائے گا، تو وہ اس طرح اگیں گے جی طرح سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانہ اگتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الشفاعۃ)

۸۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جنت والے جنت، دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو چکیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو جس کے دل میں ایک رانی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکالو، تو وہ جل کر کوئلہ ہو کر نکلیں گے، پھر وہ نہر حیات میں ڈال دیے جائیں گے، تو اس طرح وہ اگیں گے جس طرح سیلاب کے کنارے جنگلی دانہ اگتا ہے، (صحیح بخاری کتاب الایمان)

۹۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اہل دوزخ جو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، وہ اس میں نہ مریں گے نہ جیئیں گے، لیکن وہ لوگ جن کو دوزخ کی آگ بعض گناہوں کی وجہ سے چھوٹے گی، تو وہ اس میں کچھ دیر تک لیٹے رہ جائیں گے، یہاں تک کہ وہ جل جائیں گے، پھر ان کے حق میں شفاعت کی اجازت ہوگی، تو وہ تھوڑے تھوڑے کر کے آئیں گے اور جنت کی نہروں میں پھیل جائیں گے، اور اہل جنت سے کہا جائے گا کہ ان پر پانی بہاؤ، تو وہ اس طرح اوگیں گے جیسے سیلاب کے بہاؤ میں جنگلی دانے، (صحیح بخاری کتاب الایمان)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ سب آخر میں جو شخص دوزخ سے نجات پا کر نکلتا ہے، وہ گھٹنا ہوا نکلتا ہے، اور اس کو جنت بھری معلوم ہوگی۔

۱۱۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے صحیحین میں روایت ہے کہ خدا فرمایا کہ ملائکہ نے سفارش کی اور پیغمبروں نے سفارش کی، اور اہل ایمان نے سفارش کی، اور اب صرف وہ رہ گیا جو تمام رحم کر نیوالوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے، یعنی خود وہ رحمان و رحیم، تو وہ دوزخ سے نکلیں گے اور ان لوگوں کو نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی جہالتی نہیں کی۔ (صحیحین)

۱۲۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حکم ہوگا کہ جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہو اور اس کے دل پر جو برابر بھی نیکی ہو اس کو دوزخ سے باہر کر دے، جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہو اور گیسوں کے دانہ کے برابر بھی اس کے دل میں نیکی ہو، اور جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہو اور ذرہ کے برابر بھی اس کے دل میں نیکی ہو اس

کو آگ سے الگ کر دے (ترمذی صیفۃ النار حدیث حسن صحیح)

احادیث کی کتابوں میں اس قسم کی اور بہت سی حدیثیں ہیں، جن کا استقصاء یہاں مقصود نہیں، ان تمام حدیثوں میں قرآن پاک کی اس اہم آیت کا جملہ موجود ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ط (۱۸: ۱۷)

بیشک اللہ اس کو معاف نہ کرے گا کہ اس کیساتھ شرک کیا جائے اور اس کے سوا جو گناہ ہے وہ اس کو جس کے چاہے معاف کر دے گا۔ اس آیت میں تصریح ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کے نتیجے برأت کی جاسکتی ہے مگر شرک وہ بیماری جس کے نتائج سے عہد بردہ ہونا ممکن نہیں، اس لیے ان کے نتائج بد بھگتے بغیر نجات کا تصور بھی ان کے قانونِ اہل کے خلاف ہے۔

شرک و کفر کی بحثائیں نہیں احکام الہی اور شریعت و رہائی کی کھلی ہوئی دو قسمیں ہیں، ایک کا تعلق دل اور

قلب سے ہے جو بمنزلہ اصل کے ہے، اس کو مذہب کی زبان سے ایمان، فلسفہ کی اصطلاح میں علم، اور تصوف کی بولی میں عرفان کہتے ہیں، اور دوسری قسم وہ ہے جو اس عقیدہ اول کی فرع اور نتیجہ ہے اور جس کا تعلق اعضاء اور جوارح سے ہے، اس کو ہم مختصرِ اعمال اور تفصیلِ عبادات و معاملات اور اخلاق کہتے ہیں، شرک و کفر کے گناہ کا تعلق قسم اول سے اور دوسرے گناہوں کا تعلق قسم دوم سے ہے، دلوں میں ایمان و عمل و عرفان کی اگر ایک کرن بھی ہو تو اس ظلمت کدہ

میں روشنی کی امید کس طرح کی جاسکتی ہے، مگر جس کا شانہ دل میں اس نور کا ایک ذرہ بھی نہ ہو اس کی روشنی سے ہمیشہ کے لیے ناامیدی ہے، اسی لیے ایمان کے بغیر اعمال بھی کالعدم ہو جاتے ہیں، اور جہاں ایمان کچھ بھی موجود

ہے، اعمال خیر کا کچھ نہ کچھ وجود ضروری ہے، البتہ اعمال شرک کا بھی ساتھ ساتھ وجود ہے، جن کی تلافی عذاب دوزخ کے بعد یا فحلی رحمت سے ہو سکتی ہے، اور نجات مل سکتی ہے، ایمان و علم و عرفان جس کی حقیقت ایمان بالغیب ہے، اس کا حصول موت

بعد جب حقائق خود بخود ہمارے سامنے آجاتے ہیں، ہماری وسعت کا نتیجہ نہیں، بلکہ خود ان حقائق کے ظہور کا نتیجہ ہوگا، اس بنا پر شرک و کفر کے گناہ کی مغفرت کا قانون الہی کی مطابق ناممکن ہے، البتہ عمل کی کمی کی تلافی جو دوسرے گناہ، خدا کی رحمت سے ہو سکتی ہے۔

سمجھنے کے لیے ان دونوں کی کھلی ہوئی مثال یہ کہ دنیا میں تعلیمی امتحان کے لیے ۲۳ نمبر کم از کم فرض کیا گیا ہے، اب اگر کسی پرچہ بالکل سادہ ہے اور اس لیے اس کا نمبر صفر محض ہے تو رحمدل سے رحمدل متمن کیلئے بھی یہ ناممکن ہے کہ اس کو ادنیٰ

سے ادنیٰ درجہ میں بھی کامیاب کر سکے، لیکن جس نے کچھ جوابات لکھے ہیں اور کچھ چھوڑ دیے ہیں، اور کچھ غلط لکھے ہیں تو اگر وہ ۲۰۲۱ کے قریب بھی پہنچ گیا ہے، تو رحمدل متمن ۲۳ تک اس کو پہنچا کر ادنیٰ درجہ میں کامیاب بنا سکتا ہے۔

الغرض ایمان و علم و عرفان کے مجرم جن کا نام شرک و کفر ہے اپنے ناقابل تلافی نتیجہ کے بجائے بغیر عذاب دوزخ رہائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ان کی دنیاوی زندگی کا عرفانی فقدان رحمت الہی کو اپنی طرف جذب کرنے کی قدرت

ہی نہیں رکھتا، مگر کیا شرک و کفر کے گناہگاروں کے لیے شرک و کفر کے دورہ عذاب کے طے کر لینے کے بعد بھی رہائی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب آئندہ سطروں میں ملے گا۔

کیا دوزخ کی انتہا ہے؟ دوزخ جو عقاب الہی کا گھر ہے، کیا ہمیشہ آباد رہے گا؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت عظمیٰ کے قائلوں کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے، ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ مدتِ دماز کے بعد ایک دن جب جہنم کی آگ



رحمت الہی کے پھینٹوں سے بالآخر سرد ہو جائے گی، حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنت میری رحمت اور دوزخ میرا عذاب ہے۔ اسی کیساتھ حدیث صحیح میں وہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا فیصلہ کیا، اسی وقت اس نے اپنے عرش کے اوپر لکھ دیا کہ دُخْتِی سَبَقَتْ غَضَبِیْ نہ میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی۔

اب اگر دوزخ جو اس کے غضب کا منظر ہے، اس کی جنت ہی کی طرح دائمی و ابدی ہو تو اس کا غضب اس کی رحمت سے بقیہ کیساتھ برابر ہو جاتا ہے، اور اس کا تخیل بھی اس بھان و رحیم کی نسبت نہیں ہو سکتا، اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سوجھوں میں صرف ایک حصہ دنیا میں اتارا، اور ننانوے حصے قیامت کے دن کے لیے رکھے ہیں، ایسے ماننا پڑتا ہے کہ ایک دن آنے کا، جب اس کے غضب پر اس کی رحمت غالب آئے گی اور اس کی رحمت کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا اور یہ وہ دن ہوگا جب گنہگار اپنے گناہوں کی ناپاکیوں اور نجاستوں کے اپنے مقررہ وقت پر پاک ہو کر اس کی رحمت کی سرفرازی کے قابل بنیں گے۔

اسلام کی رو سے سب سے بڑے مجرم مشرک و کافر ہیں، جو اس وقت تک نجات نہ پاسکیں گے، جب تک دوزخ کے تنور میں ایک گرم کوئلہ بھی باقی ہے، تاہم ان کے عذاب کی مدت کی نسبت بھی قرآن میں حسبِ اہل تصریحات ہیں، اَلْبَشِیْنِ فِیْہَا اَحْقَابًا دَبَّاءَ (۱) وہ دوزخ میں صد ہزار سال ٹھہریں گے۔

صد ہزار سال کی مدت کس قدر بڑی ہے، پھر بھی ایک دن اس کا خاتمہ ہوگا، دوسری آیت جو صریحاً کفار و مشرکین کے حق میں ہے یہ ہے :

۲۔ النَّارُ مَثْوٰی لَکُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا اِلَّا مَن شَاءَ اللّٰهُ (۱۵) اِسْ رَبَّکَ حٰکِمٌ عَلِیْمٌ (انعام: ۱۵) دوزخ ہے تمہارا ٹھکانہ، اس میں تم سدا رہنے والے ہو، لیکن اللہ جو چاہے، بیشک تیرا رب حکیم و علیم ہے۔

دقیقہ ماثر ابتدائی اسلامی فرقوں میں جہنم کی ابدیت اور غیر ابدیت پر بہت سے مناظرے ہو چکے ہیں، جن کی تفصیل اہل دین کی کتابوں میں موجود ہے، ایک دو کو چھوڑ کر اس پر تو بے شبہ قطعیت کیساتھ سب کا اتفاق ہے کہ جنت کا وجود دائمی اور ابدی ہے، لیکن جہنم کے دوام اور ابدیت میں کسی قدر اختلاف ہے امام اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جہنم اور جنت دونوں کا وجود دائمی اور ابدی ہے، گنہگار مومن اپنے گناہ کے بقدر عذاب اٹھا کر یا خدا کی رحمت معاف ہو کر بالآخر جنت میں داخل کیے جائیں گے لیکن مشرک کافر کے گناہ کبھی معاف نہ ہوں گے، اور وہ ہمیشہ دوزخ میں جلیں گے، فقہاء اور محدثین کا ایک گروہ جو مرجعہ کہلاتا ہے اس بات کا قائل ہے کہ جو مومن ہو گا وہ گنہگار بھی ہو گا تو بھی دوزخ میں جائیگا، بلکہ معافی سے سرفراز ہو کر شروع ہی جنت میں داخل ہوگا، اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مومن بھی اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا تو وہ بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیگا، اور بھی اس بارہ میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں۔

اہل سنت کے ایک مختصر گروہ کا جس میں صحابہ کرام اور تابعین کے نام بھی ہیں، اور متاخرین میں جس کے پُر جوش حامی طاہر بن قیّم ہیں، یہ خیال ہے کہ جب گنہگار اپنے گناہوں کے بقدر عذاب پاچکیں گے، تو جہنم فنا کر دی جائے گی، حافظ ابن قیم نے اپنی کتابوں شفاء العیلس اور حادی الارواح و دونوں مطبوعہ ہیں، حادی الارواح اعلام الموقنین کے ساتھ چھپی ہے، یہیں قرآن، احادیث آثار صحابہ اور عقل کی پچیس دلیلوں کے ساتھ اپنے مسلک کو مبرہن کیا ہے دیکھو شفاء العیلس، ص ۲۵۲ تا ۲۶۳ جینیہ معر اور حادی الارواح از ص ۲۵ تا ۲۸ جلد دوم مطبوعہ جدید مصر، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس نظریہ کو سلف اہل سنت کے ایک فرقہ کا خیال

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و کفر کی سزا تو اصل میں قافز ناپسی ہے کہ دوزخ میں دائمی سزا دی جاتی رہے، مگر اس کی رحمت کا اقتضا کچھ اور ہے لیکن وہ حکیم و علیم ہے، اس لیے وہ اپنا ہر کام اپنی حکمت و مصلحت اور علم کے مطابق کرتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں کیا کرنا چاہیے، اور کب کرنا چاہیے، تیسری آیت میں ہے :-

۳۔ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَن شَاءَ رَبُّکَ طٰرِیْقٌ رَبُّکَ فَعٰلٌ لِّمَا یُرِیْدُ (ہود: ۹) وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان زمین قائم ہیں، لیکن یہ کہ جو تیرا رب چاہے، بیشک تیرا رب جو چاہتا ہے، وہ کرتا ہے۔

دوسری تفسیر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں اپنی مشیت کو عذاب کی انتہا بتایا ہے اور اپنے کو رب کے لفظ بغیر فرمایا ہے، جس کا اشارہ نکلتا ہے کہ اس کی مشیت سے بالآخر اس عذاب کا ختم ہونا اس کی ربوبیت کا اقتضا ہے، قرآن پاک میں کوئی ایسی صفت و صریح آیت موجود نہیں ہے جس سے دوزخ کی بقائے دوام، عدم انتہا اور مسلسل جو پُر بترتبع استدلال کیا جاسکے، علاوہ اس کے برخلاف بہشت کی بھی کوئی بقا اور عدم انقطاع و عدم فنا کی بیسیوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں، چنانچہ ان دونوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے اس اوپر والی آیت کو ہم تمام کمال بیان نقل کرتے ہیں۔ فرمایا،

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقَّوْا فِی النَّارِ لَہُمْ فِیْہَا زَیْرٌ وَ شَہِیْقٌ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَن شَاءَ رَبُّکَ طٰرِیْقٌ رَبُّکَ فَعٰلٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝ فَاَمَّا الَّذِیْنَ سَعِدُوْا فِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَن شَاءَ رَبُّکَ عَطَاؤٌ غَیْرِ مَجْدُوْذٍ ۝ (ہود: ۹) تو لیکن جو بد بخت ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے، لیکن جو گدھوں کی طرح چلانا اور دھکیلنا ہے، جب تک آسمان اور زمین ہیں وہ اس دوزخ میں رہیں گے، مگر جو چاہے تیرا رب، بیشک تیرا رب جو چاہے کر داتا ہے اور لیکن وہ جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں ہوں گے، ہمیشہ اس میں رہیں گے، جب تک آسمان و زمین قائم رہیں مگر جو چاہے تیرا رب، یہ غیر منقطع بخشش ہوگی۔

دیکھو کہ اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کے لیے ظلود و دوام فرمایا، پھر ان دونوں میں اس کے بعد اپنی مشیت سے استثناء فرمایا، مگر اہل دوزخ کے دوام کے ذکر میں فرمایا کہ مگر جو چاہے تیرا رب، بیشک تیرا رب جو چاہے تسلیم کیا ہے، حادی الارواح ابن قیم جلد دوم ص ۱۶، ایک زیدی یعنی عالم شیخ مقبلی نے بھی اس کو قبول کیا ہے، العلم المشائخ فی اثبات الحق علی الایمان و المشائخ ص ۱۲۲ صوفیہ میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے متبعین یہ فرماتے ہیں کہ کافر و مشرک جن پر ظلود و دوام کا حکم ہے، وہ بالآخر دوزخ میں رہتے رہتے ایسے ہو جائیں گے کہ ان کو اسی دوزخ میں لذت معلوم ہونے لگے گی جیسے بعض کیرے غلاموں ہی کو پسند کرتے ہیں، اور ان ہی میں لٹھٹاٹھتے ہیں، میں اس باب کو بہت ڈرتے ڈرتے لکھا، کہ اس میں اہل جنت کی تصریح کا جرم عائد ہوتا ہے، اگر یہ اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، اور تو بہر کی توفیق بخشنے، اور اپنی مراد کا دروازہ مجھ پر کھول دے (بقیہ مشائخ) لے صحیح بخاری باب رحمۃ اللہ جلد دوم ص ۱۱۰ و صحیح مسلم لے صحیح بخاری باب وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَاتُنَا اِلَیْہِ الْاَوَّلِیْنَ جلد دوم ص ۱۱۰ و صحیح مسلم باب سَعَتِہٖ رَحْمَۃُ اللّٰہِ صحیح مسلم باب سَعَتِہٖ رَحْمَۃُ اللّٰہِ



کروڑا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ چاہے تو دوزخ کے عذاب کو ختم کر دے، اور چاہے تو قائم رکھے، لیکن اہل جنت کے دوام کے ذکر میں بتصریح فرمایا۔ مگر جو چاہے تیرا رب، یہ غیر منقطع بخشش ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت کے حق میں اس کی مشیت یہی ہوگی کہ وہ بے انقطاع اور غیر منتہی دوام و تسلسل کے ساتھ ہمیشہ قائم و باقی رہے، اس آیت کی تفسیر میں متعدد آئمہ سلف، مثلاً ابن زید اور شعبی وغیرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارہ میں تو اپنی مشیت ظاہر فرمادی کہ وہ مسلسل اور غیر منقطع ہے لیکن اہل دوزخ کی نسبت اپنی مشیت کو کسی مصلحت سے مخفی رکھا ہے۔

ایک اور مقام پر خاص طور پر کفار و مشرکین کا نام لیکر اس طرح فرمایا گیا ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ  
وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ  
هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۖ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ، أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۖ جَزَاءُ هُمْ  
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ (بینہ)

غور سے دیکھو کہ اس میں اہل دوزخ کے مقابلہ میں اہل جنت کے دوام کی نسبت کتنی تاکید پر تاکید ہے، اور فرمایا جگہ معنی قیام اور رہنے کے ہیں، پھر خالدین کہ اگر کفار ہیں، باکریں گے، بعد از اس ابد، فرمایا کہ وہ جنت میں ہی طور قیام کریں گے، اسی طرح ایک اور سورہ میں ہے:

وَيُدْخِلُهُ جَهَنَّمَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۚ  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ  
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۚ (دخان: ۱)

دیکھو کہ تقابلاً دونوں میں خالدین دریا کریں گے اور خالدین فیہا ابد ہمیشہ باکریں گے، کافروں کو کتنا ناپسند ہے کہ کمال ہے کہ کفار کے خدا میں تکیہ نہیں کرے خاموشی برتی گئی ہے اور جنت میں خلود کی تصریح فرمادی گئی ہے، مثلاً، جس دن کچھ منہ سپید ہو گے، اور کچھ سیاہ، تو جو سیاہ ہوئے تو کیا ایمان کے بعد کافر ہو گئے تھے، تو اپنے کفر کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھو، اور جن کے منہ سفید ہوں ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، اور اس رحمت میں سدا رہیں گے۔

فیہا خالدون ۚ (دال عمران: ۱۱)

لے تفسیر طبری در مثنوی سیوطی، تفسیر آیات ہود، رکوع ۹ و النعام رکوع ۱۵

آیت بالا میں عذاب کے ذکر میں مدت کی تصریح سے سراغ خاموشی ہے، اور رحمت کے ذکر میں خلود کی تصریح تام ہے، ان ہی آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام سے روایتیں ہیں کہ ایک دن آئیگا، جب دوزخ کے میدان میں ہوگا عالم ہوگا، اور کوئی ایک متنفس بھی وہاں نظر نہیں آئیگا، چنانچہ :-

۱۔ بطرانی میں حضرت ابوامامہ صحابی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئیگا جب خزاں رسید چتے کے مانند ہو جائیگا، اور اس کے دروازے کھل جائیں گے۔

۲۔ حضرت جابر یا کسی اور صحابی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئیگا جس میں اس کے دروازے کھل جائیں گے، اور اس میں کوئی نہ ہوگا۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں جو کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہنم میں ایک دن ایسا آئیگا کہ اس میں کوئی نہ ہوگا۔

۴۔ تفسیر عبد بن حمید میں حضرت ثمر سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر اہل دوزخ ریگستان عارض کے ذرات کے شمار کے بقدر بھی دوزخ میں ہیں، پھر بھی ایک دن آئیگا، جب وہ اس سے نکلیں گے، میں

۵۔ عبد اللہ بن عمر بن العاص سے روایت ہے کہ جہنم پر ایک دن آئیگا جب اس کے خالی دروازے بھر بھرا گئے، اور اس میں کوئی نہ ہوگا اور یہ اس وقت ہوگا جب لوگ اس میں صد ہزار سال (احقاب) کی مدت پوری کر لیں گے۔

۶۔ عبد الرزاق، ابن منذر، بطرانی اور بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی یا ابو سعید خدری صحابی یا کسی اور صحابی نے فرمایا کہ اَلَا مَا شَأْنُ رَبِّكَ کا استثناء پورے قرآن پر حاوی ہے، یعنی

جہاں جہاں قرآن میں خَالِدِينَ فِيهَا رسد اس میں رہیں گے، وہاں مشیت الہی کا استثناء قائم ہے۔

۷۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ دوزخ پر ایک زمانہ آئیگا جب اس کے خالی دروازے کھڑکھڑائیں گے، دفع شبہہ قرآن پاک میں ایسی بھی چند آیتیں ہیں جن سے لوگوں کو دوزخ کے دوام کا خیال ہو جائے مثلاً

وہ تین آیتیں جن میں کفار کو خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ہمیشہ کے لیے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے،

۱۔ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا، خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ (احزاب: ۸)

۲۔ وَمَنْ يُعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ قَاتِلْ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا، (جن: ۲)

۳۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ يَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ طَرِيقًا إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ (نساء: ۲۳)

ان تینوں آیتوں میں خالدین فیہا ابد (دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے) کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جنکے حق میں یہ آیتیں آئی ہیں وہ اس وقت تک دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک حسب مشیت الہی

لے حافظ ابن قیم نے شفاء العلیل (ص ۲۵۸) میں ان روایات کو غیر مطبوعہ کتب تفسیر حدیث سے نقل کیا ہے (باقی صفحہ ۴۰۴)

۱۔ بیشک خلائے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لیے وہ آگ مہیا کی، جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

۲۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ پڑا رہے گا،

۳۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا، اور حد سے آگے بڑھے، نہیں ہے کہ اللہ ان کو بخشنے اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے لیکن جہنم کی راہ جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں،

۱۔ بیشک خلائے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لیے وہ آگ مہیا کی، جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

۲۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ پڑا رہے گا،

۳۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا، اور حد سے آگے بڑھے، نہیں ہے کہ اللہ ان کو بخشنے اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے لیکن جہنم کی راہ جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں،

۱۔ بیشک خلائے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لیے وہ آگ مہیا کی، جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔







پڑھو کہ ان میں سے کسی میں بھی دوزخ کے دوام بقا اور عدم فنا یا اس کے عذاب کے عدم انتہا کی تصریح ہے، حالانکہ اس کے بالمقابل جنت کی بقائے دوام اور عدم انقطاع کی تصریح بار بار اور بتکرار ہے۔

ایک اور نکتہ لحاظ کے قابل ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ خدا نے گنہگاروں کو عذاب و دوزخ کی ابدیت اور دوام کی دھمکی دی ہے، تاہم اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے کہ نیکی کا بدلہ نہ دینا یقیناً برائی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا دامن تھامنا سزاوارک ہے کہ اِنَّكَ لَا تَخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران: ۲۰) تو وہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًا (مریم: ۳۰) اس کا وعدہ جنت پورا ہی ہوگا، لیکن اگر برائی کا بدلہ نہ دے گا تو یہ سابق برائی کیساتھ نہ دیا جائے، تو حقیقت میں خلاف وعدگی نہیں جو قابل ملامت ہو بلکہ اس کا نام مغفرت، کرم، عطا اور عفو ہے جس کا اہل اس رحمان و رحیم اور عفو و غفور سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں، اس لیے گنہگاروں کے ساتھ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے اپنی حکمت و مصلحت کی بنیاد پر وہ جو چاہے کر سکتا ہے، چنانچہ مسند ابولیلی میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا نے کسی نیک کام پر جس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اس کو ضرور ہی پورا کرے گا لیکن جس کسی کو اس کے کسی کام پر عذاب کی دھمکی دی ہے، تو اس کو اختیار حاصل ہے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر بالآخر گناہوں کی مغفرت اور خدا کی رحمت میں یہ سعت اور عموم ہے کہ بڑے سے بڑے گنہگار بھی دوزخ کی آگ میں جل کر بالآخر پاک صاف اور جنت میں داخل ہونیکے قابل ہو جائیں گے، تو اشارات و کنایات کے بجائے ان کی معافی کی صریح تصریح کیوں نہیں کر دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو یہ ان مجرموں اور گنہگاروں کی حق میں اچھا نہ ہوتا، کیونکہ اس سے ان میں مذمت اور توبہ کے جہان کے بجائے خود سری، گستاخی اور شوخی پیدا ہوتی اور ان میں آئندہ کے نتائج بد سے نڈر پن اور بے خوفی آجاتی اور ایسا نہ ہونا تنبیہ و صلاح و تدارک کی مصلحتوں کے سراسر منافی ہوتا، اس لیے ان قانونی سزاؤں اللہ تعالیٰ نے دائمی عقاب مقرر فرمائی، لیکن آخر کار انکی نجات کو اپنی مشیت اور علم و مصلحت کے سپرد فرما کر، انکو ایک گونہ اپنے سے ناامید بھی نہیں ہونے دیا، اور امید و بیم کی حالت میں رکھ کر اپنے سامنے جھکنے اور محبت کرنے کا جذبہ بھی پیدا کر دیا اور یہ اس باب میں وہ عظیم الشان اصلاح ہے جس کو ایک طرف عیسائیوں نے کفار کی اور دوسری طرف ہندو مذاہب نے کرم کی تعلیم دے کر غارت کر دیا تھا۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہو کر جی اٹھنے پر ایمان لانے سے تمام گناہ دفعۃً معاف ہو جاتے ہیں، اس تعلیم نے اعمال کو غیر ضروری چیز ٹھہرا دیا تھا، اس کے برخلاف ہندو مذاہب نے خدا کو اتنا بے اختیار ٹھہرایا کہ اعمال بد کے نتائج جن کو کرم کہتے ہیں، خدا چاہے بھی تو معاف نہیں ہو سکتے، اسلام نے آکر ترازو کے ان دونوں پلوں کو برابر کر دیا، ایک طرف فرمایا کُلْ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةً، ہر نفس اپنے عمل کے ہاتھ میں گد ہے، (مدثر: ۲۱) اور دوسری طرف فرمایا يَغْفِرْ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبْ مَن يَشَاءُ، خدا جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے (مائدہ) یعنی قانوناً ہر انسان اپنے عمل کے نتائج کا یقیناً پابند ہے، مگر خدا تعالیٰ کی قدرت

لہ بحوالہ شفاء العلیل ابن قیم ص ۲۲۲، مصر:

اور رحمت اس قانون کے باوجود جو چاہے کر سکتی ہے جس طرح اس دنیا کا حال ہے کہ اگر خدا کے بنائے ہوئے قانون یہاں جاری ہیں، جن کو آپ قانونِ فطرت کہتے ہیں، مگر باینہ اس کا حکم اور اس کی خواہش اور مصلحت ان پر بھی حاکم ہے، اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اس تعلیم نے ایک طرف اعمال کو غیر ضروری ہونے سے بچایا، اور دوسری طرف خدا کی قدرتِ تام اور رحمتِ عام کا دروازہ بھی کھلا رکھا۔

**عذابِ طویل کا سبب** بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انسان کا گناہ تو ایک لمحہ کا کام ہے، پھر اس کا عذاب اتنا طویل کیوں رکھا گیا، سال دو سال یا عمر بھر کے گناہ کی سزا صد ہا اور ہزار ہا سال کے عذاب دینا مناسب نہیں حالانکہ یہ لوگ اگر دنیاوی ہی واقعات پر غور کرتے تو وہ انکی تسکین کے لیے کافی ہوتے، دنیا کا ہر تڑپے سے بڑا قانونی گناہ ایک لمحہ میں انجام پا جاتا ہے، چوری، عمل خلاف قانون، یا کسی کو قتل کرنے کی کتنی دیر لگتی ہے، مگر اسکے معاوضہ میں سالہا سال کی قید ہم خود اپنی انسانی عدالت کا ہول میں تجویز کرتے ہیں، اور اس کو عذابِ عطا نہیں دیتے، دوسری صحیح تر مثال یہ ہے کہ انسان کو دیکھو کہ ذرا سی جسمانی بد پر ہنسی اور اصولِ صحت کی معمولی سی غلطی کی یاد اش میں وہ کبھی ہفتوں، مہینوں، بلکہ سالہا سال بیمار رہتا ہے اور ایک مدت درزیں جا کر کہیں اُن چند لمحوں کی غلطی کی تلافی کر پاتا ہے اور کبھی اس معمولی غلطی کی بدولت عمر بھر اُس کے روگ میں مبتلا رہتا ہے اور آخر میں جان دیدیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ اور اس کی تلافی کی مدت میں کیسی نہیں ہوتی، بلکہ ہمیشہ غلطی کی مدت کے مقابلہ میں اس کی تلافی کی مدت صد ہا اور ہزار ہا گناہ زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ طبیعت پر جو اثر پڑ جاتا ہے، اس کی تلافی کی مدت، غلطی کی نوعیت، طبیعت کی صلاحیت، اور خلاق عالم کی مصلحت کی بنا پر مختلف ہوتی ہے، اسی لیے عذابِ طویل سے رہائی یا شفا یابی کی مدت بھی ہر گنہگار کے لیے کیساں نہیں ہو سکتی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ،

**مشرک و کافر کا آخر انجام** اگر یہ صحیح ہے کہ بالآخر ایک دن جہنم کی آگ سر دہو جائے گی، تو کیا اہل کفر و شرک بھی اپنے گناہوں سے پاک ہو کر جہنم کرم کے سزاوار ہو جائیں گے؟ جواب یہ ہے کہ قرآن پاک میں اس کی تصریح موجود ہے کہ شرک و کفر کا گناہ معاف نہ ہوگا یعنی اس کے اخروی نتائج کی پاداش ضروری ہے، اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ شرک و کفر کی جزاء، دوام عذاب اور علو دنا رِخْلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا، ہے، یعنی جب تک دوزخ قائم ہے، اس سے انکو نجات نہیں مل سکتی، مگر جب حسب مشیت الہی وہ دن آئے کہ دوزخ کی مدت حیات ختم ہو جائے تو اس وقت عجب نہیں کہ ان کو بھی اس سے رہائی مل سکے۔

چنانچہ مشرکین و کافرین کے ذکر میں خدا فرماتا ہے:-

قَالَ اِنَّكَ مَشْرُوْكٌ خَلِدِيْنَ فِيْهَا اِلَّا مَن يَّشَاءُ  
اللّٰهُ طَائِفَةٌ لَّكَ حَكِيْمٌ عَلَيْهِمُ (انعام: ۱۵)

یہ کہ جو چاہے اللہ بیشک تیرا پروردگار حکمت اور علم والا ہے۔  
اس آیت کا آخری ٹکڑا خاص طور سے غور کے قابل ہے، فرمایا تیرا رب حکمت اور علم والا ہے اس موقع پر خدا کے لیے خاص طور سے رُت کا لفظ لانا، یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کی شانِ ربوبیت اگر چاہے گی، اور اس کے غیر محدود علم و



حکمت کا اقتضا ہوگا تو دوزخ کے خاتمہ پر ان کو رہائی مل سکے گی۔

لیکن اس میں شک ہے کہ آیا اس کے بعد بھی وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے قرآن پاک میں یہ تصریح الہی ہے۔

إِنَّهُ مَنْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ط (مائدہ: ۱۰۰)

نیز ایک اور آیت میں ہے :  
إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تَفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغُ الْجَلْدُ فِي سَوْخِ الْجَاظِ ط (اعراف: ۵۰)

الغرض خدا کے اعلیٰ کردہ قانون جزا کا اقتضا تو یہی ہے کہ گنہگاروں کو جنت کے عذاب کا خاتمہ ہو جائے پر بھی جنت کے احاطہ میں نہ لگا کر دوزخ میں داخل نہیں ہونگے تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔  
لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا دائرہ بہت وسیع ہے، جیسا کہ خود اُس نے اہل دوزخ کی نسبت کہا ہے کہ  
إِلَّا كَاشَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ لَغَافِلٌ عَنِ الْكَافِرِينَ ط (ہود: ۹)

اس دائرہ کی وسعت کو کون کم کر سکتا ہے، کیونکہ اپنی رحمت کی وسعت کی نسبت اسکا اعلان یہ ہے :  
رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط (اعراف: ۱۹)

اس رحمت عام کی وسعت سے آسمان و زمین کا کون گوشہ محروم ہے؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ پیغمبر کے جھٹلانے والوں کی نسبت خدا فرماتا ہے :-  
فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ط  
وَلَا يُؤْذِيكُمْ بَأْسُهُ عَنْ الْفُجُورِ الْمُجْرِمِينَ ط (انعام: ۱۸)

یعنی کسی دوسرے میں یہ طاقت نہیں کہ اس کے بھیجے ہوئے عذاب کو گنہگاروں کے سر ٹال دے، لیکن خود اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ چاہے تو ان کو دنیا ہی میں ہدایت دیکر جنت نصیب کرے، یا آخرت میں عذاب دینے کے بعد درگزر کر دے، اور اس کی اصلی رحمت کا محل یہی ہے، جہاں کسی دوسری رحمت کا وجود نہ ہوگا، فرمایا :  
مَنْ يُصْرِفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ ط (انعام: ۲۰)

صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مومن کو معلوم ہو کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت سے مایوس ہو جائے، اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو کہ اس کی رحمت کتنی وسیع ہے تو وہ بھی جنت سے ناامید نہ ہو، مصلح الدین سعدی شیرازی نے غالباً اسی حقیقت کو اپنے ان شعروں میں ادا کیا ہے :  
بہ تہمدید اگر برکشہ تیغ حکم  
وگر در دہد یک صلائے کرم  
خود اس رحمان و رحیم کا جس کی بادشاہی آسمان و زمین کو محیط ہے، یہ ارشاد ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

بماند کرد و بیاں مہم و بکم  
عزایل گوید نصیب برم

يَخْذِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ط  
وَلِلَّهِ الْمُلْكُ السُّلْطٰنُ وَالْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَهُوَ  
بَيْنَهُمْ حَمَاطٌ وَالْيَوْمُ الْمُنِصُّ ط (مائدہ: ۳۰)

لیکن اس کی یہ مشیت جیسا کہ اس نے (انعام رکوع ۱۵) میں فرمایا ہے، اسکی وسیع حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے، مگر کتنا مہم ہے جو اس کی مصلحت و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے،

اس سے زیادہ اس بات میں کچھ اور کہنا حد سے آگے بڑھنا ہے کہ جس کی تصریح خود خدا نے تعالیٰ نے فرمائی، اسکی تصریح حق کسی کو کیا، ایسے مشرک کافر کے آخر انجام کے سوال کا جواب صرف مشیت الہی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے :-  
أَلَا تَرَوْا مَثْوًى لِّخَلْدَيْنِ فِيهَا إِذْ مَكَشَا ط (اللہ ط  
إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ط (انعام: ۱۵)

جمہور کا مسلک | یہ جو کچھ کہا گیا وہ اس جماعت کا خیال ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت عمومی کی معتقد ہے، جو کامل اس سے کچھ مختلف ہے اس کے نزدیک بہشت کی طرح دوزخ بھی ہمیشہ باقی رہے گا، اور ان لوگوں کو جو جو شرک و کفر کے مرتکب ہونگے کبھی دوزخ سے نجات نہیں ملے گی،

اس عقیدہ کے مطابق گنہگاروں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو گنہگار تھے مگر دل میں ایمان رکھتے تھے ایسے لوگ عذاب کے بغیر ہی یا عذاب کے بعد اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم سے سرفراز ہو کر باآخر جنت میں داخل ہوں گے وہ دوسرے وہ جو ہمیشہ مشرک و کافر میں مبتلا رہے اور اس سے توبہ کیے اور ایمان لائے بغیر مر گئے، ایسے لوگوں کی بخشائش کبھی ہوگی اور وہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے انکی گنہگاری اس وجہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف کسی طرح جذب نہ کر سکیں گے یہ وہ زمین شور ہوں گے جن میں اس رحمت عام کی بارش بھی کوئی روئیدگی پیدا نہ کر سکے گی۔

رحمت عمومی کے معتقدین گذشتہ آیتوں سے جو معنی نکالتے ہیں، وہ جمہور کے نزدیک صحیح نہیں، وہ ان بیان و مطالب کو تاویلات کا درجہ دیتے اور اس کی پیش کردہ روایات کو محنت اور قوت سے غالی جانتے، اور قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں سے اپنے دعویٰ پر استدلال کرتے ہیں :-

۱۔ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ط  
خَلْدَيْنِ فِيهَا أَبَدًا ط (احزاب: ۸)

۲۔ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا ط (جن: ۲)

۳۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَهُمْ يَكُنُّ اللَّهُ لِعَفْوِهِمْ وَلَهُ لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا إِلَى طَرِيقِ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا ط (نساء: ۲۳)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ ان پر ہمیشہ عذاب ہوگا، اور جب عذاب ہوگا تو عذاب کی جگہ یعنی دوزخ بھی ہمیشہ قائم رہے گی، اس میں وہ ہمیشہ سدا پڑے رہیں۔

۱۔ بیشک خدا نے کافروں پر لعنت کی اور ان کیلئے دعا گ  
میا کی جس میں وہ ہمیشہ سدا پڑے ہیں

۲۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اس کیلئے  
جہنم کی آگ ہے، وہ اس میں ہمیشہ سدا پڑے رہیں۔

۳۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا اور حد سے آگے بڑھے، نہیں ہے کہ اللہ  
ان کو بخشنے اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے لیکن جہنم کی راہ

اس میں وہ ہمیشہ سدا پڑے رہیں۔



ان آیتوں کے علاوہ اور بھی دوسری آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کا عذاب کتنا بڑا ہے کبھی دوزخ نہ ہوگا:

۱۔ **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَوْ أَنَّ لَهُمْ مَتَانِ**  
**الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدُوا بِهِ**  
**مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَا تَقْبَلُ**  
**مِنْهُمْ وَلَا يَخْرُجُوا مِنْ النَّارِ وَمَا لَهُمْ**  
**بِخُرُوجِهَا مِنْ شَيْءٍ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ (مائدہ ۶۱)**

۲۔ **وَمَا لَهُمْ بِخُرُوجِهَا مِنَ النَّارِ (بقرہ ۲۰۱)**

قیامت کے منکروں کی نسبت فرمایا :-

۳۔ **قَالُوا مَرَّةً يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ**  
**يُسْتَعْبَدُونَ (جاثیہ ۱۳)**

۴۔ **أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ (شوریٰ ۵۱)**

ظلم کا اطلاق قرآن مجید میں شرک پر کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اہل شرک کا عذاب قائم رہے گا۔

۵۔ بیشک جنہوں نے کفر کیا، اور اسی کفر کی حالت میں گئے ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی لعنت ہے۔ اس میں وہ سدا رہیں گے، ان کے عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی، اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی،

۶۔ اور ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا جہنم کی آگ ہے (تو ان کا نیکو کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ سزا میں کچھ کمی کی جائے گی۔

شرک و کفر والوں کی مغفرت کسی حال میں نہ ہوگی، فرمایا :-

۷۔ **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (نساء ۱۸)**

۸۔ **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَوْمًا كَانُوا أَكْفَارًا فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (محمد ۳۱)**

ان کے لیے جنت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے:

۹۔ **إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ**  
**الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ (مائدہ ۱۰۵)**

۱۰۔ **إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا**  
**لَهُمْ نَارٌ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ**

الْجَنَّةَ حَتَّى يُلَاحِظَ فِي سَمَاءِ الْخِيَاطِ (اعراف ۴۰) اور جنت میں داخل ہونے والا نکلا دیا سوئی کے ناکہ میں گھس جائے۔

۱۱۔ اور (اسے پیغمبر) تجھے وہ لوگ جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، غم میں ڈالیں۔ وہ ہرگز خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، نہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ بنائے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

عَظِيمٌ (ال عمران: ۱۸)

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ مرتے دم تک شرک و کفر میں مبتلا رہے اور توبہ نہیں کی، ان کا گناہ بخشنا نہ جائے گا، اور وہ جنت میں کبھی داخل نہ ہو سکیں گے، بلکہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں پڑے رہیں گے، جہاں نہ ان کے عذاب میں کبھی تخفیف ہوگی، اور نہ ان کو موت آئے گی۔

تصویر کے دونوں رخ آپ کے سامنے آگئے،

بیائیں و اور یہاں رہے پیش و اور اندازیم

بہشت و دوزخ کی جزا و سزا بھی تمثیلی ہے اور ہر عالم برزخ کے ذکر میں ہم تفصیل بتا چکے ہیں کہ آخرت میں جزا و سزا تمام تر تمثیلی ہوگی، اس تمثیل کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جیسا عمل ہوگا اسی کے مناسب و مشابہ اس کی جزا یا سزا ہوگی، مثلاً قرآن میں ہے کہ جو زکوٰۃ یعنی اپنے مال کا میل کچل مستحقین کو کھانے کے لیے نہ دیگا تو اس کو دوزخ میں زخموں کی دھوون کھائے کو ملیگا یا یہ کہ جو خدا کی راہ میں اپنی جان دیگا مرنے کے بعد اس کو جان تازہ اور حیات نو بخشی جائے گی، وہ دو لہند جس کو دھوپ کی تپش سے پختے کے لیے قہر و محل اور پینے کے لیے ٹھنڈے سے ٹھنڈا پانی اور عزت کی جگہ عنایت کی گئی تھی، اگر اس نے دنیا میں ان نعمتوں کے ملنے کا حق اس دنیا میں ادا نہ کیا، تو دوسری دنیا میں اس کو یہ سامان ملے گا،

فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ وَظِلٍّ مِّنْ يَّخْمُومٍ (لوہارچہ) وہ لوہا اور کھولتے پانی میں دھوئیں کے سایہ میں نہ ٹھنڈا، وَلَا مَكْرِيْمٍ (انہم) کا تو اقبلْ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ (جہ ۲۱) نہ باعزت، بیشک وہ پہلے ناز و نعمت میں تھے۔

روایت برزخ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بد صورت تھا، یہ وہ تھے جن کے کچھ کام اچھے اور برے تھے، اس لیے بد اعمالی بد صورتی، اور نیکی خوبصورتی کے رنگ میں نمایاں ہوئی، صریح طور سے یہ اصول ان حدیثوں سے مستنبط ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ جو مومن خود بھوکا رہ کر کسی دوسرے بھوکے مومن کو کھلائے گا تو خدا اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جو پیاسا ہو کر کسی دوسرے پیاسے کو پلائے گا تو خدا اس کو جنت میں شراب طہور پلائے گا اور جو کوئی پیڑوں کا حاکم جہنم ہو کر ننگے کو پہنائے گا، تو خدا اس کو جنت کے سبز جوڑے پہنائے گا، (ترمذی کتاب الزہد والبرقاق ص ۳۳)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف دو درجے فرمائے گا اور جو کوئی کسی



نادر کو یہاں کسی مصیبت میں پھنسنے کا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کو مصیبت میں مبتلا فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا، تو خدا دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا، اور جو کوئی اپنے بھائی کی مدد میں حصہ تک رہے گا، خدا اس وقت تک اس کی مدد میں رہے گا (ترمذی ص ۳۲۳)

۳۔ جو انسانوں پر رحم کرے گا، خدا اس پر رحم فرمائے گا، (ترمذی)

تمثیل کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو امور معنوی اور غیر مجسم ہیں، وہ اپنی مثالی شکل و صورت میں ظاہر ہوں گے، مثلاً۔  
۱۔ قرآن میں ہے کہ جو اس دنیا میں حقیقت بنی سے اندھا ہوگا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، دیکھو کہ دنیا کی معنوی قلبی نابینائی دوسرے عالم میں ظاہری، جسمانی نابینائی کی شکل میں ظاہر ہوگی۔

۲۔ حدیث میں ہے کہ اہل کبر قیامت کے دن چیونٹیاں بنا کر اٹھائے جائیں گے، جن پر ہر طرف سے لت خوری چھائی پھریں گی، دیکھو کہ کبر کی جزا و ذلت و خواری سے ملے گی، اور چیونٹیوں سے زیادہ حقیر و ذلیل کوئی ہستی نہیں ہے لے ان کی بڑائی اور کبر کا معاوضہ یہ ہوگا کہ چیونٹی بن کر اٹھیں۔

۳۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جو بخل کرے گا، قیامت میں اس کا مال سانپ بن کر اس کو ڈسے گا، صفت بنی۔ اس کے حق میں اسی سانپ کی صورت اختیار کر کے اس کی تکلیف کا باعث ہوگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص بلا وجہ بیک مانگ کر اپنی آبروریزی کرتا ہے، قیامت میں وہ اٹھے گا تو اس کے منہ پر گوشت نہ ہوگا، دیکھو کہ دنیاوی بے ثمری و بے حیائی بے گوشت چرہ کی صورت میں ظاہر ہوگی، اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ دو بیبیوں کا وہ شوہر جو ایک کا حق ادا کرتا اور دوسری سے غفلت برتنا تھا، قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو (گویا مغلوج ہو کر جھک گیا ہوگا)، ایک پہلو کا عدم ادائیگی اپنی تمثیلی صورت میں ایک پہلو کی مغلوبہ کیفیت میں نمودار ہوگا، یہ چند حوالے ذکر کیے گئے ہیں، ان ہی پر جزاء و سزا کے اور دوسرے جزئیات کو قیاس کرنا چاہیے، اس سلسلہ کو ابھی طرح سمجھنے کیلئے حسب ذیل آیتوں پر غور کرنا چاہیے :-

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمٰی قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ أَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۚ قَالَ كَذَلِكِ اٰتٰكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْشٰی ۚ (طہ: ۱)

جس نے میری یاد سے منہ پھرا تو اس کو تنگ گزاراں گے  
مٹی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے  
وہ کہے گا اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کیوں  
اٹھایا، میں تو دیکھتا تھا فرمائے گا، اسی طرح میری آیتیں  
تیرے پاس آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا ایسے ہی آج تو  
بھول جائے گا،

دیکھو کہ دل کی نابینائی، قیامت میں ظاہری نابینائی، اور یہاں خدا کو بھولنا اور اس کے احکام کو یاد نہ کرنا، وہاں رحمت الہی کی یاد سے بھول کی شکل میں نمودار ہوگا،

دوزخ کی جسمانی سزائیں | دوزخ میں جسمانی اور روحانی دونوں سزائیں ملیں گی، قرآن پاک میں جن جسمانی

۴ ترمذی کتاب الادب والرفاق ص ۳۲۳ کے صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں مثل لہ مالہ، تنجھا اقروع لہ ترمذی :

سزائوں کا ذکر ہے، وہ حسب ذیل ہیں :-

۱۔ آتش دوزخ اور اس کی سوزش کا ذکر بار بار آیا ہے، بلکہ الشارح یعنی آگ، گویا دوزخ کا دوسرا نام ہے ان ہی معنوں میں السعیر یعنی جلتی آگ بھی بار بار مستعمل ہوا ہے، اور عذاب الحریق (جلن کا عذاب) بھی دوبارہ جگہ کہا گیا ہے، اور ایک جگہ یہ بھی ہے کہ

تُلْفَحُ وُجُوهُهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كَالْحُوتِ ۚ

(مومنون: ۴)

ان کے چہروں کو دوزخ کی آگ جھلس دے گی اور ان کی صورتیں، اس میں بگڑ جائیں گی،

دوزخ کا ایک اور نام سقر ہے، جس کے متعلق یہ ہے

وَمَا اٰذُنُكَ مَّا سَقَرُ ۚ لَا تَبْقٰی وَلاَ تَذَرُ ۚ

لَوْ اَنَّكَ رَأٰی السَّقْرَةَ (رد ثمر: ۱)

اور ہمیں کیا معلوم سفر کیا ہے، نہ وہ رحم کھائے گی، نہ

پھوٹے گی، چہروں کو جھلس دینے والی۔

ہرگز نہیں وہ شعلہ والی آگ ہے، منہ کی کھال دھڑکنے والی

دوزخ محل کے برابر اونچی چٹکاریاں اتنی بڑی پھیلے گی جیسے

زرد رنگ کے اونٹ۔

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرٍّ رَّا لِقَصْرِ ۚ كَاَنَّهُ جِبَالٌ صٰفٰۃ ۚ

(سافات: ۱)

۲۔ وہاں سایہ نہ ہوگا بلکہ یہ حکم ہوگا،

اِنْطَلِقُوْا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ سَعٰۃٍ ۚ لَا ظِلُّیْلٌ

وَلَا یُغْنٰی مِنَ الْهٰبِ ۚ (مرسلات: ۱)

۳۔ وہاں ٹھنڈک نہ ہوگی،

لَا یُعْذِرُ وُقُوْنٌ فِیْهَا یُرْذٰۤا وَّلَا یَسْرٰۤا ۚ

(نباء: ۱)

اس میں وہ نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پٹنے

کی چیز کا۔

۴۔ دوزخ میں نہ موت آئے گی نہ چین آجائے، اور نہ ایسی زندگی رہی ہوگی جس میں کوئی ستر ہو، وہ جگہ فرمایا:

لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی (طہ: ۱)

۵۔ پینے کو گرم پانی ملے گا، جس سے آنتیں نکل پڑیں گی،

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعْ اَمْعَاۤءُھُمْ ۚ

(محمد: ۲)

اور وہ گرم پانی پائے جائیں گے تو وہ پانی ان کی آنتوں

کو ٹکڑے کر دے گا۔

۶۔ اور پیپ پیئیں گے،

اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۚ (نباء: ۱)

لیکن کھولتا پانی اور پیپ،

۷۔ ان کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائے گا،

یُصْبَتُ عَلَیْہُمْ فَوْقَ رُءُوسِھُمْ

الحَمِیْمُ ۚ (ع: ۲)

ان کے سروں کے اوپر گرم پانی ڈالا جائے گا۔







## جَنَّةُ

جنت کے نام | اس مقام کا نام جو نیکو کار انسانوں کا دائمی گھر ہوگا، قرآن پاک میں عموماً الْجَنَّةُ (باغ) بتایا گیا ہے اور کبھی کبھی اس کو مناسب اضافوں کے ساتھ بھی ادا کیا گیا ہے، مثلاً جَنَّةُ النَّعِيمِ (نعت کا باغ) جَنَّةُ الْخُلْدِ (بقائے دوام کا باغ) جَنَّةُ عَذْنِ (دائمی سکونت کے باغ) جَنَّةُ الْمَأْوٰی (پناہ کا باغ) ان کے علاوہ اور دوسرے لفظوں سے بھی اس کی تعبیر کی گئی ہے، مثلاً فِرْدَوْسٌ (باغ) رَوْضَةٌ (چمن) دَارُ الْخُلْدِ (بیشکل کا گھر) دَارُ الْمُقَامَةِ (قیام کا گھر) دَارُ السَّلَامِ (امن و سلامتی کا گھر)

جنت کا دوام | اس موجودہ دنیا میں بھی گولڈن تین اور مسٹر تین ہیں، مگر جو چیز یہاں نہیں ہے، وہ بقائے دوام ہے، یہاں کی ہر لذت عارضی اور ہر مسرت آنی ہے، یہاں خوشی کا کوئی ایسا ترانہ نہیں جس کے بعد غم و ماتم کا نالہ ہو، یہاں ہر سچل کے ساتھ کانٹے، ہر روشنی کے ساتھ تاریکی، ہر وجود کیساتھ فنا، ہر سیری کے بعد بھوک، ہر سیرابی کے بعد پیاس اور ہر غلے کے بعد محتاجی ہے، انسان ہزاروں مشکلیں اٹھانے اور ہزاروں صدمے سہنے کے بعد ایک مسرت کا پیام سنا اور خوشی کا منظر دیکھتا ہے، مگر ابھی اس سے سیر ہونے کی بھی نوبت نہیں آتی کہ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، غرض اس موجودہ عالم فانی کی ہر شے آنی جاتی ہے، اور یہی یہاں کی سب سے بڑی کمی ہے۔

لیکن جنت اس ملک کا نام ہے، جہاں کی لذتیں جاودانی اور جہاں کی مسرتیں غیر فانی ہیں، جہاں حیات ہے مگر موت نہیں، راحت ہے مگر تکلیف نہیں، لذت ہے، مگر الم نہیں، مسرت ہے، مگر غم نہیں، جہاں وہ سکون ہے جس کے ساتھ اضطراب نہیں، اور وہ شادمانی ہے جس کے بعد حزن و اندوہ نہیں، شیطان نے حضرت آدمؑ کے سامنے جنت کا جو نقشہ کھینچا تھا وہ بالکل صحیح تھا، اس نے کہا اے آدمؑ!

هَلْ اَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّدِيْكَ زَیْنٍ (طہ: ۷۷) کیا میں تجھے سداہنے کا درخت اور وہ بادشاہی بتاؤں جس کو فنا نہیں۔

مگر جنت کا یہ وصف ساکراں کو جدھر کا راستہ بتایا، وہ موت کے درخت اور فلک کے ملک کی طرف لگتا اور یہی وہ فریب تھا جس میں آدمؑ گرفتار ہوئے، چنانچہ اسی جنتی زندگی کی تلاش میں وہ چیز کھالی، جو ان کے حق میں نہ ہر تھی، یعنی گناہ کا پھل، نتیجہ یہ ہوا کہ جنت الخلد اور غیر فانی ملک کا استحقاق ان کے اور انکی نسل کے اہل انصاف کا صلہ قرار پایا، چنانچہ فرمایا،

اَفَرَجْتُ الْخُلْدَ الَّذِیْ وَعَدْتُ الْمُتَّقُوْنَ كَاَنْتُمْ لَهٗمْ جَزَآءٌ وَ مَصِيْرًا (فرقان: ۲۰) یا بیشکل کا باغ جس کا وعدہ پر مہنگا روں سے کیا گیا، جو ان کا صلہ ہوگا، اور واپسی کی جگہ،

یہ بیشکل کا باغ وہ غیر فانی ملک ہے، جہاں کا آرام دائم اور جہاں کی سلامتی ابدی، جہاں کی لذت بے انتہا، جہاں کی زندگی غیر منقطع، جہاں کا سرور غیر ختم اور جہاں کا عیش جاوداں ہے چنانچہ اس کی تصریح قرآن پاک کہ سولہ

آیتوں میں مختلف طریقوں سے کی گئی ہے، فرمایا: (۱) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِيْهَا اَبَدًا وَّعِنْدَ اللّٰهِ حَقَّ طَوْقُ مَنْ اٰصَدَقُ مِنَ اللّٰهِ قَوْلًا (نساء: ۱۸)

اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ہم ان کو باغوں میں داخل کر دیں گے، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ہمیشہ کے لیے رہ پڑیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی۔

اس تاکید پر تاکید اور پُر زور طریقہ تعبیر پر نظر ڈالیں کہ صرف خُلْدِیْنَ پر تاکید نہیں کی بلکہ ساتھ ہی اَبَدًا فرمایا کہ اس خلود کو غیر فانی اور قیام کو ابدی ظاہر فرمایا، اس پر بھی بس نہ کی بلکہ یہ بھی اضافہ کیا کہ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے پھر مزید تاکید اضافہ کیا، کہ اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلود جنت اور بقائے غیر فانی کی قطعیت کتنی ہے۔

۲. وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِيْهَا اَبَدًا (نساء: ۸۱)

۲۔ اور جو ایمان لائے، اور اچھے عمل کیے ہم ان کو ان باغوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہ کر دیں گے،

۳. لَهُمْ جَنَّٰتٌ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِيْهَا اَبَدًا (مائدہ: ۱۶)

۳۔ ان کے لیے وہ باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہ کر دیں گے

۴. وَجَنَّٰتٌ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِیْمٌ مِّمَّنْ لَّا يَخْلِفُ فِيْهَا اَبَدًا (توبہ: ۱۳)

۴۔ اور اللہ ان کو خوشخبری دیتا ہے، کہ ان کے لیے وہ باغ ہیں جن میں ہمیشہ آرام ہے، اور جن میں وہ ہمیشہ رہ کر دیں گے۔

۵. وَاعْدُ لَهُمْ جَنَّٰتٌ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِيْهَا اَبَدًا (توبہ: ۱۳)

اور ان کے لیے وہ باغ قہا کیے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور ان میں ہمیشہ رہ کر دیں گے۔

۶. وَیُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِيْهَا اَبَدًا (تغابن: ۱)

۶۔ اس کو ان باغوں میں داخل کر دیا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہ کر دیں گے،

۷. وَفِيْ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ لَعَلَّ الْعٰقِلِیْنَ جَنَّٰتٍ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِيْهَا اَبَدًا (طلاق: ۲۱)

۷۔ اور جو اللہ پر ایمان لائے، اور نیک کام کریں اس کو وہ ان باغوں میں داخل کر دیا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہ کر دیں گے، اللہ نے اس کو روزی خوب دی۔

۸. جَزَآءُ اُوْھُمْ عِنْدَ رَبِّھُمْ جَنَّٰتٌ عَدْنٌ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِيْهَا اَبَدًا (بینہ: ۱)

۸۔ انکی مزدوری ان کے رب کے حضور میں بسنے کے وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہ کر دیں گے۔

۹. وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصَّٰلِحٰتِ اَنْ

یہ آیتیں وہ ہیں جن میں اہل جنت کو جنت میں خلود ابدی کی قطعی بشارت سائی گئی ہے، ان کے علاوہ وہ آیتیں ہیں جن میں جنت کی راحتوں اور لذتوں کی ابدیت اور دوام کی خبر دی گئی ہے، فرمایا:

۹۔ اور ان مسنونہ بشارت دینا جنہوں نے اچھے کام کیے، کہ ان کے لیے اچھی

۹۔ اور ان مسنونہ بشارت دینا جنہوں نے اچھے کام کیے، کہ ان کے لیے اچھی



لَهُمْ أَجْدَادٌ أَحْسَنُ مِمَّا كُنْتُمْ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَكَفَىٰ (۱)

سورہ ص میں جنت کی اکثر نعمتوں کے ذکر کے بعد ہے :

۱۰۔ هٰذَا مَا نَدْعُهُ وَلَٰكِن لِّقَوْمٍ الْحِسَابُ ۚ اِنْ كُنْ هٰذَا

یہ وہ ہے جسکا حساب دن تم کو دیے جانے کا وعدہ کیا جاتا ہے

لِقَوْمٍ مِّنْ تَفَاوُتٍ ۚ (ص: ۶)

۱۱۔ وَآمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَاَفْعَى الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا

۱۲۔ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۚ (توبہ: ۳)

یعنی خدا کی مشیت کے سوا ان کو اس جنت سے کوئی الگ نہ کر سکے گا، لیکن اس کی مشیت یہی ہوگی

کر ان کیلئے اسکی بخشش اُمی اور غیر منقطع طریقہ سے ہمیشہ قائم ہے پھر جبکہ متعلق اسکی مشیت کا یہ علامہ ہے فنا کیونکر ہو سکیگی،

۱۳۔ اَكْلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ (رعد: ۵)

۱۴۔ وَنَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ ۚ (توبہ: ۳)

۱۵۔ اِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

۱۶۔ لَا يَدْخُلُونَ فِيهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ

۱۷۔ اِلَّا ذٰلِكَ ۚ (دخان: ۳)

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے وہ

مزدوری ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا،

فنائے راحت اور انقطاع مسرت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ احت و مسرت کے اسباب خاتمہ ہو جائے، اور دوسرے یہ کہ

خود لذت اٹھانے والے کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے پہلی صورت کی نفی تو گزشتہ آیتوں میں کر دی گئی کہ راحت و مسرت کے

اسباب کا دہاں خاتمہ نہ ہوگا، اب رہ گئی دوسری صورت تو گو خالدین ابدا کہہ کر اس کی نفی بار بار کی جا چکی ہے

مگر ایک جگہ تصریح یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اس احاطہ میں موت کا گزرنہ ہوگا، فرمایا :

۱۸۔ لَا يَدْخُلُونَ فِيهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ

۱۹۔ اِلَّا ذٰلِكَ ۚ (دخان: ۳)

لیکن اب ایک تیسری صورت یہ بھی ممکن تھی کہ مسرت کے اسباب بھی قائم رہیں اور اہل جنت کی زندگی بھی

دائم ہو، مگر کچھ دنوں کے ان کو دہاں نکال کر الگ کر دیا جائے، تو اسکی تصریح بھی فرمادی کہ یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ کوئی

اہل جنت کو ان کے عیش و راحت کی منزل گاہوں سے باہر نکال سکے، فرمایا :

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ ۚ وَهَآهُمْ مِنْهَا

بِمُخْرَجِينَ ۚ (حجر: ۳)

یہ بھی ممکن ہے کہ خود اہل جنت اس سے گہر کر نکل آئیں تو فرمایا کہ ان کی جبلت و فطرت ایسی ہوگی کہ وہ

خود بھی اس مہمان خانہ الہی سے نکلنا پسند نہیں کریں گے، فرمایا :

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حَوْلًا ۚ (کہف: ۱۲)

سدا رہیں گے اس میں، اس سے منتقل نہ ہونا چاہیں گے۔

دوام و بقا اور تسلسل و عدم و انقطاع کی اس توہرتو تاکید و اصرار سے اندازہ ہوگا کہ اسباب مسرت کی بقا و راحت

کا دوام اور زندگی کا تسلسل جنت کی اصلی خصوصیت ہوگی، یہی وہ حقیقت ہے جس کی لاشع شیطانی نے وُطِّلِكَ

لَا يَبْلَىٰ ۚ (طہ: ۱۱) اور غیر فانی سلطنت، کیکر آدم کو لائی تھی، اور اس بہانہ سے اس عالم بقائے انکو اس عالم فانی میں بھونک دیا، آخر کار

آئینہ گاہ جب آدم کی اولاد کو انکی نیک اعمال کے بدلے اس غیر فانی بادشاہی کی وراثت ہمیشہ کے لیے عطا ہوگی۔

غیر فانی بادشاہی دنیا میں شخصی راحت و آرام کا بلند سے بلند تخیل، ایک لفظ بادشاہی کے اندر بکوبی ادا ہو سکتا ہے

اگر انسان کو اس کی انتہائی آرزوؤں کے برائے کی خوشخبری دینے کے لیے کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو یہی ہے، گویا بادشاہی

اس کیفیت کا نام ہے، جس میں انسان کی کوئی آرزو کامیابی سے محروم نہ رہے، سامان راحت اور اسباب شادمانی کی

فراوانی سے اس کی مسرت میں کسی غم کا شائبہ نہ ہو، اپنے اپنے محل، ہرے بھرے باغ، بہتی نہریں، سرسبز دشاہ آتختے،

سونے چاندی کے اسباب زر و جواہر کے برتن، زریں کمر غلام و غلام، ریشمی لباس، طلائی تخت، موتیوں کے ہار، سونے کے

نگین، شراب کے مدرس اور بلوریں پائے حسین و مرجیں بگیات، غرض ایک لفظ بادشاہی کے یہ تمام ضروری لوازم ہیں۔

جنت کی مختصر ترین لیکن سچی تعریف آدم کے دشمن نے آدم کے سامنے کی تھی۔

وُطِّلِكَ لَا يَبْلَىٰ ۚ (طہ: ۱۱)

اور غیر فانی بادشاہی۔

آینو الی زندگی کے اس غیر فانی عیش و مسرت کے لیے، مختلف پیغمبروں نے مختلف لفظ استعمال کیے ہیں چنانچہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے آسمانی بادشاہی کی اصطلاح قائم فرمائی، اور اپنی گفتگو کے تمام استعاروں میں

اس مفہوم کو اسی لفظ سے ادا کیا ہے، مگر جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے کہ انسانی لغت کے الفاظ سے جو مادیت کی گونڈوں میں پلے اور

مادیت کے ماحول میں پھولے پھلے ہیں، کسی روحانی مفہوم کی تعبیر ناممکن ہے کہ اس کے ہر لفظ کے مفہوم کو ان، ہی

لوازم اور خیالات کیساتھ انسان سمجھنے پر مجبور ہے، جو ہمیشہ سے اس لفظ کیساتھ وابستہ چلے آتے ہیں، آپ بادشاہی کو

آسمانی کہہ کر کسی قدر مادہ سے بلند کریں مگر بادشاہی کے مفہوم کے ساتھ جو موروثی خیالات و لوازم وابستہ ہیں وہ دور نہیں ہو

سکتے، چنانچہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی کی آخری شب میں شاگردوں کو جب شراب کا پیالہ پیش کر دیتے ہیں تو آسمانی

بادشاہی کے مادی لطف و مسرت کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

”میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ انکو کا شیرہ پھر نہ پیوگا، اسلئے کہ تمہارا گناہ اپنے باپ کی بادشاہی میں سے نیانہ پیوں (متی: ۲۶-۲۹)

آپ نے دیکھا کہ باپ کی آسمانی بادشاہی میں بھی انکو رہی کا شیرہ پینے کو ملے گا۔

اور یوحنا حواری نے جب اس آسمانی بادشاہی کا خواب دیکھا تو وہ ان کو اسی سونے چاندی کے محل، آب حیات کی

نہر اور جواہرات کی دیواروں میں نظر آئی، مکاشفات یوحنا باب (۲: ۲۲)

”وہاں رات نہ ہوگی، اور دئے چراغ اور سورج کی روشنی کے محتاج نہیں، کیونکہ خداوندان کو روشنی کرتا

ہے، اور وہ ابدالابد بادشاہی کریں گے“ (۵: ۲۳)

لیکن یہ بادشاہی عیسوی پیغام میں ہنوز تفسیر کی محتاج ہے، بہت کے آخری پیغام نے اس اجمال کی تفصیل ان لفظوں میں کی ہے:

فَوَقَّعَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمُ نَصْرًا ۚ

تو اللہ نے اہل جنت کو اس دن کی تکلیف سے بچایا، اور انکو



وَسُورَاهُ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا وَجَنَّةٌ وَحَرُّ يُرَاهُ  
مُتَكِينِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرْشِ لَا يُرُونَ فِيهَا شَمْسًا  
وَلَا زَمْهَرِيرًا وَدَرِيَّةٌ عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلِّلَتْ  
قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَّةٍ مِّنْ نِّصَّةٍ  
وَالْوَابُ كَانَتُ قَوَارِيرًا قَوَارِيرًا هِيَ فِيضَةٌ  
قَدْرُوهَا تَقْدِيرًا وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا  
زَنْجَبِيلًا عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسِلًا وَيُطَوَّفُ  
عَلَيْهِمْ وَلَوْلَا أَنَّ مَخْلُوقِينَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَبَبَتْهُمْ  
لُؤْلُؤًا مِّنْ ثَوَاهِ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَرًا رَأَيْتَ لَيْعِمًا وَ  
مُلْكًا كَبِيرًا عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُدُوسٌ خُضَرٌ مُّتَبَرَّجَةٌ  
وَحُلُوفٌ أَسْوَدٌ مِّنْ نِّصَّةٍ وَتَسْقَوْنَ رُبَّهَا  
شَرَابًا هُمُورًا إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً  
وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا (دہرہ: ۱)

ترتیب تازی اور شادمانی سے ملایا اور ان کے کمر پہلے میں ان کو رہنے  
کے لیے، باغ اور رہنے کیلئے، یعنی پڑے دیئے، وہ ان باغوں  
میں تختوں پر کیے لگائے ہوں گے، ان میں دھوپ ہوگی نہ ٹھنڈا  
اور ان کے سائے ان پر چھکے ہوں گے، ان کے خوشے پسٹ ہو کر  
لٹکے ہوں گے، چاندی کے برتن اور نقری شیشوں کے انجورے  
جو ناپ کر بنائے گئے ہیں، انکو لوگوں کے پاس لیے پھریں گے،  
اور انکو وہاں وہ پیالہ پلایا جائیگا، جس میں سونے کی ہوگی، ایسی  
ایک چشمہ کا نام سلیل ہے اور اسے والے کس غلام انکی خدمت  
میں گھوم رہے ہوں گے تو وہ انہیں دیکھے تو سمجھے کہ موتی بھر ہیں اور  
جب یہ سب دیکھے تو وہاں نعمت و عیش اور بڑی بادشاہی دیکھے، انکی  
پوشاک سبز نرم ریشم اور بیز ریشم ہو، اور انکو نقری نگین پہنائے جائیں  
گے، اور ان پر درگاہوں کو پاک شراب پلائے گا، یہ تمہاری مزدوری  
ہوگی، اور تمہاری محنت کی قدر کی جائے گی،

یہ پورا نقشہ اس عیش و مسرت کا ہے، جو اس دنیا کے شانہ و شہ کے متعلق تخیل میں آتا ہے، اس بیان کی تائید تصدیق  
اس صحیح حدیث سے ہوگی جو جامع ترمذی میں حضرت مغیرہ صہبانی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ نے  
اپنے پروردگار سے پوچھا کہ اے پروردگار! جنت والوں میں سب سے کم رتبہ کون ہوگا، فرمایا وہ شخص جو جنت والوں کی جنت  
میں داخل ہو چکے کے بعد آخرین آئیگا تو اس سے کہا جائیگا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہے گا کہ اب میں کہاں جاؤں کہ لوگ  
اپنے اپنے مقام پر جا چکے، اور ربانی نوازشوں پر قابض ہو چکے، اس سے کہا جائیگا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے وہ ملے جو دنیا  
کے بادشاہوں میں سے کسی کے پاس نہ تھا، عرض کریگا خداوند انہیں یعنی ہوں فرمائے گا تیرے لیے اتنا اور اس سے دونا، اور  
اس سے تگنا اور چوگنا ہے، کہے گا، خداوند انہیں یعنی ہو گیا: خدا فرمایا، تیرے لیے وہ اور اس کا دو گنا ہے، عرض کریگا میں راضی ہو گیا  
فرمایا، اس کے ساتھ یہ بھی کہ جو تیرا دل آرزو کرے، اور جو تیری آنکھ کو لذت بخشنے

باغ کا استعارہ آخرت کے خانہ عیش و راحت کیلئے قرآن پاک نے عموماً جنت اور کہیں روضہ کے لفظ کا استعمال  
کیا ہے، نادان اس کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ عرب کے شورو بے حاصل اور خشک صحرا کے بنے والوں کی انتہائی آرزو جو نہ  
سرسبز و شاداب باغوں ہی کی ہو سکتی ہے، اس لیے ان کے لیے یہ لفظ اس مقام آخرت کے لیے قرآن نے استعمال کیا ہے مگر یہ  
سمجھنا چاہیے کہ قرآن کا مخاطب صرف عرب نہیں بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ ہے، ایسے عرب کی تخصیص بے معنی ہے، کیا دنیا کے  
سرسبز و شاداب ملکوں کے بنے والوں کے تخیل میں باغ و رازگ و گل کی بہار پسندیدہ نہیں، اصل یہ کہ یہاں  
بیابان و گشتان کی تخصیص نہیں، یہ فطرت انسانی کی تصویر انسان کسی خطہ ارضی میں آباد ہو مگر وہ سرسبز و شاداب قطعات  
باغ و بہار، اور کنار آب نہر کو عیش و مسرت کا مقام سمجھتا ہے اور انکو دیکھ کر اندر سے اس کی روح وجد کرتی ہے۔

جامع ترمذی تفسیر سورہ بقرہ (حدیث حسن صحیح)

اس استعارہ کے استعمال کا ایک اور حکمت بھی توجہ کے قابل ہے، انسان کا گھر وہ عیش خانہ ہوتا ہے جس میں حزن و غم  
کی آمیزش بھی شامل ہوتی ہے، اہل و عیال اور دولت و مال کے متعلق ہر قسم کی فکریں اس کے دل کے امن سے لپٹی ہوئی ہیں،  
مگر جب انسان سیر و تفریح کے لیے باغ و چین کا رخ کرتا ہے، تھوڑی دیر کے لیے وہ ہر غم کو بھول جاتا اور ہر تعلق کو دل سے  
نکال دیتا ہے، اور ایسا شادان فرماں بن جاتا ہے کہ علم و مال کے ہر گوشہ خاطر سے دھو جاتے ہیں وحی محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام  
نے اس لفظ کو اسی لیے استعمال کیا ہے کہ اس اخروی عیش و مسرت شادمانی خوشی اور فراغ خاطر کی پوری تصویر کھینچ جائے۔  
سامان جنت کے دنیاوی نام یہ حقیقت بار بار دہرائی گئی ہے کہ عالم آخرت کی اشیاء کو جن دنیاوی الفاظ سے  
ادا کیا گیا ہے، ان سے مقصود بالکل وہی نہیں ہیں جو ان لفظوں سے کھینچے گئے ہم عادی ہیں، بلکہ ان اخروی اشیاء کو ان دنیاوی  
الفاظ سے اس لیے ادا کیا گیا ہے کہ وہ ان سے خاص مناسبت رکھتی ہیں، ورنہ اذروئے حقیقت ان الفاظ کے لغوی  
مفہوم و معنی سے ان کی اخروی حقیقتیں بدرجہا بلند و اتہم ہوں گی، چنانچہ قرآن مجید کی ان آیتوں میں،

وَلِيَشْرُوا الْبَيْنَ اَمْثُلًا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اِنَّ لَهُمْ  
جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا  
مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رَّزَقُوا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا  
مِنْ قَبْلُ وَاتُّوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا اَزْوَاجٌ  
مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اِنَّ رَبَّكَ  
لَاسْتَجِي اَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ  
فَمَثَلُ الْفَهْلِ (البقرہ: ۳)

ان آیتوں کے سابق و سابق اور نظم و ترتیب پر لحاظ کر کے تفسیر ذہن میں یہی معنی آتے ہیں، کہ ان میں دنیاوی الفاظ اور ان  
کے اخروی مفہوم کے درمیان تشابہ کا بیان ہے ورنہ حقیقت کے روضے ان الفاظ کے دنیاوی لغوی معانی اور اخروی معنوں  
میں وہی نسبت ہے، جو محیر اور کسی عظیم الجثہ کے درمیان ہو سکتی ہے، یہی سبب کہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کی نسبت قرآن  
نے یہ بھی کہا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخِيتْ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ  
جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سجدة: ۲۱)

اس آیتوں کی ٹھنڈک یعنی لذت و راحت کی کیفیت دنیاوی تخیل سے چونکہ بہت بلند ہے، اس لیے فرمایا گیا  
کہ جنت کی راحت و لذت کی حقیقت علم و فہم سے پوشیدہ اور مخفی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مفہوم کو اپنے  
ان مبارک الفاظ سے واضح فرمادیا ہے:

قَالَ اللَّهُ اَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَالًا  
عَيْنًا رَأَتْ وَلَا اَذْنَ سَمِعَتْ وَلَا  
خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ

خدا فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ مایا کیا ہے  
جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی  
انسان کے دل میں اس کا خیال آیا۔

جامع بخاری، باب کلام الرب و تفسیر سورہ بقرہ، صحیح مسلم کتاب الجنۃ و ترمذی تفسیر سورہ بقرہ



اگر جنت کے باغوں، نہروں، میوؤں، غلاموں، شرابیوں، ریشمی کپڑوں، اور طلائی زیوروں کی وہی آخری حقیقت ہے جو ان لفظوں سے لغوی طور پر ہم اس دنیا میں سمجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بہشت کی لذتوں اور مسرتوں کو ایک محض حقیقت نہ فرماتا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی توضیح میں اس درجہ بلندی کرتے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں جنکو آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا اور نہ وہ کسی انسان کے خیال میں گذریں، مزید تاکید روایت کے دوسرے الفاظ میں ہے :

بلکہ ما طلعت علیہ (صحیح بخاری تفسیر سورہ مجملہ) جو تم جانتے ہو اس کو چھوڑ دو۔

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: بلکہ ما اطلعک اللہ علیہ، اس کے دمعنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ بلکہ خطنے تم کو اس پر مطلع بھی نہیں کیلئے۔ دوسرے یہ کہ خدا نے اس کو حال بتا لیا، اس سے بھی درگزر کرو۔  
غرض ان لفظوں جو بھی تم سمجھ سکتے ہو اسکو چھوڑ کر آگے بڑھو، اسی تفسیر نے حضرت ابن عباسؓ بسند نقل کیلئے :

وقال السفیان الثوری عن الامام عیسیٰ بن ابی  
ظبیان عن ابن عباس لا یشبہ شیء مما فی  
الجنة ما فی الدنیا الا فی الالہاماء۔  
سفیان ثوری، اعمش سے اور وہ ظبیان سے اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جنت میں کچھ ہے وہ دنیا کی چیزوں ناموں کے سوا اور کسی بات میں مشابہ نہیں،

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں :

لیس فی الدنیا مما فی الجنة الا الالہاماء  
جنت میں جو کچھ ہے، وہ ناموں کے سوا دنیا میں نہیں،  
غرض ان الفاظ سے ان ہی دنیاوی مشاہدات کی چیزوں کو سمجھنا ضروری نہیں، بلکہ ان سے بدرجہا بلند انداز اور مسرتیں مراد ہیں جن کی تعبیر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ کسی وجہ مناسب سبب سے انکو ان دنیاوی لفظوں سے ادا کیا جائے اور اس پر بھی مفہوم ادا نہ ہو سکے، اسی اشکال نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کی عدم قدرت کلام کے سبب سے نہیں ہے بلکہ عاجز انسانوں کی ذہنی درمندی کے سبب ہے کہ نادیہ و ناشیدہ اور رد و لاخلید مفہام کیلئے انکی زبان لغت میں کوئی لفظ ہی نہیں،

جنت کی مسرتیں اعمال کی تمثیل ہیں | یہ اصول بار بار بیان میں آچکا ہے کہ دوزخ کی تکلیفیں ہیں یا جنت کی مسرتیں دونوں اعمال انسانی کی تمثیل ہیں اسی لیے قرآن پاک نے بتقریب تمام یہ کہا ہے۔

انما تجزؤن ما کنتم تعملون (طور: ۱۰) وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں خدا فرمائے گا اے میرے بندو، یہ تمہارے ہی عمل ہیں جو تم کو واپس مل رہے ہیں تو جو نیکی پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے اور جو برائی پائے وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔

مثلاً وہ نیکوکار جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہمیشہ ترساں و لرزاں رہتے تھے، ان کو جنت میں امن و سلامتی کے ساتھ دہلیز کی تمام راحتیں ملیں گی تو

قالوا انما کنائی اهلنا مشفقین فمن الله علينا  
ووفنا عذاب السموم (طور: ۱۰) کہیں گے ہم اس اپنے پہلے گھڑیوں میں ڈرتے تھے تو خدا نے ہم پر مہربانی فرمائی، اور ہم کو دوزخ کی لو کے عذاب سے بچالیا

صحیح مسلم کتاب الجنۃ وصفہ نعمہا لہ تفسیر ابن جریر طبرانی۔ ات مذکور وہی فی البعث کافی الدرر المنثور للسیوطی، تفسیرات مذکورہ،

اس آیت سے صاف نمایاں ہے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کے قہر و غضب سے ڈرتے تھے، وہ قیامت میں گرم لو (مسموم) کے عذاب سے بچائے جائیں گے، قہر و غضب کی تمثیل شعلہ آتش، لو وغیرہ گرم چیزوں سے ہے، تو جو لوگ دنیا میں خدا کے قہر و غضب سے ترساں تھے، دیکھو کہ قیامت میں انکو مسموم یا گرم ہوا کی لو سے بچائے جانے کی بشارت ملی، دولت مند و قوی دست منکرین، غریب مسلمانوں کو دیکھ کر دنیا میں ان پر تحقیر اڑھتے تھے، قیامت میں اس کا الٹا ہو گا کہ یہ ان پر ہنسیں گے، فرمایا :

ان الذین اجروا کافراً من الذین امنوا  
یضحکون..... قال یومر الذین امنوا من  
الکفار یضحکون (تطییف: ۱) بیشک گنہگار، ایمان والوں پر ہنستے تھے.....  
..... تو آج ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے۔

نیکوکاروں کے دین کے آنسو یہاں تبسم اور خندہ مسرت میں بدل گئے اور گنہگاروں کی دہلیز کی ہنسی یہاں آنسو کا آئینہ ظاہر ہوئی۔  
گنہگار جو دنیا میں اپنی دولت و قوت کے نشتر میں چور اور اپنے اہل و عیال کیساتھ خوش اور مسرور رہتے تھے، وہ یہاں غمگین ہوں گے، اور جو دہلیز غمگین تھے، وہ یہاں خوش اور مسرور ہوں گے۔

فسوف یدعونوا ثبوراً ویطلى سعیوا  
انہ کان فی اہلہ مسروراً (اشفاق: ۱) تو وہ موت کو پکارے گا، اور دوزخ میں داخل ہوگا،  
کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال میں (مغرورانہ) خوش تھا،  
اور جو نیکوکار دہلیز اہل و عیال میں بیٹھ کر بھی مسرت سے نا آشنا تھا، اس کا یہ حال ہوگا کہ  
فسوف یحاسب حساباً یسیراً ویقلب الی  
اہلہ مسروراً (اشفاق: ۱) تو اس سے آسان حساب لیا جائیگا اور وہ خوش خوش اپنے لوگوں کے پاس لوٹے گا۔

قرآن پاک میں بار بار یہ کہتے ہیں یا بعینہ ان ہی معنوں کی آیتیں آئی ہیں :  
وکیثیر الذین امنوا وعملوا الصالحات ان لهم  
جنت تجزؤن من تحتها الانہار (بقرہ: ۲) اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کو باغوں کی خوشخبری ملے گی جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

ان آیتوں میں ایمان اور عمل صالح کے بالمقابل باغ اور اس کی نہروں کا ذکر پابندی کیساتھ آتا ہے، اس سے ادھر خیال جاتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی خاص تشبہ و تشبیہ ہے یہ ظاہر کہ درخت اصلی چیزیں ہیں، جن کی ترقی اور نشوونما پانی سے ہوتی ہے، بعینہ اس طرح ایمان اصل ہے جس کی جڑوں کی سیرابی اعمال صالحہ کی آبیاری سے ہوتی ہے، اگر ایمان ہو اور اعمال صالحہ نہ ہوں تو وہ ایک ایسا درخت ہوگا جس کی ترقی اور نشوونما کی امید نہیں، اور اگر صرف عمل صالح ہے، اور ایمان نہیں تو ریگ میں پانی کی روانی ہے جس کا وجود و عدم یکساں ہے، اس تشبہ کے ذہن میں آنے کے ساتھ قرآن پاک کی یہ آیت سامنے آتی ہے :

واذخلف الذین امنوا وعملوا الصالحات جنت  
تجری من تحتها الانہار یخلدون فیہا باذن  
ربہم تحیتہم فیہا سلاماً لم یؤکلف صعب  
اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ ان باغوں میں داخل کیے گئے  
جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ان میں سدا بہی  
گئے، دہلیز سلامتی کی مبارکباد ہے، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے کسی ایک



اللَّهُ مُثَلًّا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي الْأُكْهُاءَ كُلَّ جَنٍّ بِأَذْنٍ رَبِّهَا طُوبَى لِلَّهِ الْأَمْثَالُ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (ابراہیم ۲۴)

مثال بیان کی، نیک بات ایک سترے دھتکے طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہو اور ٹہنی آسمان میں ہو، اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ہمہ وقت پھل لایا کرتا ہے، اور خدا مثالیں بیان کرتا ہے کہ لوگ شاید سوچیں۔

اس آیت میں جنت اور کلمہ طیبہ کے درخت کی پوری تمثیل ہے، یہاں تک تقابل ہے کہ پہلے میں جنت کا لایا گئے پروردگار کے حکم سے وہ ان باغوں میں سدا رہیں گے، تو دوسرے میں ہے کہ وہ درخت اپنے پروردگار کے حکم سے سدا پھل دیتا رہے گا۔ یہاں ہر ایمان ہے جس کی جڑ مضبوط و مستحکم اور اس کی شاخیں آسمان میں اور اس کے پھل سدا پھلنے والے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون صحابی کی وفات کے بعد انکی ایک ہم سایہ صحابیہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہر بہہ رہی ہے، اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان بن مظعون کی ہے، انہوں نے آکر یہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے اسکی تعبیر میں فرمایا اے اللہ بجزی لہ، یعنی یہ نہر ان کا عمل ہے جو انکے لیے بہہ رہی ہے، (بخاری کتاب التبعیہ)

ان دونوں سابقہ حوالوں سے یہ ہو رہا ہوتا ہے کہ ایمان کی تمثیل سدا بہار درخت سے اور عمل کی تمثیل نہروں سے ہے، اس بناء پر اہل جنت کے لیے بار بار جس باغ اور نہر حبابی کی ثبات دی گئی ہے، وہ حقیقت میں ان کے ایمان اور عمل صالح کی تمثیلی شکلیں ہوں گی، ان کا ایمان خوشنما اور سدا بہار باغ اور ان کے اعمال صالحہ صاف و شفاف نہر کی صورت میں نمایاں ہوں گے اور وہ ان سے لطف و لذت اٹھائیں گے۔

اسی قیاس پر جنت کی دوسری لذتوں اور مسرتوں کی حقیقت کی تشریح کی جاسکتی ہے، علوم نبوی کے ایک بڑے واقف کار اور امیر شریعت کے ایک بڑے دانے راز شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجتہ البالغہ میں لکھتے ہیں: اکثر الوقائع المحشرية من هذا القبيل، ... حشر کے واقعات از قبیل تمثیل ہیں، ... حاصل یہ کہ یہ وبالجملة فتشجحات و تشللات لما عندھا ... تمام امور معانی کا جسمانی قابلوں میں اور مثالی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ... اللہ تعالیٰ کی عنایت مہربانی خوش مزہ کھلے خوش گوار پینے کی چیزوں رغبت انگیز لذت نکلج، دلچسپ لباس اور عمدہ مسکن کی صورتوں میں نمایاں ہوگی۔

ہم نے آیات و احادیث کے حوالوں سے پہلے کئی دفعہ یہ دکھایا کہ اس تمثیل و تشبیہ کے کیا معنی ہیں، اور کیونکر غیر مجسم معانی، اپنے مناسب قابلوں میں مجسم ہو کر وجود پذیر ہوتے ہیں، دنیا کے تمام اعمال صالحہ کی اگر تحلیل کی جائے تو انکی اولاد و قسین نکلیں گی، اور خدا پر ایمان اور خلوص دل سے اسکی اطاعت جسکو حقوق اللہ کہتے ہیں، اور دوسرے بندگان الہی کیساتھ حسن سلوک، بندگان الہی کیساتھ جو نیک سلوک کیا جاسکتا ہے، وہ یہی ہے کہ ان کی عزت و ابر کا پاس کیا جائے، جس کو عصمت و عصمت کہتے ہیں، اور ان کی ضروریات زندگی کے مہیا کرنے میں امداد کی جائے اور ضروریات زندگی سی کھانا، پینا، پہنا اور رہنا ہیں، ان ہی کی نسبت ہم ان کیساتھ حسن سلوک کر سکتے ہیں، اب یہ پانچ قسمیں ہوں گی، جنت کی نعمتیں ان ہی پانچ قسموں پر منحصر ہیں، ایمان و اخلاص و طاعت کی جزا تو خود اللہ تبارک تعالیٰ ہے، وہ اپنے قرب اور اپنے دیدار

لے تعبیر بہر طری، تفسیر آیت مذکورہ :

سے نوازے گا، عصمت و عصمت کی جزا حسین و مجاہدین کی صورتوں میں نمایاں ہوگی، دوسرے کو کھلانے کی جزا جنت کے باغ، در پھل اور قسم قسم کے الوان طعام ہیں، دوسرے کو پانی کی جزا خوش مزہ و خوش گوار پینے کی مختلف چیزوں کی فراوانی ہے، پہنایکی جزا نرم حریر و دیبا و اطلس اور ہنر سے بہتر خوشنما لباس ہے، اور رہنے اور بسنے میں حسن سلوک کی جزا خوش منظر مکان و قیام گاہ ہے، ایک اور پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی بہشت کی صفت یہ بیان فرمائی ہے،

إِنَّ لَكَ أَلًا تَجُورُ فِيهَا وَلَهُ النَّعْيُ ۚ وَ أَتْلُكُ لَا تَطْمَئِنُّ فِيهَا وَلَهُ تَفْضِي ۚ (طہ ۷۷)

یہی چار مختصر انسانی ضرورتیں ہیں جو پھیل کر ایک دنیا ہو گئی ہیں، جب آدم کی اولاد کو اپنے اعمال صالحہ کی بدلت بخت ملے گی، تو پھر ان کے لیے وہی بہشت ہے جس میں نہ بھوکا ہونا ہے، نہ پیاسا ہونا، نہ تنگنا ہونا، نہ گرمی اور نہ دھوپ کی تکلیف میں گرفتار ہونا، اس حقیقت کی تعبیر دو طرح سے کی جاسکتی ہے، یا تو یہ کہ بہشت میں اہل بہشت کی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام انسانی ضرورتوں سے یکسر پاک و بے نیاز ہو جاتے ہیں، اسی لیے ان کو کوئی بھوکا ہوگا نہ پیاسا اور نہ تنگنا ہوگا اور نہ دھوپ اور لو کی محنت میں گرفتار، دوسرے یہ کہ بہشت میں اہل بہشت کو کھانے کے لیے ایسے الوان نعمت ملیں گے جن کو کھا کر انسان پھر بھوکا نہ ہوگا، اور پینے کے لیے شراب و شربت کی وہ نہرس بہیں گی جن کو پانی کر پھر پیاسا نہ ہوگا، اور پھنے کو وہ کپڑے ملیں گے جو پھر نہ میلے ہوں گے اور نہ بوسیدہ ہو کر بچھیں گے، اور رہنے کے لیے ایسے گھنے باغ اور بلند مکانات ملیں گے جہاں دھوپ کا گزند نہ ہوگا،

یہ اصول پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیے جو لطف و لذت ہے وہ تنویری سی تکلیف کا نتیجہ ہے، انسانی اصول یہ ہے کہ بڑی لذت کے حصول کے لیے تنویری تکلیف گوارا کرتا ہے اور بڑی مسرت پر چھوٹی چھوٹی مسرت کو قربان کرتا ہے اسی اصول پر اس کے تمام اعمال کی کامیابی و ناکامیابی کی بناء ہے، اعمال صالحہ کے بجالانے میں انسان کو اس دنیا میں چھوٹی چھوٹی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، اور اپنی عارضی خوشیوں اور لذتوں کو ان پر قربان کرنا ہوتا ہے، صبح کے نمازی کو خواب کمر کی لذت کو خیر باد کہنا، اور دوپہر کی جلّی دھوپ میں ظہر کے لیے مسجد میں جانا پڑتا ہے خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھانا پڑتا ہے اور اپنی بہت سی ناجائز مگر بظاہر دلچسپ خوشیوں کا اٹھا کرنا پڑتا ہے، اس طرح پاکیزہ زندگی گزارنے پر اس کو آخرت کی غیر فانی دولت اور ابدی سعادت میسر آتی ہے،

انسان کو دنیا میں ان اعمال صالحہ کی خاطر جن چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے ان میں پہلی چیز تو خود اسکی زندگی ہے، پھر انسانی زندگی کی وہ چار قسمیں ہیں، جن کا نام کھانا، پینا، پہنا اور رہنا ہے، اس لیے آخرت میں ان قربانیوں کی جزا میں ان ہی کے مناسب و مماثل جو چیزیں ملیں گی وہ غیر فانی زندگی، الوان طعام، اقسام شراب و شربت، انواع لباس اور بہترین مسکن ہیں، قرآن پاک میں ہے :

فَأَمَّا مَنْ طَغَى ۖ وَ آثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى ۖ وَ أَقَامَ مَنْ خَافَ مَقَارَ رَبِّهِ ۖ وَ هَمَّى النَّفْسَ مِنَ الْهَوَى ۖ فَإِنَّ الْحَيَاةَ

پس جس نے خدا سے سرکش کی اور دنیاوی زندگی کے عاجز لطف و آرام کو ترجیح دی تو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہے لیکن جو خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے گرا اور اپنے نفس کو ناجائز



ہم الماؤای ۵ (دناعات ۲۱) خواہشوں سے دکان تو اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔

گو اس کی جزئی نیکیوں کی جزا تو وقتاً فوقتاً اس دنیا میں تھوڑی تھوڑی کر کے شہرت، تعریف، ہر خواہش کی اور دولت کی صورت میں ملتی رہتی ہے، مگر پوری زندگی کی مجموعی جزا دوسری زندگی میں ہی اس کو ملے گی،

وَأَن تَأْتُوا فَنُونَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ (دال عمران: ۱۹) اور تمہاری مزدوری قیامت کے دن پوری داکھیلے گی۔

لطف و مسرت کا تصور مسرت ایک نفسی کیفیت کا نام ہے جو انسان کو اپنی کسی خواہش کے پورے ہونے وقت حاصل ہوتی ہے اس بنا پر مسرت کے وجود کے لیے کسی خواہش کی تکمیل ضروری ہے، اب انسانی خواہشوں کی تحلیل کرو، تو بالآخر ان کی انتہا ان ہی باتوں پر ہوگی جن کی طلب اس کی فطرت کے اندر ودیعت کر دی گئی ہے، اب غور کرو کہ وہ کیا چیزیں ہیں، کیا چیزیں اس کے فہم میں آسکتی ہیں، وہ یہی ہیں، باغ و بہار، لباس طعام، حور و قصور، خدم و خشم، سامان و لباس اور زر و جواہر، مسرت اور راحت کا جب کبھی تخیل آئے گا، اور جب کبھی ہم انکو کھنچنا چاہیں گے، اور کھنچا جائے گا تو ہم کو ان ہی چیزوں کا نقشہ کھینچنا پڑے گا، اور ہماری انسانی فطرت ان ہی مسرتوں اور خوشیوں کو ڈھونڈنے کی عادی ہے، اور ان ہی کے حصول کی خاطر دنیا میں ہر طرح کی سیرکاری اور گندگاری کی مرتکب ہوتی ہے، اس لیے ان سے احتراز کرنے پر جو چیزیں ہم کو دلوں ملیں گی وہ ہمارے ان ہی عادی و مانوس اسباب مسرت کی صورتوں میں ہمارے سامنے پیش ہوں گے، اور ہم ان سے لطف اندوز ہوں گے۔

لطف و مسرت کا اعلیٰ ترین تخیل اس دنیائے کون و فساد میں ہم ایک عجیب قسم کی مصیبت میں مبتلا ہیں، ہم کو تخیل کے لحاظ سے اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کی وسیع اور غیر محدود دنیا بخشی گئی ہے لیکن اپنی خواہشوں اور تمناؤں کے مطابق اپنی دنیا بنالینے پر قدرت نہیں پہنچتے کہ اگر ہم نے مہر و تکر کا دامن نہیں پکڑ لیا، تو ہم سے زیادہ اس دنیا میں تصور و تخیل کی تکلیف میں کوئی اور گرفتار نہیں، جنت آخرت کی اس دنیا کا نام ہے جو ہمارے اعلیٰ ترین تخیل اور ہماری تمناؤں اور آرزوؤں کے مطابق ہوگی۔

جَنَّتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجِزِي هُنَّ حَتَّىٰ مَخْرَجِهَا  
إِلَهُنَّ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ يُجْزِي اللَّهُ  
الصَّافِينَ ۚ (نمل: ۴۱)

وَلَكُمْ فِيهَا مَا شِئْتُمْ ۚ وَأَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا  
نَدَّعُونَ ۚ (ح: السجدة: ۴۲)

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۚ (ق: ۳۱)

فِيهَا مَا تَشْتَهُ ۚ وَالنَّفْسُ وَلَدًا زَوَّجًا ۚ (زخرف: ۷۱)

لَا يَمُرُّ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَلِيدِينَ ۚ كَانَ عَلٰى  
رَبِّكَ دَرٌ ۚ (فرقان: ۲۱)

سَيُزِيدُ مَا آتَاكَ ۚ وَتَأْتِيكَ بِهِمْ ط (زمر: ۳۱)

ان کیلئے ان کے پروردگار کے پاس وہ ہے جو وہ چاہیں گے۔

الغرض جنت وہ مقام ہے، جہاں ہم کو وہ کچھ ملیگا، جہاں تک ہمارا مرغ خیال اڑ کر پہنچ سکتا ہے لطف و مسرت وہ بلند بلندی ہے بلندی معیار جو تصور میں آسکتا ہے، دلوں ہمارے لیے مہیا ہوگا، سماں میں ہر قسم کے لوگ تھے، جنت کے سامان مسرت کے متعلق وہ اپنی اپنی پسند اور آرزو کے مطابق اپنے سے پوچھتے رہتے تھے، اور آپ جواب دیتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو سب سے کم تجربہ ہوگا اس کی کیفیت بھی یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو اپنی انتہائی آرزو دل میں خیال کر، وہ کرے گا تو خدا فرمائے گا کہ تجھے کو وہ سب کچھ دیا گیا، جس کی تو نے آرزو کی تھی، اور اس کے برابر اور بھیہاں تک کہ ہزار کا شوق ہوگا تو بازار بھی لگے گا، لیکن وہ حقیقی خرید و فروخت نہ ہوگی کہ دلوں کی کسی چیز کی ہوگی، بلکہ وہ مثالی صورتوں میں ہوگی، اِلَّا الصُّورُ هُنَّ السُّرُجَالُ ۚ

کسی کو جنت میں کھیتی کا شوق ہوگا تو داد، سبز، غلہ اور پھرتیاری یہ سب کام منٹوں میں انجام پا جائیگا، ایک وی لے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دلوں گھوڑے بھی ہوں گے، فرمایا کہ اگر تم کو جنت ملی تو اگر تم یہ بھی چاہو گے کہ مرغ یا قوت لگھوڑا ہو جو کو چاہا ہو بہشت میں لیے جھرتو وہ بھی ہوگا، دوسرے نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اونٹ بھی ہوگا، فرمایا اگر تم جنت میں گئے اور تمہارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو تمہارا دل چاہے گا، اور تمہاری آنکھیں پسند کریں گی، جنت میں اہل جنت کے مختلف رتبے ہوں گے، ایسے اعلیٰ کے لباس و سامان کو دیکھ کر ادنیٰ کو اپنی کمی کا خیال ہو گا تو اس کے تصور میں یہ پیدا کر دیا جائیگا (حتیٰ تخیل الیہ) کہ خود اس کا لباس سامان اس سے بہتر ہے اور یہ اس لیے ہوگا کہ جنت میں کسی کو غم ہونا ممکن نہیں ہے،

جنت جہاں کوئی جسمانی و روحانی آزار نہیں کسی صاحبِ دل نے جنت کی یہ تعریف خوب کی ہے کہ

بہشت آنجب کہ آزار سے نہ باشد

دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی مسرت و زندگی بھی ایسی نہیں مل سکتی جس کے پہلو میں مسرت کے پھول کیسا تھ غم کا کوئی کاٹا نہ چھب رہا ہو، یا تو موجودہ مسرت کے آئندہ ختم ہو جائیگا خوف ہے اور یا گذشتہ ناکامی کا افسوس ہے اس بنا پر یہاں کی کوئی خوشی بھی کامل نہیں، مگر جنت وہ مقام ہوگا، جہاں نہ ماضی و حال کا غم ہوگا اور نہ مستقبل کا خوف ہوگا، چنانچہ اہل جنت کے متعلق بار بار ارشاد ہوا:

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ (نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔)

اور یہی بہشت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، اس میں جسمانی و روحانی ہر قسم کی نعتیں داخل ہیں،

دنیا میں کوئی انسان اس وقت تک کوئی نعمت کے لیے نہیں اتار سکتا اور نہ کوئی جھٹکا بدن پر رکھ سکتا ہے جب تک اس کے سر کا پسینہ پاؤں تک نہ آئے، دنیا کی تمام فانی مسرتیں ہماری فانی کوششوں کا فانی نتیجہ ہیں، مگر جنت کی خوشیاں بے غم و تکلیف ہماری گذشتہ فانی نیکیوں کا غیر فانی نتیجہ ہیں، اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے کہ وہ دلوں ہم کو ہمارے آسائش کا تمام سامان کسی قسم کی ادنیٰ رحمت و شفقت اٹھائے بغیر میرا لگایا، جس کے بغیر دنیا میں کوئی انسان زندہ ہی نہیں ہو سکتا، اور جس کی کشش سے یہ دنیا ہر انسان کے لیے دوزخ بنی ہے، چنانچہ اہل جنت، جنت میں داخل ہو کر اور شاہد ترک و اعتقاد

اصح مسلم ۱۰ ترمذی، دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۷ صحیح بخاری ۱۰ ترمذی، یہ کل حدیثیں مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۷ سے لی گئی ہیں۔



اور لباس و زیور سے آراستہ ہو کر خدا کی حمد و تعریف کا ترانہ ان لفظوں میں گائیں گے۔

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجَلُّونَ فِيهَا مِنْ أَكْوَافٍ  
مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ  
وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ  
رَبَّنَا لَخَفُورٌ شَكُورٌ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ  
مِنْ فَضْلِهِ لَوْلَا نِعْمَتُنَا فِيهَا لَفَسَدَتُمْ  
لَوْ يَسْتَفْهِمُ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ بِفَاهِينَ  
بِمَنْحَرٍ حَيْنٍ (حجر: ۴۵)

جنت وہاں رنگ و سب سے بھرپور ہے، یہاں ثواب کے ساتھ گناہ، رحم کیساتھ سنگدلی، محبت کیساتھ کینہ ہے، یہ گناہ و کینہ اور بغض و حسد، وہ آگ ہے جس نے یہاں کے قلبی امن کو امان کے خرم میں آگ لگا رکھی ہے، ہر شخص یہاں دوسروں کی اچھی حالت کو دیکھ کر جلتا ہے، اور دوسروں پر غصہ کے جوش و خروش سے اُلتا ہے، جنت وہ عالم ہے جہاں اس آگ اور سیلاب کا وجود نہ ہوگا، ہر قسم کے گناہ و سنگدلی، عادت اور بغض و حسد کا خاتمہ ہوگا، اور خالص محبت و الفت کے دریا موجزن ہوں گے، فرمایا،

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا سُلْطٰنًا (مریم: ۴۵)  
وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍ فَجَرْنٰهُ  
مِنْ عَنَابٍ مُّذْتَرِّطٍ (اعراف: ۵۰)  
وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍ إِخْوَانًا  
عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ (حجر: ۴۵)

اس کی تفسیر میں حدیث صحیح میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہاں نہ دلوں کا اختلاف ہوگا، نہ باہم بغض اور کینہ، سب کے دل ایک دل کی طرح متحد ہوں گے،

وہاں کی جسمانی زندگی کیسی ہوگی | بہشت میں زندگی کی جولانہ تیس ہوں گی، ان کی تعبیر الوان نعمت اور انواع شربت و خراب اور دوسرے مادی لذائذ سے ہو سکتی ہے مگر وہ حظ و مسرت اور اطمینان و سکینت کے علاوہ کسی معنی میں بھی مادی خصوصیات سے آلودہ نہ ہوں گی، یہاں ہر کھانے پینے کیساتھ بول و براز، پسینہ اور سوء ہضم کی علت لگی ہوئی ہے، اور بغیر اس کے انسان یہاں زندہ نہیں رہ سکتا مگر وہاں کچھ نہ ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کھائیں گے اور پئیں گے، لیکن نہ تنگیوں گے نہ وہاں بول و براز کی حاجت ہوگی، نہ وہاں ناک سے رطوبت نکلے گی، نہ بلغم اور کھسار جیسی گھنونی چیزیں ہوں گی، کھانا ایک کار میں ہضم ہوگا، وہاں کے پسینہ میں مشک کی خوشبو ہوگی، جو بہشت میں داخل ہوگا، اسکو وہ نعمت ملے گی کہ پھر کبھی تکلیف نہ ہوگی، نہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہونگے یا اور ان کی

لے صحیح مسلم صفحہ الجنتہ :

جوانی نائل ہوگی، وہاں منادی غیب یہ پکار کر کہہ دے گا، یہاں وہ تندرستی ہے کہ بیمار نہ پڑو گے، وہ زندگی ہے کہ پھر موت نہ آئے گی، وہ جوانی ہے کہ پھر بوڑھے نہ ہو گے، اور وہ آرام ہے کہ پھر تکلیف نہ پاؤ گے، لوگوں کے چہرے اپنے اپنے اعمال کے مطابق چمکیں گے، کوئی ستارہ کی طرح کوئی چودھویں کے چاند کی طرح،

غور کرو کہ وہ جسمانی زندگی، ہماری موجودہ جسمانی زندگی سے کتنی مختلف ہوگی، اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے انسان کبھی شکم مادر میں ایک بچہ کی صورت میں زندہ تھا، مگر وہاں اس کی زندگی اسکی غذا، اسکے فضلہ، غذا، اس کی سانس اور دوسرے لوازم حیات بیرون شکم کے دنیاوی اصول حیات و قوانین زندگی سے بالکل مختلف تھے، اور جس طرح شکم مادر میں بچہ کا، اس بیرونی زندگی کے حکایات کو تعجب کیساتھ سن کر آماوہ انکار ہونا دانشمندی نہ ہوگا، ایسے ہی اس مادی زندگی کے خورگر، اور اس عالم آب و گل کے باشندے اس دوسری زندگی کے اصول حیات، طرز غذا اور دوسرے لوازم حیات کو سن کر آماوہ انکار ہوں تو ان کا یہ فعل بھی دانشمندی کے خلاف ہوگا۔

جنت ارتقاء روحانی ہے | مادی و جسمانی خلقت و فطرت کی لاکھوں برس کی تاریخ کے مطالعہ اور تحقیق سے یہ بات پائیدار ثابت ہو چکی ہے کہ مادہ نے لاکھوں برس کے تغیرات کے بعد اس انسانی جسمانیئت تک ترقی کی ہے، وہ پہلے جاوید، پھر نباتات کی شکل میں آیا پھر حیوان کا قالب اختیار کیا، پھر جسم انسانی کی صورت میں نمودار ہوا، اور یہ مادیت کی معراج ترقی ہے، جمادیت مٹ کر نباتیت پیدا ہوئی، اور نباتیت فنا ہو کر حیوانیت نمودار ہوئی۔ پھر حیوانیت معدوم ہو کر انسانیت ظہور پذیر ہوئی اور ارتقاء نے انسانی کا جسمانی پہلو تکمیل کو پہنچ گیا، لیکن انسانیت کا دوسرا رخ جو روحانیت سے عبارت ہے، ہنوز اپنے آغاز طفولیت میں ہے، کیا اس پر بھی اسی ارتقائی دور کے مدارج نہیں آئیں گے، ایک مادہ پرست صرف بام ارتقاء تک زمین بزمین چڑھ کر ٹھہر جاتا ہے لیکن مذہب اس سے بھی آگے لے چلتا ہے، اور یہاں سے وہ اڑ کر سقف آسمان تک پہنچتا ہے، اور ملکوتیت کی سرحد کی ترقی شروع کرتا ہے، قرآن پاک کی ان آیتوں پر غور کرنے سے اس نظریہ کے اشارات نکلتے ہیں:

الَّذِينَ يَرْتُؤْنَ الْفُرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ  
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ  
جَعَلْنَاهُ نَفْثَةً فِى قُرَارٍ مَّيْكِنٍ  
ثُمَّ خَلَقْنَا النَّفْثَةَ عِلْقَةً  
ثُمَّ خَلَقْنَا الْعِلْقَةَ مَضْجَةً  
ثُمَّ خَلَقْنَا الْمَضْجَةَ عِظْمًا  
ثُمَّ خَلَقْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا  
ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا  
آخَرَ طَبَّارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (مؤمن)

لیکن یہ ترقی یہیں تک پہنچ کر رک نہیں جائے گی، بلکہ آگے بھی ہوگی، اس لیے جس طرح ماں کے پیٹ کی تنگ تار یک دنیا میں زیست و حیات کے کچھ قواعد تھے، پھر عالم کی اس سے بھی وسیع تر دنیا میں اس نے قدم رکھا، جہاں ترقی و حیات کے دوسرے ہی اصول ہیں اسی طرح اس دنیائے مادی سے نکل کر اس وسیع تر دنیا میں قدم رکھے گا، جہاں ترقی اور سعادت کے اور دوسرے اصول ہوں گے، چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا:

لے یہ ساری حدیثیں صحیح مسلم صفحہ الجنتہ میں ہیں :



ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ۚ ثُمَّ إِنَّكُمْ بِرُءُوسِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ (مومن ۱۰)

پھر بیشک تم اس کے بعد مرنے والے ہو، اور پھر قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

جس طرح انسانیت سے پہلے لاکھوں برس میں ایک نوع کی کیفیت مٹ کر دوسری نوع کی کیفیت پیدا ہوتے ہوئے انسانیت تک نوبت پہنچی، موت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوع انسانی کی تمام کیفیتیں مٹ کر ایک بلند تر نوع کی کیفیتوں کی تیاری شروع ہوئی، صد ہا ہزار سال کے بعد قیامت سے دوسری نوع ملکوتی کا ظہور ہوگا۔

یہاں مسئلہ ارتقاء کا دوسرا اصول سامنے آتا ہے جس کو بقائے اصلہ کہتے ہیں کہ ان مدارج ترقی کے اثنا میں ہزاروں وہ نوعیں فنا ہوتی رہتی ہیں، جن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اور وہی باقی رہ جاتی ہیں جن میں آئندہ بقا کی پوری استعداد ہوتی ہے جس طرح پھیلی استعداد سے آئندہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اس دوسری ملکوتی نوع کی استعداد ان ہی کو ملتی ہے جن کے اندر اپنی پھیلی مادی و جسمانی زندگی میں اس کی استعداد پیدا ہو چکی تھی، دوزخ کے درجے ان لوگوں کے مقامات ہیں جو گویا ہنوز، جمادی و نباتی و حیوانی منزلوں میں ہیں اور ممکن ہے کہ وہ اس دارالامتحان میں اپنی کمی استعداد کے بقدر رہ کر آگے کی استعداد پیدا کر لیں اور ملکوتیت کی ترقی حاصل کر سکیں۔

بہشت کے مختلف مدارج انکی استعدادوں کے مقادیر ہیں جو اپنی پہلی ہی زندگی میں اس ترقی کی استعداد پیدا کر چکے تھے لیکن یہاں پہنچ کر بھی ان کی روحانی ترقی کا دروازہ بند نہ ہوگا بلکہ وہ بقدر استعداد تکمیل کے مدارج طے کرتے چلے جائیں گے، شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (۱)

ان (بہشتیوں) کے لیے نہ ختم ہونے والی مزدوری ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے کہ نشاۃ ثانیہ میں اہل ایمان کے آگے پیچھے، داہنے بائیں نو ہوگا، پھر بھی دعا کریں گے، نور ہم سے لے لیں، بین آئیں، ہم سے دُعا کریں، ان کا نور ان کے سامنے اور داہنے دُور سے گا اور وہ کہیں گے

يَقُولُونَ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ وَنَا وَأَغْفِرْ لَنَا ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲)

اے ہمارے پروردگار، ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو معاف کر، تو ہر بات کر سکتا ہے۔

مومنوں کے لبوں پر اللہ کے بخشے ہوئے نور کی مزید تکمیل اور اتمام کی دعا، ادھر اشارہ کر رہی ہے کہ ان کے مدارج میں ترقی ہوتی رہے، جس کا اقتضا خدا کی ربوبیت کا منشا ہے۔

امن و سلامتی کا گھر انسان امن و سلامتی کا بھوکا ہے، لیکن وہ اس امن و سلامتی کو اسباب راحت کے انبار میں تلاش کرتا ہے، اور نہیں پاتا، وہ دنیا میں امن کا گوشہ ڈھونڈتا ہے، اور وہ اس کو نہیں ملتا، لیکن یہاں اگر اسکو نہ صرف امن کا گوشہ بلکہ امن و سلامتی کی ایک دنیا ملے گی، وہ پرند جو ہر جہاں چار عنابر کے قفس میں گرفتار رہا، یہاں سدرۃ المنتہی کی ہر شاخ پر آزادانہ پرواز کرے گا، جنت کے جہاں وحی محمدیؐ نے اور بہت سے نام بتائے ہیں وہاں اس کا ایک نام دارالسلام بھی بتایا ہے، جس کے معنی امن و سلامتی کے گھر کے ہیں۔

اہل جنت کی نسبت ارشاد ہے:

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ (الانعام: ۱۵)

ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے،

اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو دے کر اپنے پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے، وہ حقیقت میں اسی امن و سلامتی کی نوید و بشارت ہے، اس لیے فرمایا:

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ (یونس: ۲۰)

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے اس امن و سلامتی کے گھر کی دعوت پیش فرمائی، عبد اللہ بن سلام ایک یہودی عالم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس صدائے نبوت نے سب سے پہلے ان کے دل میں گونج کر کیا، وہ یہ تھی لوگو! سلامتی پھیلادو، بھوکوں کو کھلاؤ، جب دنیا غفلت کی نیند سونے تو مٹاٹھ کر خدا کی عبادت کرو، امن و سلامتی کے گھر میں رہنا تم کو نصیب ہوگا۔

جنت کے درمیں امن و سلامتی کا تذکرہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے در و دیوار سے امن و سلامتی کے ترلے سانی دیں گے۔

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۖ  
سَلَامٌ عَلَيْهِمْ بِمَا صَبَرُوا فَيُخَوِّضُهُمْ فِي الدَّارِ (مریم: ۲۴)

اور فرشتے ہر دروازہ سے ان کے سامنے یہ کہتے ہوئے آئیں گے کہ تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا تھا، تو کیا اچھا پھلا گھر ہے۔

وہاں امن و سلامتی کے سوا کچھ اور سانی نہ دیگا۔

لَوْ قِيلَ مَا أَتَيْنَا إِلَّا بِمَنْ سَلَامٍ (۱)

فرشتہ اہل جنت کو یوں کہیں گے،

أَدْخُلُوا بِالسَّلَامِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ (۲)

اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو کر زندگی جاوید کا دن ہے،

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا زِلَّةً سَلَامًا (مریم: ۲۴)

اس میں سلامتی کے سوا کوئی اور بیہود بات نہ سنیں گے۔

جنت کا ایک اور نام قرآن میں مقام امین امن والا مقام بتایا گیا ہے، فرمایا:

إِنَّ الْمُنَاقِقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ (دخان: ۲۱)

بے شک پرہیزگار لوگ امن والے مقام میں ہوں گے۔

مقام رحمت خدا کی رحمت کب نہیں؟ اور کہاں نہیں؟ مگر دنیا کے فطری قوانین کے بموجب اس دنیا میں ایسے واقعات اور حادثے بھی پیش آجاتے ہیں، جن کو ہم رحمت کے بجائے قہر الہی سے تعبیر کرتے ہیں، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ خود ہم کو اگر اعمال کی بدولت خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے لیکن ایک عالم ہے جہاں اس کی رحمت کے سوا اس کے قہر و غضب کا نام و نشان نہ ہوگا، وہاں ہر طرف اس کی رحمت اور فیض و کرم کی بارش ہوگی، اور اس کی رحمت کے سوا وہاں کوئی اور منظر کبھی دکھائی نہ دے گا۔

يُشْرَهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةِ جَنَّاتٍ وَرِضْوَانٍ  
وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ (توبہ: ۳۰)

ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت خوشنودی اور ان باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ کا آرام ہے۔

اہل جنت کو جن کے چہرے خوشی سے دیکھتے ہوں گے، یہ آواز سانی دے گی،

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْصُرَتْ وُجُوهُهُمْ فَنُفِیَ رَحْمَةُ اللَّهِ  
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (ال عمران: ۱۵)

لیکن جن کے چہرے روشن ہوئے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، اس میں وہ سدا رہیں گے۔



مقام نور | جنت کا نور وہ مقام ہے جہاں ظلمت و تاریکی کا نام و نشان نہ ہوگا، جنتیوں کے چہرے سوش ہوں گے کوئی تسموں کی طرح چمکے گا، اور کوئی چاند کی طرح، ہر طرف ان پر انوار کی بارش ہوگی، آگے پیچھے داہنے بائیں ہر سمت سے نور درخشاں ہوگا، فرمایا،

نُورُ مِیْسِی ابِیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَبِأَیْمَانِهِمْ (محرم ۳۱) ان کا خدا ان کے سامنے اور ان کے اپنے دوڑے گا۔

اس دن اہل ایمان کے نور ایمان کی بجلیاں ہر طرف کونہیں گی،

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْبِرِّ أَفْرَجَتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (صدید: ۲۰)

جس دن تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھے گا ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں چمکے گا، آج تم کو خوشخبری ہو، وہ بارگاہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہ کر وگے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس دن اہل نفاق، اہل ایمان سے آرزو کریں گے کہ ذرا ٹھہر جائیے کہ ہمارا ظلمت کا دن میں بھی ایک دم کیلئے روشنی ہو جائے،  
 یَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ الَّذِيْنَ  
 جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے کہیں گی  
 کہ ذرا ٹھہرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی لیں،  
 اٰمَنُوا نَظُرُوْا نَا لِنُبَيِّنَ مِنْ نُّوْرِ كُمْ هٰذَا الَّذِيْ

مقامِ رضوان | جنت کے انعامات کی فہرست میں سب سے آخری چیز مقامِ رضوان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے راضی اور خوش ہونا کہ اس کے بعد نہ کبھی وہ اپنے اس بندہ پر عتاب فرمائے گا نہ اس سے ناامنی ہوگا، بلکہ اس کو اپنی رضا مندی اور خوشنودی کی لازوال دولت عطا فرمائے گا، متقیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں رکھی ہیں، ان میں جنت، سرس، پاک جویاں اور ان سب کے بعد روح کی مسرت رکھی ہے، لیکن ان سب کے بعد بھی اپنی سب سے آخری نعمت اپنی اسی رضامندی کو ظاہر فرماتا ہے، چنانچہ سورۃ توبہ میں رحمت اور رضوان کے بعد جنت کے ذکر کو جگہ دی گئی ہے :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَکْعُوْا رُکُوعًا مُّحْسِنٰتٍ وَارْزُقُوْا اَنْفُسَکُمْ مِّنْ رِّزْقِکُمْ وَارْزُقُوْا اٰیٰتِکُمْ  
لَهُمْ فِيْهَا نِعْمٌ مُّظْمٍۭۢ ۝ (توبہ: ۳۰)

ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی (رضان) کی خبر ہی  
دیتا ہے اور ان باتوں کی جن میں نعمت الہی قائم رہے گی۔

سورہ حدید میں بھی اسی طرح مغفرت اور صفائے الہی کے بعد بطور تکملہ کے جنت کا ذکر آتا ہے، فرمایا:

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ  
 اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ  
 الْغُفُورُ ۚ وَرَبِّهِ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ  
 وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ  
 لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ  
 مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (حصہ ۳)

اور آخرت میں سخت عذاب ہو، اور خدا کی بخشش اور رضا  
 بھی ہے، اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے، اپنے  
 رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جبکا پھیلاؤ آسمان  
 اور زمین کے پھیلاؤ کے برابر ہے، یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے  
 جو اللہ اور اس کے رسولوں کی قیمن رکھتے ہیں، یہ اللہ کی مہربانی ہے  
 جسکو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے۔

لَئِنْ مَنَّا الْقَوَائِمُ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ تَجْرِي مِنْ  
جنہوں نے یہ ہنگامی کی، ان کے لیے ان کے دربار کے

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ، دال عمران: ۷۲

پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ  
سدا رہیں گے اور پاک بیویاں، اور اللہ کی خوشنودی۔

سورہ توبہ میں جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت رضوانِ الہی کو قرار دیا ہے،

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٌ طَيِّبٌ فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ مَطْوِرٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ الْأَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ: ۹)

اللہ نے با ایمان مردوں اور عورتوں سے ان باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں سدا رہیں گے، اور رہنے کے سحرے گھر اور اللہ کی رضا مندی سب بڑی ہے، وہی بڑی کامیابی ہے،

بہشت کی مطمئن رودھوں کو یہ نوید مسرت سنانی جاتی ہے،

لَا يَأْتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ أَرْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ  
رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ (فجر: ۱)

اے اطمینان والی روح! تو اپنے رب کے پاس اسی طرح  
واپس جا کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو۔

اہل جنت کی یہ صفت آئی ہے :

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (ماۃ: ۶۶) خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش،

ان ہی آیتوں کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سنانی ہے کہ خداوند تعالیٰ اہل جنت کو آواز دیگا کہ اے جنت والو! وہ جواب دیں گے کہ اے خداوند! ہم حاضر ہیں سب بھلائیوں تیرے پاس ہیں، فرمائے گا جنت کی نعمتیں پاکر، اب تم خوش ہوئے، عرض کریں گے، پروردگار کیوں خوش نہ ہوں کہ تو نے ہم کو وہ کچھ دیا جو کسی کو نہیں دیا، فرمائیگا کہ میں ان تمام گذشتہ نعمتوں سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ تم کو نہ دوں؟ کہیں گے اے پروردگار! ان سے بہتر کیا ہے، فرمائیگا یہ کیا اپنی رہنمائی و خوشی تم پر اتاروں، پھر اس کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔“

مقام طیب و طاہر | موجودہ دنیا کی ہر چیز آلودگیوں اور نجاستوں سے بھری۔ لیکن بہشت وہ مقام

ہے جو پاک، ستھرائی، لطافت اور طہارت کا منظر ہے، اس میں وہی داخل ہونگے جو گناہوں سے پاک ہو چکے ہوں، فرمایا:

لَبِئْسَ مَا دَخَلُوهَا خَالِدِينَ، (زمر: ۸۱) تم پاک ہو چکے تو جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ،

جو زندگی وہاں ملیگی، وہ بھی پاک و صاف اور ستھری اور ہر جسمانی و روحانی آلائش سے بری ہوگی، فرمایا :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
مرد ہو یا عورت جس نے مومن بن کر اچھے کام کیے ہم اس کو

لَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ  
ایک پاک زندگی دیکر جلائیں گے، اور ان کو ہم ان کے سب

بہتر عمل کے مطابق بدلہ دیں گے۔

جو گھر وہاں ملیں گے وہ بھی پاک و صاف اور ستھرے ہوں گے، وَمَسْكِنٌ طَيِّبَةٌ، (صف: ۳) اور پاک گھر۔



وَهُدُّوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ (رج: ۳۱)  
ان کے پینے کی جو چیز ملے گی وہ بھی پاک ہوگی،  
شَرَابًا طَهُوْرًا، (دہر: ۱۱)  
پینے کی پاک چیز،

غرض کہ ہر چیز وہاں پاک، صاف، طیب و طاہر اور تمام روحانی و جسمانی آلودگیوں سے تبرا ہوگی،  
مقام تبسج و تسلیل | اس آرام و لطف کے بعد اہل جنت کی روحانی لذت، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تبسج و تسلیل ہوگی، یہ ان کی روحانی غذا ہوگی، وہ عالم جہاں ہر طرف انوار الہی برسیں گے، جہاں صفائی اور ستھرائی کے سوا کوئی اور منظر نہ ہوگا، جہاں قدس و نزاہت کی ہر طرف صورتیں نظر آئیں گی، وہاں حمد و ثنا کے روح افزا ترانے بھی ہر طرف سے بلند ہوں گے،

دَعُوْا لَهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّاتُهُمْ  
فِيْهَا سَلَامٌ ج وَ اٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنْ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (دہر: ۱۱)  
جنت میں ان کی ندائے ہوگی کہ اے میرا اللہ! تیری پاکی،  
اور ان کی آپس کی دعا، سلامتی ہوگی، اور انکی آخری کلمہ  
یہ ہوگی کہ دنیا کے پروردگار اللہ (تعالیٰ) کی حمد ہو۔  
جنت کی تمام شاہانہ نعمتوں کے بعد بڑی نعمت یہ ہوگی کہ خدا کی تبسج و تسلیل کی نئی نئی پُر لطف  
راہیں وہاں ان پر کھلیں گی، فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَدْخُلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا  
الصّٰلِحٰتِ جَنَّتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا اَنْهٰرٌ  
يُّخَلُّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرٍ مِنْ ذَهَبٍ وَّلَوْ لُوْا  
وَلَبَّاسُهُمْ فِيْهَا خَزَائِرُهَا وَّهُدُّوْا اِلَى الطَّيِّبِ  
مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُّوْا اِلَى صِرَاطٍ الْحَمِيْدِ (رج: ۳۱)  
وہ اپنے ہر سرور اور نعمت کے شکر یہ میں فرشتوں کے ساتھ مل کر حمد الہی کا سرود سرمدی گائیں گے اور  
یہ وہ وقت ہوگا جب عالم وجود کے ہر گوشہ سے اس کی حمد کا ترانہ بلند ہوگا فرمایا:

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَآءَ مُرَعِيٰكُمْ طَبْتُمْ  
فَاَدْخَلُوْهَا خٰلِدِيْنَ وَقَالُوْا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ  
صَدَقْنَا وَعَدَهُ وَاَوْفٰنَا اَلَا رَضِىْنَا بِرَبِّ  
الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ج فَنَسَخْنَا اَجْرَ الْعَمَلِيْنَ  
وَتَرٰى الْمَلَائِكَةَ حَافِيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ  
يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ج وَفِيْ يَمِيْنِهِمْ  
بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (دہر: ۸)  
جنت کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلامتی ہو تم پاک  
چلے تو جنت میں چلے جاؤ، اہل جنت کہیں گے اس الٰہی حمد و ثناء  
نے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سر زمین کا مالک کیا کہ جنت  
میں جا رہے ہیں تو کام کرنے والوں کی کیسی بھی مزدوری اور کچے  
کا کہ فرشتے عرش الٰہی کو گھیرے اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح  
کر رہے ہونگے اور سب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائیگا اور  
کہاں جائیگا کہ حمد ہوسارے عالم کے پروردگار کی۔  
اہل جنت کے متعلق قرآن پاک میں ایک جگہ ہے:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا الْقَوَّاتِ اِلَّا سَلٰمًا وَّلَهُمْ  
رِزْقُهُمْ فِيْهَا بَكُوْرَةٌ وَّعَشِيًّا، (مریم: ۳۱)  
وہ نہ سنیں گے وہاں بیکار بات، مگر سلام اور انکی روزی  
اس میں صبح اور شام ہوگی،

اس صبح و شام کی روزی سے مقصود کیا جنت کے کھانے کے الوان نعمت ہیں؛ اگر ایسا ہوتا تو صبح و شام کی تخصیص  
کیا تھی، وہ تو ہر وقت سامنے ہونگے میرا گمان یہ ہے کہ اس روزی سے خدا کی تبسج و تسلیل کی روحانی روزی اور ربانی غذا مراد ہے  
اور حدیث کے ان لفظوں کو اسی کی تفسیر جانتا ہوں، صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے جنت کی نعمتوں کے سلسلے میں فرمایا:  
يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بِكُوْرَةٍ وَّعَشِيًّا (صفة الجنة)  
وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کریں گے۔  
ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اہل جنت کو خدا کی تبسج و تقدیس کا الہام ہوا کرے گا اور شاید قرآن پاک  
کی اس آیت کے یہی معنی ہوں،

وَهُدُّوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُّوْا اِلَى  
صِرَاطٍ الْحَمِيْدِ، (رج: ۳۱)  
اور اچھی بات کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے گی اور اس صریح  
حمد کا راستہ ان کو بتایا جائے گا۔

مقام قرب | اہل جنت کو جو کچھ نصیب ہوگا، ان کے سوا سب سے اعلیٰ مرتبہ، قرب خاص کا مقام ہوگا، بندہ  
اپنے پروردگار کی حضوری کا شرف پائیں گے، قرآن پاک میں جا بجا ان کے لیے یہ آتا ہے، جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ،  
ان کی جزا ان کے پروردگار کے پاس، یہ قرب خاص کے اشارے ہیں، اور ایک جگہ یہ اشارہ اس تصریح سے بدل جاتا ہے،  
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنَّتٍ وَّنَهْرٍ فِيْ مَقْعَدٍ صٰدِقٍ  
عِنْدَ مَلِيْكَ مُّقْتَدِرٍ، (قمر: ۳۱)  
بیشک پر ہیزگار باغوں میں اور نہروں میں سچائی کی نشست گاہ  
میں اس بادشاہ کے حضور جس کا سب پر قبضہ ہے۔

دیدار | جنت کے سب سے آخری لیکن بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی تجلی کا انظار ہے، کون ہے جو اس مطلع انوار  
کے دیدار کی تاب لا سکے، تاہم یا تو یہ آنکھیں کچھ اور ہوں گی، یا وہ نور مطلق کسی خاص شان میں نمایاں ہوگا، اس وقت عالم  
ہوگا کہ وہ نور کامر کز بن کر نمودار ہوگا، اور اہل جنت کی مشتاق آنکھیں اس کی طرف اٹھی ہوں گی،  
وَجُوْهُهُمْ كَالْقَمَرِ فِيْ سَآوِيٍّ اِلَى رَبِّهَا  
فَاَنْظُرُوْا قَدْ قِيَامُ (۱۱)  
کتنے چہرے اس دن تروتازہ اور اپنے پروردگار کی سمت  
دیکھ رہے ہوں گے۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت جریر بن عبد اللہ صحابی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
کہ تم اپنے پروردگار کو بالمشاہدہ دیکھو گے، دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جیسے چاند کو تم دیکھ رہے ہو ایسے ہی  
تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے، اس دیدار و رویت میں کوئی ایک دوسرے کا مزاحم نہ ہوگا، اس تمثیل سے رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے دو مقصود ہیں، ایک تو شدت یقین کا اظہار کہ جس طرح تم اس روشن چاند کو بے شک و شبہ دیکھ رہے ہو اسی طرح  
بیشک و شبہ اپنے پروردگار کو دیکھو گے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ جس طرح لاکھوں کا مجمع بھی ہو تو سب لوگ ایک چاند کو یکساں  
حیثیت سے باطمینان اس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ ایک دیکھنا دوسرے کے دیکھنے میں عائق نہیں ہوتا، اسی طرح دیدار الٰہی  
میں کروڑوں کا جو ہجوم ہوگا اس میں خدا کے دیدار سے ایک دوسرے کا مانع نہ ہوگا، اتنا ہی نہیں، بلکہ جس دن جنسی



اپنے پروردگار کے حضور میں پیش ہوں گے ان کی زبان پر سلامتی کی دعا ہوگی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ سَلَامَةً ۖ (احزاب: ۶۱) ان کی دعا جب وہ اپنے پروردگار سے ملیں گے سلامتی ہوگی۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ سراپا رحمت پروردگار خود اپنے بندہ کو اپنی زبان سے سلامتی کا پیام دے گا۔

سَلَامٌ مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ (یسین: ۲۴) رحمت والے پروردگار کی طرف سے پیام سلامتی ہوگا۔

بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا خداوند تعالیٰ اپنے بندے سے تر جان کے بغیر خود کلام فرمائے گا۔

یہ روایت کیونکر ہوگی؟ اہل روایت لفظ کے قائل ہیں، اہل عقل زیادتِ ایمان کی تاویل کرتے ہیں، اہل حقیقت اس کو اسماء و صفات کی ناقابل بیان جلوہ انگیزی سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن فیصلہ یہ ہے،

عمر بیاضی داور ہمارا بہ پیش داور اندازیم

ان تعلیمات کا عملی اثر | اوپر کے صفحوں میں قیامت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے پورے مناظر گزر چکے

یہ ایمان بالغیب مذہب کی حقیقت کا اصلی جوہر ہے، اور اسی کے یقین میں مذہب کی اصلی طاقت پوشیدہ ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ اہل عرب کو ان حقائق کی تسلیم سے کس قدر انکار تھا، بلکہ مرکزِ حجاز اٹھنا اور اس موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ان کے نزدیک کس قدر مستبعد تھا، قرآن پاک کا بڑا حصہ شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کے بعد اسی جہاں

بعد الموت کی تلقین اور اس پر ایمان کی دعوت پر مشتمل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر خطبوں میں اس کا حال بیان کیا کرتے تھے، اور جمع کے خطبوں میں خصوصیت کے ساتھ سورہ قیامت تلاوت فرماتے تھے، جس میں قیامت کے حالات

ہیں، مگر دیکھو کہ ۲۳ برس کی مسلسل تعلیم، قرآن پاک کی تاثیر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ ہدایت سے نہ صرف ان کا انکار اقرار سے بدل گیا، بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر ان کے دل و دماغ کی لوح میں منقوش ہو گئے تھے،

یاد ہو گا کہ اسلام کے آغاز میں ایک عرب شاعر نے طنزاً کہا تھا۔

اموت ثم بعث ثم حشر

موت خرافۃ یا امر عمرو

کیا مرنا ہے، پھر جینا، اور پھر اکٹھا ہوتا

اے عمرو کی ماں، یہ خرافات باتیں ہیں

لیکن چند ہی سال کے بعد یہ طنز انکار، رمزِ یقین سے بدل گیا، اور اس وقت عرب کا شاعر یہ کہنے لگا

ہم آسمان تک پہنچ گئے، اور خدا سے امید ہے کہ ہم اس سے بھی اونچے ہو جائیں گے۔

وَاِنَّا لَنَرٰكَ فَوْقَ ذٰلِكَ مُنْظَرًا، اور ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ اس سے بھی بلند مقام میں ظہور کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استفسار فرماتے ہیں کہ آسمان سے بھی بلند مقام اور کیلے، عرض کرتے ہیں کہ جنت

یا رسول اللہ؟ آپ فرماتے ہیں انشاء اللہ، دیکھو کہ جن کی نظریں زمین سے اونچی نہیں جا پاتی تھیں، ان کا تخیل

آسمان سے بھی اونچا جانے لگا، جن کو مر کر پھر جینا و دراز عقل معلوم ہوتا تھا، جن کو آخرت کے مواخذہ کا کٹا

ڈرنہ تھا، جن کو اپنے اعمال کی جوابدہی کی پروا نہ تھی، بس سزا و جزا کے مفہوم سے بیگانہ تھے، جو جنت و دوزخ کے

تخیل سے نا آشنا تھے، وہ اس ہولناک منظر سے ڈرنے لگے، دوسری زندگی پر ان کو اسی طرح یقین آ گیا جس طرح

لے صحیح بخاری ج ۲ ثانی باب کلام الرب لہ اصابہ اور استیجاب ذکر نابغہ جعدی :

آج کی زندگی پر تھا، آخرت کے مواخذہ سے وہ بید کی طرح کاٹنے لگے، اعمال کی جوابدہی سے ترساں و لرزاں

رہنے لگے، سزا و جزا کے خوف سے وہ اپنے ہر عمل کی باز پرس خود کرنے لگے، جنت کا اشتیاق ان کو بڑی سے بڑی قربانی

پر آمادہ کر دیتا تھا، دوزخ کا ڈر ان کے دل کے اندر کے ہر تار کو چھیڑا کرتا تھا، ان کی آنکھوں کو اشکبار کرتا تھا، فرائض

اور فرائض کو دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے پر ہر لحظہ ان کو آمادہ کرتا رہتا تھا، راحت کے خواب اور آرام کے

بستر سے ان کو چونکا کر عمل کے میدان میں تنہا لاتا تھا اور ہر نیک کام اور عمدہ عمل کے لیے ان کو ہمہ تن سرگرم اور

مہربان و معروف و جہد بنادیتا تھا، تنہائی اور تاریکی میں بھی ان کے دل اور بدن کو برائیوں اور بد اعمالیوں سے

باز رکھتا تھا، ان کے ضمیر و دل کے صفحوں کو ہر وقت خدا کی آنکھوں کے سامنے کھلا رکھتا تھا۔

ایک دفعہ کسی حقیقت کے متعلق دو صحابیوں میں جھگڑا اٹھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریقین کی باتیں

سن کر ایک کے حق میں فیصلہ دیدیا، پھر فرمایا میں بھی ایک آدمی ہوں، مدعی اور مدعا علیہ میں سے ممکن ہے کہ کوئی

زیادہ اچھا بولنے والا ہو، جو اپنے دعویٰ کو خوبی کے ساتھ بیان کرے اور میں اس کے موافق اس کا فیصلہ دوں، لیکن

درحقیقت وہ چیز اس کی نہ ہو، تو گویا میں اس کے گلے میں آگ کا ایک طوق پہنا رہا ہوں۔ یہ سن کر فریقین پر یہ

اثر ہوا کہ دونوں رونے لگے اور ہر ایک اپنا حصہ دوسرے کو دینے لگا۔

حضرت عمرؓ خدا کے مطیع و فرمانبردار تھے، رسولؐ کے عاشق اور شیدا تھے، نیکیوں کے لامال تھے، جنت کی

بشارت سے سرفراز تھے، تاہم آخرت کے مواخذہ اور جوابدہی سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے کہا

کہ اگر وصال نبوی کے بعد میرے لیے اچھے اور بُرے اعمال برابر رہیں تو بھی میں خوش ہوں، اگر جنت نہ ملے تو پڑا

نہیں، مگر الہی دوزخ نہ ملے، وہ نزع کی حالت میں بہت بے چین تھے، بعض صحابہ ان کے اچھے اعمال گناہ کو تسلی

دینے لگے تو جواب میں کہا، خدا کی قسم اگر کل زمین میرے لیے سونا ہو جاتی کہ اس کو دیکر عذاب الہی سے بچ سکتا تو میں

دیتا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی تھیں، اے کاش میں جنگل کی گھاس بھتی، اے کاش میں کچھ نہ ہوتی۔

قیامت کے متعلق قرآن پاک کی یہ عجیب موثر آیت :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۖ يَوْمَ تَوَدُّوْنَ أَنَّهَا تَذْهَبُ كُلُّ مُوَضِّعَةٍ

عَمَّا أَدْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَكُونُ النَّاسُ سُكُورًا وَمَا هُمْ بِسُكُورٍ وَلَكِنَّ عَذَابَ

اللَّهِ شَدِيدٌ (ذی: ۱۱) لوگو! اپنے رب سے ڈرو، قیامت کا بھونچال ایک بڑے چیز ہے جس دن اس کو دیکھو گے، ہر دودھ پلانچوالی عورت اپنے

دودھ پیتے بچہ کو بھول جائے گی اور پیٹ والی اپنا پیٹ ال دے گی اور لوگوں کو لاشہ میں دیکھو گے لیکن وہ نشہ میں نہ

ہوں گے، بلکہ خدا کا سخت عذاب ہوگا۔

جب اتری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو سنایا اور اس کی تفسیر کی تو ان کے چہروں کا رنگ تبدیل گیا اور

لے سنن ابی داؤد کتاب الاقطیہ لے صحیح بخاری باب الحجۃ جلد اول ص ۵۵ لے صحیح بخاری فضائل حضرت عمرؓ جلد اول ص ۵۱ لے ابن سعد جزء النساء ص ۵۱ لے صحیح بخاری مناقب عائشہؓ و تفسیر سورہ نور و مستدرک حاکم ترجمہ عائشہؓ و ابن حنبل

مسند عائشہؓ لے صحیح بخاری تفسیر سورہ حج ج ۲ ص ۶۹۳ :



آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کا ذکر کیا اور موت کے بعد کے عذاب کا حال بیان کیا تو صحابہ حنین پرا کر رونے لگے، حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک بار قیامت کے ایک منظر کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اٹھنے روایت میں وہ تین دفعہ بیہوش ہو کر گرے، اور جب امیر معاویہ کے سامنے یہ آیت دہرائی گئی تو ان پر بھی گریہ جاری ہو گیا۔ اس یقین و ایمان کا دوسرا سال یہ ہے کہ بکدر کا میدان جنگ ہے، مشرکین کی ایک ہزار لوہے میں ڈوبی ہوئی فوج کا سیلاب امڈا رہا ہے، ادھر تین سو نئے مسلمان صف باندھے کھڑے ہیں کہ آپؐ صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرماتے ہیں، لو اس جنت کا موقع سامنے ہے جس کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے، ایک انصاری خیر سے پوچھتے ہیں کہ کیا آسمان زمین کے برابر؟ آپؐ فرماتے ہیں ہاں، وہ خوشی سے واہ واہ کہتا ٹھٹھے ہیں، آپؐ دریافت فرماتے ہیں کہ تم نے واہ واہ کیوں کہا عرض کی، اس امید سے کہ شاید میں بھی اس میں ہوں، فرمایا تم اس میں ہو، یہ سن کر وہ کھجور نکال نکال کھجوری جلدی کمانے لگا، بالآخر جنت کے جانے میں اتنا توقف بھی شاق گذرا، بولے اتنی دیر بھی کیوں کی جانے، یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں اور تلوار کھینچ کر آگے بڑھے اور شہید ہوئے۔

غزوہ احد میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، احد کے میدان میں دار و گیر کا شور برپا تھا، لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں کہ ایک صحابی نے آگے بڑھ کر پوچھا یا رسول اللہ! اگر خدا کی راہ میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا؟ فرمایا جنت میں، وہ کھجور کھا رہے تھے، ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور لڑ کر جان دیدی، اور قیس ایک صحابی تھے وہ ایک جہاد میں شریک تھے، انہوں نے اسلامی فوج کے سپاہیوں کے سامنے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے نیچے ہیں، ایک معمولی سا مسلمان پاس کھڑا تھا اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ کیا آپؐ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے، انہوں نے کہا ہاں، یہ سن کر وہ اپنے دوستوں کے پاس آیا اور سلام کر کے رخصت ہوا، میان توڑ کر پھینک دی اور تلوار لے کر دشمن کی صف میں جا پڑا اور شہادت تک حاصل کی۔

ان حیرت انگیز واقعات میں سے ہر ایک واقعہ پر غور کرو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے منکر اور کافر عربوں کے دل و دماغ اور ذہن اعتقاد کو کس طرح آن کی آن میں بدل دیا اور دم کے دم میں ان کے عقائد و اخلاق کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا،

÷

## قصا و قدر

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قر، ۳۱)

اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس کا ذکر کہیں نہیں آیا، مگر اس کا اعادہ بار بار قرآن میں اتنی دفعہ ہوا ہے کہ اس کی اہمیت اس کی مقتضی ہے کہ اس کو بھی ایمانیات کے پہلو میں جگہ دی جائے، چنانچہ بعض صحیح قول میں یہ ایمانیات کی آخری کڑی قرار بھی دی گئی ہے، اور سلسلہ توحید میں اسلام نے اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت اور مشیت مطلقہ کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس کا لازمی نتیجہ بھی یہی ہونا چاہیے۔

اس عقیدہ کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا ہے، جو کچھ اب ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور فیصلہ ازلی کے مطابق ہوا ہے، ہوتا ہے اور ہوگا، جس طرح مهندس اور انجینئر مکان بنانے سے پہلے مکان کی تمام جزئیات پر غور کر کے پہلے ہی سے نقشہ تیار کر لیتے ہیں اور اسی مجوزہ نقشہ کے مطابق معمار اور مزدور اس کی تعمیر کو مکمل کرتے ہیں، اسی طرح مهندس ازل خالق کائنات نے کائنات کی پیدائش سے پہلے اس کے تمام اصول و قواعد اور دوسرے اہم جزئیات طے کر کے ہر چیز کی نسبت فیصلہ کر دیا تھا۔ اب اسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اور اس کے تمام حوادث و واقعات انجام پا رہے ہیں، موت و حیات، فقر و غنا، کامیابی و ناکامی، تکلیف و راحت ہر چیز پہلے سے طے شدہ ہے اور اسی کے مطابق وہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔

نفس یہ عقیدہ بھی اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، جو کچھ مخصوص ہے، وہ اس کی تکمیل تعلیم ہے۔ توراۃ میں حضرت آدم و شیطان اور ہابیل و قابیل کے قصوں میں اس عقیدہ کے اشارات پائے جاتے ہیں، حضرت یوسف کا خواب اسی حقیقت کی تعبیر ہے مگر ان اشارات سے گذر کر زبور میں اس کی کھلی کھلی تعلیم بھی ملتی ہے، زبور ۱۲۸-۱۳۰ میں ہے، تیرے کام حیرت افرا ہیں، اس کا میرے سب کو بڑا یقین ہے، جب کہ میں پرے میں بنایا جاتا تھا، اور زمین کے اسفل میں منقوش ہوتا تھا، تو میرے جسم کی صورت تجھ سے چھپی نہ تھی، تیری آنکھوں نے میرے ترتیب مادہ کو دیکھا اور تیرے دفتر میں یہ سب چیزیں تحریر کی گئیں، اور ان کے دنوں کا حال بھی کہہ نہیں گی، جب ہنوز ان میں سے کوئی بھی نہ تھی،

اس کے بعد زبور ۱۴۰ کا ترانہ حمد اسی لئے میں شروع ہوتا ہے،

..... خداوند کے نام کی تائش کریں کہ اس دخل نے حکم دیا، اور وہ (مخلوقات) موجود ہو گئے اس نے

ان کو پائندگی بخشی، اس نے ایک تقدیر مقرر کی جو ٹل نہیں سکتی،

انجیل میں اس کی تعلیم خدا کی مرضی کے عنوان سے ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی آخری شے کی دعا میں

لے صحیح مسلم بروایت ابن عمرؓ و ابو ہریرہؓ باب الایمان :

لے جامع ترمذی تفسیر سورہ حج ۱۰ سنن نسائی کتاب الجنائز باب التودد من القبر لے جامع ترمذی ابواب الجنائز لے یہ تینوں واقعے صحیح مسلم کتاب الجہاد باب ثبوت التیمۃ الشیعیہ میں ہیں، دوسرا واقعہ سنن نسائی میں بھی ہے کتاب الجہاد باب ثواب من قتل فی سبیل اللہ، ۱۲ :



فرماتے ہیں، میری مرضی نہیں تیری مرضی پوری ہو دیتی (۲۶-۳۹) اور اسی کا ذکر یوحنا ۵-۳-۶-۲۸ اور خطوط دلفیون ۲-۱۳ میں ہے۔ اور رومیوں کے نویں باب میں اس کی پوری تفصیل ہے، مگر خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم نے اول یہ کیا کہ اس مسئلہ کی مجمل حقیقت کی توضیح اور اس کی حکمت و مصلحت کی تشریح کی، اور پھر یہ کہا کہ گذشتہ مذاہب کی طرح اپنے دفتر کے کسی ایک گوشہ میں بطور ایک حقیقت ثابتہ کے اس کو کہہ کر خاموشی اختیار نہیں کر لی، بلکہ بار بار اتنی دفعہ دہرایا کہ سننے والوں کے دلوں میں اس کی عقیدت نے گھر کر لیا اور یہ یقین یقین کی صورت میں ان کی گت ریش میں پیوست ہو گئی، اور ایسا اس نے اس لیے کیا کہ صبر و شکر کی اخلاقی تعلیم صرف نظریہ کی صورت میں ذرہ جائے بلکہ عملی حیثیت سے اس کے پیروں کے اندر استقلال و ثبات کی روح اور دنیا کے مصائب و حوادث میں تسلی و تشفی کی قوت پیدا کرے، اور اس طرح یہ عقیدہ پہلے کی طرح صرف ایک مذہبی تلقین یا فلسفیانہ نظریہ کی حیثیت میں رہے بلکہ ایک مفید عملی تعلیم کی شکل اختیار کر لے۔

وحی محمدی نے اس اصطلاح کے لیے دو لفظ اختیار کیے ہیں، ایک قدر ہے جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں، اور دوسرا قضا جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں،

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قر ۳۱)

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلَهُ (انعام ۱۱)

یہ دونوں لفظ بجا نے خود اس عقیدہ کی اسلامی حقیقت کو پوری طرح واضح کرتے ہیں، مقصود یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے کائنات کی ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے اندازہ اور تقدیر سے ہر ایک کا فیصلہ فرمادیا ہے اور متعین کر دیا ہے، اسی کے مطابق یہ کائنات چل رہی ہے، اس میں خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ کا بھی تغیر نہیں ہو سکتا، آسمان کو جس طرح بنایا، آفتاب کو جس طرح روشن کیا چاند کے متعلق جو اصول مقرر فرمادیا، ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے جو احکام دے دیے، موت و حیات، فنا و بقا، اور عروج و زوال، غرض کائنات کی ہر شق اور ہر پہلو کے متعلق جو اصول متعین فرمادیے انہی پر وہ چل رہی ہے، قرآن پاک میں کائنات کے بہت سے حالات کے بیان کرنے کے بعد ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدْ رَزَقْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یسین ۳۱)

یہ تو آسمان کی بات تھی، زمین کے متعلق ارشاد ہوا:

وَقَدْ رَفَعْنَاهَا أَفْوَاتَهَا (حم ۲۱)

اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ دنیا کی ہر چیز میں اُس نے ایک اندازہ مقرر کر دیا:

قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق ۲)

موت و حیات بھی اسی اندازہ کے مطابق ہے، فرمایا:

إِنَّا قَدْ خَلَقْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ (واقعه ۲)

ہم نے تمہارے درمیان موت کو اندازہ کر دیا،

ہر شے میں اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ لگایا ہے وہ وہی ہے، جس کو لوگ قانون قدرت کہتے ہیں، اور جس پر دنیا چل رہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر حصہ اور ہر پہلو کے متعلق اپنے احکام معین فرمادیے ہیں، جن کی اطاعت اس پر واجب ہے علیٰ ہذا انسانوں کی ترقی و زوال، موت و حیات، بیماری و صحت، دولت و افلاس، آرام و تکلیف، سعادت و شقاوت ہر ایک کے اصول و قواعد مقرر فرمادیے ہیں، غرض ان کو آرام و تکلیف جو کچھ بھی پیش آتی ہے، خدا کے علم اور اجازت سے پیش آتی ہے،

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (تغابن ۲۱)

نہیں پہنچی تم کو کوئی مصیبت لیکن اللہ کے حکم سے۔

اور چونکہ تقدیر سے کوئی چیز ہٹ نہیں سکتی، اس لیے مقدرات کو نوشتہ الہی سے تعبیر کرتے ہیں کہ جس طرح

کبھی ہوئی بات قائم رہتی ہے، مٹی اور بھولتی نہیں، ایسے ہی باتیں بھی مٹتی اور بدلتی نہیں،

وَمَا تَحْصِلُ مِنْ أَشْيَاءٍ وَلَا تَصْفَحُ إِلَّا بِعِلْمِهِ (علم سے، اور نہ کسی دراز عمر کو عمر کی رازی مٹی بے باک علم

الَّذِي كَتَبَ بِإِذْنِ اللَّهِ عَلَى الْيُسُفُورِ (فاطر ۲۱)

کم بجاتی ہے لیکن کتاب میں، بیشک یہ اللہ پر اسان ہے۔

اس آیت پاک میں دو ٹکڑے ہیں، ایک یہ کہ جو عورت بھی اپنے پیٹ میں بچہ رکھتی ہے یا بچہ جنمی ہے وہ خدا کے

پاک کے علم سے ہے، دوسرا یہ کہ جس کو چھوٹی بڑی جو عمر بھی ملتی ہے، وہ کتاب الہی میں پہلے سے لکھی ہوتی ہے،

ان دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے معلوم ہوگا کہ کتاب الہی میں ہونا اور علم الہی میں ہونا دونوں ہم معنی ہیں،

قرآن پاک نے اس کو بھی ظاہر کیا ہے کہ قضا و قدر کے عقیدہ کی فلسفیانہ حقیقت سے زیادہ اس کی نظر

اس عقیدہ کی اخلاقی اہمیت پر ہے، انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذرا سی کامیابی پر فخر و غرور کے

نشہ میں چور ہو جاتا ہے اور ذرا سی ناکامی پر وہ دل شکستہ ہو کر بہت مار بیٹھتا ہے، یہ دونوں مختلف اخلاقی بیماریاں

اس لیے اس کو لاحق ہوتی ہیں کہ وہ اپنے کام کے اچھے یا بُرے نتیجے کو خود اپنے کام کا لازمی نتیجہ جانتا ہے اس لیے وہ

کبھی اپنے کبے پر مغرور اور کبھی ملول ہوتا ہے، اور یہ دونوں کیفیتیں افراد اور اقوام کی متانت، استقلال اور صبر ثبات

کے جوہر کو برباد کرتی ہیں، اس لیے ایک ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو کامیابی کے فخر و مسرت اور ناکامی کے افسوس و

حسرت و دونوں موقعوں پر عاجز انسانوں کی دست گیری کرے، اور وہ یہی عقیدہ قضا و قدر ہے۔

اس عقیدہ کا منشا یہ ہے کہ ہم کو جو کامیابی ہوتی ہے وہ ہماری کوشش کا براہ راست نتیجہ نہیں، بلکہ وہ اللہ

تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، اس لیے اس پر ہمارا فخر و غرور کرنا بیجا ہے، اسی طرح ہم کو جو ناکامی پیش آتی ہے

وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت و مصلحت کا نتیجہ ہے، اور ہمارا کام سے پہلے ہی ہمارے کاموں کے نتیجے اس علام الغیوب

کے علم میں مقرر ہو چکے تھے، اس لیے ہم کو دل شکستہ اور مایوس نہ ہونا چاہیے، بلکہ اسی خوش و خوش اور مگر مگر

سے پھر از سر نو جدوجہد میں مصروف ہو جانا چاہیے،



اس مسئلہ کی یہ پوری توضیح سورہ حدید میں ان لفظوں میں مذکور ہے :

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی  
الْآخِرَةِ إِلَّا فِی کِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَ أَهْلَآئِکَ  
ذَٰلِکَ عَلَى اللَّهِ یَسِیْرٌ ۚ لِّکُلِّکُمْ مَّا سَوَّاهُ عَلَی مَا فَاکَلُوْهُ  
وَلَا تَحْزَنْ جُوْا بِمَا آتَاکُمُ وَاللَّهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ  
مُخْذِلٍ فُحُوْرٍ (حدید: ۲۰)

کوئی مصیبت نہیں آتی ملک میں اور نہ خود تم (اس ملک کے بنے والوں) میں، لیکن یہ کہ وہ ایک کتب الہی میں اپنی پیدائش سے پہلے ”رج“ ہوتی ہے، یہ اللہ پر آسان ہے ایسا اس لیے کیا گیا تاکہ تم اس پر حیرت سے جانا رہے، غم نہ کھایا کرو، اور جو تم کو (اللہ) دے اس پر اترنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کسی تڑپنے والے، بڑائی مارنے والے کو پیار نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ نے مسئلہ قضا و قدر کے فلسفہ کو اس خوبی سے واضح کیا ہے کہ اس کے تائید کے لیے مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی، یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کی گزشتہ عین کامیابی و فتوحات کی حالت میں خداوند قادر مطلق کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت میں ان کے دل یاس و ناامیدی سے دوچار نہیں ہوتے تھے، اور ان کی عملی زندگی کا جو نتیجہ بھی پیش آتا تھا وہ اس کو اپنی طرف سے نہیں بلکہ خداوند عالم کی طرف سے سمجھ کر خاموش رہتے تھے، مالی بیکاری، سیاسی مصیبت، عزیزوں کی مفارقت، لڑائیوں کی ناکامی، کسی موقع پر وہ رحمت الہی سے مایوس ہونا نہیں جانتے تھے، اور ہر خطرناک سے خطرناک کام کے لیے وہ قدم اٹھا بیٹھتے تھے کہ ان کا یقین تھا کہ موت اپنے وقت پر آنے کی اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا، اسی لیے ان کے دلوں میں وہ عزم ہوتا تھا کہ نہ اس کو پہاڑ رد کر سکتے تھے، نہ سمندر بہا لے جاسکتے تھے اور نہ حوادث کا طوفان اس کو اکھاڑ سکتا تھا اور نہ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے اس کو جلا سکتے تھے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ  
کِتَابًا مُّؤَجَّلًا ۚ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ  
مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِہٖ مِنْهَا  
وَسَنَجْزِی الشَّکْرِیْنَ ۚ وَكَأَیْنَ مِّنْ نَّبِیٍّ  
قُتِلَ مَعَهُ رِیْثُوْنَ کَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوا لِمَا  
آصَابَهُمْ فِی سَبِیْلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا ۚ وَمَا  
اسْتَکْبَرُوا ۚ وَاللَّهُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ (آل عمران: ۵۵)

کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر مرے  
یہ لکھا ہوا مقرر ہے، جو کوئی دنیا کا معاوضہ چاہے گا تو ہم  
اس کو اس میں سے کچھ دیں گے، اور جو آخرت کا معاوضہ  
چاہے گا، اس میں سے کچھ (یہاں) دیں گے، اور پورا  
معاوضہ شکر کرنے والوں کو آئندہ (دلوں) دیں گے،  
کتنے پیغمبر تھے جو لڑے ہیں ان کے ساتھ بہت سے خدا کے  
طالب تھے تو خدا کی راہ میں ان کو جو مصیبت پیش آئی اس  
کی وجہ سے نہ وہ دل ہلے نہ سست ہوئے اور نہ دب گئے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو پیار کرتا ہے۔

ان آیتوں نے یہ واضح کر دیا کہ قضا و قدر کے عقیدہ کا نتیجہ پستی، سستی، اور دونہتی نہیں، بلکہ بلندی، استقلال، اور صبر و ثبات ہے اور یہی وہ چیز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کارناموں میں ہر دیکھنے والے کو صاف نظر آتی ہے، انکو صاحبِ وحی کی یہ تعلیم تھی کہ وہ دشمنوں کے دیس کہیں نہ ہٹیں کیونکہ، لَنْ یُصِیْبَنَا إِلَّا مَا کَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ہم پر کوئی آفت آہی نہیں سکتی لیکن جو خدا نے ہمارے

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (توبہ: ۵) لیے لکھا ہے وہ ہمارا آقا ہے اللہ پر چاہیے کہ اہلِ اوائے بھروسہ کریں۔

خطرات اور مشکلات کی ان کو پروا نہیں کہ جن کے لیے موت لکھی ہے وہ ”ان“ جنگ میں بھی مر سگے اور بسترِ راحت پر بھی، اور جن کی موت کا مقررہ وقت نہیں آیا، وہ تلواروں کی دھاروں اور سمندروں کے طوفانوں سے بھی سلامت بچ کر نکل آئیں گے۔

یَقُولُونَ لَوْ كَان لَنَا مِنَ الْمَرْشِدِ مَا  
قُتِلْنَا هَهُنَا ۖ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوتِکُمْ  
لَبُرَزَ الدِّیْنِ كِتَابٌ عَلَیْہِمْ الْقَتْلُ ۚ اِلٰی

منافی کہتے ہیں کہ اگر ہمارے ہمارے رہنما ہوتا تو ہم یہاں سے نہ جلتے  
کہہ کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن پر یہاں سے مارا لکھا جاکھاتا  
وہ از خود اپنے مقتل میں نکل کر چلے جاتے۔

مَفَآجِعُہُمْ دَالِ عَمْرَانَ (۱۶)  
اِنَّ مَا تَلْكُوْا یُؤٰیْدُ رِکْبَہُ الْمَوْتِ وَلَوْ کُنْتُمْ  
فِیْ بُرُوْجٍ مُّشِیْدَةٍ (نساء: ۱۱)

تم جہاں بھی رہو تم کو موت آکر پالے گی اگرچہ تم مضبوط  
اور مستحکم قلعوں میں ہو،

یہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی ناقابلِ ہزیمت جرات اور غیر شکست پذیر عزیمت اور بے خوف بہادری کا راز  
ہے کچھ لوگوں نے اپنی غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ مسئلہ تقدیر کے ملنے سے انسان کا مجبور محض ہونا لازم آتا ہے اور اس سے  
یہ تعلیم نکلتی ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر سست و غافل بن کر بیٹھ رہے، حالانکہ اگر یہ صحیح ہوتا تو  
نہ رسولوں کی بعثت کی ضرورت تھی، نہ ربانی کتابوں کے اترنے کی حاجت ہوتی، نہ تبلیغ و ارشاد کی تاکید ہوتی، نہ  
اصلاح و ہدایت کا حکم ہوتا اور خدا کی مخلوق اپنے حال پر چھوڑ دی جاتی، مگر ایسا نہیں کیا گیا، لاکھوں پیغمبر بھیجے گئے،  
کئی کتابیں اتریں، کروڑوں مبلغ اور مرشد بنا کر بھیلائے گئے، ہدایت و ارشاد کی تاکید پر تاکید آئی، لوگوں کی دعوت  
و اصلاح ہر مسلمان کا فرض ٹھہرایا، کوشش و محنت، سعی و تلاش اور جدوجہد کی ہر مسلمان کو تاکید کی گئی، محمد رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد سے معمور زندگی ہمارے لیے نمونہ ٹھہرائی گئی اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ نے اپنے  
کارناموں سے اس نمونہ کی کامیابی کی تصدیق کی۔

اب کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین اور آپ کا عمل دو متضاد چیزیں تھیں؟ نہیں یہ دونوں  
ایک دوسرے کی تائید تھیں، اور اس طرح یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھیں کہ اَعْمَلُوا فِکُل مِیْسِرٍ  
لِّمَا خُلِقْتُمْ (بخاری) لوگو اپنے اپنے کام کیے جاؤ کہ تم میں سے ہر شخص سے وہی کام صادر ہوا گئے جن  
کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، کام کرنا انسان کا فرض ہے اور اس کے نتیجہ کے مطابق جزا دینا خدا کا کام ہے، اور  
یہ تقدیر ہے، نہ مایا :

اِنَّ سَعِیْکُمْ لَشَتٰی ۚ فَاَمَّا مَرَدُّ  
اَعْلٰی وَالتَّقٰی ۚ وَصَدَقَ بِالْحُسْنٰی ۚ فَسَیُجِزٰہُ  
لِلْیُسْرِی ۚ وَآمَّا مَرَدُّ الْبَخْلِ وَالتَّقٰی ۚ  
وَكَذَبَ بِالْحُسْنٰی ۚ فَسَیُجِزٰہُ لِلْعُسْرِی ۚ

بے شبہ تمہاری کوششیں مختلف رخ کی ہیں تو جس نے دیا،  
اور پس بیزگاری کی، اور نیکی کو سچ کر دکھایا تو ہم اس کو  
آہستہ آہستہ آسانی کی طرف لے چلیں گے اور جس نے دیا، اور  
بے پروائی برتی اور نیکی کو جھٹلایا، تو ہم اس کو آہستہ آہستہ



وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى هَارًا  
عَلَيْكَ اللَّهُدَى هَارًا لَنَا لَدَى حَوْثٍ  
وَالْوُفَى هَارًا دَلِيلٌ ۱۱

یہ ہے قضا و قدر اور سعی و عمل کی باہمی تطبیق، جس کی تولیدگی نے اسلام سے پہلے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا، کام کرنا اور عمل کرو کرنا انسان کا فرض ہے، اور اس کے مطابق اس کی جزا و دینا جو اس کام کے لیے پہلے سے مقدر ہو چکی ہے، خدا کا کام ہے، نیکوں کو آہستہ آہستہ نیکی کے مزید راستے کے دکھانے کا نام توفیق و ہدایت ہے، اور بُروں کو خدا کی طرف سے اس توفیق و ہدایت کے نہ ملنے کا نام عدم توفیق و ضلالت ہے اور ان دونوں میں سے ایک کا ملنا انسان کی ابتدائی کوشش سے ہے، خدا فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَلُوا فِتْنَانَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا  
(عنکبوت: ۷۷) اور جو ہماری بات میں کوشش کرتے ہیں البتہ ہم ان کو اپنا راستہ سوجھاتے ہیں،

خدا کی طرف سے توفیق و ضلالت کا ملنا، خود انسان کے اچھے یا بُرے عمل کا لازمی نتیجہ ہے۔  
وَمَا يُضِلُّهُ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (بقرہ: ۲۷) اور ہم اس سے گمراہ نہیں کرتے لیکن انہی کو جو ہمارا حکم نہیں مانتے۔

غرض پہلے فسق عدم اطاعت اور نافرمانی ہوتی ہے، تب اس کے نتیجے کے طور پر خدا کی طرف ضلالت ظاہر ہوتی ہے۔  
وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى وَأَنْتَ  
سَعِيءٌ سَوْفٌ يَسْرَى (بخشم: ۷۳) اور انسان کے لیے نہیں لیکن وہی جس کی اسے کوشش کی، اور بیشک، سکی کوشش (خدا کے حضور) دیکھی جائے گی،

اس کی مثال بالکل بچہ کی سی ہے، بچہ چلنا یا بولنا کیونکر سیکھتا ہے، وہ پہلے چلنے اور بولنے کی خود کوشش کرتا ہے تو اس کے والدین اس کو چلنا اور بولنا سکھاتے ہیں، بچہ پاؤں اٹھاتا ہے، اور والدین اس کے ہاتھ پکڑ کر اس کو دو چار قدم چلاتے ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ چلنا سیکھتا ہے، وہ پہلے زبان ہلاتا ہے اور جہم آوازیں نکالتا ہے تو والدین اس کو بامعنی الفاظ کی تلقین کرتے ہیں اور اس طرح دونوں کوششیں مل کر بار آور ہوتی ہیں، اسی طرح تقدیر الہی اور عمل انسانی باہم مل کر انسانوں کی عملی تاریخ تیار کرتے ہیں۔

جبر و قدر | عموماً لوگ اسی موقع پر جبر و قدر کے مسئلہ کو جھپٹتے ہیں یعنی یہ کہ انسان اپنے عمل میں مجبور ہیں یا مختار؟ حالانکہ ہر شے کائنات کا وہ عقیدہ ہے، جس کا حل نہ صرف یہ کہ مذہب کے ناخن سے نہیں ہوتا، بلکہ عقل کے ناخن سے بھی نہیں ہو سکتا، جس طرح اہل مذہب ارادۃ الہی اور ارادۃ انسانی کی باہمی تطبیق میں حیران ہیں، اسی طرح فلسفۃ الہیات کے معلم علم الہی اور انسان کی عملی آزادی کے درمیان اور فلسفۃ اخلاق والے، انسان کی آزادی عمل اور اس کے مورد فی اثرات، فطری جذبات اور ماحول کی تاثیرات کی مجبور لپکے لپکا جو تصادم ہے، اس کو مشکل بچا سکتے ہیں۔ دنیا کے عام مذاہب کا بھی یہی حال تھا، ہر دھار کے میں یہ گمراہ، اسی طرح پڑی ہوئی تھی اور اس کے حل کی صورتیں دو ہی انہوں نے نکالی تھیں، یا تو سرے سے اس سے خاموشی برتی جائے، اور دوسرے پاؤں اس راستے سے گھٹ جایا جائے، یا بحث چٹری تو جبر ہی کی طرف ان کا میلان نمایاں تھا، چنانچہ یہی جبر ہندو مذاہب میں تنازع،

آواگون اور کرم کی صورت میں ہے، عیسائیوں میں حضرت آدمؑ کے گناہ اور خدا کی مہربانی کے پیرا میں ہے، اور یہودیوں کے محبوب تورات میں حضرت ایوبؑ کا صحیفہ ادھر ہی رہی کرتا ہے، دوسری طرف مجوسی تھے، جنہوں نے انسانی اختیار و آزادی کو یہاں تک بڑھا دیا تھا کہ خود خدا بھی اس کے آگے مجبور تھا، خدا کو نہ صرف انسانوں کے بلکہ فرشتوں کے کاموں پر کوئی قابو حاصل نہ تھا، غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پہلے مذاہب کی یہی نوعیتیں تھیں یعنی یا تو انکو اس مشکل کی خبر ہی نہیں تھی، یا تھی تو خدا کی قدرت مطلقہ اور مشیت عامہ کی اس طرح تعبیر کرتے تھے کہ انسان بالکل بے بس اور مجبور نظر آتا تھا، یا یہ کہ تنازع کے چکر میں اس کو چھینا کر اس کی زندگی کو اس کے پچھلے جنم کے کرموں کے ہاتھوں گم کر دیتے ہیں، یا پھر اس سے بچے تو انسان کو کامل خود مختار بنا کر خود خدا کو مجبور بنا دیا۔

تمام انبیاء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شخصیت وہ نمایاں شخصیت ہے، جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دیرینہ راز کے چہرہ سے پردہ ہٹایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ دو صداقتیں ہیں، اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اس کے ذرہ ذرہ پر قدرت مطلقہ رکھتا ہے، آسمان و زمین اور ہر ذرہ میں کوئی چیز نہیں جو اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر حرکت بھی کر سکے، اس طرح انسان اور اس کے تمام اعمال بھی اس کی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہیں، یہ وہ عقیدہ ہے جو ہر مذہب کی، اور خصوصاً اسلام کی جان ہے، اگر یہ نہ ہو تو مذہب کی قوت بے اثر ہو کر رہ جائے اور ایک ایسا خدا ماننا لازم آجائے، جس کے اختیارات محدود، جس کی قدرتیں ناقص اور جس کی شاہنشاہی نام تمام ہو،

۲۔ دوسری طرف یہ بھی صداقت ہے کہ دوسری مخلوقات کو نہ سہی، مگر انسان کو اپنے اعمال کے نتیجے کرنے کا کسی نہ کسی طرح اختیار ضرور بخشا گیا ہے، اگر یہ اختیار نہ تسلیم کیا جائے، اور انسان کو اسی طرح سراپا مجبور فرض کیا جائے، جس طرح دوسری مخلوقات ہے تو پھر انسان کے لیے خیر و شر کا امتیاز، جزا و سزا، شریعت، کتاب و تعلیم اور انبیاء کی بعثت، یہ تمام چیزیں بیکار محض ہو جائیں، ظلم و انصاف دنیا میں کوئی چیز باقی نہ رہے، انسان کا اپنے کسی فعل پر قابل مدح یا قابل ملامت ہونا بے معنی ہو جائے، کسی اچھے کام پر خدا کا اس کو انعام، اور بُرے کام پر عذاب دینا سراسر ظلم بن جائے، بلکہ اس دنیا کی عدالت میں بھی وہ اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہ ٹھہرے۔

الغرض یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں، ایک یہ کہ خدا کو اپنی مخلوقات پر قدرت تمامہ حاصل ہے، اور اس کی مشیت و ارادہ ہر جزو و کل پر حاوی ہے۔ اور دوسری یہ کہ انسان کو بھی اپنے عمل پر کوئی نہ کوئی ایسا اختیار حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اس عمل کا ذمہ دار بنتا ہے نیکی کے کاموں کے کرنے پر وہ تعریف کا، اور بدی کے کاموں پر ملامت کا سزاوار ٹھہرتا ہے، اور اسی کی بنا پر وہ اپنی دوسری زندگی میں اپنے فعل کی جزا و سزا پانے کا مستحق ٹھہرے گا، اسی پر وہ فطرت کے سامنے دنیا کی عدالت میں اور آخرت میں لے اخیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی گرفتاری کی رات کو دعا میں فرمایا، اے خدا اگر تو اس پیالہ کو ہٹا سکتا ہے تو ہٹا دے، لیکن میری نہیں، بلکہ تیری مرضی پوری ہو، عیسائیوں کے جبری و قدری فرقوں کی موکرہ آرائی کا حال فریج فاضل موسیوی کاٹھ کی کتاب الاسلام (ترجمہ عربی) ص ۸۷ سے کسی قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ شفاء العلیل فی القضاء والقدر والتفیل فی







وَالْقُدْرَةُ خَيْرٌ مِنْ شَرِّهِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى، اور اس پر ایمان کہ خیر اور شر کی تقدیر خدا کی طرف سے ہے۔  
 کا یہ مطلب نہیں کہ انسانوں کے اچھے اور بُرے کام سب خدا کی طرف سے ہیں، بلکہ یہ معنی ہیں کہ انسانوں کو راحت و  
 رنج، مسرت و تکلیف، دولت و افلاس اور صحت و مرض وغیرہ اچھائی اور برائی سب خدا کی طرف سے پہنچتی ہے  
 اور اس کے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے؟

بعض لوگوں کو صحیح مفہوم کے سمجھنے میں ان آیتوں سے بھی شبہ ہوتا ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ اگر خدا چاہتا تو ان کو  
 ہدایت دے دیتا۔ اس سے وہ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ خود خداوند تعالیٰ ہی ہے، جو ان کافروں کو ہدایت سے جبراً روکے  
 ہوئے ہے، حالانکہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ از خود اسلام قبول نہیں کر سکتے، الایہ کہ خود خدا زبردستی انکو  
 مسلمان بنا دینا چاہے، مگر ایسے زبردستی سے مسلمان یا کافر، اور نیک یا بد، بنا دینا اللہ تعالیٰ کے جاری قانون کے خلاف  
 ہے چنانچہ ان آیتوں کا یہی مطلب ہے

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۖ دَرَجَاتٍ مِمَّا يَشَاءُ ۚ اللَّهُ يُخَوِّفُ لِمُتَّعٍ بِمَا يَشَاءُ اللَّهُ ۚ اللَّهُ يُخَوِّفُ لِمُتَّعٍ بِمَا يَشَاءُ اللَّهُ ۚ اللَّهُ يُخَوِّفُ لِمُتَّعٍ بِمَا يَشَاءُ اللَّهُ ۚ  
 مَا كَانُوا إِلَّا يُلْمُؤُنَا أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ ۚ اللَّهُ يَخْتَارُ لِمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ ۚ اللَّهُ يَخْتَارُ لِمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ ۚ اللَّهُ يَخْتَارُ لِمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ ۚ  
 وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ اللَّهُ يَخْتَارُ لِمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ ۚ اللَّهُ يَخْتَارُ لِمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ ۚ اللَّهُ يَخْتَارُ لِمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ ۚ  
 فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۚ (انعام: ۱۸)  
 وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۚ (دغل: ۱)  
 مگر اس کی عادت نہیں کہ وہ بندے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر از خود کسی کو ہدایت دے اس لیے اس مشیت  
 الہی کے ساتھ قرآن پاک کی وہ آیتیں مطابقت ہوں گی، جن میں بندوں کی مشیت کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، فرمایا:  
 فَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ ۚ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ ۚ (کہف: ۴)  
 فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۚ (دہر: ۲، منزل: ۱)  
 فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ۚ (بنی: ۲۱)  
 إِنْ شَاءَ أَنْ يَخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۚ (فرقان: ۵)  
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی بھی اترتی ہے مگر کن کے لیے، بتصریح فرمایا:

۱۔ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۚ (بقرہ: ۵)  
 ۲۔ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۚ (صف: ۱)  
 ۳۔ بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۚ (طہ: ۱)  
 ۴۔ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ذُنُوبَهُمْ ۚ (نار: ۲۲)  
 ۵۔ اَلَمْ تَصَرُّوْا اَصْرَفًا ۚ اَللّٰهُ قُلُوْبُهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ ۚ (توبہ: ۱۶)

لوگ سمجھتے نہ تھے۔

۶۔ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۚ (اعراف: ۱۳)  
 ۷۔ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ۚ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۚ (بقرہ: ۲۰)  
 اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔  
 ان کے دلوں میں دہلے سے نفاق کی، بیماری سی، تو خدا  
 نے بیماری بڑھا دی،

ان آیتوں میں سے ہر ایک پر غور کرو، ہر ایک سے یہ صاف و صریح معلوم ہو گا کہ انسان کی بد اعمالی  
 مقدم ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اس کے جوابی اثر کو اپنی طرف سے ضلالت، گمراہی، زنگ، مہر اور بیماری فرمانا مؤخر ہے،  
 اس سے ثابت ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضلالت، زنگ، مہر، اور بیماری کا اثر باعث اور انسانوں کا کفر گناہ  
 و نفاق معلول نہیں ہے، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یعنی انسان کافق، کجی، زنگ، کفر، انحراف  
 و پھر جانا، نادانی اور قلب کی بیماری پہلے ہوتی ہے، اور خدا کی طرف سے اس کے جواب میں ضلالت و گمراہی اور  
 دل پر مہر بعد کو ہوتی ہے، اور یہی طبعی اصول بھی ہے، انسان جب گرتا ہے تو چوٹ لگتی ہے، اور ٹکین ہوتا ہے  
 تب آنسو کے قطرے ٹپکتے ہیں، اگر کوئی اس کو الٹ کر بیان کرے تو یہ کسی سخت نادانی ہوگی۔

بہر حال اس مسئلہ میں مہبط وحی و رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عجیب مصلحت مبنی  
 یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو اس پر جس شدت سے ایمان لانے کی تلقین فرمائی اسی شدت سے اس میں بحث و مناقشہ  
 سے منع فرمایا، اور حقیقت اس نظریے سے اسی طرح فائدہ اٹھانے میں راز ہے، یہ کلی جہاں چٹکی کہ اسکی خوشبو آگئی۔  
 اس عقیدہ کے تمام وسیع اطراف اور گوشوں کو چھوڑ کر جن کو متکلمین کی مجادلات کاوشوں نے پیدا کیا ہے، قرآن  
 حکیم کی صرف اس آیت کو سمجھ لینا کافی ہے،

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ ۚ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رُءَا ۚ  
 تَقْدِيرًا ۚ (فرقان: ۱)  
 اور خدا کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور  
 اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا ایک اندازہ (تھیر)  
 لگا دیا۔



## ایمان کے نشان

گذشتہ صفحوں میں ایمان کی حقیقت اور اس کی چھ شاخوں خدا، فرشتے، رسول، کتاب، یوم آخر اور قدر کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اور دکھایا گیا ہے کہ ان میں سے ہر عقیدہ کی حقیقت کیلئے اس کی صداقت کی دلیلیں کیا ہیں؟ اور اس کی تعلیم میں شارع نے کیا مصلحتیں رکھی ہیں اور شروع میں یہ بحث بھی کی جا چکی ہے کہ ہر مذہب میں اور خصوصاً مذہب اسلام میں ایمان کو اولین اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ وہ بحثیں اصول کی تھیں یہاں خاتمہ میں نتائج کی حیثیت سے پھر اسی دعویٰ کی تکرار کی جاتی ہے یعنی یہ کہ درحقیقت ایمانیات اسی لائق ہیں کہ ان کو مذہب میں ہی اولین درجہ دیا جائے، کیونکہ مذہب جن نتائج تک پہنچنا چاہتا ہے، وہاں ایمان کی روشنی کے بغیر پہنچنا ممکن ہی نہیں،

اس سے پہلے کہ ہم کسی دستور پر عمل کریں، یہ ضروری ہے کہ ہم اس دستور کی خوبی اور سچائی کا یقین کریں، اگر ایسا نہ ہو تو ہم اس پر ایمان داری کے ساتھ نہ تو عمل کر سکتے ہیں، اور نہ ہمارے نفس و ضمیر پر اس کا اثر ہو سکتا ہے، یہ حقیقت ہر دلیل سے ثابت ہے کہ ہمارے تمام اعمال ہمارے دل کے تابع ہیں، اس لیے جب تک دل نہ بدلے گا، ہمارے اعمال میں تغیر نہیں ہو سکتا یعنی ہمارے اعمال کی اصلاح، تمام تر ہمارے دل کی اصلاح کے زیر اثر ہے اور ایمان کا مقصد اسی دل کی اصلاح ہے کہ اگر یہ درست ہو گیا تو سب کچھ درست ہو گیا۔

یہاں ایک خاص نکتہ ہے جس کو سمجھنے بغیر آگے نہیں بڑھنا چاہیے، یہود نے سب سے زیادہ اہمیت عملی رسم و رواج کو دی تھی، اور عیسائیوں نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات و فلاح کا دار و مدار رکھا، چنانچہ حواریوں کے خطوط و ملفوظات میں اس تعلیم کو بہت کچھ نمایاں کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ عمل نہیں بلکہ صرف ایمان نجات کا ذریعہ ہے اسلام کی پہلی تکمیلی شان اس بارہ میں یہ ہے کہ وہ دونوں کی اصلاح کر کے ان دونوں کو جمع کر لے، اور کہتا ہے کہ نجات نہ تنہا ایمان اور نہ تنہا عمل پر، بلکہ ایمان صحیح اور عمل صالح کی جامعیت پر موقوف ہے، **الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** (جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے)، دوسری بات یہ ہے کہ وہ ایمان کو محض ایمان کی بناء پر اہمیت نہیں دیتا، بلکہ اس لیے اہمیت دیتا ہے کہ وہ عمل صالح کی علت و سبب ہے، یعنی وہ عمل صالح کے لیے راستہ بناتا اور تخم ریزی کے لیے زمین درست کرتا ہے،

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اس لیے نخل ایمان کی شناخت بھی اس کے پھل ہی سے ہو سکتی ہے، اب اگر ایسا کوئی شخص تم کو نظر آتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے، مگر اس کے اعمال میں اس ایمان کے مطابق کوئی بہتر تغیر نظر نہیں آتا، تو یہی سمجھنا چاہیے کہ ایمان نے اس کی زبان سے اتنے کم اس کے دل کی گہرائیوں میں برگ و بار پیدا نہیں کیلئے، یہی سبب ہے کہ قرآن پاک ہر نیکی اور خوبی کو ایمان کا خاصہ اور مومنوں کا وصف لازم بتاتا ہے، ہر اہم موقع پر اس نے مسلمانوں کو یاد دہانی کے لیے **الَّذِينَ آمَنُوا**

دے وہ لوگو! جو ایمان لائے، کی ندا سے خطاب کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام پر وہی عمل کر سکتے ہیں جو ایمان سے متصف ہیں، بہت سے موقعوں پر ہے، **إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ**، اگر تم ایمان والے ہو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات، ایمان والوں ہی کے لیے خاص ہے، اور وہی اس کے اہل منزل اور ہیں، فرمایا: **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ** (بقرہ: ۱۷۷) ایمان والے سب زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ محبت الہی ایمان کی بہت بڑی علامت ہے، ایک اور سورہ میں ہے:

**إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا** (اور ان ہی لوگوں کا بھلا ہے۔ ایمان والوں کی بات یہ ہے کہ جب ان کو فیصلہ کرنے کیلئے اللہ و رسول کی طرف بلایا جائے تو کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا، اور ان ہی لوگوں کا بھلا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ایمان کا ایک نتیجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اس کے فیصلہ کے آگے ہر جگہ اہمیت، دوسری آیت میں فرمایا:

**إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ** (حجرات: ۱۰) ایمان والے تو آپس میں بھائی ہیں،

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں میں باہمی محبت اور شفقت ہو، کبھی ایمان کی نشانی ہے ایک اور آیت میں ہے: **وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ** (آل عمران: ۱۵۹) اور خدا ہی پر چاہیے کہ ایمان والے بھروسہ کریں،

معلوم ہوا کہ خدا پر بھروسہ اور توکل اہل ایمان کی شان ہے، سورہ مومنوں میں اہل ایمان کے اوصاف یہ بتائے گئے ہیں:

**قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ** (الَّذِينَ هُمْ عَنْ اللَّحْوَ مُعْرِضُونَ) (وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ) (وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُجِهِمْ حَفِظُونَ) (وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْهُمْ وَعَقْدُ هُمْ رَاغِبُونَ) (وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ) (مومنون: ۱۰) بے شبہ اہل ایمان نے بھائی پائی جو اپنی نمازیں ادب سے پڑھتے ہیں، اور جو کسی بات پر دھیان نہیں دیتے، اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور جو اپنی خرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، اور جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی نگہبانی رکھتے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔

ان آیتوں سے اہل ایمان کے ضروری اوصاف یہ معلوم ہوئے، نماز میں خشوع و خضوع، نئے کام ہاتھوں سے اترنا، زکوٰۃ و خیرات دینا، عفت و پاکدامنی، امانت، ایفائے عہد، نمازوں کی پابندی، ان آیتوں میں ایک عجیب رمز ہے، دیکھو کہ اہل ایمان کے اوصاف کا آغاز بھی نماز سے کیا گیا اور انجام بھی نماز پر رکھا گیا، اس سے اشارہ نکلا کہ نماز ایمان کی اولین و آخرین نشانی ہے، اور اسی لیے ایمان کے بعد سب زیادہ سچ زور دیا گیا ہے

ہم نے یہ چند آیتیں یہاں مثلاً نقل کی ہیں، ورنہ اگر کوئی استقصا کرے تو قرآن میں ایمان کے اثرات و نتائج اور بہت سے ملیں گے، احادیث میں بھی اس مضمون کی کمی نہیں، صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں، حافظہ یہ مقصد ہے اپنی کتاب شعب الایمان میں مختلف بیوقوف

سے ایمان کی ان ستر شاخوں کو ایک ایک کر کے گنایا ہے، اس کتاب کا خلاصہ مختصر شعب الایمان کے نام سے



چھپ بھی گیا ہے، ایک حدیث میں ایمان کی شناخت، اخلاق کی پاکیزگی کو بتایا گیا ہے، آپ نے فرمایا:

أَحْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنَهُمْ مومنوں میں اس کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

خلقاً سنن ابی داؤد۔ کتاب السنۃ

حسن اخلاق کا اساسی مرکز محبت ہے، یہ محبت سب سے پہلے تو اسی ہستی سے ہونی چاہیے، جو تمام محبتوں کا مرجع و مرکز ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، اور اس کے بعد اسی محبت الہی کے ضمن اور تبعیت میں اس ہستی سے بھی محبت کرنا، جس کی ہدایت اور تعلیم کے وسیلے سے یہ جو ہر ایمانی ہم کو ہاتھ آیا، اس محبت کے سامنے دوسری تمام دنیاوی محبتیں اور قربت اور رشتہ داری کے علائق پہنچیں، فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ أَحِبَّ إِلَيْهِ

تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان کامل نہیں، جب تک اس کے دل میں میری محبت، اس کی اولاد والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔

مسلم و بخاری کتاب الایمان

ایمان کا تیسرا اثر یہ ہے کہ اس کو اپنی ہم جنس برادری اور پڑوسی سے بھی اسی طرح محبت، پیار اور اخلاص ہو، جس طرح خود اپنے آپ سے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں، جب تک وہ اپنے بھائی یا پڑوسی (راوی کو شک ہے) کیلئے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے،

آپ نے ایک دفعہ صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا، جب تک تم مومن نہ بنو گے جنت میں داخل نہ ہو سکو گے اور مومن نہ بنو گے جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے، میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں آپس میں محبت کیونکر ہو سکتی ہے، آپس میں سلام بھیلنا۔ (مسلم کتاب الایمان)

یہ محبت کسی نمائش، ریا یا ذاتی نفع و نقصان کے لیے نہ ہو بلکہ خدا اور صرف خدا کے لیے ہو، فرمایا تین باتیں، جن میں اس ایمان کا مزہ پایا، اتول یہ کہ اس کے دل میں خدا اور رسول سے بڑھ کر کسی اور کی محبت نہ ہو، دوسری یہ کہ بندگان خدا سے صرف خدا کے لیے محبت کرتا ہو، تیسری یہ کہ کفر سے نجات پانے کے بعد پھر اس میں آلودہ ہونا اس کے لیے اتنا ہی تکلیف دہ ہے، جتنا آگ میں ڈالا جانا۔ ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کامل اسلام کس زمان میں ہے، فرمایا، اس زمان میں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔ فرمایا کہ ایمان کی سترے کچھ اوپر شاخیں ہیں، جن میں سے ایک خرم و حیا ہے۔ یہ بھی تعلیم دی کہ جس کو خدا اور آخرت کا ایمان ہو اس کو چاہیے کہ زبان سے بات نکلے تو اچھی، ورنہ چپ رہے، جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو دکھ نہ پہنچائے، جس کو خدا اور آخرت پر ایمان ہو اس کو چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے۔ ایک صحابی آپ کے اس ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی اگر کوئی برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے نشانے

یہ نہ ہو سکے تو زبان سے ٹوک دے، یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل میں اس کو بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔ اس کے بالمقابل آپ نے متنبہ فرمایا کہ نفاق کی چار نشانیاں ہیں، جس میں ان میں سے ایک بھی پائی جائے، اس میں اتنا نفاق کا عنصر موجود ہے، اگرچہ وہ نماز گزار اور روزہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور اپنے کو مسلمان ہی کیوں نہ سمجھتا ہو، ایک یہ کہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو توڑ دے، امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرے، غصہ آئے تو گالی بکے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو گا کہ تمام نیکیاں اور ہر قسم کی بھلائیاں اور خوبیاں جس ایک جگہ کی شاخیں ہیں وہ ایمان ہے، اور اسی لیے وہ مذہب کا اصل الاصول ہے، وہ نہ ہو تو انسانی نیکیوں کی ساری عمارت بے بنیاد ہے، اس تقریر سے کسی ایسے شیعہ نہ ہو کہ ایمان کے بعد عمل کی ضرورت نہیں، اسلام نے اسی نکتہ کو بار بار دہرایا ہے کہ نجات کا مدار ایمان اور عمل صالح دونوں پر ہے، اسی لیے اَصْنُوا کے ساتھ ساتھ وَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ پر بھی اس نے ہمیشہ زور دیا ہے، بلکہ اوپر جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا منشا یہ ہے کہ ان دونوں میں ایمان اصل اور عمل اس کی فرج ہے، ایمان ملزوم اور اعمال حسنہ اس کے خصوصیات اور لوازم ہیں، یعنی ان دونوں میں اصل و فرع اور لازم و ملزوم کا تعلق ہے، جو ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہو سکتے، اس لیے جس طرح ایمان کے بغیر عمل سرسبز نہیں رہ سکتا، اسی طرح عمل کے بغیر ایمان نایک بے برگ و بار درخت ہے، جس کا فائدہ کے لحاظ سے عدم و وجود برابر ہے، اس بنا پر جہاں ایمان ہے، اس کے عملی نتائج و آثار کا وجود بھی ضروری ہے۔

کافذ کے پھار سوت پرین صفحے سیاہ ہو چکے، ناظرین کے ہاتھ ان اوراق کی گرانباری سے اور آنکھیں ان سطور کی کم سواد سی سے تھک چکی ہوں گی، اس لیے بہتر ہے کہ رہبر و قلم کے ساتھ قافلہ نظر کے دوسرے رفقاء بھی کچھ دیر آرام کریں، ہر چند کہ

رہروان را خستگی راہ نیست عشق ہم راہ است و ہم خود منزل است

سیدان ندوی

دار المصنفین — رمضان ۱۴۵۰ھ

APPROVED

By WWW.ATTABLIG.COM at 7:27 pm, Oct 18, 2010

وَأَعْتَنِي بِتَصْحِيحِهِ وَقَدْ سَعَىٰ تَنْقِيحُهُ أَحَقُّقُ الْمُسْلِمِينَ مُحَمَّدٌ حَيٌّ أَلَدِينِ السُّوَالِي فَاضِلٌ دَلِي

یہ تمام روایتیں صحیحین کتاب الایمان میں ہیں لہٰذا صحیح بخاری کتاب الایمان بتیں نظر مسلم ہے :